# متاعِ جاں ہے تو

فرحت اشتیاق

سچے جذبوں سے گندھی، بے لوث محبت کی خوشبو سے مہکتی فرحت اشتیاق کی ایسی تحریر جو آپ کے دل و دماغ پر گہرے نقوش چھوڑے گی

# متاعِ جاں ہے تُو

## فرحت اشتیاق

علم و عرفان پبلشرز
40-الحمد مارکیٹ، اُردو بازار لاہور
فون: 042-7352332-7232336

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | ............ | متاعِ جاں ہے تو |
| مصنفہ | ............ | فرحت اشتیاق |
| ناشر | ............ | گل فراز احمد |
| | | علم وعرفان پبلشرز، لاہور |
| مطبع | | زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور |
| پروف ریڈنگ | ............ | محمد زاہد ملک |
| کمپوزنگ | ............ | اکرام/انیس احمد |
| سن اشاعت | ............ | اگست 2010ء |
| قیمت | ............ | =/450 روپے |

......ملنے کے پتے......

علم وعرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔اُردو بازار، لاہور

فون: 7352332-7232336

ادارہ علم وعرفان پبلشرز کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل وکرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرماویں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائیگا۔ (ناشر)

# انتساب!

محبت اور وفا کو

حرزِ جاں بنائے

ہر حساس دل کے نام!

# پیش لفظ

کہانیاں سوچنا اور لکھنا میرے لیے ایسا ہی ہے جیسے سانس لینا، بھوک لگنا، پیاس لگنا...... میں نے پہلی کہانی کب سوچی تھی مجھے یاد نہیں، ہاں اپنا بچپن جہاں سے یاد ہے وہاں پر میں خود کو کہانیاں سوچتا، کہانیاں بُنتا ہی پاتی ہوں۔ اندر سے ایک شدید خواہش اُبھرتی ہے لکھنے کی۔ کردار، مکالمے، منظر، کہانی یہ سب میرے پاس آ آ کر شور مچاتے ہیں، مجھ سے خود کو لکھواتے ہیں۔ تخلیق کے عمل کے دوران میرے کردار مجھ سے اتنے نزدیک ہو جاتے ہیں کہ میں اُن کے غم پر روتی بھی ہوں اور اُن کی خوشیوں پر بے ساختہ ہنستی بھی ہوں۔ اور پھر جب آپ قارئین میرے لکھے ہوئے لفظوں کو سراہتے ہیں تو میں اندر تک سرشار ہو جاتی ہوں، خود کو بہت امیر محسوس کرتی ہوں۔ آپ کی یہ قدر افزائی اور محبت میرے لیے بے حد قیمتی ہے۔ جن محبتوں سے آپ قارئین نے مجھے مالا مال کر رکھا ہے اُن کے لیے میں آپ سب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔

کسی بھی کتاب کو کامیاب بنانے کے لئے جتنی کوشش رائٹر کو کرنی پڑتی ہے۔ اتنی ہی کوشش پبلشر کو کرنی پڑتی ہے۔ میری کتابوں کے حقوقِ اشاعت حاصل کرنے کے بعد علم و عرفان پبلشرز نے اس ذمہ داری کو میری توقعات سے زیادہ بہتر طور پر ادا کیا ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قارئین میری اس رائے سے اتفاق کریں گے۔

فرحت اشتیاق

''فاروق ایسوسی ایٹس پلانرز اینڈ کنسلٹنگ انجینئرز۔''

اس نے نظریں اٹھا کر ان حروف کو پڑھا۔ شاہراہ فیصل سے نزدیک Pechs بلاک 6 میں دو ہزار گز کے اس ڈبل اسٹوری بنگلہ میں فاروق ایسوسی ایٹس کا شاندار آفس تھا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو فرم کا جیسا تصور اس کے ذہن میں تھا، اسے سب کچھ ویسا ہی دیکھنے کو ملا۔ گیٹ پر باوردی مسلح سکیورٹی گارڈ کے سامنے سے گزرتی وہ اندر داخل ہوئی تو بائیں جانب گیٹ سے لے کر بنگلے کے مرکزی حصے تک ہر طرف سرسبز و شاداب درخت اور خوشنما پھول پودے اپنی بہار دکھلاتے نظر آئے۔ اور دائیں جانب پارکنگ ایریا جہاں فرم کے ملازمین کی گاڑیاں پارک ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ پھولوں اور پودوں کی تراش خراش اور قطع برید کے انداز میں جاپانی رنگ جھلک رہا تھا۔ وہ اسے سراہتی مرکزی دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ ریسپشن پر دو خوش پوش لڑکیاں ٹیلیفون اور کمپیوٹر کے ساتھ مصروف نظر آ رہی تھیں۔

''السلام علیکم۔ یس میم!'' وہ ان میں سے جس کے سامنے جا کر رکی تھی اس نے خوش اخلاقی سے اس کا استقبال کیا۔

''میں ہنیا سجاد ہوں۔ میں نے سول انجینئرنگ میں گریجویشن کی ہے۔ میں آپ کے ہاں اپنا CV دینے آئی ہوں۔'' اس نے سفید لفافے میں بند اپنا CV اس کے سامنے رکھا۔

اس فرم نے جاب کے لیے اخبار میں کوئی ایڈ نہیں دیا تھا، مگر اچھے اداروں میں تو لوگ بغیر اشتہار کے بھی اپنا CVs دینے آیا ہی کرتے ہیں اور وہ یقیناً اس طرح کی CVs بکثرت وصول کرتے رہنے کی عادی تھی سو اسی مسکراہٹ کے ساتھ پروفیشنل انداز میں بولی۔

''آپ کا CV ہم اپنے پاس ریکارڈ میں رکھ لیتے ہیں۔ جب ہمارے پاس کوئی ویکنسی نکلی ہم یقیناً آپ کو کال کریں گے۔''

''کیا میری عذیر فاروق صاحب سے ملاقات ہو سکتی ہے؟ میں جانتی ہوں وہ یقیناً بہت مصروف ہوں گے اور بغیر اپائنٹمنٹ کے ان کا مجھ سے ملنا مشکل ہو گا۔ لیکن اگر وہ مجھے تھوڑا سا وقت دے سکیں؟''

وہ پراعتماد تو ہمیشہ سے تھی اور اس کا پراعتماد انداز اس وقت بھی بے حد نمایاں تھا۔ اس کے کھڑے ہونے کے انداز سے لے کر اس کے گفتگو تک کے انداز میں کہیں وہ مخصوص گھبراہٹ جو ملازمت کے حصول کے لیے آئے افراد میں اکثر پائی جاتی ہے نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس نے گھٹنوں سے کچھ اونچی سبز رنگ کی قمیص، دوپٹہ اور ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ قمیص اور دوپٹہ ہلکے سبز رنگ کا تھا اور ان پر ہلکی ہلکی سی ہم رنگ دھاگے سے کڑھائی کی ہوئی تھی جبکہ ٹراؤزر گہرے سبز رنگ کا تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کی بہت چھوٹی سی ہیل کی سینڈل پہن رکھی تھی مگر بغیر اونچی ایڑی کی سینڈل کے بھی وہ سرو قامت تھی۔ اس کے بال شانوں سے کچھ نیچے آتے تھے، اوپر سے بالکل سیدھے اور نیچے آ کر قدرتی طور پر کرلی سے ہوتے بال، ایسے جیسے اس نے رولر سیٹنگ کر رکھی ہے۔ وہ نظرانداز کرنے والی شخصیت کی مالک نہیں تھی۔ ریسپشنسٹ جو اس سے معذرت کرنے والی تھی۔

اچانک ہی اس کی اچٹتی سی نگاہ اس کے CV میں اس کی اکیڈمک کوالی فیکیشن پر پڑی تھی اور کولمبیا یونیورسٹی کے الفاظ پڑھتے ہی وہ کچھ چونکی تھی۔ اس کے سامنے کھڑی لڑکی کے اردو تلفظ میں انگریزی لہجہ چھلکتا تھا، مگر یہ کوئی چونکنے والی بات یوں نہ تھی۔

کہ یہاں جاب کرنے والی اور جاب کے حصول کے لئے آنے والی ماڈرن لڑکیاں اسی انگریزی تلفظ میں اردو بولا کرتی تھیں۔ گویا کسی بدیسی زبان میں بات کر رہی ہوں۔ بہرحال اب معاملہ مختلف تھا۔

اسے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کے پراعتماد انداز کا سبب بھی یک دم ہی سمجھ میں آ گیا تھا۔

''میم! آپ تشریف رکھئے۔ میں سر سے بات کرتی ہوں۔''

اس نے سامنے کچھ فاصلے پر رکھے صوفوں کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سر ہلاتی سامنے ایک صوفے پر جا کر بیٹھ گئی۔ اور اپنے سامنے سے گزرتے، مختلف کمروں میں داخل ہوتے، وہاں سے نکلتے، سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاتے اور سیڑھیوں سے نیچے آتے مختلف افراد کو دیکھنے لگی تھی۔

''آپ آدھا گھنٹہ انتظار کر سکتی ہیں؟ سر کے پاس ابھی کچھ کلائنٹس آئے ہوئے ہیں۔''

ریسپشنسٹ نے قدرے بلند آواز میں اسے مخاطب کیا تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا اور صوفے کے سامنے رکھی میز پر موجود مختلف پروفیشنل جرنلز اور میگزینز دیکھنے لگی جو سب کے سب سول انجینئرنگ سے متعلق تھے۔

وہ Soil investigation کے حوالے سے ایک نئی تحقیقاتی رپورٹ پڑھ رہی تھی جب ریسپشنسٹ نے اسے اپنی فرم کے بانی و CEO عذیر فاروق صاحب سے ملنے کی اجازت دی۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو اس ایئر کنڈیشنڈ آفس کے خاموش اور پرسکون ماحول میں عذیر فاروق اسے اپنی میز پر بیٹھے نظر آئے۔ انہوں نے ریڈنگ گلاسز لگا رکھے تھے، ان کے سامنے میز پر ایک ڈرائنگ رکھی تھی جس کا وہ بغور مطالعہ کر رہے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔ گلاسز آنکھوں پر سے اتارتے انہوں نے اسے اندر آنے اور کرسی پر بیٹھنے کی دعوت دی۔ وہ ان کی میز کے سامنے رکھی خوبصورت وو یز کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔

انہوں نے اپنے سامنے رکھی ڈرائنگ ہٹا کر اس کا CV اپنے سامنے رکھ لیا۔

''اچھا'' انہوں نے اس کے CV پر نظریں دوڑائیں۔ CV کے سب سے اوپر ہی اس نے اپنا مکمل نام، پتہ اور ای میل ایڈریس لکھا ہوا تھا۔ سو انہیں نام تلاش کرنے میں نہ دقت ہوئی نہ وقت لگا۔

''تو مس ہُبیا سجاد! کچھ اپنے بارے میں مجھے بتائیے۔'' ان کی عمر پچاس اور پچپن کے درمیان تھی۔ انہوں نے گرے پینٹ، لائٹ بلیو شرٹ اور ڈارک بلیو ٹائی پہن رکھی تھی جبکہ ان کا کوٹ پیچھے رکھے اسٹینڈ میں ہینگ ہوا نظر آ رہا تھا۔ انہوں نے اپنے بالوں کو ڈائی نہیں کیا تھا اس لئے سیاہ بالوں کے ساتھ سفید بالوں کی بھی خاصی تعداد موجود تھی۔ ان کی شخصیت کے لئے کیا لفظ موزوں تھا۔ بارعب، باوقار، کرشماتی، مقناطیسی، کوئی ایک لفظ نہیں بلکہ ان سب کا مجموعہ۔ وہ انتہائی شاندار اور باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ بالی ووڈ کے کسی ہیرو کی طرح روایتی ہینڈسم نہیں مگر اپنی شخصیت کے گریس اور ایلیگنس کے سبب اپنے مقابل پر چھا جانے والی شخصیت کے مالک اور ان کا آفس بھی انہیں کی طرح تھا۔

ان کی میز کی دائیں طرف دیوار کے ساتھ ایک بڑا سا بک شیلف تھا جس میں سول انجینئرنگ سے متعلق بے شمار قیمتی کتابیں موجود تھیں۔ کئی

طرح کے بلڈنگ کوڈز بھی وہاں رکھے نظر آ رہے تھے۔ اس کے دوسری جانب خوبصورت صوفے اور میز رکھے ہوئے تھے۔ کمرے کی چاروں طرف کی دیواروں پر ان مشہور بلڈنگز اور برج وغیرہ کی تصاویر اور نقشے آویزاں تھے جو ان کی فرم نے بنائے تھے۔ ان کا نئے ماڈل کا سلم اور اسٹائلش کمپیوٹر، کئی طرح کے جدید ٹیلی فون سیٹس کے علاوہ کمرے کے ایک طرف رکھے اسٹینڈ میں بہت ساری ڈرائنگز بھی رول ہوئی رکھی نظر آ رہی تھیں۔ وہ پاکستان کی چوٹی کی چند مشہور ترین فرمز، جنہوں نے ملک میں ہی نہیں بلکہ بیرون ملک بھی اپنا نام بنایا تھا، ان میں سے ایک فرم کے CEO کے سامنے بیٹھی ہے، یہ سوچ نہ اسے نروس کر رہی تھی نہ کنفیوژ۔ وہ بالکل ریلیکس ہو کر بیٹھی تھی۔ اس نے سکون سے ان کا سوال سنا، ان کی خود کو جانچتی مکمل پروفیشنل نظروں کی جانب ہلکا سا مسکرا کر دیکھا اور پر سکون لہجے میں بولی۔

''سر! آپ میرے CV میں دیکھ چکے ہوں گے کہ میں نے کولمبیا یونیورسٹی SEAS سے سول انجینئرنگ میں گریجویشن کی ہے۔ اور......''

''میں نے آپ کا CV نہیں دیکھا مس ہنیا! میں لوگوں کو ان کے VCs (سی ویز) سے نہیں، ان کی حقیقی قابلیت سے پرکھنے میں یقین رکھتا ہوں۔'' انہوں نے اس کی بات کاٹ کر پروفیشنل انداز میں کہا۔

''میں ہر روز بے شمار CV (سی ویز) دیکھتا ہوں اور ان CVs میں لوگوں نے اپنی جو خصوصیات اور خوبیاں لکھی ہوتی ہیں انہیں پڑھ کر بے اختیار ذہن میں آتا ہے کہ اتنے قابل، لائق اور باصلاحیت بندے کو ہائر نہ کر کے تو ہم ان کے ساتھ نہیں بلکہ خود اپنے ساتھ زیادتی کریں گے۔ مگر جب ان سے ملو تو...... میں کسی بھی ورک شاپ، سیمینار یا کانفرنس میں لیکچر دینے جاتا ہوں تو تمام ینگ گریجویٹس سے یہی کہتا ہوں کہ CV میں وہ لکھیں جو آپ ہیں، جو آپ بن چکے ہیں، وہ نہیں جو آپ بننا چاہتے ہیں۔ ویسے یہ بات یونہی برسبیل تذکرہ تھی۔ آپ اپنے بارے میں مجھے بتا رہی تھیں۔''

اپنی بات مکمل کر کے وہ پروفیشنل انداز میں مسکرائے۔

''سر! لیکن مجھے اگر آپ نے اپنے پاس جاب نہ دی تو واقعی اپنے ساتھ بہت بڑی زیادتی کریں گے۔''

انہوں نے اس کی اس درجہ صاف گوئی اور اعتماد پر چونک کر اسے دیکھا۔ ''وہ کس طرح؟'' وہ مبہم سا مسکرائے تھے، گویا اس کے پر اعتماد انداز کو پسند کر رہے تھے۔

''وہ اس طرح سر! میرا CV میرے بارے میں وہ سب مکمل طور پر بتا نہیں پا رہا جو میں ہوں۔ آپ نے اسٹرکچرل انجینئر کی جاب کے لئے کوئی ایڈ نہیں دیا، مگر ماشاءاللہ آپ کی فرم کا اتنا نام ہے۔ پھر میں نے انٹرنیٹ پر آپ کا کمپنی پروفائل بھی پوری توجہ سے دیکھ رکھا ہے۔ کتنے سارے مشہور، بڑے اور Internationally Recognized (بین الاقوامی تسلیم شدہ) پروجیکٹس آپ کی فرم کے کریڈٹ پر ہیں اور ایسی کسی Reputed فرم کا حصہ بننا یقیناً میرے لئے ایک آنر کی بات ہوگی، لیکن اگر آپ نے مجھے اپنے پاس جاب نہ دی تو ظاہر ہے پھر میں کسی دوسری فرم میں جو آپ کی Competitor بھی ہوگی، وہاں چلی جاؤں گی اور Definitely ہائر (Hire) بھی کر لی جاؤں گی تو اپنے پاس خود چل کر آئے ایک ایسے ٹیلنٹ کو اپنے کسی Competitor کو Handover کر دینا، سر آپ مجھے ایسے لگتے تو نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ اتنے جوہر شناس تو ہیں ہی کہ ٹیلنٹ اور قابلیت کو ایک نظر میں پرکھ سکیں۔''

وہ سنجیدگی ومتانت سے یوں بولی گویا کسی Universal Truth (آفاقی سچائی) سے انہیں آگاہ کررہی ہو۔انہوں نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا،ان کے لبوں پر محظوظ ہوتی مسکراہٹ تھی۔

''مجھے پتہ ہے سر! میرا یہ کہنا آپ کو Immodesty لگ رہا ہوگا۔لیکن میں اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ آدمی کو اپنی خوبیاں اور خامیاں سب پتہ بھی ہونی چاہئیں اوران کا واضح اظہار بھی کرنا چاہئے۔

میں Competent ہوں، Talented ہوں، Ambitious ہوں۔سول انجینئرنگ کی صرف ڈگری ہی نہیں لی میں نے بلکہ سول انجینئرنگ میرا Passion ہے۔

I want to build builings, bridges, houses جب میری عمر کی لڑکیاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھیں،تب میں بچوں سے کھیلنے والے بلاکس سے (بلڈنگز) بنایا کرتی تھی، نئے نئے ڈیزائنز کی، اسکول میں آرٹ کی ٹیچر سینری بنانے کو کہتیں تو دوسرے بچوں کے برخلاف میری سینری میں آسمان، پہاڑ، پرندوں اور جھیل سے زیادہ فوکس مکان اور جھیل پر سے گزرتے پل پر ہوتا تھا۔مکان اور پل کی چھوٹی چھوٹی ڈیٹیلز پر بھی میں نے پوری توجہ دی ہوتی تھی۔

''Talented, Competent اورAmbitious میں میری طرف سے Confiedent'' کا اضافہ بھی کرلیں۔'' وہ ریلیکس سے انداز میں کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

''ویل مس سجاد! آپ کا خود پراعتماد مجھے پسند آیا ہے۔''

وہ اس بار ذرا کھل کر مسکرائے تھےاور انہوں نے کھل کر ہی اسے سراہا بھی تھا۔

''اچھا تو مس ہنیا سجاد! مجھ پر ذرا یہ ثابت کرکے دکھادیجئے کہ آپ جیسے ٹیلنٹ کو اپنے کسی Competitor کے حوالے کردینے سے میرا کتنا بڑا نقصان ہوجائے گا۔''

وہ بولتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھے، پیچھے اسٹینڈ میں سے چند ڈرائنگز نکالیں، واپس مڑے، اپنی میز پر آئے، ان ڈرائنگز کو اس کے سامنے رکھا اور دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔

''یہ ایک رہائشی بلڈنگ ہے جو کراچی میں بنے گی، اس کی ڈرائنگز ہیں، ذرا ان پر اپنے کمنٹس دیجئے۔''

وہ ایک کثیر المنزلہ بلڈنگ کی اسٹرکچرل ڈرائنگز تھیں۔اس نے انہیں مکمل توجہ اور سنجیدگی سے دیکھنا شروع کیا۔

''سر یہ کس نے ڈیزائن کی ہے؟''

چند منٹوں بعد اس نے سر اٹھائے بغیر جیسے خود سے کہا تھا۔اس نے احمق کا لفظ غالباً''سنسر کردیا تھا وگرنہ اس کے بولنے کا انداز ظاہر کررہا تھا کہ وہ پوچھنا یہ چاہتی تھی کہ''یہ بلڈنگ کس احمق نے ڈیزائن کی ہے؟'' اس نے سر اٹھا کر عذیر فاروق کو دیکھا۔

''آئم سوری ٹو سے سر! لیکن اس ڈیزائن میں بے شمار خرابیاں ہیں۔سب سے پہلے تو اس میں Seismic Factor کو مدنظر رکھا ہی نہیں

گیا ہے۔ میں نے پاکستان کا (سیزمک) رسک زون میپ دیکھ رکھا ہے۔ میں جانتی ہوں کراچی Seismic زون میں آتا ہے۔ یہاں زلزلے کے خطرات موجود ہیں۔ اور تھ کونک زون میں جو شہر آتا ہو وہاں اس طرح کے اسٹرکچر ڈیزائن کرنا اور وہ بھی ایک ہائی رائز ریذیڈینشل بلڈنگ؟ جہاں کئی سو افراد رہیں گے۔ ہم کئی سو افراد کی زندگیوں کو صرف اس لئے داؤ پر نہیں لگا سکتے کہ اس طرح ہماری لاگت کم آئے گی۔ لوگوں کی زندگیاں زیادہ اہم ہیں یا ہماری Cost؟ اس کے علاوہ بھی ڈیزائن میں ٹیکنیکلی کئی خامیاں ہیں سر! میری صاف گوئی کا برا مت مانئے گا سر! مگر یہ کسی انتہائی ڈفر آدمی نے ڈیزائن کی ہے۔''

وہ جواباً یوں مسکرائے جیسے اس سے اسی جواب کی امید لگائے بیٹھے تھے۔ انہوں نے اس کی تائید و تردید کے بغیر وہ ڈرائنگز اس کے سامنے سے ہٹا کر میز پر قدرے دور کھسکا دیں۔ وہ اب انٹر کام پر اپنے پی اے یا سیکرٹری سے مخاطب تھے۔

''شوکت! دو کپ چائے۔'' بولتے بولتے انہیں جیسے دھیان آیا تو ریسیور کان لگائے لگائے اس سے پوچھا۔

''آپ کیا لیں گی مس ہنیا؟ چائے، کافی یا کولڈ ڈرنک؟''

''کولڈ ڈرنک'' اس نے بلا تکلف انہیں اپنی پسند بتائی۔ وہ اس کی بلا تکلف گفتگو کو انجوائے کر رہے ہیں۔ یہ ان کے چہرے پر پھیلی مدہم سی مسکراہٹ بتا رہی تھی۔

''ایک ڈائٹ کوک اور ایک کپ چائے۔'' انٹر کام سے فارغ ہو کر وہ پھر اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

''تو مس ہنیا سجاد! آپ مجھے اپنے بارے میں بتا رہی تھیں۔ آپ نے کولمبیا یونیورسٹی سے سول انجینئرنگ میں ڈگری لی ہے۔ آپ نے گریجویشن کب کی؟ اس سے پہلے کہیں اور جاب کی؟ امریکہ پڑھنے کے لئے گئی تھیں۔

اس نے ان کی بات کاٹ کر خود اپنے بارے میں بتانا شروع کر دیا۔

''سر! میں امریکہ ہی میں پیدا ہوئی تھی اور ہمیشہ وہیں رہی ہوں۔ میری پوری فیملی بھی وہیں سیٹلڈ ہے۔ میرے پاپا تو پیدا بھی وہیں ہوئے تھے۔ ان کی فیملی Late 40s میں امریکہ مائیگریٹ کر گئی تھی جبکہ ممی کی فیملی کا معاملہ مختلف تھا۔ میرے نانا ڈپلومیٹ تھے، ممی ان کے ساتھ ملکوں ملکوں گھومتی تھیں۔ ویسے وہ پیدا پاکستان میں ہوئی تھیں۔ وہ شادی کے بعد امریکہ آئی تھیں۔ میرے پاپا لائر تھے نیویارک کی ایک Law firm شاید آپ نے نام سن رکھا ہو JTDR وہ وہاں Partner`s تھے۔ ممی بھی ایک کیریئر وومن تھیں۔ وہ ایک اکانومسٹ تھیں اور ایک مالیاتی ادارے کے ساتھ وابستہ تھیں۔ میرے پیرنٹس کا چند سال پہلے انتقال ہو گیا ہے۔ میرے تین بھائی بہن ہیں۔ دو بڑے بھائی اور ایک بڑی بہن۔ میرے ایک بھائی ہارورڈ یونیورسٹی میں ہسٹری کے پروفیسر ہیں، ایک بھائی سائیکاٹرسٹ ہیں اور بہن میری ہی طرح سول انجینئر۔''

''گویا آپ کی پوری فیملی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔''

اس وقت ٹرے ہاتھ میں لئے پیون اندر داخل ہو رہا تھا۔

''جی سر! ہمارے گھر کا ماحول بھی اس طرح کا تھا پھر ہم سب بھائی بہن پڑھائی کے شوقین بھی تھے۔''

پیون ان کے ڈرنکس ان کے سامنے رکھ کر جا چکا تھا۔

''جب آپ کی ساری فیملی وہیں ہے پھر آپ پاکستان کیوں آ گئیں؟'' انہوں نے چائے کا کپ لبوں سے لگاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''سر! جیسا کہ میں نے ابھی آپ کو بتایا کہ میرے پیرنٹس کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔ بھائی بہن میرے سارے Dedicated پروفیشنلز ہیں۔ اپنی اپنی جابز کی وجہ سے وہ لوگ ممی، پاپا کی زندگی ہی میں الگ الگ شہروں میں رہ رہے تھے۔ تینوں شادی شدہ ہیں۔ اپنی پروفیشنل اور گھریلو لائف دیکھنے کے بعد ان تینوں ہی کے پاس بالکل وقت نہیں تھا۔ ان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ روز روز مجھ سے ملنے نیویارک آ سکیں۔ تو اب ممی، پاپا کے بعد میں نیویارک میں بالکل تنہا تھی۔ میں نیویارک میں جاب کر رہی تھی پھر میں نے سوچا اس طرح تنہا رہنے سے کیا یہ بہتر نہیں کہ اس ملک چلا جائے جہاں میری جڑیں ہیں۔ میں لاکھ پیدائشی امریکن سہی پر اپنے پیرنٹس کے حوالے سے پاکستان سے میرا تعلق ہے تو سہی۔ پھر یہاں کراچی میں میرے سگے ماموں رہتے ہیں۔ میں نے سوچا نیویارک میں تنہا رہنے اور مشینی زندگی گزارنے سے بہتر ہے کہ کراچی ماموں، ممانی کے پاس چلی جاؤں وہ دونوں ہمیشہ مجھے یہاں بلاتے بھی بہت تھے۔ ممی، پاپا کے بعد تو اکثر وہ دونوں مجھ سے کہتے تھے۔ پھر ہائی اسکول کے دنوں میں، میں ایک بار اپنے ماموں زاد بھائی کی شادی میں کراچی آ بھی چکی تھی۔ تب مجھے پاکستان اچھا لگا تھا۔ میں نے سوچا پاکستان جانے میں کیا حرج ہے۔ اگر یہاں نہ سیٹ ہو سکی تو واپس لوٹ جانے کا آپشن بہرحال میرے پاس ہمیشہ موجود رہے گا۔

اس نے کوک کا سپ لیتے ہوئے انہیں تفصیلاً بتایا۔

''خوش ہیں اپنے فیصلے سے؟ پاکستان اور امریکہ میں بہت فرق ہے۔ وہاں رہنے والوں کے لئے یہاں سیٹ ہونا کافی مشکل ہوتا ہے۔''

''سر! ابھی تو ابتدائی مرحلہ ہے۔ ابھی تو مجھے یہاں آئے زیادہ دن نہیں ہوئے۔ فیصلہ صحیح ہے یا نہیں کچھ وقت گزرنے کے بعد پتہ چلے گا۔ ویسے جب میں یہاں آ رہی تھی تو میرے بھائی بہن، دوست اور کولیگز سب یہی کہہ رہے تھے کہ میں بہت بڑی غلطی کر رہی ہوں بلکہ نیویارک میں میری فرم کے سی ای او نے یہاں تک پیشن گوئی کر دی تھی کہ میں زیادہ سے زیادہ 5 یا 6 مہینوں بعد نیویارک واپس آ جاؤں گی، لہٰذا وہ میرا Resignation بھی قبول نہیں کر رہے۔ انہوں نے بڑے کھلے دل سے مجھے آفر دی تھی کہ چند مہینوں بعد جب میں پاکستان سے مایوس ہو کر واپس نیویارک پہنچوں گی تو ان کی فرم کے دروازے تب بھی مجھ پر کھلے ہوں گے۔''

عذیر فاروق اس کی بات پر ہنسے تھے۔ پھر چائے کا سپ لیتے کسی قدر سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

''آپ وہاں کب سے جاب کر رہی تھیں؟''

''زیادہ عرصہ نہیں ہوا سر! ان فیکٹ مجھے گریجویشن کیے ہوئے ہی ابھی پورے دو سال بھی نہیں ہوئے۔''

''آپ کی اردو ماشاء اللہ بہت اچھی ہے۔'' چائے کا خالی کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے انہوں نے تعریف کی۔ ''شکریہ سر! اصل میں ہمارے گھر کا ماحول اس طرح کا تھا۔ ہمارے پیرنٹس اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے کہ ہم بھائی بہن گھر میں ایک دوسرے سے انگلش میں بات کریں۔ ہمارے پیرنٹس ہم سے ہمیشہ اردو میں بات کرتے تھے۔ ہمارے ہاں مشرقی روایات اور ویلیوز کو بہت اہمیت دی جاتی تھی۔''

وہ بھی اپنا کولڈ ڈرنک کا گلاس خالی کر چکی تھی۔ ساری گفتگو ہو چکی تھی، رسمی بھی، پیشہ ورانہ بھی، تعارفی بھی، فیملی بیک گراؤنڈ پر بھی، اب مزید بات کرنے کے لئے کوئی موضوع بچا نہیں تھا، سوائے یہ جاننے کے کہ آیا وہ فاروق ایسوسی ایٹس میں ملازمت کی حق دار قرار پائی ہے یا نہیں۔ وہ بھی اس کے چہرے پر موجود تاثرات کو سمجھ چکے تھے، لہٰذا سنجیدگی سے انہوں نے بات شروع کی۔

''ویل مس ہنیا سجاد! ہمارے پاس اس وقت کوئی ویکنسی نہیں۔'' انہوں نے اس کے چہرے پر پھیلتی مایوسی کو مسکرا کر دیکھا، پھر اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولے۔

''ہمارے پاس اس وقت کوئی جگہ خالی نہیں مگر ہم آپ جیسے ٹیلنٹ کو اپنے کسی Competitor کے حوالے کرنے کو بھی تیار نہیں۔''

''یعنی؟'' اس نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

''یعنی یہ کہ آپ کے لئے جگہ تو ہمیں نکالنی ہی پڑے گی اور یعنی یہ کہ آپ کو میں اپائنٹ کر رہا ہوں اور یعنی یہ کہ آپ کو فاروق ایسوسی ایٹس میں جاب مل گئی ہے۔''

انہوں نے مسکرا کر اس سے کہا۔ وہ بھی طمانیت بھرے خوشگوار انداز میں مسکرائی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ کہ آپ نیویارک میں کیا سیلری پیکج ڈرا کر رہی تھیں اور یہاں ہم سے کیا Expect کر رہی ہیں بہر حال ہم آپ کو جو پیکج آفر کر رہے ہیں وہ میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔'' وہ ایک بار پھر اپنے پروفیشنل انداز پر لوٹ گئے تھے اور اسے اس کی ممکنہ تنخواہ اور دیگر مراعات کے متعلق بتانے لگے تھے۔ اس نے اس پیکج پر فوراً آمادگی ظاہر کر دی تھی۔

''آپ کب سے جوائن کرنا چاہتی ہیں؟''

''کل سے۔'' وہ اس جواب پر مبہم سا مسکرائے جیسے اس سے اسی جواب کی امید رکھتے تھے پھر انٹرکام پر اپنے سیکرٹری سے اس کا اپائنٹمنٹ لیٹر ٹائپ کرنے کو کہا۔ جتنی دیر میں اس کا اپائنٹمنٹ لیٹر تیار ہوا۔ اتنی دیر وہ اس سے اس کے سول انجینئرنگ کی تعلیم کے دوران پڑھائی کا حصہ بننے والے پروجیکٹس اور پھر نیویارک میں جاب کے دوران وہ کن کن پروجیکٹس میں شامل رہی، سے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ ابھی اس نے اپنا اپائنٹمنٹ لیٹر وصول کیا ہی تھا کہ ان کے آفس میں انہی کی عمر کے ایک صاحب داخل ہوئے۔

''آیئے بلگرامی صاحب، ان سے ملئے۔ مس ہنیا سجاد، کولمبیا یونیورسٹی سے سول انجینئرنگ میں گریجویشن کر کے آئی ہیں، انہیں میں نے ہمارے ہاں اپائنٹ کر لیا ہے۔ مجھے امید ہے یہ ہمارے ہاں موجود انجینئرز میں ایک بہت اچھا اضافہ ثابت ہوں گی اور مس ہنیا! آپ جاوید بلگرامی صاحب ہیں۔ ہمارے سب سے سینئر اور تجربہ کار اسٹرکچرل انجینئر۔ ہمارے 90 فیصد پروجیکٹس کو بلگرامی صاحب ہی ہینڈل کرتے ہیں۔ آپ ان ہی کے انڈر کام کریں گی۔''

عذیر فاروق نے دونوں کا تعارف کروایا۔ بلگرامی صاحب لباس اور چال ڈھال میں عذیر فاروق جیسے ہی تھے مگر ان کے چہرے پر سختی نمایاں تھی۔ انہوں نے رسمی سے انداز میں سر ہلا کر اسے خوش آمدید کہا۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مس ہنیا۔"

وہ اسے ایک روایتی باس کے تصور پر پورے اترتے دکھائی دے رہے تھے۔ اب باس چاہے جتنا بھی ٹیڑھا ہوتا، وہ باس کے بھی باس کو متاثر کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی، لہٰذا فکر کس بات کی تھی۔

ایک کامیاب انٹرویو اور جاب کے حصول میں کامیابی کے بعد مطمئن اور آسودہ سی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی۔ وہ آج اپنے ماموں فیاض احمد کے ڈرائیور کے ساتھ آئی تھی۔ چونکہ ابھی اسے کراچی کے راستے وغیرہ اچھی طرح ازبر نہ ہوئے تھے اس لئے فی الحال ہر جگہ ڈرائیور کے ساتھ آنا جانا مجبوری تھی۔ وگرنہ وہ اپنے تمام کام خود کرنے کی عادی تھی۔ وہ جس ملک کی باسی تھی، جہاں سے آئی تھی وہاں اپنے ذاتی کاموں کے لئے دوسروں پر Depend کرنے کا کوئی رواج نہیں تھا۔ ابھی اسے نیویارک سے کراچی آئے محض 20 دن ہی تو ہوئے تھے۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ یہاں کے راستوں اور ٹریفک کے طور طریقوں سے جلد از جلد واقفیت حاصل کر کے اپنی ذاتی گاڑی خرید لے گی تاکہ ہر جگہ خود آ جا سکے اور اپنے تمام کام خود انجام دے سکے۔

وہ گھر پہنچی تو اس کی ممانی شمسہ لاؤنج میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھیں۔

"السلام علیکم ممانی! ماموں کہاں ہیں؟"

"وعلیکم السلام بیٹا! ابھی نکلے ہیں یاور صاحب کی طرف۔ گھر میں اکیلا بیٹھا بندہ عاجز بھی تو آ جاتا ہے۔"

اس کے ماموں، ممانی نے اپنے بچوں کو بہتر مستقبل کی خاطر بہت قربانیاں دی تھیں۔ پوری زندگی دونوں نے بچوں کی خاطر ایک دوسرے سے دور تنہا زندگی گزار دی تھی۔ ماموں سعودی ایئر لائن میں جاب کی وجہ سے جدہ میں اور ممانی بچوں کی تعلیم کی وجہ سے کراچی میں۔ بچے پڑھ لکھ کر کسی قابل ہوئے تو کوئی نئے جہان تسخیر کرنے امریکہ روانہ ہوگیا تو کوئی کینیڈا و انگلینڈ۔ رہ گئے تنہا بوڑھے ماں باپ ماموں ریٹائر ہونے کے بعد کراچی واپس لوٹ آئے تھے اور اب پوری جوانی بچوں کی خاطر ایک دوسرے سے دور گزارنے والے وہ میاں، بیوی دوبارہ ساتھ ہوئے تھے تو بڑھاپے میں، جب روپے پیسے کی ریل پیل تھی مگر نہ صحت باقی بچی تھی نہ دل اور شوق۔

بہت بڑا سا گھر تھا ان کا اور اس گھر میں ان دو افراد کی تنہائی ہنیا کو اپنے کزنز پر اکثر بڑا شدید غصہ آتا تھا۔ آخر امریکہ، کینیڈا اور انگلینڈ میں ایسا کیا مل رہا تھا جو والدین کے پاس رہنے سے زیادہ قیمتی تھا۔ ہنیا کے اپنے پاس آ جانے سے وہ دونوں بہت خوش تھے۔ اس کے آنے سے کم از کم ان کے گھر کی تنہائی اور خاموشی کچھ تو کم ہوئی تھی۔

اس نے خوشی خوشی شمسہ کو اپنے جاب کے حصول میں کامیابی کی خبر سنائی۔ وہ بھی یہ سن کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

☆

اگلے روز اس کا آفس میں پہلا اور تعارفی دن تھا۔ وہ بلگرامی صاحب سے جا کر ملی تھی۔ انہوں نے اسے اپنے ہاں کا Working Environment مختصراً بتایا، اسے اس کے چند کولیگز سے متعارف کروایا۔ اس کے بعد اس کے کیبن میں بھجوا دیا تھا۔ وہاں لڑکیاں اور خواتین کم اور

مرد حضرات زیادہ تعداد میں تھے۔اس کی طرح کی انجینئر لڑکیاں جو ابھی ینگ اور فریش گریجویٹس کے زمرے میں آتی تھیں صرف دو تھیں، شیریں منہاج اور جویریہ ابصار جبکہ سینئر اسٹرکچرل انجینئرز میں ایک خاتون شامل تھیں۔ بنیادی طور پر یہ کنسلٹنگ فرم سول انجینئرنگ سے متعلق تھی مگر یہاں آرکیٹکٹس اور پلانرز بھی کافی تھے۔ نیچے عذیر فاروق کے ساتھ دیگر سینئر انجینئرز و Architects کے دفاتر، اکاؤنٹس کا شعبے وغیرہ تھے جبکہ اوپر ڈرائنگ سیکشن اور جونیئر انجینئرز آرکیٹکس کے کیبنز موجود تھے۔لائبریری بھی اوپر ہی تھی۔ میٹنگ روم بھی اوپر ہی تھا۔ڈرائنگ سیکشن اوپر ہونے کی وجہ سے تمام ڈرافٹس مین بھی تمام وقت اوپر ہی موجود ہوا کرتے تھے۔ڈرائنگ سیکشن دو بڑے بڑے ہال نما کمروں پر مشتمل تھا۔ایک ہال میں یہاں سے وہاں تک ہر طرف کمپیوٹر ہی کمپیوٹر تھے اور ان پر ڈرافٹس مین پوری مہارت سے ڈرائنگز بنانے میں مصروف و مگن جبکہ دوسرے ہال میں ڈرائنگ بورڈز لگے ہوئے تھے۔وہاں بھی ڈرافٹس مین، انجینئرز آرکیٹیکٹ مصروف ہی نظر آئے تھے۔ یہاں ڈرائنگ کا بیشتر کام کمپیوٹر کے ذریعے کئے جانے کے باوجود بھی Manual ڈرائنگ کی اہمیت مکمل طور پر ختم نہیں ہوئی تھی۔ بیسمنٹ میں ریکارڈ روم وغیرہ تھے۔

پہلے دن دوستی کا تو سوال ہی نہیں تھا۔وہ اس پورے دن آفس کے ماحول کو سمجھنے اور تمام کولیگز کے ناموں کو یاد رکھنے میں مصروف رہی۔

آپ نے PEC میں رجسٹریشن کروالی۔''

بلگرامی صاحب نے اپنے آفس میں بلا کر چند ڈرائنگز مطالعے کے لئے اس کے سپرد کرنے کے بعد اس سے دریافت کیا۔ بلگرامی صاحب کے پوچھنے سے پہلے ہی اسے اس چیز کا دھیان تھا، ظاہر ہے کہ پاکستان میں بطور سول انجینئر کام کرنے کے لئے اسے پاکستان انجینئرنگ کونسل میں خود کو رجسٹر کروانا تھا، وہاں سے رجسٹریشن مل جاتی تب ہی وہ پاکستان میں ایک پروفیشنل انجینئر کے طور پر کوئی کام اور کوئی پروجیکٹ کرنے کی قانونی طور پر مجاز ہوتی۔ وہ اس اہم معاملے میں پوری طرح مستعد تھی، اس نے کل یہاں سے ملازمت کے حصول میں کامیابی کے بعد رات ہی PEC سے رجسٹریشن کے لئے وہاں کا فارم انٹرنیٹ سے ڈاؤن لوڈ کر لیا تھا۔ وہ اسے فل بھی کر چکی تھی، اس کا ارادہ تھا کہ تمام درکار دستاویزات منسلک کرنے کے بعد وہ اسے کل ہی PEC میں جمع کروا دے گی۔

بلگرامی صاحب کے بارے میں اس کا ابتدائی اندازہ درست تھا۔ وہ واقعی ایک ٹیپیکل باس تھے۔کم کم مسکرانے والے، ڈسپلن قائم رکھنے اور ماتحتوں پر رعب برقرار رکھنے کے لئے وہ مختصراً اور ٹو دا پوائنٹ بات کرنے والے ایک سخت مزاج باس تھے۔ شیریں اور جویریہ نے اس کی معلومات اضافے کے لئے اسے بتایا تھا کہ ان کا یہ رویہ صرف اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہوتا ہے ورنہ سینئرز کے ساتھ وہ باآواز بلند قہقہے لگاتے اکثر و بیشتر دیکھے جا سکتے ہیں۔

اس سے تعارف حاصل کرنے والے اس کے تمام کولیگز اس بات پر حیران تھے کہ وہ نیویارک میں ایک اتنی اچھی جاب چھوڑ کر پاکستان کیوں چلی آئی۔ land of opportunities امریکہ کو چھوڑ کر پاکستان چلے آنے میں ایسا کیا چارم تھا؟ یہاں تو ہر دوسرا پاکستانی چاہے وہ پاکستان میں کتنا ہی اچھا کیوں نہ سیٹل ہو، معاشی اعتبار سے کتنا ہی خوشحال کیوں نہ ہو، خواب امریکہ جانے ہی کے دیکھا کرتا ہے اور وہ نیویارک جیسے بڑے شہر میں اپنی اتنی اچھی جاب کو ٹھوکر مار کر پاکستان چلی آئی تھی؟

وہ ان لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی کہ ایک پیدائشی امریکن ہونے اور وہیں پلنے بڑھنے کے باوجود شاید وہ اندر سے اس خود غرض

مادہ پرست اور مشینی ماحول کی عادی نہیں ہو سکی تھی جہاں کسی کو کسی کی پروا نہیں تھی، جہاں کوئی کسی زندگی میں مداخلت نہیں کرتا، جہاں سب اپنی اپنی زندگی اپنے اپنے من چاہے انداز میں اپنی ذمہ داری پر گزارتے ہیں۔ جہاں زندگی کی رفتار اتنی تیز ہے کہ اس کا ساتھ دینے کے لئے سب اندھا دھند دوڑ رہے ہیں، سب بے پناہ مصروف ہیں، لوگوں کے پاس اپنے خونی رشتوں کو دینے کے لیے بھی بہت زیادہ وقت نہیں ہے۔ اسے تو یہ پاکستانی ماحول پرکشش لگتا تھا جہاں فیملی کے افراد ایک دوسرے سے اتنے زیادہ اٹیچڈ ہو کر رہتے ہیں۔ ماں، باپ، بھائی، بہن۔ اس کی توجیح سب کی سمجھ میں آگئی تھی، سب اسے مان بھی رہے تھے مگر اس کے باوجود ان میں سے اکثریت کی نظریں اسے یہ کہتی نظر آرہی تھیں کہ مشرقی و پاکستانی ماحول کی تلاش میں، اپنا پن و چاہتیں پانے کے خواب لئے یہاں آئی وہ لڑکی بہت جلد یہاں سے مایوس ہو کر واپس لوٹ جائے گی۔

وہ وہاں واحد فارن کوالیفائیڈ انجینئر نہیں تھی۔ جتنی بڑی وہ فرم تھی اتنے ہی قابل دماغ اس کے ساتھ منسلک تھے۔ خود عذیر فاروق نے سول انجینئرنگ میں گریجویشن اور ماسٹرز امریکہ سے کر رکھا تھا۔

جاوید بلگرامی بھی امریکہ ہی سے ایم ایس کر کے آئے ہوئے تھے۔ وہاں کے سینئر انجینئرز و آرکیٹیکٹ میں سے کئی ایک فارن کوالیفائیڈ تھے۔ گریجویشن پاکستان سے کی بھی تھی تو آگے اپنے پروفائل کو سجانے سنوارنے کے لئے بیرون ملک سے ڈگریز، سرٹیفکیٹس اور ڈپلومے لے کر آئے ہوئے تھے۔ اپنے قابل اور لائق انجینئرز، آرکیٹیکٹ کو فرم خود بھی آگے پڑھنے کے مواقع فراہم کرتی تھی۔ ان کی مزید اعلیٰ تعلیم کے اخراجات اٹھاتی تھی۔ ان دنوں فرم ہی کی طرف سے یہاں کے ایک انجینئر ایم ایس سی کرنے کینیڈا گئے ہوئے تھے۔ ہنیا کو جو چیز آغاز میں ہی سب سے نمایاں کر رہی تھی، وہ یہ تھی کہ جونیئر انجینئرز و آرکیٹیکٹ میں وہ واحد تھی، جو فارن کوالیفائیڈ تھی اور وہ بھی ایک اتنے نامور تعلیمی ادارے کی۔ ابھی وہ اپنی کارکردگی سے کسی پر بھی کچھ ثابت کر کے دکھا نہیں سکی تھی مگر کولمبیا یونیورسٹی کا نام سننے کے بعد اسے کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

☆

''السلام علیکم سر......'' وہ ہاتھوں میں ایک ڈرائنگ لئے سیڑھیوں کی طرف جا رہی تھی تو جب اس کی عذیر فاروق سے ملاقات ہوئی۔

''وعلیکم السلام۔کیسی ہیں مس ہنیا؟''

جوائن کرنے کے بعد پہلے دن اس کی ان سے ملاقات ہوئی تھی، انہوں نے اسے اپنے آفس میں بلا کر اپنی فرم کا ماحول اور یہاں کام کا طریقہ کار مختصراً سمجھایا تھا۔اس مختصر ملاقات کے بعد پچھلے تین دنوں میں اس کی ان سے سرے سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی کہ وہ بے حد مصروف رہا کرتے تھے۔

''ٹھیک ہوں سر۔''

''کام سمجھ میں آنا شروع ہوا؟''

''وہ بھی ان کے ساتھ چلنے لگی۔وہ اپنے آفس کی طرف جا رہے تھے۔''

''جی سر! سمجھ میں آ رہا ہے۔لوکل بلڈنگ کوڈز اور یہاں کام کرنے کا طریقہ کار آہستہ آہستہ سمجھ رہی ہوں۔''

''آپ کو امریکہ سے یہاں پر سب کچھ بالکل ڈفرنٹ ملے گا۔ویسے میں کسی فارنر سے اپنے ملک کی برائیاں کرنا کبھی پسند نہیں کرتا مگر آپ چونکہ امریکن کم اور پاکستانی زیادہ لگتی ہیں اس لئے کہہ رہا ہوں، ہمارے ہاں آپ کو بہت سی وہ برائیاں ملیں گی جو بحیثیت مسلمان ہم میں ہونی نہیں چاہئیں۔جھوٹ، دھوکہ، بے ایمانی اور وقت کی بے قدری، اس مادہ پرست معاشرے میں جتنی بھی برائیاں ہوں مگر یہ برائیاں نہیں۔یہی ان کی ترقی کا سبب ہے اور ہمارے ہاں ہر شخص جھوٹ اور بے ایمانی کے بل پر جلد سے جلد اوپر چڑھنا چاہتا ہے۔آگے بڑھنا چاہتا ہے۔وقت کی ایسی بے قدری ہے کہ اگر کسی شخص نے آپ سے ملاقات کے لئے پانچ بجے کا وقت طے کیا ہے تو آپ اسے پانچ سے چھ تو از خود ہی کر لیجئے کہ وہ پانچ بجے تو وہاں ہرگز موجود نہ ہوگا۔''

افسوس بھرے لہجے میں بولتے وہ اپنے آفس تک پہنچ گئے تھے۔

''آیئے!'' انہوں نے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔انہوں نے بلیک پینٹ اور کریم کلر کی شرٹ پہن رکھی تھی، کرسی پر بیٹھنے کے بعد انہوں نے ٹائی کی ناٹ کچھ ڈھیلی کرتے ہوئے پوچھا۔

''کیا لیں گی آپ؟'' ان کے ساتھ تکلف تو اس نے پہلی مرتبہ نہیں برتا تھا پھر آج کیوں برتتی؟

''کولڈ ڈرنک۔''

''آپ چائے اور کافی بالکل نہیں پیتیں یا کم پیتی ہیں؟'' انٹر کام پر چائے اور سوفٹ ڈرنک کا کہنے کے بعد انہوں نے اس سے پوچھا۔

''پیتی ہوں مگر بہت کم۔''

چائے اور سوفٹ ڈرنک آ گئی تب وہ اس سے اس کی پی ای سی میں رجسٹریشن کے متعلق پوچھنے لگے۔

''جی سر! میں نے فارم فل کر لیا ہے۔میرا آج ہی وہاں جانے کا ارادہ ہے۔''

''ارے تو آپ میرے ساتھ چلئے مجھے بھی پی ای سی ایک کام سے جانا ہے۔''

انہوں نے اس کا مسئلہ چٹکیوں میں حل کر دیا تھا۔ اس نے جویریہ سے پی ای سی کے کراچی میں واقع برانچ آفس کا پتہ اچھی طرح سمجھ کر، اس کا باقاعدہ نقشہ تک بنوالیا تھا مگر چونکہ اس کے ماموں کے ڈرائیور نے پی ای سی برانچ آفس کبھی دیکھا ہوا نہیں تھا، اس لئے اسے لگ رہا تھا کہ آفس ڈھونڈنے میں تھوڑی دقت ہوگی۔ اس نے جتنی دیر میں اپنا گلاس خالی کیا، انہوں نے انٹرکام پر اپنے سیکرٹری شوکت سلطان کو کچھ ہدایات دیں، پھر کرسی پر سے کھڑے ہو گئے۔

وہ ان کے ساتھ کہکشاں کلفٹن پر واقع پی ای سی کے برانچ آفس آ گئی تھی۔ اگر وہ ایک عام انجینئرنگ گریجوایٹ کی حیثیت سے یہاں آتی تو پہلے اسے طویل مرحلے سے گزرنا پڑتا۔ مگر وہ یہاں عذیر فاروق کے ساتھ آئی تھی۔ مختلف لوگوں سے ان کے نام لے کر سلام دعا کرتے اور خیریت دریافت کرتے انہوں نے ڈپٹی رجسٹرار کے متعلق دریافت کیا تھا۔

''درانی صاحب اندر ہیں ناں؟ مصروف تو نہیں؟''

اپنے سوال کا جواب لیتے وہ اسے ساتھ لئے سیدھے ڈپٹی رجسٹرار کے آفس میں آ گئے تھے۔ وہاں ان کا بڑا گرم جوش استقبال ہوا تھا۔ پھر چائے پیتے ہوئے ان دونوں کے درمیان پی ای سی ہیڈ آفس اسلام آباد میں پی ای سی کے عنقریب ہونے والے الیکشنز پر تبادلہ خیال ہوتا رہا۔ چائے کے بعد درانی صاحب نے اس کی اسناد دیکھیں اور پھر وہیں بیٹھے بیٹھے ہی دیگر تمام فارملیٹیز بھی ہو گئیں۔ پی ای سی کے ساتھ اس کی رجسٹریشن کے لئے فیس متعلقہ بینک میں اس کے جائے بغیر ہی بھروا دی گئی۔ اس کے ہاتھ میں فیس جمع کرانے کی تصدیق کے لئے بینک واؤچر کا ایک حصہ آ گیا تو درانی صاحب نے اسے بتایا کہ اندازاً ایک مہینے کے اندر اندر اسے رجسٹریشن کارڈ و سرٹیفکیٹ مل جائیں گے۔ عذیر فاروق اپنے جس کام سے پی ای سی آئے تھے وہ بھی ہو گیا تھا۔ اس کے بعد مزید کچھ دیر اور درانی صاحب کے ساتھ گفتگو ہوئی تھی، جس میں وہ بھی شامل ہو گئی تھی۔ وہ اب واپس جاتی بھی تو آفس پہنچنے کے کچھ ہی دیر بعد چھٹی کا ٹائم ہو جانا تھا چنانچہ فاروق عذیر فاروق نے اسے اس کے گھر ڈراپ کر دیا تھا۔ اس نے انہیں اندر آنے کے لئے بہت کہا مگر وہ پھر کبھی آنے کا کہہ کر چلے گئے تھے۔



بلگرامی صاحب کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ وہ اسے ایک ینگ، فریش اور تجربہ کار انجینئر سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں تھے۔ اس نے نیویارک میں اپنی فرم میں جو چند ماہ جاب کی تھی وہاں بھی اسے فریش اور ناتجربہ کار سمجھ کر دفتر کے اندر بیٹھ کر کام کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ وہ ڈرائنگز بناتے ڈرافٹس مین کی نگرانی کرے یا کبھی کوئی چھوٹی موٹی چیز اسے ڈیزائن کرنے کو دے دی جائے تو سائٹ پر جائے بغیر اسے دفتر کے اندر بیٹھے بیٹھے ہی کیلکولیٹر اور پین ہاتھ میں لے کر، یونیورسٹی میں آر سی اور اسٹیل اسٹرکچر میں پڑھے مختلف فارمولے لگا لگا کر اسے ڈیزائن کر دے۔ کاغذ اور قلم کے ذریعے یہ حساب کتاب نکالتے کہ کولمز میں اتنا سریا ڈلے گا اور بیم میں اتنا، اسے لگتا جیسے وہ سول انجینئر نہیں بلکہ ریاضی داں ہے۔ اور ریاضی کا کوئی سوال حل کر رہی ہے۔

وہ اندر سے ایک مکمل انجینئر تھی اور ایک مکمل انجینئر سائٹ پر جائے بغیر، دھول مٹی کھائے بغیر، سریے کو کاغذ پر نہیں اصل میں لگتا دیکھے بغیر کولمز کو اپنی آنکھوں کے سامنے اٹھتا دیکھے بغیر بنیادوں کو کھدتا دیکھے بغیر خود کو مکمل انجینئر تصور نہیں کر سکتا۔ ایسا ہی سب کچھ اس کے ساتھ یہاں ہو رہا تھا۔ بلگرامی صاحب سخت گیر باس تھے، وہ ان سے کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی مگر وہ مطمئن نہیں تھی۔

نیویارک میں اس چیز کو اس نے برداشت کیا تھا مگر یہاں الجھن سی ہو رہی تھی۔ نیویارک میں وہ کسی کو متاثر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر یہاں وہ عذیر فاروق کو اپنے کام، اپنی ذہانت اور اپنی پیشہ ورانہ قابلیت سے متاثر کرنا چاہتی تھی۔

اس روز وہ ڈرائنگ سیکشن میں کمپیوٹر کے پاس کھڑی ڈرافٹس مین کو حسین آرکیڈ کی بیسمنٹ کی ڈرائنگز میں کچھ سمجھا رہی تھی جب عذیر فاروق، بلگرامی صاحب اور نجمہ یاسمین جو یہاں سینئر موسٹ آرکیٹیکٹ تھیں، ایک ساتھ ڈرائنگ سیکشن میں داخل ہوئے۔ اس نے انہیں سلام کیا۔ وہ جس دن ان کے ساتھ پی ای سی گئی تھی اس کے بعد تو بس آتے جاتے یونہی سامنا ہو جانے پر سلام دعا اور مختصر خیر و عافیت ہی دریافت ہو پاتی تھی۔

''کیسی ہیں مس ہنیا؟'' انہوں نے اس کے پاس رک کر اس کی خیریت پوچھی۔

''ٹھیک ہوں سر۔'' ان سے ملاقات ہمیشہ اسی انداز میں ہوئی تھی جب وہ اپنے دل کی بات اتنے سارے لوگوں کے بیچ ان سے کہہ بھی نہیں سکتی تھی سو ''ٹھیک ہوں سر'' کے علاوہ اور کیا جواب دیتی۔

اسے یہاں جاب کرتے ایک مہینہ ہو گیا تھا۔ وہ پی ای سی میں بطور پروفیشنل انجینئر رجسٹرڈ ہو چکی تھی، اس کے پاس رجسٹریشن کارڈ آ چکا تھا۔ کراچی کے بے ہنگم ٹریفک اور راستوں سے کچھ مانوس ہو جانے کے بعد اس نے اپنی ذاتی گاڑی خرید لی تھی اور اب گزشتہ ایک ہفتے سے وہ اپنی گاڑی خود ڈرائیو کر کے آفس آ رہی تھی۔ ان دو کاموں کے علاوہ اس کے پاس تیسرا ایسا کوئی قابل فخر کام اور کارنامہ نہیں تھا جسے وہ بتا سکتی کہ اس نے ایک مہینہ کے دوران اسے انجام دیا ہے۔

عذیر فاروق اس سے خیر خیرت پوچھتے فوراً ہی بلگرامی صاحب اور نجمہ یاسمین کے ساتھ آگے طالب کی طرف بڑھ گئے تھے۔ طالب زیدی، عذیر فاروق اور بلگرامی صاحب سے کئی سال جونیئر مگر ہنیا سے کافی سینئر اسٹرکچرل انجینئر تھا۔ کافی Competent اور Dedicated۔ طالب ان تینوں کو کمپیوٹر پر ایک ڈرائنگ دکھا رہا تھا۔ کسی High Rise بلڈنگ کے کولمز کی سیکشن ڈرائنگ دیکھتے وہ چاروں کولمز کی لمبائی اور چوڑائی پر آپس میں بحث کرنے میں مصروف تھے۔

وہ سر جھٹک کر دوبارہ ڈرافٹس مین کو ڈرائنگ میں پیش آنے والے مسئلے کے متعلق سمجھانے لگی۔ اس کے سامنے ہی وہ تینوں وہاں سے نکل کر چلے بھی گئے تھے۔ وہ کچھ دیر بعد ڈرائنگ سیکشن سے نکل کر اپنے کیبن میں آ کر بیٹھی تھی اور ابھی اس نے ان ڈرائنگز کو دیکھنا ہی شروع کیا تھا جو بلگرامی صاحب نے اسے چیک کرنے کے لئے کہا تھا کہ اسے انٹرکام پر اطلاع ملی عذیر فاروق صاحب اسے یاد کر رہے تھے۔

''جی سر؟'' وہ دروازہ کھول کر ان کے آفس میں داخل ہوئی۔

''آئیے مس ہنیا!'' وہ کمپیوٹر پر کچھ کر رہے تھے۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

وہ ان کی میز کے سامنے رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔

''میں نے سنا ہے آپ اپنی جاب سے خوش نہیں۔'' انہوں نے چھوٹتے ہی کہا۔

''سر!'' آپ نے کس سے سنا؟'' اس نے ہکا بکا انہیں دیکھا۔

آخر یہ مخبر کون پیدا ہو گیا تھا۔ جو اس کے دل کی خبریں ان تک پہنچا رہا تھا۔ اس نے اس طرح کی بات تو کسی کولیگ سے نہیں کہی تھی، جاب سے مطمئن نہ ہونے کی بات تو اس کے اپنے دل کی بات تھی، کسی سے اس کا اظہار تو اس نے ہرگز نہ کیا تھا۔

''کسی نے بھی کہا، بات سچ ہے کہ نہیں؟'' وہ اسے الجھن میں دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

''سر! بات اس حد تک سچ ضرور ہے کہ یہاں جو کام فی الحال میں کر رہی ہوں وہ تو ایک ڈرافٹس مین بھی کر سکتا ہے۔ میں ایک کوالیفائیڈ انجینئر ہوں۔ میں سائٹس پر جانا چاہتی ہوں۔ میں کسی پروجیکٹ کا مکمل طور پر حصہ بننا چاہتی ہوں۔ ایئر کنڈیشنڈ آفس میں بیٹھ کر تھوڑی بہت ڈیزائننگ (Designing) کر لینا، ڈرائنگز بنا لینا، ڈرائنگز چیک کر لینا Its not my idea of civil engineering میں سائٹس پر جانا چاہتی ہوں، میں کسی پروجیکٹ کی ڈیزائننگ کے ابتدائی مرحلے سے لے کر اس کی Construction کے آخر مرحلے تک اس میں شامل رہنا چاہتی ہوں۔ میں اپنے ڈیزائنز کو اپنی آنکھوں کے سامنے بنتا دیکھنا چاہتی ہوں، میں آرکیٹیکٹ، بلڈر، Contractor سب کے ساتھ Interact کرنا چاہتی ہوں۔''

انہیں اس کے اندر کی بات کیسے پتہ چلی اس پر مزید اصرار یا ان کی بات کی تردید کیے بغیر اس نے اسی صاف گوئی اور اعتماد سے انہیں جواب دیا۔

''آپ نے یہ بات مجھ سے آ کر کہی کیوں نہیں؟''

''سر! مجھے لگا کہ کہیں بلگرامی صاحب میری بات کا برا نہ مان جائیں۔ آفٹر آل وہ میرے باس ہیں۔''

''بغیر لگی لپٹی رکھے صاف صاف بات کرنے والی، اتنی پر اعتماد لڑکی سے مجھے اس بزدلی کی توقع نہیں تھی۔ میں نے یہ سوچ کر بھی کچھ زیادہ پوچھا بھی نہیں کہ یقیناً آپ اپنی جاب سے مطمئن ہیں ورنہ سیدھی میرے پاس آ گئی ہوتیں۔''

''سر! آپ نے میرے بارے میں زیادہ بڑا امپریشن لے لیا ہے۔ میں اتنی منہ پھٹ بھی نہیں ہوں۔''

اس نے صفائی پیش کرنے والے انداز میں کہا تو وہ بے اختیار کھل کر ہنسے۔ وہ مسکراتے ہوئے محظوظ نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

وہ مسکراتے رہے، بولے کچھ نہیں۔

'تو بات کچھ یوں ہے مس ہنیا سجاد! کہ وہ ٹیلنٹڈ اور Competent انجینئر جسے میں اپنے کسی Comptetitor کے حوالے کر دیتا تو نقصان میرا تھا، وہ اگر میرے پاس اپنی جاب سے مطمئن نہیں تو بھی تو نقصان میرا ہی ہے۔ اگر میرے پاس غیر مطمئن ہوتی وہ میرے کسی Competitor کے پاس چلی گئی پھر......؟''

''سر!'' اس نے جز بز ہوتے احتجاجی انداز میں کہا تھا۔ وہ اسے اس کے پہلے دن کی اپنے منہ میاں مٹھو والی باتیں یاد دلانا بھولتے نہیں تھے۔

''مجھے کورنگی ایک فیکٹری کی سائٹ پر جانا ہے، آپ میرے ساتھ وہاں چل رہی ہیں۔ اپنا جو کچھ بھی سامان آپ نے لینا ہے، وہ لے کر پانچ منٹ میں باہر پہنچیں، میں گاڑی میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔''

انہوں نے حکمیہ انداز میں کہا اور پھر فوراً ہی اپنے بجتے ہوئے ٹیلی فون کی سمت متوجہ ہو گئے۔ وہ اپنی خوشی بمشکل چھپاتی جلدی سے وہاں سے اٹھی۔ اپنے کیبن میں آ کر اس نے جلدی جلدی کمپیوٹر آف کیا، اپنی درازیں لاک کیں، ہینڈ بیگ، موبائل اٹھایا اور تیز قدموں سے فوراً باہر نکل آئی۔ وہ پانچ کیا چار منٹوں میں باہر آ گئی تھی۔ وہ ان کے برابر گاڑی میں بیٹھی تو انہوں نے اس فیکٹری کی ورکنگ ڈرائنگز اس کے حوالے کیں، جس کی سائٹ پر اس وقت وہ لوگ جا رہے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ وہ راستے میں اس پروجیکٹ سے آگاہی حاصل کر لے۔ وہ خود ڈرائیونگ کے دوران اسے فیکٹری کے اسٹرکچرل ڈیزائن کے متعلق کافی کچھ بتاتے رہے تھے۔ کورنگی انڈسٹریل ایریا میں وہ فیکٹری کافی بڑے رقبہ پر بنائی جا رہی تھی۔ وہ دونوں وہاں پہنچے تو فیکٹری کی تعمیر کا کام زور و شور سے جاری تھا۔ سائٹ انجینئر، عذیر فاروق کی گاڑی کو دیکھتے ہی مستعد سا فوراً ان کی طرف آیا تھا۔

''السلام علیکم سر!'' سے شروع کرتے اس نے جلدی جلدی انہیں کام کی رفتار و معیار سے متعلق زبانی رپورٹ دینا شروع کر دی تھی۔

سائٹ انجینئر کے ساتھ چلتے وہ دونوں اندر آ گئے تھے۔ وہاں ہر طرف دھول تھی، مٹی تھی، سیمنٹ، بجری، کرش، لکڑی، سریا ہر جگہ یہی کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ مزدور سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے جبکہ عذیر فاروق کو دیکھ کر ٹھیکیدار بھی وہیں آ گیا تھا۔ ان لوگوں کو ہنیا سے متعارف کروانے عذیر فاروق آگے بڑھے۔ فرسٹ فلور پر سریا پوری طرح بچھ چکا تھا۔ فرسٹ فلور تک جانے کے لئے ابھی سیڑھی نہیں بنی تھی۔ ان لوگوں نے لکڑی کا ایک مضبوط سا تختہ ٹیڑھا کر کے زمین سے لے کر فرسٹ فلور تک لگایا ہوا تھا اور اس کے ذریعے باتیں کرتے کرتے وہ سب بڑے اطمینان سے اوپر چڑھنے لگے تھے۔ ورکنگ ڈرائنگز ہاتھوں میں سنبھالے وہ بھی ان لوگوں کے پیچھے پیچھے اوپر چڑھ آئی تھی۔

''Beams کا اسٹیل چیک کیجئے۔''

عذیر فاروق نے اس سے کہا وہ پھر دوبارہ سائٹ انجینئر اور ٹھیکیدار کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ وہاں پوری طرح ہر طرف سریا بچھا ہوا تھا اور وہ احتیاط سے آہستہ آہستہ چلتی ورکنگ ڈرائنگز ہاتھ میں لئے ڈرائنگ میں موجود Beams کے سریے کا اصل Beams کے سریے کے ساتھ موازنہ کر رہی تھی، یوں آہستہ آہستہ احتیاط سے چلنا، خود کو کسی چیز سے ٹھوکر لگنے سے بچانا، کہیں سریا یا کوئی اور چیز چبھ نہ جائے اس بات کا دھیان رکھنا اور ساتھ ساتھ ڈرائنگ ہاتھ میں لئے کام کے معیار کا جائزہ لینا، یہ سب کچھ بہت نیا اور بہت مختلف تجربہ تھا۔

اسے اس کا کام سونپ کر عذیر فاروق سائٹ انجینئر کے ساتھ مصروف تھے۔ جو انہیں کنسٹرکشن کے دوران پیش آنے والی مختلف مشکلات اور پریشانیوں سے آگاہ کر رہا تھا اور وہ اسے حل بھی کرتے جا رہے تھے۔ اس شعبہ میں خواتین چونکہ ابھی بھی مردوں کے مقابلے میں کم ہیں اس لئے اپنے کاموں میں مصروف مختلف مزدور گاہے گاہے نظریں اٹھا کر اسے بھی دیکھ رہے تھے۔ اس نے قریب جا کر ان میں سے ایک دو سے بات کی تو اسے ان کی معلومات اور علم پر خوشگوار حیرت ہوئی۔

وہ پڑھے لکھے نہیں تھے، ان میں سے چند تو گنتی تک نہیں جانتے تھے مگر کسی (کولمز) میں کتنا سریا ڈالنا چاہئے اور کس طرح کی عمارتوں کے لئے کس طرح کے کولمز اور Beams موزوں رہتے ہیں فرفر بتا سکتے تھے۔ اس کے ساتھ ان سب کا رویہ بہت احترام والا تھا۔ ان میں سے ایک نے تو اسے وہاں اتنا سنبھل سنبھل کر چلتے دیکھ کر ایسی جگہوں پر کس طرح چلا جاتا ہے، اس کی ٹیکنیک تک بتائی تھی۔

''چلے مس ہنیا!'' اسے کہتے ہوئے عذیر فاروق تیز قدموں سے اس سیڑھی نما لکڑی کے تختے پر بڑے آرام اور اطمینان سے نیچے اتر گئے تھے۔ وہ کونے تک تو آ کر کھڑی ہو گئی تھی مگر اس تختے پر سے اترتے اسے ڈر لگ رہا تھا۔ چوٹ لگنے کا خوف نہیں تھا۔ لیکن اتنے لوگوں کے سامنے اگر وہ گر پڑی تو کس قدر شرمندگی ہو گی۔ عذیر فاروق آج یوں اسے اچانک اپنے ساتھ سائٹ پر لے آئیں گے۔ ایسی کوئی بات اس کے ذہن میں دور دور تک نہ تھی ورنہ وہ یہاں سینڈلز کے بجائے جوگرز پہن کر آتی۔

لکڑی کے تختے پر سے اترتے اونچی ہیل والے سینڈلز میں مقید اس کے پیر ذرا بھی ادھر سے ادھر ہوتے اور وہ سیدھی نیچے۔ اس تختے اور اس ڈھلان کو دیکھ کر اسے خوف آ رہا تھا، عذیر فاروق نیچے کھڑے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ اسے ہچکچاہٹ کا شکار دیکھا وہ جیسے از خود ہی اس کا مسئلہ سمجھ گئے۔ وہ جس تیزی سے نیچے اترے تھے، اس سے واپس اوپر چڑھے اور اس کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ بغیر ایک سیکنڈ کی ہچکچاہٹ کے اس نے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو فوراً تھام لیا۔

نیچے اترتے ہی انہوں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

''آپ گاڑی میں جا کر بیٹھیے، میں آ رہا ہوں۔''

اپنی گاڑی کی چابی اسے دیتے انہوں نے کہا وہ خود دوبارہ سائٹ انجینئر سے کوئی بات کرنے چلے گئے۔

وہ چند ہی منٹوں بعد گاڑی میں آ کر بیٹھے تو اس کا خیال تھا اب وہ اس کی کچھ دیر پہلے کی بزدلی کا ضرور مذاق اڑائیں گے۔ سائٹ پر جانا اور مکمل انجینئر بننا ہے کا اتنا واویلا کرنے کے بعد عملی طور پر اتنی کم ہمتی۔ مگر اس کی امید کے برخلاف انہوں نے اس بات کا تو سرے سے کوئی ذکر کیا ہی نہیں بلکہ وہ اسے اس کنسٹرکشن سے متعلق دیگر باتیں بتانے لگے۔ اب وہ انڈسٹریل ایریا سے نکل آئے تھے۔

''مجھے اب بلڈنگ کنٹرول ایک میٹنگ میں جانا ہے۔ آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔'' وہ جیسے آج اس کی تمام شکایتیں دور کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت دوپہر کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ وہ آفس میں ہوتی تو لنچ کر رہی ہوتی۔

''لنچ ٹائم ہو رہا ہے آپ کو بھوک لگ رہی ہو گی۔'' ڈرائیو کرتے انہوں نے اس کی سمت دیکھا۔

''نہیں سر! کچھ خاص نہیں۔'' اس نے انہیں اطمینان دلایا، مگر کچھ ہی دیر ڈرائیو کرنے کے بعد انہوں نے گاڑی میک ڈونلڈز کے سامنے روک دی۔

''آپ کون سا برگر لیں گی؟''

''سر! آپ پلیز۔ تکلف......''

اس نے کہنا چاہا اور انہوں نے اس کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی۔ ''یہ ہنیا سجاد نے اتنے پرتکلف جملے بولنے کب سے شروع کر دیئے ہیں؟ ایک مہینہ پہلے میں جس ہنیا سجاد سے ملا تھا، وہ بلا تکلف اور بے جھجک بات کرتی تھی۔ آپ کی جس کوالٹی کی وجہ سے میں نے آپ کو اپائنٹ کیا تھا خدا کے لئے اپنی اس بے ساختگی کو مت چھوڑیے۔ آپ بے جھجک اور بے تکلف بات کرتی ہی اچھی لگتی ہیں۔''

اب تو اسے اپنی پسند بتانا ہی تھی۔ وہ گاڑی سے اتر کر چلے گئے تھے۔ کچھ ہی منٹوں بعد وہ واپس گاڑی میں آ کر بیٹھے اور اس کا پارسل اس کے حوالے کر دیا۔

''اور سر آپ؟'' وہ اپنے لئے کچھ بھی نہیں لائے تھے۔

''میری عمر نہیں ہے فاسٹ فوڈز کھانے کی۔ یوں بھی میں باہر کا کھانا بہت ہی کم کھاتا ہوں۔ دل کا مریض ہوں۔ ''میرے لئے گھر سے کھانا آتا ہے۔''

انہوں نے مسکرا کر کہا تھا۔ جب تک وہ تمام چیزیں کھا پی کر فارغ ہوئی، تب تک وہ سوک سینٹر، بلڈنگ کنٹرول کے آفس پہنچ گئے۔ راستے میں وہ اسے یہ بتاتے ہوئے آئے تھے کہ بلڈنگ کنٹرول اتھارٹی کے چند (ہائی آفیشلز) کے ساتھ ان کی اور ان کے ایک بلڈرز جن کے لئے انہوں نے ایک کئی منزلہ رہائشی عمارت ڈیزائن کی تھی یہ میٹنگ اس NOC کے بارے میں تھی، جو بلڈنگ کنٹرول والے جاری کریں تو ان کے فلیٹوں کی بکنگ کا کام شروع ہوا۔

وہ بلڈر جن کے لئے انہوں نے وہ بلڈنگ ڈیزائن کی تھی وہاں پہلے سے موجود تھے اور ان کا انتظار کر رہے تھے۔ ان کا نام عامر اعوان تھا۔ عمر میں کم و بیش عذیر فاروق جیسے ہی تھے۔ ان کی قیمتی گاڑی اور شاندار لباس ان کی امارت کا واضح اظہار تھے۔

ابتدائی تعارف کے دوران ہی اسے وہ صاحب پسند نہیں آئے تھے۔ اسے ان کی نظریں اچھی نہیں لگی تھیں۔ بظاہر بڑے کلچرڈ، بڑے مہذب مگر نظریں ایسی جیسے آپ کو آر پار دیکھ رہے ہوں۔ مردوں کی یہ قسم صرف یہاں نہیں، اس نے امریکہ میں بھی بہت دیکھ رکھی تھی بلکہ شاید رنگ، نسل اور قومیت کے جھگڑے سے آزاد یہ قسم ہر ملک اور ہر معاشرے میں پائی جاتی ہے۔ وہ جن کے لئے اس کی دوست کیتھی کہا کرتی تھی کہ ان کی نگاہیں ایسی ہوتی ہیں جیسے اپنے سامنے آنے والی ہر عورت اور ہر لڑکی کا گویا نظروں سے پوسٹ مارٹم کر رہے ہوتے تھے۔

میٹنگ سے فارغ ہونے کے بعد وہ لوگ واپس آفس پہنچے تو چار بج رہے تھے۔

''سر! آپ لنچ کر لیجئے۔'' وہ اس کے ساتھ ہی سیڑھیاں چڑھ کر ڈرائنگ سیکشن میں جانے لگے تب وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

''لنچ؟'' انہوں نے چونک کر اسے دیکھا، جیسے کوئی بھولی ہوئی بات اس نے یاد دلائی تھی۔

''ہاں لنچ ابھی کر لیتے ہیں۔ پہلے ذرا مجھے طالب سے ایک بہت ضروری بات کہنی ہے۔ کل بلڈنگ کنٹرول چائلڈ کیئر ہسپتال کی سمشن ڈرائنگز جانی ہیں۔'' وہ اسے جواب دیتے ڈرائنگ سیکشن میں چلے گئے۔

شام کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے جب عذیر فاروق کے سیکرٹری شوکت سلطان نے اسے انٹرکام پر اطلاع دی کہ ''سر آپ کو بلا رہے

ہیں۔'' وہ ان کے آفس میں آئی تو حسب معمول پہلے شوکت سلطان ہی سے ملاقات ہوئی۔ وہ کمپیوٹر پر کھٹا کھٹ کچھ ٹائپ کر رہے تھے۔

''سر! اندر ہیں۔ آپ چلی جائیے۔''

اسے اپنے پاس رکتا دیکھ کر شوکت سلطان بولے۔

''سر نے لنچ کرلیا؟'' وہ یہی پوچھنے رکی تھی، سوفوراً ہی پوچھ لیا۔

شوکت سلطان نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''نہیں۔''

''ابھی تک نہیں کیا۔''

اس نے اپنی ریسٹ واچ کی طرف دیکھتے حیرت سے کہا۔

''آپ کس قسم کے سیکرٹری ہیں؟ آپ کے باس نے شام ساڑھے پانچ بجے تک دوپہر کا کھانا نہیں کھایا۔ وہ ہارٹ پیشنٹ ہیں، انہیں شاید اپنی میڈیسنز بھی لینی ہوں گی۔ اور اگر کوئی میڈیسن نہ بھی لینی ہو تب بھی ہارٹ پیشنٹ کے لئے بغیر کچھ کھائے پیئے مسلسل کام کرنا کیا مناسب ہے؟''

شوکت سلطان کی حیران نظروں کو نظر انداز کر کے اپنی ناپسندیدگی کا واضح اظہار کرتی وہ عذیر فاروق کے آفس کی طرف بڑھ گئی۔

''آئیے مس ہنیا!'' وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو وہاں عذیر فاروق کے ساتھ بلگرامی صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کے سامنے میز پر ایک ڈرائنگ کھلی ہوئی رکھی تھی اور وہ اس کی آمد سے قبل شاید اسی پر تبادلہ خیال کر رہے تھے۔

''بیٹھئے'' وہ بلگرامی صاحب کی برابر والی نشست پر بیٹھ گئی تھی۔

''بھئی بلگرامی صاحب! آپ کی ٹیم کی اس ممبر کو میں لیاقت علی میڈیکل کالج کے پروجیکٹ میں اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس پروجیکٹ میں طالب کے ساتھ مس ہنیا مجھے اسسٹ کریں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو......''

وہ اس طرح بولے جیسے وہ بلگرامی صاحب کے لئے ایک انتہائی قیمتی سرمایہ تھی۔ جبکہ انہوں نے تو ابھی تک اسے ایک فارن کوالیفائیڈ فریش انجینئرنگ گریجویٹ سے بڑھ کر کچھ تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔ انہوں نے جس طرح لاتعلقی سے سر ہلا کر اسے اپنے انڈر قبول کیا تھا اسی طرح اس نئی تجویز کو قبول کرلیا۔

وہ اب ان کے ساتھ کام کرے گی اسے یہ سوچ کر ہی بہت خوشی ہو رہی تھی۔

بلگرامی صاحب اور ان کی گفتگو کے بیچ وہ خاموش بیٹھی تھی۔ وہ دونوں اس میڈیکل کالج کی Soil Report پر بات کر رہے تھے۔ مزید چند منٹ گفتگو کر کے بلگرامی صاحب وہاں سے اٹھ گئے تھے۔

اسے بھی جس بات کے لئے بلایا گیا تھا وہ ہو چکی تھی لہٰذا اسے بھی اب اٹھ جانا چاہئے تھا مگر وہ بلگرامی صاحب کے جانے کے باوجود وہیں بیٹھی رہی۔

''جی مس ہنیا! کہئے آپ کا آج کا دن کیسا رہا؟ سائٹ پر اور میٹنگ میں کچھ نیا سیکھنے کو ملا؟'' وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''سر! آج کا دن بہت اچھا رہا۔ میں نے بہت کچھ سیکھا۔ اور تھینکس سر! مجھے اس نئے پروجیکٹ میں شامل کرنے کے لئے۔ آپ کے ساتھ کام کرسکوں گی میں ابھی سے ایکسائیٹڈ ہو رہی ہوں۔''

''زیادہ ایکسائیٹڈ مت ہوں۔ میں کام کے معاملے میں بلگرامی صاحب سے زیادہ سخت گیر ہوں۔ طالب سے پوچھیں اسٹرکچرل ڈیزائننگ اور سمشن کے دوران اس بے چارے نے مجھ سے کتنی ڈانٹیں کھائی ہیں۔'' انہوں نے جیسے اسے ڈرانا چاہا تھا۔

''سر! آپ اگر کسی کو ڈانٹتے ہوں گے تو بغیر وجہ کے نہیں ڈانٹتے ہوں گے، اگر کبھی مجھے ڈانٹ پڑی تو یقیناً میں نے بھی کوئی Unforgivable Blunder کیا ہوگا۔'' وہ بے اختیار مسکرائے۔

''میرے متعلق اتنی اچھی اچھی آراء قائم کرلی گئی ہیں یعنی یہ کہ اگر کبھی ہنیا سجاد نے پاکستان سے مایوس ہو کر واپس امریکہ چلے جانے کا فیصلہ کرلیا تو اس مایوسی کا سبب کم از کم میں تو ہرگز نہیں ہوں گا۔''

''سر! آپ بہت اچھے ہیں۔ اپنے سب ایمپلائز کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ وہ اپنی جابز سے خوش اور مطمئن رہیں اس چیز کا دھیان رکھتے ہیں، جیسا کہ آپ نے میرے معاملے میں کیا۔ لیکن سر! آپ کو صرف اپنے ایمپلائز اور فرم کا نہیں اپنا بھی تو دھیان رکھنا چاہئے۔''

وہ اپنے مخصوص صاف گو انداز میں بولی۔ انہوں نے نہ سمجھ میں آنے والی نظروں میں اسے دیکھا۔

''سر! ساڑھے پانچ بج چکے ہیں۔ آفس ٹائم ختم ہونے والا ہے اور آپ نے ابھی تک لنچ نہیں کیا۔ آپ کو اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہئے جبکہ آپ ہارٹ پیشنٹ بھی ہیں۔''

انہوں نے بے اختیار سر پر یوں ہاتھ مارا جیسے کوئی بہت بھولی بسری بات اچانک کسی نے یاد دلا دی ہو۔ وہ ان کی اور بلگرامی صاحب کی گفتگو کے دوران یہ بات سن چکی تھی کہ سات بجے ان کی یہیں کسی کلائنٹ کے ساتھ میٹنگ تھی یعنی وہ ابھی مزید کافی دیر آفس ہی میں تھے۔

''سر! ابھی آپ کے کلائنٹ کے آنے میں ٹائم ہے آپ اتنی دیر میں کھانا کھا لیجئے۔'' ان کے چہرے پر ایک حیرت بھری مسکراہٹ ابھری تھی۔

''آپ اپنے تمام باسز کی اتنی ہی فکر کرتی ہیں یا میں کچھ اسپیشل ہوں۔''

''ہر وہ شخص جو مجھے اچھا لگے۔ میرے لئے بہت اسپیشل ہوتا ہے، چاہے وہ میرا باس ہو یا نہیں۔''

وہ بے دھڑک بولی۔

''اب ایک اتنی پیاری سی لڑکی جو میری اتنی تعریفیں بھی کر رہی ہے مجھ سے کھانے کے لئے کہہ رہی ہے تو میرے انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہاں بس شرط یہ ہے کہ اسے کھانے میں میرا ساتھ دینا ہوگا۔''

اس سے بولتے ہوئے انہوں نے ریسیور اٹھایا، انٹرکام پر شوکت سلطان سے اپنے لئے کھانا بھجوانے کو کہا۔

''تو آپ کو پاکستان کیسا لگ رہا ہے، دو مہینے سے اوپر ہو گئے ہیں آپ کو یہاں آئے۔''

''پاکستان اچھا ہے سر؟ ابھی تو کافی کچھ نیا اور نامانوس لگتا ہے۔''

وہ اسی موضوع پر بات کر رہی تھی جب پیون کھانے کی ٹرے ہاتھ میں لئے اندر داخل ہوا۔ اس نے کھانا صوفے کے سامنے رکھی میز پر لگا دیا تھا۔

''آیئے مس ہنیا۔'' ہاتھ دھونے کے لئے واش روم کی طرف جاتے انہوں نے اسے میز پر آنے کی دعوت دی۔ میز پر چکن پلاؤ مکسڈ سبزیاں، چپاتیاں اور سلاد موجود تھی۔ وہ اس کے سامنے والے صوفے پر آ کر بیٹھ گئے تھے۔ وہ دوپہر کو لنچ کر چکی تھی مگر ان کے ساتھ دینے کے خیال سے وہ اپنی پلیٹ میں تھوڑی سی مکس سبزیاں اور چاول ڈال رہی تھی۔ وہ اپنی پلیٹ میں سلاد ڈال رہے تھے۔ اس کے چاول ڈالنے کے انداز پر وہ ہاتھ روک کر دلچسپی سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ چکن کی بوٹیاں ہٹا ہٹا کر صرف چاول اپنی پلیٹ میں ڈال رہی تھی۔

''ویجی میرین ہیں؟''

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔ انہوں نے صرف سلاد اپنی پلیٹ میں ڈالی تھی اور وہ ابھی صرف سلاد کھا رہے تھے۔

''میں کھانے میں سلاد زیادہ کھاتا ہوں اور باقی چیزیں کم۔''

''مجھے پتہ ہے، سر۔'' بے ساختگی میں اس کے منہ سے نکلا، انہوں نے تعجب سے اسے دیکھا۔ آپ باہر کا کھانا نہیں کھاتے، پرہیز کرتے ہیں، احتیاط کرتے ہیں تو یقیناً کمپلیٹ اور Healthy ڈائٹ لینے کے لئے سلاد اور فروٹس زیادہ لیتے ہوں گے اور کھانا کم کھاتے ہوں گے۔'' اس نے جلدی سے بات سنبھالی۔ انہوں نے سر اثبات میں ہلا کر گویا اس کی بات کی تائید کر دی تھی۔

''سر! کھانا بہت مزے کا ہے۔ آپ کی مسز نے بنایا ہے؟'' اس نے اپنی پلیٹ میں مزید سبزیاں ڈالتے ہوئے موضوع بدلا۔

''نہیں۔ پہلے میری مسز ہی میرے لئے کھانا بنا کر بھیجا کرتی تھیں مگر اب ان کی صحیح کچھ ٹھیک نہیں رہتی تو ان کی زیرِ نگرانی اور زیرِ ہدایات ہمارا کک کھانا تیار کر کے بھیجتا ہے۔''

''میں آپ کو اپنے ساتھ چائے یا کافی پینے کے لئے رکنے کو کہتا لیکن آفس ٹائم کافی دیر ہوئی ختم ہو چکا، آپ کو گھر جانا ہوگا، آپ کے گھر والے انتظار کر رہے ہوں گے۔''

کھانے کے بعد انہوں نے اس سے کہا تھا۔ ابھی وہ دونوں صوفوں ہی بیٹھے تھے کہ اسی وقت ان کے موبائل پر کوئی کال آنے لگی تھی۔ انہوں نے کال ریسیو کی وہ غالباً ان کے کسی کلائنٹ کی کال تھی۔

انہیں خدا حافظ کہہ کر وہ وہاں سے باہر نکلی تو شوکت سلطان نے سر کے لنچ کے لئے ہلکان ہوتی اس جمعہ جمعہ آٹھ دن کی اپائنٹ ہوئی نئی انجینئر کو بے حد تعجب اور حیرت سے دیکھا۔ اس نے صرف فکر کا اظہار ہی نہیں کیا تھا، بلکہ خود اندر جا کر انہیں کھانے کا یاد دلا کر ان کے لئے کھانا منگوا بھی لیا تھا اور غالباً کھانا ان کے ساتھ کھا بھی لیا تھا۔ بغیر کسی ایڈ اور Vacancy کے اپائنٹ ہوئی نئی انجینئر جو سر کے بہت زیادہ آگے پیچھے پھرتی نظر آ رہی تھی۔ وہ اپنے باس کو بر سہا برس سے جانتا تھا، وہ اس طرح کے آدمی نہیں تھے، مگر یہ امریکہ پلٹ نئی انجینئر اس کا دل چاہا وہ اس سے کہے۔

''میڈم! آپ غلط جگہ ٹرائی کر رہی ہیں۔ سر اپنی مسز کو بہت زیادہ چاہتے ہیں۔ میں ان کا سیکرٹری گواہ ہوں کہ روزانہ آفس سے وہ کتنی کتنی

مرتبہ اپنی مسز کو فون کرتے اور ان کی فون کالز ریسیو کرتے ہیں۔‘‘

آج کل کی ذرا زیادہ پڑھی لکھی لڑکیوں میں یہ نیا ٹرینڈ چل پڑا تھا انہیں اپنے سے دگنی عمر کے مردوں میں بے پناہ کشش محسوس ہوتی ہے۔

’’خیر مجھے کیا ہے۔‘‘ شوکت سلطان نے سر جھٹک کر اپنے آج کے کاموں کو جلدی جلدی وائنڈ اپ کرنا شروع کر دیا۔

☆

’’کیا بات ہے، آج ہماری بیٹی بہت خوش لگ رہی ہے۔‘‘

فیاض صاحب اسے دیکھتے ہوئے بولے۔ وہ تینوں اس وقت رات کا کھانا کھا رہے تھے۔

’’جی ماموں! آج میرا آفس میں دن بہت اچھا گزرا۔ میں کل سے اپنے باس کے ساتھ ایک پروجیکٹ میں بھرپور انداز میں شریک بھی ہونے والی ہوں۔‘‘ اس نے مسکراتے ہوئے انہیں اطلاع دی۔

’’اللہ تمہیں یونہی ہنستا اور خوش رکھے ہنیا! زندگی میں بہت سی خوشیاں دے۔‘‘

شمسہ نے بھرپور خلوص اور محبت کے ساتھ اسے دعائیں دیں۔ جب تک امریکہ میں تھی ان کا اس سے سرسری سا ہی رابطہ اور تعلق تھا مگر اب یہاں ان کے پاس آئی تو اپنی پیاری عادات کے سبب بہت جلد ان کے دل میں جگہ بنا گئی تھی۔ لگتی ہی نہیں تھی کہیں سے اس بے باک مادر پدر آزاد معاشرے کی پروردہ۔ اس میں وہی رکھ رکھاؤ، وہی تہذیب اور ادب و آداب تھے جو مشرقی لڑکیوں کا خاصہ ہوا کرتے ہیں۔

کھانے کے بعد وہ شمسہ اور فیاض صاحب کے ساتھ لان میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگی تھی۔ اپنے بچوں کے بغیر ان کا بڑا سا گھر جو ہر وقت ویران اور خاموش سا رہتا تھا اس کے آجانے سے وہاں کچھ رونق پیدا ہو گئی تھی۔ دن اس کا آفس میں گزر جاتا تھا مگر رات کا یہ وقت وہ اپنے ماموں، ممانی کے ساتھ کافی دیر تک باتیں کر کے گزارا کرتی تھی۔ اس کے ساتھ باتیں کر کے، وقت گزار کے وہ دونوں بہت اچھا محسوس کرتے تھے، خوش ہوتے تھے مگر فیاض کبھی کبھی اس بات پر دل میں حیران ضرور ہوتے تھے کہ اپنے ان بوڑھے ماموں، ممانی کی کمپنی میں وہ اتنی خوش اور مطمئن کیسے بیٹھی رہتی تھی۔

وہ اس کی عمر کے مطابق، اس کی دلچسپی کے موضوعات پر باتیں کر سکتے تھے، ان کے گفتگو کے موضوعات کچھ اور ہوتے تھے جو یقیناً آج کل کے کسی لڑکے یا لڑکی کی دلچسپی کے حامل نہیں ہو سکتے تھے مگر وہ روز رات کو کافی دیر تک ان دونوں کے ساتھ باتیں کیا کرتی تھی۔ ان کی تنہائی اور اکیلے پن کا مداوا کرنے کی کوشش کیا کرتی تھی۔ رات گیارہ بجے تک ان کی یہ محفل جما کرتی تھی۔ گیارہ بجے ہنیا سونے کے لئے اٹھ جاتی تھی۔ ان دونوں میاں، بیوی کو بھی جلدی سونے کی عادت تھی، لہٰذا جیسے ہی گیارہ بجتے وہ انہیں شب بخیر کہتی ان کے پاس سے اٹھ جاتی تھی۔

☆

اگلے روز وہ عذیر فاروق اور طالب کے ساتھ میڈیکل کالج کی سائٹ پر پہنچ گئی تھی۔ جہاں آج سے باقاعدہ کنسٹرکشن کا آغاز ہونا تھا۔ خاصا بڑا پروجیکٹ تھا۔ میڈیکل کالج کے ساتھ الگ الگ بوائز اور گرلز ہوسٹلز بھی تعمیر ہونا تھے۔

عذیر فاروق تو وہاں آدھ پون گھنٹہ رک کر چلے گئے تھے جبکہ وہ اور طالب وہاں کاموں کی نگرانی کے لئے کافی دیر تک موجود رہے تھے۔

آج اس کے پاؤں میں جوگرز بھی تھے اور سر پر کیپ بھی۔ وہ ایک سول انجینئر کے پرفیکٹ حلیئے میں تھی۔ خوب دھول مٹی کھا کر اور تیز دھوپ میں رنگ جھلسا کر وہ دونوں یہاں سے سہ پہر کے وقت آفس لوٹے تھے۔ آنے کے بعد وہ طالب کے ساتھ ڈرائنگ سیکشن میں تھی۔ میڈیکل کالج کی ورکنگ ڈرائنگز میں کچھ پوائنٹس وہ دونوں ڈسکس کر رہے تھے۔ سامنے تینوں ڈرائنگ بورڈز پر میڈیکل کالج ہی کی ڈرائنگز لگی ہوئی تھیں۔ شیریں اور جویریہ اپنے اپنے الگ کاموں میں وہاں مصروف تھیں۔ تب ہی ذیشان باہر سے کچھ بولتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا۔

''کیا ہوا بھائی؟ یہ منہ ہی منہ میں کیا بڑبڑایا جا رہا ہے؟''

طالب نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ ذیشان نے اسی سال NED سے پاس آؤٹ کیا تھا۔ اسے یہاں جاب کرتے ابھی سات آٹھ ماہ ہی ہوئے تھے۔ خاصا شوخ و شریر اور چلبلا سا لڑکا تھا۔ اس کی ہنگامہ پروری دیکھ کر لگتا نہ تھا کہ وہ این ای ڈی سے گولڈ میڈلسٹ ہے۔

''کچھ نہیں، بس یونہی کچھ لوگوں کی کنجوسی بلکہ مہا کنجوسی پر افسوس کر رہا ہوں۔ ابھی چھ مہینے پہلے کی بات ہے ہمیں پہلی سیلری ملی تھی ہم نے سارے کولیگز کو باہر لے جا کر کھانا کھلایا تھا اور کچھ لوگ ایسے ہیں کہ پہلی کیا دوسری سیلری وصول کرنے والے ہیں اور کولیگز کو کھانا کھلانا تو دور ایک ایک گلاب جامن تک نہ کھلا سکے۔''

اشارہ چونکہ اس کی جانب تھا اس لئے اس نے فوراً مڑ کر ذیشان کو دیکھا۔ وہ افسوس بھرے انداز میں سر کو دائیں بائیں ہلا رہا تھا۔ وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

''مس ہنیا! کیا امریکہ میں دوستوں کی دعوت کرنے رواج بالکل نہیں ہے؟ ویسے سنا یہی ہے امریکی خاصے روکھے پھیکے لوگ ہوتے ہیں بلکہ بعض تو اس حد تک روکھے اور کنجوس ہوتے ہیں کہ اپنی گرلز فرینڈ کے ساتھ کہیں باہر کھانا کھانے جائیں تو دونوں اپنا اپنا بل خود پے کرتے ہیں۔'' وہ چہرے پر ڈھیر ساری معصومیت لئے بولتا ہوا اس کے پاس آ گیا۔

''ایسے کنجوس بوائے فرینڈ سے میرا واسطہ نہیں پڑا۔'' وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ شیریں اور جویریہ بھی اپنا اپنا کام چھوڑ کر ان لوگوں کی جانب متوجہ ہو گئی تھیں۔

''کہاں کھانا کھانے کا موڈ ہے، آج ہی چلیں؟'' اس نے کھلے دل سے آفر دی۔

''جہاں آپ کھلا دیں گی ہم کھا لیں گے، شریف لوگ ہیں۔''

اسی وقت چھٹی کے بعد پزاہٹ جانے کا پروگرام طے ہو گیا تھا۔

شام سات بجے وہ سب پزاہٹ پہنچے تھے۔ ابھی چونکہ ڈنر ٹائم نہیں ہوا تھا اس لئے رش نہیں تھا۔ اپنے اپنے من پسند پزا اور کولڈ ڈرنک کا آرڈر کرنے کے بعد اب وہ سب آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ فراز کا کل آفس سے گھر واپس جاتے کسی نے موبائل چھین لیا تھا اور وہ تا حال اپنے قیمتی موبائل کے چھن جانے پر دکھی تھا۔

''بھائی میرے، اتنا افسوس مت کرو۔ جس کی امانت تھی اس نے آ کر لے لی۔'' ذیشان نے اس کے مسلسل لٹکے منہ کو دیکھ کر اسے تسلی دی۔

''امانت؟'' اس نے ذیشان کی جانب دیکھا۔

''جی امانت۔ کراچی میں آپ موبائل لے کے گھوم رہے ہیں اس کا مطلب یہ کہ ڈاکوؤں کی امانت لئے گھوم رہے ہیں۔ وہ جب چاہیں آ کر آپ سے اپنی امانت لے جا سکتے ہیں۔''

وہ ایسی ہی باتیں کیا کرتا تھا، سب اس کی بات پر ہنس پڑے تھے۔

''یہ تو شکر ہے اس کے پاس اچھا سیٹ تھا، اگر ویسا سیٹ ہوتا تو دو، چار ہاتھ تو وہ اسے ضرور جما دیتے۔ اتنا گھٹیا موبائل لے کر پھرتے ہو شرم نہیں آتی؟''

''ہاں ٹھیک کہہ رہے ہو ذیشان! میری آنٹی نے اپنا سارا زیور لاکر میں رکھوا کر آرٹیفیشل جیولری پہننی شروع کر دی۔ ایک دن وہ انکل کے ساتھ کہیں جا رہی تھیں ان کی گاڑی کو بائیک پر آتے دو لڑکوں نے روکا۔ آنٹی سے چوڑیاں اترواتے انہیں جیسے ہی یہ اندازہ ہوا کہ یہ اصلی سونا نہیں انہوں نے انکل کو اس قدر ذلیل کیا کہ بس۔''

پھر وہ سب اپنے اپنے ساتھ پیش آئے مختلف واقعات ڈسکس کر رہے تھے۔ اس کے چہرے پر حیرت بھی تھی اور تاسف بھی۔ اس شہر میں رہنے والے، پاکستان کے اس سب سے بڑے شہر میں رہنے والے کس قدر غیر محفوظ تھے۔ لگتا تھا کسی کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کوئی حکومت نہیں، کوئی پولیس، کوئی قانون نہیں۔

''ہنیا کے سامنے یہ باتیں مت کرو۔ وہ ڈر کر امریکہ واپس چلی جائے گی۔'' طالب نے اس کی شکل دیکھ کر ان لوگوں کو ٹوکا۔

''وہ ویسے بھی واپس چلی جائے گی۔ امریکہ سے آیا کوئی بندہ یہاں رہ سکتا ہے؟ بجلی نہیں، پانی نہیں، لاقانونیت، بدامنی، ایسی جگہ کون شریف آدمی رہ سکتا ہے۔'' فراز نے تلخی سے کہا۔

''ہاں اسی لئے تو میں نے ٹریٹ لینے میں جلدی کی۔ میں نے سوچا اچانک کسی دن ہم سنیں گے کہ ہنیا واپس نیویارک جا رہی ہیں۔ وہ بھی ہمیں ٹریٹ دیئے بغیر۔''

''بے فکر رہئے ذیشان علی! ہنیا سجاد کراچی سے واپس نیویارک نہیں جانے والی۔ یہاں لاء اینڈ آرڈر کی سچوایشن ٹھیک نہیں، لاقانونیت ہے، بد نظمی ہے، لوڈ شیڈنگ ہے، پولوشن ہے، گرمی ہے۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود میں نیویارک واپس نہیں جا رہی۔ کیونکہ یہاں رشتے ہیں، یہاں محبت ہے۔''

اس نے چھری اور کانٹے سے پزا کا ایک پیس کاٹ کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''حوصلہ ہے آپ کا۔ مجھے تو آج امریکہ کا ویزا ملے میں مڑ کر بھی یہاں دیکھوں گا بھی نہیں۔'' فراز جواباً بولا تھا۔ اس کا انتہائی شوق سے خریدا بہت قیمتی موبائل تازہ تازہ چھنا تھا اس لئے وہ زیادہ تلخ ہو رہا تھا۔ کھانے کے بعد سب لڑکیاں آئس کریم کھانا چاہ رہی تھیں۔

''آپ لوگ آئس کریم کھائیے ہم لڑکے کافی پئیں گے۔'' ویٹر کو اشارہ کرتے ہوئے طالب ان لوگوں سے بولا۔

''ہم لڑکے؟'' ذیشان نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔ طالب بے چارہ ان لوگوں سے سات آٹھ سال بڑا تھا اور وہ جب بھی خود کو لڑکوں میں شمار کرنے کوشش کرتا ذیشان یونہی اس کی ٹانگ کھینچا کرتا تھا۔

''لڑکیوں کے لئے آئس کریم اور ہم لڑکوں اور ہمارے انکل کے لئے کافی۔''

اس کی بات پر قہقہہ پڑا تھا اور طالب اور ذیشان کے درمیان نوک جھوک بھی شروع ہو گئی تھی۔

اپنے کولیگز کو ٹریٹ دے کر وہ گھر لوٹی تو دس بجنے والے تھے وہ آ کر شمسہ کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ وہ دونوں باتیں کرنے لگی تھیں۔ فیاض صاحب اپنے کمرے میں ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ گیارہ بج چکے تھے وہ اپنے کمرے میں جانا چاہ رہی تھی۔ جبکہ شمسہ ابھی مزید باتیں کرنے کے موڈ میں تھیں۔ وہ مروتاً بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی یہ بے چین سی کیفیت شمسہ کی نگاہوں سے بھی مخفی نہ رہی تھی۔

سوا سے سونے کے لئے کہتے ہوئے خود بھی اٹھ گئیں۔

☆

وہ طالب کے ساتھ مل کر پوری تندہی سے میڈیکل کالج والے پروجیکٹ میں عذیر فاروق کی معاونت کر رہی تھی۔ چھوٹے موٹے مسئلے مسائل یہ دونوں مل کر خود ہی حل کر لیتے، ہاں کوئی بڑا مسئلہ درپیش ہوتا تو عذیر فاروق سے رجوع کرتے۔ اس روز بھی سائٹ سے سائٹ انجینئر کا فون آیا تھا۔ وہ فاؤنڈیشن ہی کے حوالے سے کچھ باتیں پوچھ رہا تھا۔ اس نے اپنی معلومات اور انتہائی مختصر سے تجربے کی روشنی میں اسے کچھ مشورے دے دیئے تھے مگر وہ عذیر فاروق سے بھی اس بابت پوچھ لینا چاہتی تھی۔

''سر اندر ہیں؟'' اس نے شوکت سلطان سے پوچھا۔ جب سے وہ اس پروجیکٹ کے ساتھ منسلک ہوئی تھی اس کے دن میں کئی چکر لگتے تھے ان کے آفس میں۔

''جی ہیں۔ ان کی مسز آئی ہوئی ہیں۔''

''میں چلی جاؤں؟'' شوکت سلطان نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ لڑکی آج کل، سر کی اتنی منظور نظر بنی ہوئی تھی، وہ اسے یہ کہہ نہیں سکتے تھے کہ اندر نہ جائے۔

''سر! میں آجاؤں؟'' اس نے دروازہ ذرا سا کھول کر ان سے پوچھا۔

''مس ہنیا؟'' آیئے آیئے۔ بالکل آیئے۔''

خوشگوار سے انداز میں مسکراتے ہوئے انہوں نے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔ وہ اندر آئی تو ان کے سامنے والی کرسی پر ایک انتہائی خوبصورت سی خاتون بیٹھی نظر آئیں۔ انہوں نے آسمانی رنگ کا کاٹن کا کڑھا ہوا سوٹ پہن رکھا تھا، بال جو یقیناً بہت لمبے اور سلکی تھے۔ ان کا ڈھیلا سا جوڑا بنایا ہوا تھا۔ انہوں نے کسی بھی قسم کا میک اپ نہیں کیا تھا، ہونٹوں پر ہلکی سی لپ سٹک تک نہ تھی، سوائے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن اور کانوں میں چھوٹے چھوٹے سے ٹاپس کے انہوں نے کسی بھی طرح کا مزید کوئی زیور نہیں پہنا تھا۔ مگر بغیر میک اپ اور کسی بھی خاص طرح کی تیاری کے وہ

بے پناہ حسین تھیں۔ اپنے میاں کے ساتھ انہوں نے بھی گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''ہاجرہ! یہ مس ہنیا سجاد ہیں۔ امریکہ سے آئی ہیں۔ ماشاء اللہ بہت لائق اور قابل انجینئر ہیں۔ اور مس ہنیا! یہ میری مسز، ہاجرہ عذیر۔''

وہ کس کام سے آئی تھی، یکسر بھول گئی تھی۔ وہ یک ٹک ان کے چہرے کو دیکھتی ان کے قریب آ گئی۔ اسے اپنے قریب آتا دیکھ کر وہ اخلاقاً اٹھ کھڑی ہوئیں اور مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ وہ ہاتھ نہیں تھامنا چاہتی تھی، وہ محبت سے ان کے گلے لگ جانا چاہتی تھی، مگر ایسا کر نہ سکی تو انتہائی گرم جوشی سے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا۔

''السلام علیکم۔'' اس کی سمجھ میں نہ آیا، وہ انہیں کیا کہہ کر مخاطب کرے۔

''وعلیکم السلام۔'' آپ سے مل کر خوشی ہوئی ہنیا۔''

انہوں نے مس کا اضافہ کئے بغیر اسے صرف ہنیا کہا تھا۔ وہ ابھی بھی ان کے چہرے کو یک ٹک دیکھ رہی تھی۔ اسے ان کی آنکھوں میں ایک گہری اداسی ٹھہری نظر آ رہی تھی۔

''بیٹھیئے ہنیا۔'' انہوں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس سے بھی بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ ان کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

''سر! آپ بہت لکی ہیں۔ آپ کی مسز بہت خوبصورت ہیں۔''

''اور میں لکی نہیں ہوں؟ میرے میاں اتنے ہینڈسم ہیں۔'' اس کے کمنٹس سے لطف اندوز ہوتی ہاجرہ عذیر مسکرائیں۔ مسکراتے ہوئے ان کے بائیں گال پر ڈمپل پڑا تھا۔ بہت گہرا، بہت خوبصورت ڈمپل۔ اس نے بغور اس ڈمپل کو دیکھا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں، آپ دونوں لکی ہیں۔ اتنا شاندار، اتنا پرفیکٹ کپل تو بہت ہی کم اور کبھی کبھار دیکھنے کو ملتا ہے۔ وہ جنہیں دیکھتے ہی یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ ایک دوسرے کے لئے ہی بنائے گئے ہیں۔''

عذیر فاروق اس کے جوابی تبصرے سے محظوظ ہوتے قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے۔

''اس لڑکی کی یہی بات مجھے اچھی لگتی ہے۔ یہ دل کی بات بے دھڑک کہہ ڈالتی ہے۔'' وہ اپنی بیگم سے مخاطب ہوئے تھے۔

اس نے اپنے برابر بیٹھی ہاجرہ عذیر کے چہرے کو پھر بغور دیکھا۔ اس کا ان کے چہرے پر سے نظریں ہٹانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

''اور مما...... میں کیا بتاؤں، میری مما کتنی خوبصورت ہیں۔'' اس کے کانوں میں ایک آواز گونجی۔

''آپ کسی کام سے آئی تھیں مس ہنیا؟'' اس نے ذرا چونک کر عذیر فاروق کیطرف دیکھا۔

''نہیں سر، زیادہ امپورٹنٹ کام نہیں ہے۔ ابھی آپ مصروف ہیں میں پھر آ جاؤں گی۔''

وہ ایک دم ہی کھڑی ہو گئی۔ اسے خود سے ڈر لگا تھا، کہیں جذباتی ہو کر وہ کوئی احمقانہ حرکت نہ کر گزرے۔ ان سے پہلی بار مل رہی تھی اور انہیں دور دور سے اجنبی بن کر ملنا اور دیکھنا اس کے لئے بڑا کٹھن ثابت ہو رہا تھا۔ ہاجرہ عذیر کو خدا حافظ کہہ کر وہ فوراً ہی عذیر فاروق کے آفس سے نکل آئی تھی۔

''بہت پیاری لڑکی ہے۔ یہ وہی ہے ناں جس کے بارے میں آپ بتا رہے تھے کہ نیویارک سے آئی ہے؟'' اس کے چلے جانے کے بعد ہاجرہ عذیر فاروق سے پوچھ رہی تھیں۔

''ہاں وہی ہے۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ یقیناً کسی بہت اچھی فیملی سے ہے۔ اس کے مینرز اور رکھ رکھاؤ اس کے کسی بہت اچھی فیملی سے ہونے کا بتاتے ہیں۔ یہ مجھے انٹرویو دینے جس یقین سے آئی تھی کہ آج یہاں سے جاب حاصل کر کے ہی واپس جائے گی۔ مجھے اس کا خود پر وہ یقین اور بھروسہ بہت پیارا لگا تھا۔''

''مجھے دیکھ کتنے پیار سے رہی تھی۔ ایک پل کے لئے تو ایسا لگا جیسے میری اپنی بیٹی مجھے دیکھ رہی ہو۔''

ہاجرہ نے کھوئے کھوئے سے لہجے میں شوہر سے کہا۔

''آپ کی کیا بات ہے۔ آپ کو دنیا کی ہر لڑکی اپنی بیٹی نظر آتی ہے۔'' انہوں نے ان کی بات جیسے سنی ہی نہیں تھی۔ وہ ابھی بھی خود کو اس کی محبت بھری نگاہوں کے حصار ہی میں محسوس کر رہی تھیں۔ اس لڑکی کی طرف ان کا دل اس طرح کھنچ کیوں رہا تھا۔ اس نے ہلکے گلابی رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ گلابی رنگ اس پر کتنا جچ رہا تھا۔

وہ بے تحاشا حسین نہیں تھی۔ مگر خوش شکل تھی۔ لمبا قد، مناسب سراپا اور اسٹائلش لکس، اس نے بالوں کی نیچے کر کے پونی بنائی ہوئی تھی۔ اس پونی میں اس کے اوپر سے سیدھے اور نیچے سے کریالی بال بہت اسٹائلش لگ رہے تھے۔ میک اپ اور زیورات سے وہ مکمل طور پر بے نیاز تھی۔ سوائے دائیں ہاتھ میں ایک بریسلٹ کے اس نے کوئی زیور نہیں پہنا تھا۔ اپنی گفتگو اور نشست و برخاست سے عذیر فاروق کی طرح ہاجرہ کو بھی وہ کسی بہت اچھی فیملی کی فرد معلوم ہوئی تھی۔ انہیں ابھی بھی اس کی وہ نظریں یاد آ رہی تھیں جب وہ دروازے کے پاس سے آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھی تھی۔ ایک پل کو تو انہیں ایسا لگا تھا جیسے وہ ان کے گلے لگ جانا چاہتی ہے۔

''امریکہ میں پلی بڑھی لگتی نہیں ہے۔ پوری آستینوں کے ساتھ اتنے مکمل کپڑے تو اب پاکستان میں بھی لڑکیاں کم کم پہنتی ہیں۔''

اپنے خیالوں سے باہر نکلتے ہوئے انہوں نے شوہر کو مخاطب کیا۔ وہ جواباً صرف مسکرائے تھے۔ ان کی بیگم کو ہنیا سجاد بے حد پسند آ گئی تھی اور وہ جانتے تھے اب ہاجرہ، ہنیا سجاد میں دنیا جہان کی وہ، وہ خوبیاں ڈھونڈ نکالیں گی جو شاید اس بے چاری میں ہوں گی بھی نہیں۔

☆

وہ ڈرائنگ سیکشن میں بلگرامی صاحب کے پاس آئے تھے جو طالب کے ساتھ کھڑے ڈرائنگ بورڈ پر لگی ایک ڈرائنگ پر کچھ تبادلہ خیال کر رہے تھے۔ ہنیا وہاں ایک اور ڈرائنگ بورڈ پر موجود تھی۔ وہ اسٹول پر بیٹھی اپنے قریب کھڑے ڈرافٹس مین کو کچھ سمجھا رہی تھی۔ انہیں اندر آتا دیکھ کر وہ فوراً ہی احتراماً کھڑی ہو گئی۔

''السلام علیکم سر۔''

''وعلیکم السلام۔'' کیسی ہیں مس ہنیا؟''

اس کے سلام کا جواب دیتے وہ دل ہی دل میں ہمیشہ کی طرح اس کے اس احترام لئے انداز سے بہت متاثر ہوئے۔ ان کے آفس میں اس طرح کا کوئی ماحول نہیں تھا کہ سینئرز یا باس کو دیکھ کر کھڑا ہوا جائے مگر وہ ان کی آمد پر ہر بار اسی طرح ہر کام چھوڑ کر فوراً اٹھ کھڑی ہو جاتی تھی۔

وہ ان کے ساتھ کہیں بھی جاتی، کبھی ان کے بیٹھنے سے پہلے خود نہیں بیٹھتی تھی، ان کے ساتھ کہیں داخل ہو رہی ہوتی یا وہاں سے باہر نکل رہی ہوتی، ہر بار اس کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ ان کے لئے دروازہ کھولے۔ ''کچھ چیزیں تعلیم بھی آپ کو نہیں سکھا سکتی، وہ تو آپ اپنے ماحول اور اپنی تربیت ہی سے سیکھتے ہیں۔ ان کے والدین یقیناً بہت اچھے اور خاندانی لوگ تھے۔ انہوں نے اپنی بیٹی کو بہت اچھی تربیت دی تھی۔ وہ جس گھر بھی جائے گی، یقیناً وہ لوگ بہت خوش قسمت ہوں گے۔'' اس کے مینرز، ایٹی کیٹس، اس کی تہذیب اور اس کا رکھ رکھاؤ دیکھ کر بار ہا ان کے دل میں یہی خیال آتا تھا۔

ہنیا اس وقت ان کے برابر والے ڈرائنگ بورڈ پر تھی اور اپنے کام کے ساتھ ان لوگوں کی گفتگو بھی پوری توجہ سے سن رہی تھی۔ وہ ڈرائنگ میں پوائنٹر کی مدد سے بلگرامی صاحب اور طالب کو کچھ بتا رہے تھے۔ یک دم ہی پوائنٹر ان کے ساتھ سے چھوٹ کر نیچے فرش پر گر پڑا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ جھک کر پوائنٹر خود اٹھاتے، ہنیا جلدی سے اسٹول پر سے اٹھی اور فوراً ہی نیچے گرا پوائنٹر اٹھا کر ان کی طرف بڑھا دیا۔ کسی اور نے اس بات کو محسوس کیا ہو یا نہ کیا ہو مگر انہوں نے تو اس بات کو پوری شدت سے محسوس کیا تھا۔

''کاش ایک ایسی لڑکی، کاش ہنیا سجاد جیسی لڑکی ان کی بہو بنتی۔''

دکھ بھری ایک سرد آہ بے اختیار ان کے لبوں سے نکلی تھی۔



کام کا لوڈ زیادہ ہوتا یا سبمشن ڈرائنگز جانا ہوتیں تو آفس میں چھٹی کے ٹائم کے بعد دیر تک رکنے کا رواج کم تھا۔ مگر کسی پروجیکٹ میں اگر ڈیڈ لائن میٹ کرنا مشکل ہو رہا ہوتا تو سنڈے کو بھی سب دفتر آجایا کرتے تھے۔

وہ فلائی اوور کے جس پروجیکٹ میں عذیر فاروق کے ماتحت کام کر رہی تھی، اس کی ڈیزائننگ کا کام دیگر دوسرے پروجیکٹس کے پریشر کے سبب کنٹرول میں نہیں آ رہا تھا، لہٰذا اس نے اور انہوں نے سنڈے کو آفس آنا طے کیا تھا۔ چھٹی کے دن کچھ دیر تک سو سکیں، اس لئے انہوں نے دس بجے کا وقت مقرر کیا تھا۔ وہ دس بجے آفس پہنچی تو اس کے آگے پیچھے ہی آفس کے کچھ افراد بھی، جنہیں اپنی ڈیڈ لائن میٹ کرنی تھی، آفس پہنچنے لگے۔

چھٹی کا دن تھا، یہ کوئی ریگولر ورکنگ ڈے تو تھا نہیں نہ ہی کسی کلائنٹ نے آج یہاں آنا تھا لہٰذا سب Casual لباس میں تھے۔ روزانہ کے برخلاف آج یہاں ڈیزائنرز ٹو پیس، تھری پیس سوٹ اور سلک ٹائیوں کے برخلاف جینز اور ٹی شرٹس میں نظر آ رہے تھے۔ وہ خواتین جو مغربی لباس پہننا پسند کرتی تھیں وہ بھی لیڈیز ٹو پیس سوٹ کے برخلاف جینز اور شرٹ میں نظر آ رہی تھیں۔

ڈرافٹس مین بھی چند ہی آئے ہوئے تھے اور انہوں نے ڈرائنگ سیکشن میں کاموں کے ساتھ ہلکی آواز میں میوزک بھی لگا رکھا تھا۔ بلگرامی صاحب اور طالب بھی اپنے کسی دوسرے پروجیکٹ کے سلسلے میں آج آئے ہوئے تھے، اسی طرح نجمہ یاسمین اور ارسلان جو آرکیٹیکٹ تھا آئے ہوئے تھے۔ سب اپنے اپنے آفسز میں اپنے اپنے کاموں میں مگن تھے۔ جس کا جب کام ختم ہو جاتا تا اسے چلے جانا تھا تا کہ چھٹی کا بچا ہوا باقی دن اپنی

فیملی کے ساتھ انجوائے کر سکے۔

عذیر فاروق بھی آج روزانہ سے مختلف لباس میں تھے۔ انہوں نے خاکی رنگ کا کاٹن کا رنکل فری ٹراوزر اور کاٹن کی ہاف سلیوز والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ روزانہ سے آج وہ بہت مختلف اور بہت اچھے لگ رہے تھے۔ وہ ان سے پہلے ان کے آفس میں آ گئی تھی اور انہیں دیکھتے ہی اس نے بے ساختہ ان کی تعریف کی تھی۔

''سر! آپ آج بہت ہینڈسم لگ رہے ہیں۔'' وہ جواباً قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔

''اب اخلاقاً جواب میں مجھے بھی آپ کی تعریف کرنی چاہیے۔ لیکن مجھے تو آپ روزانہ جیسی ہی لگ رہی ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ روزانہ آپ اچھی نہیں لگتیں، مگر آج کچھ چینج لگ نہیں رہا۔ وہی سمپل مگر اسٹائلش ہنیا سجاد۔'' اپنی بات کے اختتام پر انہوں نے اسے بغور دیکھا۔

''آپ کے لیے یہ کمنٹس میری بیگم نے دیئے تھے۔ سمپل مگر اسٹائلش۔ ویسے لگتا ہے آپ کو دوسری لڑکیوں کی طرح سجنے سنورنے کا زیادہ شوق نہیں ہے۔''

انہوں نے اسے کبھی بھی میک اپ میں نہیں دیکھا تھا۔ نہ ہی وہ کسی طرح کے زیورات کبھی پہنتی تھی۔ لباس بھی اس کا قیمتی بے شک ہوتا مگر ہوتا ہلکے رنگوں پر مشتمل اور سادہ ہی ہوتا تھا۔ وہ اپنی عمر کی دوسری لڑکیوں سے واقعی بہت مختلف تھی۔

اس گفتگو کے بعد وہ کام کی بات پر آ گئے تھے۔ انہیں کام کرتے کرتے ساڑھے بارہ بج گئے تھے۔ جب میز پر رکھے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ وہ اس وقت بک شیلف کے پاس کھڑے پری اسٹریسڈ کنکریٹ پر ایک کتاب کھولے، اس میں کچھ تلاش کر رہے تھے۔ جس طرح وکلاء کا کتابوں کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ اسی طرح انجینئرز کا بھی کتابوں سے کنسلٹ کیے بغیر ڈیزائننگ کا کام ہو نہیں سکتا۔

''فون دیکھئے گا مس ہنیا!'' وہ چونکہ اس وقت ان کی میز کے پاس ہی کھڑی تھی، لہٰذا انہوں نے اس سے کہا۔ اس نے کال ریسیو کی تو دوسری جانب ہاجرہ عذیر تھیں۔ وہ ان کی آواز سنتے ہی انہیں پہچان گئی تھی۔

''السلام علیکم۔'' وہ آنٹی کہتے کہتے جھجک کر رک گئی۔ باس کی مسز کو آنٹی کہنا کچھ مناسب تو نہ تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' ہنیا بول رہی ہو ناں؟'' انہوں نے بھی اسے پہچان لیا تھا۔

''جی۔ آپ کیسی ہیں؟''

''الحمدللہ۔ تم سناؤ۔ تمہارے باس، بہت برے آدمی ہیں تم لوگوں کو سنڈے کو بھی آرام نہیں کرنے دیتے۔''

ان کے پُر مزاح سے انداز پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ وہ اس سے بے تکلفی سے بات کر رہی تھیں، اسے تم، کہہ کر مخاطب کر رہی تھیں، اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے اپنی کئی کولیگز سے مسز ہاجرہ عذیر کی بہت تعریفیں سن رکھی تھیں۔ وہ سب ان کے متعلق یہی کہتی تھیں کہ وہ ان سے جب بھی ملتی ہیں بڑی ملنساری اور خوش اخلاقی سے ملتی ہیں۔ ایک لمحے کو بھی یہ احساس نہیں ہونے دیتیں کہ وہ ان کے باس کی بیگم ہیں یعنی یہ خوش اخلاقی بطورِ خاص اس کے لیے نہ تھی، شاید یہ ان کی شخصیت کا حصہ تھی مگر وہ پھر بھی بہت خوش تھی۔

''سر کو بلاؤں؟'' اس نے ان سے پوچھا۔

''ہاں بس، وہ میں نے یہ پوچھنے کے لئے فون کیا تھا کہ عذیر لنچ تک گھر آجائیں گے یا میں کھانا آفس بھجوادوں۔ ابھی تم لوگوں کو کیا مزید دیر لگے گی؟'' انہوں نے اس سے پوچھا۔

''جی، ابھی تو کافی کام کرنا ہے لیکن آپ لنچ مت بھجوائیں اصل میں لنچ میں بنا کر لائی ہوں۔'' اس نے کچھ جھجکتے ہوئے انہیں بتایا، ساتھ ہی کن انکھوں سے عذیر فاروق کی سمت دیکھا۔ ان کی اس کی طرف پشت تھی اور وہ کتاب کے صفحے پلٹتے، اپنا مطلوبہ صفحہ ڈھونڈنے میں بری طرح مصروف تھے۔ ان کا پیچھے فون پر ہونے والی گفتگو کی طرف ذرا سا بھی دھیان نہیں تھا۔

''اچھا؟ کیا بنا کر لے آئیں؟'' ہاجرہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

''پاستا اور مشروم سلاد ہے، سر کھالیں گے ناں؟'' اس نے آہستہ آواز میں پوچھا۔

''بالکل کھالیں گے۔ پاستا تو انہیں بہت پسند ہے۔''

اس نے کل شام ہی سے جب آج آنا طے ہوگیا تھا تب ہی سے سوچنا شروع کر دیا تھا کہ اسے ان کے اور اپنے لنچ کے لئے گھر سے کچھ بنا کر لے جانا چاہئے۔ کیا بنانا چاہئے۔ اس نے رات ہی کو فیصلہ کرلیا تھا اور صبح صبح اٹھ کر اس نے دونوں چیزیں بنا بھی ڈالی تھیں۔

''تم لوگ بزی ہو! زیادہ لمبی بات نہیں کرنی چاہئے۔ جاؤ تم کام کرو۔ اللہ حافظ۔''

انہیں خدا حافظ کہتے ہوئے اس نے ریسیور واپس کریڈل پر رکھ دیا تھا۔

''سر! آپ کی مسز کا فون تھا۔'' کتاب ہاتھ میں لئے انہوں نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

''وہ لنچ بھجوانے کے لئے پوچھ رہی تھیں۔''

اس نے تھوڑا ہچکچاتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اس کے گھبرائے اور جھجکے انداز کو تعجب سے دیکھا وہ ان سے کچھ کہتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔ وہ ہاتھوں کو اضطراری انداز میں کھول اور بند کر رہی تھی۔ وہ بولے کچھ نہیں خاموشی سے اس کی طرف دیکھتے رہے۔

''سر! آج لنچ میں گھر سے بنا کر لائی ہوں۔ آپ کھائیں گے؟'' وہ بے ساختہ ہنسے تھے۔

''اتنی خوف زدہ شکل کے ساتھ یہ بات کرنا تھی۔ میں سمجھا پتہ نہیں کیا ہوگیا۔''

''سر! آپ اپنے گھر سے آیا پرہیزی کھانا کھاتے ہیں۔ میں اس وجہ سے پوچھ رہی تھی۔ لیکن سر! میں نے بھی بد پرہیزی والی کوئی چیز نہیں بنائی ہے۔'' بری طرح جھینپتے اس نے جھٹ وضاحتی انداز میں کہا۔

''کیا بنا کر لے آئیں؟''

ان کے مسکرا کر پوچھنے پر اس نے سکون کا سانس لیا۔ وہ خوامخواہ نروس ہو رہی تھی، کہیں وہ یہ نہ سوچیں کہ وہ ان سے کچھ زیادہ ہی بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہی ہے جبکہ انہوں نے اس بات کو کتنا نارمل لیا تھا۔ دو بجے سے پہلے تو انہیں کھانا کھانے کا نہ وقت ملا تھا نہ ہی دھیان آیا تھا۔

سوا دو بجے جب ان کی اپنی رسٹ واچ پر نظر پڑی انہوں نے خود ہی اس سے کھانے کے لئے کہا۔

''کیسی میزبان ہیں آپ؟ سوا دو بجے تک اپنے مہمان کو بھی بھوکا بٹھایا ہوا ہے اور خود بھی بھوکی بیٹھی ہیں۔ کہاں ہے وہ پاستا اور مشروم سلاد؟''

آج چونکہ آفس میں پیون کوئی موجود نہیں تھا۔ اس لئے کچن میں جا کر پاستا گرم کر کے اور پلیٹس، فورک وغیرہ لے کر کھانا وہ ٹرے میں لگا کر ان کے آفس میں لے آئی۔

انہوں نے اپنی عادت کے مطابق پہلے سلاد کھانا شروع کی تھی اور پہلا چمچہ منہ میں لے جاتے ہی انہوں نے بے ساختہ تعریف کی تھی۔

''واہ مزا آ گیا۔ یہ گھر کی بنی ہوئی سلاد تو لگ ہی نہیں رہی۔ کسی فائیو سٹار ہوٹل میں کھانا کھانے جیسا مزہ آ رہا ہے۔''

وہ شاید اس کا دل خوش کرنے کے لئے زیادہ تعریف کر رہے تھے مگر وہ ان کے تعریف کرنے پر واقعی بہت خوش ہو رہی تھی۔

''انجینئر صاحب کے یہ گن تو آج پتہ چلے ہیں۔ لکھوالیں آپ مجھ سے۔ آپ کی شادی کسی بہت اچھے لڑکے سے ہو گی۔'' کھانا کھا لینے کے بعد وہ کافی بنا کر لے آئی تو اس کا پہلا گھونٹ لیتے ہوئے ہی انہوں نے بے ساختہ کہا۔

''سر! آپ کو کیسے پتہ؟''

''اتنی اچھی لڑکی کو کون ناپسند کر سکتا ہے۔ ویسے ٹو بی فرینک، کوئی لڑکا وڑکا اپنے لئے پسند کیا ہے یا یونہی ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی ہیں۔''

اس نے نفی میں سر ہلایا تو انہوں نے فوراً پوچھا۔

''انکار میں سر کس بات پر ہلایا ہے۔ لڑکا پسند نہیں کیا یا ہاتھ پہ ہاتھ دھرے نہیں بیٹھیں؟''

''ہاتھ پہ ہاتھ دھرے نہیں بیٹھی۔'' اس کے خود اعتمادی سے بھرپور اس جواب پر وہ محظوظ ہوتے کافی دیر تک ہنستے رہے تھے۔

☆

وہ عذیر فاروق کے آفس کی طرف جانے لگی تو پیچھے اپنی میز پر کام کرتے شوکت سلطان اس سے بولے۔

''سر آج لیٹ آئیں گے۔'' دروازے کی ناب سے ہاتھ ہٹا کر اس نے مڑ کر انہیں دیکھا۔

''کیوں؟ خیریت؟''

''ان کی مسز کی طبیعت خراب ہے، سر کو شاید انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہے۔''

وہ واپس اپنے کیبن میں آ گئی۔ اسے تشویش ہو رہی تھی عذیر فاروق لنچ ٹائم کے بعد آفس آئے تھے اور جیسے ہی اسے یہ پتہ چلا کہ وہ آفس آ گئے ہیں، وہ خود کو ان کے پاس جانے سے روک نہ پائی۔

''آیئے مس ہنیا!'' انہوں نے حسب عادت مسکرا کر اسے اپنے آفس میں خوش آمدید کہا۔ ''سائٹ پہ ہو آئیں آپ۔''

''جی سر!'' اس نے ان کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ تھکے ہوئے سے لگ رہے تھے، کچھ ٹینشن بھی ان کے چہرے پر تھی مگر وہ بظاہر مسکراتے ہوئے معمول کے انداز میں باتیں کر رہے تھے۔

''سر! آپ کی مسز کی طبیعت کیسی ہے؟''

''طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' انہوں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''سب ٹیسٹس کی رپورٹس ٹھیک آئی ہیں مگر...... اب میں سوچ رہا ہوں انہیں ہسپتال میں ایڈمٹ کرادوں۔''

اپنی فکر اور پریشانی اپنے اندر ہی چھپائے ہوئے اسے نارمل سے انداز میں بتا رہے تھے۔ مگر ان کی آنکھوں سے چھلکتی فکر مندی دیکھ کر وہ بتا سکتی تھی کہ وہ کس قدر ڈسٹرب ہیں۔

''اچھا وہ کوٹیشن کا کیا ہوا؟ آپ نے فیکس کر دی تھی؟'' وہ واپس آفیشل معاملات کی طرف آ گئے تھے۔

''جی سر! صبح آتے ہی میں نے فیکس کر دی تھی۔ وہاں سے فون بھی آ گیا۔ HRK کے ایم ڈی آپ سے میٹنگ کے لئے دن اور ٹائم طے کرنا چاہ رہے تھے۔'' اس نے سنجیدگی سے ان کی بات کا جواب دیا تھا۔

اس روز اس نے ہر نماز میں بڑی شدت سے ہاجرہ عذیر کے لئے دعائیں مانگی تھیں۔ ان کی صحت اور تندرستی کے لئے، وہ ان کے لئے بہت پریشان تھی۔ رات گئے تک اس کا یہی دل چاہتا رہا کہ وہ عذیر فاروق کے موبائل پر کال کر کے ہاجرہ کی خیریت معلوم کرے۔ وہ دفتری معاملات کے لئے آفس ٹائمنگز کے دوران اور آفس ٹائمنگز کے بعد بھی انہیں ان کے موبائل پر کتنی بار کال کر لیا کرتی تھی مگر دفتری کام کے علاوہ اس طرح کال کرتے اسے ہچکچاہٹ سی ہو رہی تھی۔

لیکن اگلے روز جب وہ آفس آئی اور اسے یہ پتہ چلا کہ آج سر آفس نہیں آئیں گے، کیونکہ ان کی بیگم ہاسپٹلائزڈ ہیں تب وہ خود کو بالکل بھی روک نہ سکی۔ وہ آفس سے کچھ جلدی اٹھ گئی۔ اس کی کولیگز کل کا پروگرام طے کر رہی تھیں سر کی مسز کی عیادت کا، مگر وہ کل تک رک نہیں سکتی تھی۔ وہ ہسپتال آ گئی تھی۔ ریسپشن سے ان کا روم نمبر معلوم کرتی وہ ان کے کمرے میں پہنچتی تو وہ بیڈ پر لیٹی نظر آئیں۔

وہ کمرے میں اکیلی تھیں۔اس نے دستک دیتے ہوئے دروازہ ذرا سا کھولا، وہ دروازے ہی کی سمت دیکھ رہی تھیں۔اسے دیکھ کر وہ مسکرائیں۔

''ارے ہنیا تم؟ آؤ۔'' انہوں نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی۔

''آپ اٹھیں مت لیٹی رہیے۔'' اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر انہیں اٹھنے سے روکا، انہوں نے دوبارہ تکیے پر سر رکھ لیا، ان کی آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے نظر آ رہے تھے، وہ بہت بیمار اور بہت کمزور نظر آ رہی تھیں۔

''کیسی ہو؟'' وہ ان کے بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔آپ کیوں بیمار پڑ گئیں؟'' اس نے ان کے زرد پڑتے چہرے کو تشویش سے دیکھا۔

''بس بیٹا! اس عمر میں تو یہ سب چلتا رہتا ہے۔ بڑھاپا ہے اب ہمارا۔''

''آپ کہاں سے بوڑھی ہو گئیں، ابھی اتنی ینگ ہیں آپ......''

ہاجرہ بجھے بجھے سے انداز میں ہنسیں۔

''سر بہت پریشان ہیں آپ کے لئے۔ پلیز ان کے لئے ہی جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔'' اس کی آواز بھرانے لگی تھی۔وہ جلدی سے رخ موڑ کر اس گلدستے کو بیڈ کے پاس رکھی میز پر رکھنے لگی جو وہ ان کے لئے لے کر آئی تھی۔

''ہنیا!'' انہوں نے اسے پکارا۔اس نے جلدی سے آنسو صاف کر کے ان کی طرف دیکھا۔

''آئی ایم سوری، مجھے اس طرح نہیں کرنا چاہئے۔ یہ عیادت کا کوئی طریقہ نہیں۔''

بولتے بولتے اس کی آنکھوں سے دوبارہ آنسو گرنے لگے تھے۔وہ جتنا اپنے آنسوؤں کو روکنا چاہ رہی تھی، وہ اتنی ہی شدت سے بہے چلے جا رہے تھے۔انہوں نے اس کے ہاتھ تھامے، وہ شاید کچھ کہنا بھی چاہ رہی تھیں کہ یک دم ہی اس نے اپنے ہاتھوں میں موجود ان کے دونوں ہاتھوں کو والہانہ چوما۔

''آپ مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔آپ کو دیکھ کر، آپ سے مل کر مجھے میری ممی یاد آتی ہیں۔ وہ بالکل آپ کی طرح تھیں۔آپ کو دیکھتی ہوں تو ایسا لگتا ہے اپنی ماں کو دیکھ رہی ہوں۔''

''مجھے بھی تم بہت اچھی لگتی ہو ہنیا! تم سے پہلی بار مل کر ہی ایسا لگا تھا جیسے میری بیٹی میرے سامنے کھڑی ہے۔اگر میری کوئی بیٹی ہوتی تو شاید تمہارے جیسی ہی ہوتی۔''

ان کی آنکھوں سے بھی بے اختیار آنسو بہنے لگے تھے۔وہ دونوں ایک دوسرے سے رونے کا سبب نہیں پوچھ رہی تھیں۔بس آنسو تھے جو کسی کے بھی اختیار میں نہ تھے۔

''سر کہاں ہیں؟'' چند سیکنڈز بعد خود پر قابو پاتے اس نے پوچھا۔

''ڈاکٹر سے کچھ بات کرنے گئے ہیں۔ آنے والے ہوں گے ابھی۔'' انہوں نے اپنے آنسو صاف کرتے آہستگی سے جواب دیا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھیں بالکل اسی طرح جیسے وہ والہانہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''تم روئیں کیوں ہنیا؟ مجھے بیمار دیکھ کر تم کیوں روئیں؟ اس طرح تو کسی بہت اپنے کو تکلیف میں دیکھ کر آنکھیں بھر آیا کرتی ہیں۔ جو دل کے بہت قریب ہو، جو بہت اپنا ہو، اسے تکلیف میں دیکھ کر رویا جاتا ہے۔ تم سے میرے دل کا کیا ناتا ہے؟ کیا تعلق ہے؟ تم اتنی اپنی اپنی کیوں لگتی ہو ہنیا؟''

وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھیں مگر پوچھ نہیں پائی تھیں۔ عذیر فاروق کمرے میں آئے تو ہنیا کو بیٹھا دیکھ کر خاصے حیران ہوئے۔ وہ ان کے آنے کے بعد وہاں زیادہ دیر رکی نہیں تھی۔ وہ پندرہ منٹ ہاجرہ عذیر کے پاس ان کی عیادت کے لئے بیٹھی تھی۔ مگر ان پندرہ منٹوں میں ہاجرہ کے ساتھ اس کے دل کا ایک انوکھا رشتہ جڑ گیا تھا۔

ہاجرہ کو وہ پہلی ملاقات میں اتنی اچھی لگی تھی۔ بہت اپنی اپنی سی، جس کی طرف خود بخود ہی دل کھینچنے لگے ایسی لگی تھی اور آج کی ملاقات کے بعد تو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے ساتھ ان کا دل کا بہت گہرا ناتا جڑ گیا ہے۔ انہیں ہنیا کا اپنے لئے جذباتی ہونا سمجھ میں آ رہا تھا۔ وجہ اس نے خود ہی بتا دی تھی، وہ اپنی زندگی میں ماں کی کمی بہت محسوس کرتی تھی اور ان میں شاید اسے اپنی ماں کی کچھ جھلک نظر آتی تھی تب ہی ان کی بیماری کا سن کر وہ یوں کھنچی کھنچی انہیں دیکھنے چلی آئے تھی۔ مگر وہ اسے دیکھ کر اتنی بے اختیار کیوں ہو جاتی تھیں۔ وہ وجہ سمجھنے سے قاصر تھیں۔ دل کی دنیا کی تو یوں بھی اپنی ہی منطقیں ہوتی ہیں۔ جو دل کو اچھا لگ جائے اس کے اچھا لگنے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ وہ اپنے دل سے منطق، دلیل اور وجہ نہیں مانگ سکتی تھیں وہ بس یہ جانتی تھیں کہ ان کے دل کو ہنیا سجاد، بہت اچھی لگتی ہے۔



پانچ دن ہسپتال میں رہ کر ہاجرہ گھر واپس آ گئی تھیں۔ اس دوران وہ روزانہ صبح، شام پابندی سے ان کی فون پر خیریت دریافت کیا کرتی تھی۔ اب اسے عذیر فاروق سے ان کی خیریت معلوم کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے پاس ہاجرہ کا موبائل نمبر تھا، جو انہوں نے اسے خود دیا تھا، وہ اس پر کال کر کے جب جی چاہتا ان کی خیریت معلوم کر لیا کرتی۔

وہ جب پہلے دن ان کی عیادت کر کے گئی تھی اس کے اگلے دن صبح میں ہاجرہ ہی نے اس کے موبائل پر اسے کال کی تھی۔ وہ ہسپتال کے بستر پر لیٹی، اکیلی بہت بور ہو رہی تھیں، سو انہوں نے اسے فون کر لیا تھا۔ وہ ابھی اس کے بارے میں بہت کچھ نہیں جانتی تھیں، اس روز اس نے انہیں امریکہ میں اپنی لائف، اپنے والدین، بھائی بہنوں کے متعلق کافی کچھ بتایا تھا۔ وہ پہلی گفتگو جیسے اس کی ہاجرہ کے ساتھ ٹیلی فونک دوستی کا آغاز تھی۔

''میں آپ کو آنٹی کہہ سکتی ہوں؟'' اس روز اس نے ان سے پوچھا تھا اور انہوں نے اسے فوراً اجازت دے دی تھی۔ ہاسپٹل میں قیام کے دوران تو دن میں دو، دو بار بات ہوتی ہی تھی مگر جب طبیعت بہتر ہونے پر وہ اپنے گھر واپس آ گئیں، انہوں نے تب بھی اس کے ساتھ ٹیلی فونک رابطہ برقرار رکھا۔

انہوں نے اس سے کہا تھا کہ اس کا عذیر فاروق کے ساتھ ملازم اور باس کا رشتہ ہوگا مگر ان کے ساتھ اپنے رشتے میں وہ اس تعلق کو ذہن

میں نہ رکھے۔ وہ اپنے گھر میں سارا دن تنہا ہوتی تھیں۔ ابھی بیماری سے اٹھی تھیں اس لئے گھر سے باہر زیادہ نکل نہیں رہی تھیں ورنہ انہوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ کہیں تفسیر کی کلاس لیتی ہیں۔

وہ کہتی تھیں قرآن کو سمجھنے کی اس کوشش کے دوران وہ اللہ سے زیادہ نزدیک ہوگئی ہیں۔ ان کا اللہ کے ساتھ تعلق پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گیا ہے۔ چاہے 6,5 منٹ کی مختصر سی گفتگو ہوتی مگر وہ ہنیا کو فون کرتی ضرور تھیں۔ اگر ان کا فون نہ آتا تو وہ انہیں خود فون کر لیتی۔

انہیں ہسپتال سے گھر آئے ایک ہفتہ ہوا تھا جب اس رات ان کا اس کے پاس فون آیا۔

''کیسی ہیں آنٹی؟ آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

''طبیعت بالکل ٹھیک ہے، تب ہی تو تمہارے سر کے ساتھ سیریں کرتی پھر رہی ہوں۔''

ان کے لہجے کی خوشگواریت نے اس پر بھی خوشگوار اثر ڈالا۔ ورنہ انہیں بجھا بجھا اور نڈھال دیکھ کر وہ اندر سے ٹوٹنے لگتی تھی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ کہاں نکلے ہوئے ہیں آپ لوگ؟''

''وہ سر کی موجودگی میں فون کرتی تو نہیں تھیں، فون تو وہ جس وقت اکیلی بور ہو رہی ہوتیں اس وقت کیا کرتی تھیں پھر اس وقت سر کی موجودگی میں کیوں؟'' وہ دل ہی دل میں حیران ہو رہی تھی۔

''ہم لوگ شاپنگ کرنے نکلے ہوئے تھے۔ میں نے تمہارے لئے ایک سوٹ خریدا ہے۔ میں وہ تمہیں دینے کے لئے تمہارے گھر پر آ رہی ہوں۔ تمہارے سر کہنے لگے کہ آپ کیا بغیر انفارم کئے ایسے ہی منہ اٹھا کر چلی جائیں گی، لہٰذا ان کے کہنے پر تمہیں انفارم کر رہی ہوں، ورنہ میرا ارادہ تو اچانک پہنچ کر تمہیں سرپرائز دینے کا تھا۔ ہم لوگ تمہارے گھر سے بس کچھ ہی دور ہیں۔ بس پانچ منٹ میں تمہارے گھر پر ہوں گے۔''

ان کی اس اطلاع پر اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ وہ اگلے 5 منٹ میں اس کے گھر پہنچ رہی تھیں۔ وہ انہیں اپنے گھر آنے سے منع نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کیا کرے؟ اس کا ذہن تیز رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ مگر اس تیز رفتاری کے باوجود بھی وہ کوئی مشورہ، کوئی حل بتانے میں ناکام تھا۔ صرف پانچ منٹ میں وہ کیا کر سکتی تھی۔ پانچ منٹ میں تو وہ ساری بات اپنے ماموں، ممانی کو سمجھا بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ دونوں پہلی بار اس کے گھر آ رہے تھے، اسے ان کی اچھی طرح تواضع کرنی تھی، انہیں اپنے ماموں اور ممانی سے ملوانا تھا۔ فیاض صاحب تو خیر کم گو تھے مگر اسے خطرہ شمسہ سے تھا۔ اگر انہوں نے کوئی بات بول دی۔ اس کی امریکہ میں جیسی زندگی وہ سمجھتے ہیں اس کے برعکس کوئی اور بات بتا دی۔ شمسہ کچھ بھی بول سکتی تھیں۔ کسی بری نیت یا برے ارادے سے نہیں، اس کی محبت اور چاہت ہی میں۔ مگر ان کی وہ محبت اور چاہت اس کے بنے بنائے ہر کام کو بگاڑ سکتی تھی۔ اتنے عرصے میں جو اس نے محنت کی، اس سب پر پانی پھر سکتا تھا۔ اس کی پانچ مہینوں کی محنت داؤ پر لگی ہوئی تھی۔

پریشانی اور گھبراہٹ میں شمسہ اور فیاض کو یہ تک نہیں بتا سکی تھی کہ اس کے باس اور ان کی بیگم ان کے گھر آ رہے ہیں۔ گیٹ پر بیل ہوئی تو اسے اپنی اس حماقت کا احساس ہوا۔ انہیں ان کی آمد کی اطلاع دیتی وہ گیٹ کھولنے بھاگی۔

''یا اللہ وہ لوگ بہت جلدی میں ہوں۔ میرے بہت بلانے پر بھی اندر نہ آئیں۔'' گیٹ کھولنے تک اس نے یہی دعا مانگی تھی۔

''السلام علیکم۔'' گیٹ کھولتے ہوئے اس نے ان دونوں کو سلام کیا۔ گیٹ پر ہاجرہ کھڑی تھیں اور عذیر فاروق ان سے ایک قدم پیچھے ہاجرہ نے ایک Fancy شاپنگ بیگ اس کی طرف بڑھایا۔

''تم برائٹ کلرز پہنتی نہیں ہو یقیناً تمہیں پسند نہیں ہوں گے اس لئے۔ مگر مجھے تو تمہارے لئے یہی کلر اچھا لگ رہا تھا۔ اب تمہارے سر تم لوگوں کو ہمارے گھر ڈنر پر انوائٹ کرنے والے ہیں۔ ہر سال ہوتا ہے یہ ڈنر، فرم کے سب لوگوں کے لئے۔ تم اس میں یہی سوٹ پہن کر آنا، مجھے بہت خوشی ہوگی۔'' وہ اتنے ٹینشن میں تھی کہ...... ''آپ نے ناحق زحمت کی'' یا'' اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔'' جیسے رسمی باتیں بولے بغیر فوراً ہی شکریہ کہہ کر شاپنگ بیگ ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

''آپ اندر تو آیئے آنٹی! سر پلیز اندر آئیں۔'' (کاش وہ اندر نہ آئیں، کاش وہ جلدی میں ہوں، کاش)

''ویسے تو ہمیں ابھی ایک اور جگہ جانا ہے لیکن تمہارے ماموں، ممانی سے ملے بغیر چلے گئے تو بہت بری بات ہوگی۔ چلو کھڑے کھڑے ان سے مل لیتے ہیں۔''

ان کے اس جملے نے اس کی جان نکال دی تھی۔ فیاض اور شمسہ نے بھانجی کے باس اور ان کی بیگم کا پرتپاک خیر مقدم کیا تھا۔ ڈرائنگ روم میں سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور بہت خوشگوار ماحول میں وہ فیاض اور شمسہ کا عذیر فاروق اور ہاجرہ سے تعارف کروا رہی تھی۔ تعارف کی رسمی کارروائی کے بعد فیاض، عذیر فاروق سے مردوں کے من پسند موضوع ملکی سیاست اور ملک میں جاری معاشی بحران پر گفتگو کرنے لگے تھے۔

جبکہ شمسہ نے ہاجرہ کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا تو موسم اور گرمی کے ذکر کے ساتھ تھا مگر بہت جلد موضوع، ہنیا کی ذات بن گیا تھا۔ اس کے آجانے سے ان کے گھر کی ویرانی کس طرح دور ہوگئی ہے، اسے امریکہ سے آئے ابھی چند مہینے ہوئے ہیں اور اس نے اتنی جلدی خود کو پاکستانی ماحول میں ڈھال لیا ہے۔

وہ اوپر سے مسکرا رہی تھی، اندر سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگ گئی تھیں۔ اس کی اتنے مہینوں کی ساری محنت داؤ پر لگی ہوئی تھی۔ شمسہ کو چند منٹوں بعد ہی مہمان نوازی کی فکر ہوئی تھی جبکہ وہ اس وقت وہاں سے ایک پل کے لئے بھی ہلنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر شکر تھا کہ عذیر فاروق اس کے کچھ لانے کے لئے اٹھنے سے پہلے ہی جانے کے لئے کھڑے ہوگئے۔

''ارے ایسے کیسے۔ اس طرح تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا۔'' فیاض صاحب بولے۔

''تکلف کوئی نہیں ہے، ہم پھر کسی اور دن آپ کے ساتھ کھانا کھانے آجائیں گے۔ ابھی ہمیں ایک اور جگہ جانا ہے۔ لیٹ ہو رہے ہیں، وہاں ہمارا انتظار ہو رہا ہوگا۔''

فیاض اور شمسہ کو مہمانوں کے اور مہمان بھی وہ جو بھانجی کے باس تھے یونہی چلے جانے کا قلق ہو رہا تھا، جبکہ اسے ذرا افسوس نہ تھا۔ وہ انہیں گیٹ تک چھوڑنے آئی تھی۔ جیسے ہی اسے خدا حافظ کہہ کر وہ دونوں گاڑی میں بیٹھے، ان کی گاڑی اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھی، اس نے ایک گہری طمانیت بھری سانس لی۔ اللہ نے اسے بال بال بچا لیا تھا۔ اس کی ساری محنت اکارت جاتے جاتے رہ گئی تھی۔ اللہ کا شکر ادا کرتے اور سکون کا سانس

لیتے اس نے یہ بھی سوچا کہ ایسی کوئی سچویشن آئندہ بھی پیش آسکتی ہے۔ اب اسے فیاض اور شمسہ کو ساری بات بتانی ہی ہوگی۔

''ماموں! یہ عذیر فاروق صاحب اور ہاجرہ آنٹی آپ کو کیسے لگے؟'' وہ اندران دونوں کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی۔

''بہت اچھے لگے بیٹا۔'' فیاض احمد نے جواب دیتے اسے کچھ حیرت سے بغور دیکھا۔ جوان سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ شمسہ بھی اسی کو دیکھ رہی تھیں۔

''ماموں! یہ لوگ عابی کے پیرنٹس ہیں۔'' اس نے بہت آہستہ آواز میں یہ جملہ ادا کیا تھا۔

''کیا؟'' حیرت کی زیادتی سے شمسہ کے منہ سے چیخ نما انداز میں نکلا تھا، جبکہ فیاض احمد حیرت، بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ عباد کے پاپا کی فرم میں جاب کر رہی تھی، اسے پتہ تھی یہ بات؟ کب سے؟ کیا شروع وقت سے؟ کیا اس کی کراچی آنے کی وجہ نیویارک میں اپنے گھر کی تنہائی نہیں بلکہ کچھ اور تھی۔

فیاض متحیر سے بھانجی کو یک ٹک دیکھ رہے تھے۔ شمسہ ان سے بھی زیادہ حیرت کا شکار تھیں۔ وہ جو لگتا تھا عباد کا ذکر اس کی زندگی سے نکل گیا، درحقیقت ایسا نہ تھا۔ درحقیقت ایسا بالکل بھی نہ تھا۔



ڈاکٹر گراہم بارسلے کا Seismic Design Analysis of long span bridges کے موضوع پر خصوصی لیکچر تھا، جو خاص طور پر تھا تو اسٹرکچرل انجینئرنگ اور ارتھ کوئیک انجینئرنگ میں ماسٹرز کرنے والے اسٹوڈنٹس کے لیے مگر اس میں شرکت کے لئے انہوں نے ان لوگوں کو بھی بہت زیادہ تاکید کی تھی۔ وہ اس سمسٹر میں انہیں Structural Design پڑھا رہے تھے اور پتہ نہیں وہ ان ہی کی کلاس میں ہمیشہ لیٹ کیوں پہنچا کرتی تھی۔ جان بوجھ کر نہیں، بس کسی نہ کسی وجہ سے صرف انہی کی کلاس میں ایسا ہوتا کہ وہ ان کے کلاس میں داخل ہونے کے بعد بھاگم بھاگ اور تاخیر سے کلاس میں پہنچتی۔ جب وہ اپنے اس خصوصی لیکچر میں ان لوگوں سے شریک ہونے کے لئے کہہ رہے تھے تب اسے دیکھتے انہوں نے بطور خاص کہا تھا۔

''لیکچر ٹھیک دس بجے شروع ہوگا ہنیا!'' اپنے ایک پروفیسر پر اپنا برا امپریشن قائم ہوجانے پر وہ خود سے سخت ناخوش تھی۔ ان کی کلاسز میں وہ اتفاقاً لیٹ ہوتی تھی مگر انہوں نے شاید اسے اس کی عادت سمجھ لیا تھا۔

اس صبح اس کی جلدی تو کوئی کلاس تھی نہیں، لہٰذا رات دیر تک اپنے Structural Design ہی کے پروجیکٹ میں مصروف رہنے کے بعد وہ صبح ساڑھے آٹھ بجے کا الارم سیٹ کر کے آرام سے سوگئی۔

دس بجے لیکچر تھا اور اتنا وقت نہانے، تیار ہونے، ناشتہ کرنے اور کیمپس پہنچنے کے لئے بہت تھا۔ صبح ساڑھے آٹھ بجے الارم بے چارہ یقیناً بہت دھوم دھڑکے سے بجا ہوگا مگر اس کی آنکھ کھلتی تب ناں۔ وہ تو بھلا ہوا جو ماما جانی نے اسے سوا نو بجے آکر جگاتے یہ پوچھ لیا کہ ''کیا آج اسے یونیورسٹی نہیں جانا۔'' وہ کمبل پھینک، بستر چھوڑ بوکھلا کر بیڈ سے کودی تھی۔ پھر جو بھاگ دوڑ مچی وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ بھاگم بھاگ اس نے تیاری کی تھی،

ناشتے کا اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جتنی جلدی اس سے ممکن ہو سکتا تھا اتنی تیز رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کر کے وہ کیمپس پہنچی مگر اس تمام بھاگ دوڑ اور تیز رفتاری کے باوجود بھی جس وقت وہ اپنی گاڑی کیمپس میں پارک کر رہی تھی دس بج چکے تھے۔ ڈاکٹر گراہم جتنے پنکچول تھے، اسے امید تھی ادھر گھڑی کے کانٹے دس اور بارہ کے ہندسوں پر پہنچے ہوں گے ادھر انہوں نے لیکچر ہال میں قدم رکھا ہوگا۔ وہ باقاعدہ بھاگتی، لوگوں سے ٹکراتی اپنے ڈیپارٹمنٹ پہنچی، سیڑھیاں بھی اس نے ایک وقت میں دو، دو پھلانگی تھیں۔

مگر اس ساری بھاگ دوڑ کے باوجود بھی وہ دس منٹ لیٹ ہو چکی تھی۔ لیکچر ہال کے دو دروازے تھے۔ ڈاکٹر گراہم کی نگاہوں میں آنے سے بچنے کے لئے اس نے آگے والے دروازے کی جگہ پیچھے والے دروازے سے اندر داخل ہونا مناسب سمجھا۔ ممکن ہے اس وقت ان کا رخ پروجیکٹر کی طرف ہو۔ اسٹوڈنٹس کی طرف نہ ہو اور وہ اسے اندر داخل ہوتا نہ دیکھ سکیں۔

دل ہی دل میں دعائیں مانگتے وہ پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوئی۔ ڈاکٹر گراہم کا رخ Projector یا رائٹنگ بورڈ کی طرف تو ہرگز نہ تھا مگر وہ سب سے اگلی قطار میں بیٹھے کسی لڑکے سے کچھ بات کر رہے تھے۔ غالباً اس کے سوال کا جواب دے رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ ان کی نظر اس پر پڑے وہ جلدی سے کسی بھی خالی کرسی پر بیٹھ جانا چاہتی تھی۔ اسے سیکنڈ لاسٹ رو میں جو پہلی کرسی خالی نظر آئی وہ تیزی سے اس پر بیٹھ گئی۔ اس کے اس طرح اچھل کر بیٹھنے سے اس کرسی پر رکھا کیلکولیٹر جو غالباً برابر والی کرسی پر بیٹھے لڑکے کا تھا، نیچے گر پڑا۔ بوکھلاہٹ میں جھک کر اس نے وہ کیلکولیٹر اٹھایا اور اسے اس لڑکے کی طرف بڑھایا۔

”آئم سوری۔“ گھر سے بھاگتے دوڑتے تیار ہو کر آئی تھی، اس لئے بال باندھنے کی بھی مہلت نہ مل سکی تھی۔ اس کے شانوں تک آتے بال جنہیں وہ پونی کی صورت باندھ کر رکھا کرتی تھی، اس وقت بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔

”اٹس او کے۔“ وہ مسکراتے ہوئے اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اپنا بیگ اور فائل اس نے ابھی تک گود میں رکھا ہوا تھا، اب ذرا سانس بحال کرتے اس نے کرسی پر صحیح سے ہو کر بیٹھنے اور بیگ گود میں ہٹانے کی کوشش کی تو اس بار اس کی گود سے فائل نیچے گر پڑی۔ آس پاس کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے اسٹوڈنٹس نے گردن گھما کر اس طرف دیکھا۔

ڈاکٹر گراہم کی نگاہ بھی آخر کار اس پر پڑ چکی تھی۔ اس کے برابر بیٹھے لڑکے نے جھک کر اس کی فائل اٹھائی اور اسے اس کی طرف بڑھایا۔ وہ اس کی طرف نہیں بلکہ سامنے ڈاکٹر گراہم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ خود اعتمادی سے مسکرا کر انہیں یوں دیکھ رہی تھی جیسے لیکچر کے شروع سے یہاں پر موجود تھی اور ان بے چارے ہی کی نگاہ اب تک اس پر نہ پڑی تھی۔ وہ لیکچر دیتے Multi Media Projector کے سامنے سے ہٹے، اپنا لیکچر جاری رکھتے وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے پچھلی نشستوں کی طرف آنے لگے۔

اس کی پریشانی اس لمحہ دید نی تھی، اس نے کچھ گھبرا کر اپنے دائیں بائیں دیکھا۔ اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھا وہ لڑکا غالباً اس کا مسئلہ سمجھ چکا تھا، اس نے بڑی آہستگی سے اس طرح کہ کسی اور کو پتہ نہ چل سکے اپنی ڈیسک سے اس کی ڈیسک پر اپنی فائل خاموشی سے منتقل کر دی۔ جبکہ ہنیا کی فائل جو چند لمحے پہلے نیچے گری تھی وہ تو اب تک تھی ہی اس کے ہاتھ میں۔

اس نے ہنیا کی فائل کھول کر اپنی ڈیسک پر رکھ لی۔ ٹہلنے والے انداز میں لیکچر دیتے ڈاکٹر گراہم آخر کار سیکنڈ لاسٹ رو تک پہنچ چکے تھے۔ اس کی چونکہ بالکل کارنر کی کرسی تھی لہٰذا ان کے لیے اس کی فائل کی طرف دیکھنا ہرگز دشوار نہ تھا۔

وہ اس کی کرسی تک آگئے تھے، وہ عین اس کے سر پر کھڑے تھے۔ وہ خود اعتمادی سے انہیں دیکھ کر مسکرائی تھی۔ وہ اسے نہیں اس کے سامنے کھلے صفحے کو دیکھ رہے تھے جو پورا کا پورا ان کے اب تک دیئے لیکچر کے مختلف پوائنٹس اور ڈایاگرام سے بھرا ہوا تھا۔ اپنے لیکچر کے پوائنٹس اس کے سامنے لکھے دیکھے تو انہیں اس کے متعلق دل سے شک کو دور کرتے یقین کرنا ہی پڑا کہ عادت کے برخلاف آج حیرت انگیز طور پر ہنیا سجاد کلاس میں صحیح وقت پر پہنچی تھی، شاید انہوں نے ہی اسے اب دیکھا تھا۔ چونکہ یہ لیکچر پوسٹ گریجوایشن اور انڈر گریجوایشن دونوں کے لیے تھا اس لیے لیکچر ہال پورا کا پورا بھرا ہوا تھا۔

شاید اتنے اسٹوڈنٹس میں وہ اسے پچھلی نشست پر بیٹھا دیکھ نہیں پائے تھے۔ وہ اس کے پاس سے مڑ کر واپس آگے کی طرف جانے لگے تب اس نے سکون کا سانس لیا۔

”تھینکس۔“ اس نے دبی زبان میں اپنے برابر بیٹھے بندے کا شکریہ ادا کیا اور جس خاموشی سے اس کی فائل اس کی میز پر آئی تھی اسے اسی خاموشی سے اس کی ڈیسک پر رکھ دیا۔ وہ اب سنجیدگی سے لیکچر نوٹ کرنا چاہ رہی تھی، مگر گھڑی گھڑی اس کے بالوں کی چھوٹی چھوٹی لٹیں آنکھوں اور ماتھے پر بکھر کر اسے پریشان کر رہی تھیں۔ اس نے بالوں کی تازہ تازہ ہی کٹنگ کرائی تھی اور اس کی ہیئر اسٹائلسٹ نے آگے کے بال زیادہ ہی چھوٹے کر دیئے تھے، اب ہیئر بینڈ لگائے یا پونی بنائے بغیر اس سے کوئی کام نہیں ہو سکتا تھا۔

اس کی عادت تھی، بکھرے بالوں کو جب تک سمیٹ نہ لیتی سکون سے کوئی بھی کام نہیں کر سکتی تھی۔ گھر سے بھاگتے دوڑتے نکلتے اس نے اپنا ہیئر بینڈ بیگ میں ٹھونسا تھا۔ بیگ کھول کر اس نے اس میں سے ہیئر بینڈ نکالنا چاہا تو ڈھیر سارے کوڑے کرکٹ میں سے دنیا زمانے کی ہر چیز ملنے لگی۔ ماسوا اپنے چھوٹے سے بینڈ کے۔

بڑی مشکلوں سے نیچے دبا وہ بینڈ باہر نکالا اور وہ جلدی سے بالوں کو ہاتھوں سے سمیٹ کر ان میں بینڈ لگانے لگی تو اس کی نظر اپنے برابر بیٹھے بندے پر پڑی۔ وہ اپنا پین فائل پر بند کر کے رکھے بڑی محظوظ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی احمقانہ حرکتوں اور بوکھلاہٹوں پر کچھ شرمندہ سی ہوئی۔

پتہ نہیں وہ کون تھا۔ اس نے سر جھکا کر سنجیدگی سے لیکچر نوٹ کرنا شروع کر دیا مگر یہ اندازہ اسے مسلسل ہو رہا تھا کہ وہ اسے ہی دیکھ رہا ہے۔ وہ اب لیکچر نوٹ کر ہی نہیں رہا تھا اس کا پین لیکچر کے باقی تمام وقت کیپ لگا اس کی فائل پر پڑا رہا تھا۔ ایک بندہ جس نے مسلسل آپ کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لیا ہوا ہو، اس سے کیا خاک لیکچر نوٹ ہوتا۔ وہ اب اس کرسی پر بیٹھ کر پچھتا رہی تھی۔ یہ موصوف تو اس پر سے نظریں ہٹا ہی نہیں رہے تھے۔

جیسے ہی لیکچر ختم ہوا، وہ فوراً اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ اس نے اگلی قطار میں بیٹھی اپنی دوست کیتھی کے باہر نکلنے کا بھی انتظار نہیں کیا۔ ڈاکٹر گراہم کے بعد لیکچر ہال سے باہر نکلنے والی وہ پہلی اسٹوڈنٹ تھی۔ وہ کوریڈور کے آخری سرے پر سیڑھیوں تک ہی پہنچی تھی، جب اسے کسی نے پیچھے سے آواز دی۔

”ہائے۔“ اس نے مڑ کر دیکھا، اس سے ایک قدم پیچھے وہ وہی تھا۔

''ہائے۔'' جواباً ہائے کہتی وہ رکی نہیں بلکہ چلتی رہی۔

''ڈاکٹر گراہم کا لیکچر کافی اچھا تھا، کیا خیال ہے آپ کا؟'' اس کے ساتھ چلتا، وہ اس سے انگریزی میں مخاطب تھا۔

''ہاں۔'' مختصر اثباتی جواب دیتے اس نے اسے بغور دیکھا۔ وہ خاصا خوش شکل تھا۔ بلیو جینز، براؤن شرٹ، بڑھی ہوئی شیو اور بکھرے بالوں کے ساتھ وہ کیتھی کی زبان میں خاصا Cool لگ رہا تھا۔ وہ سیڑھیاں اترنے لگی تھی اور وہ بھی اس کے ساتھ ہی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔

''آپ سول انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ میں ہیں؟ آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ بائی داوے میں عباد عذیر ہوں۔ MS کر رہا ہوں اسٹرکچرل انجینئرنگ میں۔''

''خوشی ہوئی آپ سے مل کر مسٹر عباد۔'' اس نے سنجیدہ اور روکھے لہجے میں جواب دیا۔ اس نے اس کے تعارف کے جواب میں اپنا تعارف کرانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔

''آپ پاکستانی ہیں یا انڈین؟'' اسے اپنے کونفیڈنٹ اور بولڈ ہونے پر ناز تھا، مگر یہ بندہ تو کونفیڈینس کے معاملے میں اس سے کئی قدم آگے تھا۔ اس کے روکھے پھیکے انداز اور تو لفٹ والے چہرے کو دیکھ کر بھی مسلسل اس سے سوال پہ سوال کیے جا رہا تھا۔ مسلسل اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ بندہ پراعتماد تھا، جرأت مند تھا اور کچھ تھا یا نہیں وہ کم از کم اس کی جرأت سے متاثر ہوئی۔

''امریکن'' اس نے یک لفظی جواب دیا۔ وہ سیڑھیاں اتر چکی تھی۔ اب اس کا رخ S.W.Mudd بلڈنگ کی طرف تھا، جہاں اسے Strength of Materials کی لیب میں جانا تھا۔

''اور آپ کے پیرنٹس؟'' وہ اس کا پاکستانی Origin کنفرم کرنا چاہ رہا ہے یہ جاننے کے باوجود بے نیاز سے انداز میں بولی۔

''امریکن۔'' اسے اپنے مختصر اور مخاطب کو زچ کرتے جوابوں پر اندر ہی اندر خوشی ہو رہی تھی۔ وہ جیسے سمجھ گیا تھا کہ وہ اسے زچ کرنا چاہتی ہے لہٰذا بغیر ہار مانے بولا۔

''گرینڈ پیرنٹس۔''

''میرے دادا، دادی امریکن ہیں۔'' اس بار اس نے اسے اردو میں جواب دیا۔ وہ اس کے منہ سے اردو سن کر خاصا خوش نظر آ رہا تھا۔

''اور نانا، نانی پاکستانی؟ مجھے لگ ہی رہی تھیں آپ پاکستانی۔ میرا مطلب ہے آپ کا تو نہیں مگر آپ کے Forefathers کا پاکستان ہی سے تعلق ہوگا، ایسا ہی لگ رہا تھا۔'' وہ اتنے بے تکلفانہ انداز میں اس کے ساتھ چل رہا تھا جیسے نجانے کتنی بار اس سے مل چکا ہے۔ وہ بھی اب اردو ہی میں بات کر رہا تھا۔ وہ اپنی مطلوبہ بلڈنگ میں داخل ہو چکی تھی۔ وہ اس کا پاکستانی Origin کنفرم ہو جانے پر خاصا خوش نظر آ رہا تھا۔

''آپ میرے ساتھ ایک کپ کافی پئیں گی ہنیا؟''

ہنیا نے اس سے اپنا تعارف نہیں کروایا تھا اور وہ اسے اس کا نام لے کر مخاطب کر رہا تھا۔

اس نے یقیناً ہنیا کی فائل کے اوپر اس کا نام دیکھا تھا۔ اسے اس بندے کے کنفیڈینس پر رشک آیا، اس کا بے نیاز، قدرے مغرورانہ انداز اس

کے اعتماد کو ذرا بھی تو نہیں ڈگمگا رہا تھا۔ اسے شاید خود پر کچھ ضرورت سے زیادہ ہی بھروسہ تھا۔

''سوری مسٹر عباد! ابھی تو میری کلاس ہے۔''

وہ لیب کے سامنے آ کر رک گئی تھی۔ اور پھر اسے مزید کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر ہی وہ لیب میں داخل ہو گئی تھی۔

☆

یہ اس کا سول انجینئرنگ میں بی ایس کا ساتواں سمسٹر تھا، جو آدھا گزر چکا تھا۔ اگلا سمسٹر یعنی آٹھواں سمسٹر اس کا آخری سمسٹر تھا، گویا اس کے سول انجینئر بننے میں بس اب کچھ ہی فاصلہ رہ گیا تھا۔ اسے اپنے کیمپس اور کیمپس لائف سے عشق تھا۔ Columbia یونیورسٹی کا یہ مین کیمپس مین ہٹن میں مارننگ سائیڈ ہائٹس پر واقع تھا۔ اسی نسبت سے مین کیمپس زیادہ تر مارننگ سائیڈ کیمپس کہلاتا تھا۔ Columbia یونیورسٹی کے تقریباً تمام گریجویٹ اور انڈر گریجویٹ پروگرامز یہیں کنڈکٹ ہوتے تھے اور تقریباً تمام گریجویٹ اسکولز اسی مین کیمپس کے اندر ہی واقع تھے۔ اس کے علاوہ بھی دیگر تمام پیشہ ورانہ اور غیر پیشہ ورانہ شعبہ جات سب کی الگ الگ عمارتیں اسی ایک کیمپس میں واقع تھیں۔ کیمپس اور اس کا آرکیٹکچر ہی کم دلفریب نہ تھا کہ مارننگ سائیڈ ہائٹس جیسے علاقے سے قریب ہونا کیمپس اور کیمپس لائف کو مزید حسن عطا کر دیا کرتے تھے۔ مارننگ سائیڈ مین ہٹن کا وہ علاقہ تھا، جہاں تین خوبصورت ترین پارکس اور امریکہ کے سات لیڈنگ اسکولز واقع تھے۔

کولمبیا یونیورسٹی کے ساتھ ان دیگر تعلیمی اداروں کے بھی زیادہ تر فیکلٹی ممبرز مارننگ سائیڈ ہائٹس اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں واقع گھروں اور اپارٹمنٹس میں رہائش رکھتے تھے۔ مارننگ سائیڈ ہائٹس پر واقع بیشتر اپارٹمنٹس کولمبیا یونیورسٹی کی اپنی ملکیت تھے، جن میں یونیورسٹی کے پروفیسرز، لیکچرارز، اور دیگر فیکلٹی ممبرز اور اسٹاف رہائش رکھتے تھے۔ کولمبیا یونیورسٹی کے بہت سے گریجویٹ اسٹوڈنٹس، اسکالرز، اور ڈاکٹریٹ ڈگری کے حصول کے لئے کوشاں طالب علم بھی اسی علاقے میں رہائش رکھنے کو قابل ترجیح سمجھتے تھے تا کہ اپنی ریسرچ کے لئے یونیورسٹی کی لیب اور لائبریری سے دن اور رات کے تمام اوقات میں آسانی سے استفادہ حاصل کر سکیں۔ کیمپس کے قرب و جوار کا یہ تمام علاقہ اپنے اندر ایک عجیب سی کشش رکھتا تھا۔

یہ سارا علاقہ ہمہ وقت اسٹوڈنٹس سے گھرا رہتا تھا۔ ان اسٹوڈنٹس میں کثیر تعداد کولمبیا یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس کی ہوتی تھی۔ وہ جو کیمپس کی حدود سے باہر نکلنے کے بعد بھی خود کو یونیورسٹی لائف سے دور نہیں کرنا چاہتے تھے وہ اس علاقے کے مختلف مقامات پر صبح، دوپہر، شام یہاں تک کہ رات کے اوقات میں بھی ہر وقت دیکھے جا سکتے تھے۔ اسٹوڈنٹس کا کوئی گروپ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد آس پاس کے کسی اپارٹمنٹ میں رہائش پذیر اپنے کسی پروفیسر کے گھر کچھ پوچھنے، سمجھنے ڈسکشن کرنے جاتا نظر آتا تو کوئی اسٹوڈنٹ اپنے ساتھی طالب علموں کو مارننگ سائیڈ پارک میں گھاس پر بیٹھا کچھ سمجھاتا نظر آ رہا ہوتا۔

کہیں علم کے شائق طالب علم آس پاس واقع بک اسٹورز پر کتابیں خریدتے نظر آتے اور کہیں انٹلیکچولز پر مشتمل اسٹوڈنٹس کا کوئی گروپ وہاں واقع کسی کافی شاپ میں گرما گرم کافی کے کپس خالی کرتا لمبی لمبی علمی بحثیں کرتا نظر آتا۔ کیمپس کے اردگرد مارننگ سائیڈ ہائٹس کا یہ تمام علاقہ زبردست تھا، یہاں بہت سے چھوٹے بڑے بک اسٹورز، ریسٹورنٹس، کافی شاپس اور بازار موجود تھے۔ کچھ بک اسٹورز، ریسٹورنٹس اور کافی شاپس

چوبیس گھنٹے کھلے رہتے تھے۔

یہاں دستیاب تمام اشیاء چاہے وہ لکھنے پڑھنے سے متعلق ہوں یا کھانے پینے سے، ان میں اسٹوڈنٹس کی پسند ناپسند، سب سے بڑھ کر اسٹوڈنٹس کے بجٹ کو مدنظر رکھا جاتا تھا، اسی لئے نیویارک کے دیگر علاقوں کی نسبت یہ قدرے کم مہنگا تھا۔ مارننگ سائیڈ ہائٹس کا یہ پورا علاقہ چاہے وہ کیمپس کے اندر کی دنیا ہو یا باہر کی اپنے اندر ایک انٹلیکچوئل ٹچ رکھتا تھا۔ کیمپس سے باہر کی آس پاس کی دنیا بھی کیمپس ہی کا حصہ معلوم ہوتی تھی۔

اپنی مشکل ترین اور انتہائی محنت طلب پڑھائی سے کچھ وقت نکال کر وہ، کیتھی اور مائیک کے ساتھ اکثر مارننگ سائیڈ ہائٹس پر واقع کسی نہ کسی ریسٹورنٹ یا کافی شاپ کا رخ کیا کرتی تھی۔ کچھ کھانے پینے کا موڈ نہ ہوتا اور فرصت ہوتی تو بھی وہ تینوں کبھی کبھی مارننگ سائیڈ پارک، ریور سائیڈ پارک یا سنٹرل پارک کا رخ بھی کر لیا کرتے تھے، گرمیوں کی دوپہروں کا کچھ وقت یہاں گزار کر گویا پڑھائی کی تمام تھکن اتر جاتی تھی۔

کولمبیا یونیورسٹی سے اس کا پہلا تعارف ماما جانی کے حوالے سے ہوا تھا۔ وہ یہیں کی گریجویٹ تھیں، انہوں نے لیٹ 50s میں یہیں سے انگریزی ادب میں بیچلرز کی ڈگری لی تھی۔ ہنیا غالباً آٹھ، نو سال کی تھی اور ماما جانی کے ڈیپارٹمنٹ کا Alumni ڈنر تھا جس میں شرکت کے لئے وہ اسے بھی اپنے ساتھ کیمپس لے آئی تھیں اور تب نیویارک کی مشہور سڑک براڈوے پر واقع کولمبیا یونیورسٹی کے مین گیٹس نے اسے باہر سے ہی اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ وہ بڑے بڑے بلند و بالا آہنی گیٹس اور ان کے اندر دور دور تک نظر آتے ایک جیسے سائز کے بڑے بڑے درخت۔

دونوں اطراف درختوں کی یہ قطاریں باہر سے ہی اسے مبہوت کر گئی تھیں اور جیسے تب ہی دل میں اس نے خود سے یہ عہد کر لیا تھا کہ ماما جانی کی طرح ایک روز میں بھی اسی تعلیمی ادارے کا حصہ بنوں گی۔ اس کی دلچسپی چونکہ سول انجینئرنگ کی طرف تھی تو اس کا انتخاب اور اس کی منزل کولمبیا یونیورسٹی کا Fu Foundation انجینئرنگ اسکول جو عرف عام میں Seas یا پھر انجینئرنگ اسکول کہلاتا تھا، ٹھہرا تھا۔ انجینئرنگ اسکول کیمپس کے شمالی حصے میں واقع تھا اور یہ کئی خوب صورت بلڈنگز پر مشتمل تھا۔ چھ، سات عمارتیں مل کر انجینئرنگ اسکول کہلاتی تھیں۔ مین کیمپس کے اندر موجودگی کے سبب انجینئرنگ اسکول کے طلبہ کو یہ سہولت حاصل تھی کہ وہ یونیورسٹی کی دیگر تمام فیکلٹیز اور وہاں دستیاب سہولتوں جیسے لائبریری وغیرہ سے باآسانی فیض یاب ہو سکتے تھے، جبکہ انجینئرنگ اسکول کی اپنی لائبریری S.W.Mudd بلڈنگ کی چوتھی منزل پر واقع تھی۔

سول انجینئرنگ کا ڈیپارٹمنٹ S.W.Mudd بلڈنگ اور انجینئرنگ ٹیرس پر واقع تھا۔ اسٹرینتھ آف میٹریلز ہو یا سوئل (Soil) مکینکس کی ریسرچ سے متعلق لیب ڈیپارٹمنٹ کی لیبز اور تمام ریسرچ سنٹرز شاندار اور ہر طرح کی سہولیات سے آراستہ تھے۔

کیتھی اور مائیکل جسے وہ لوگ مائیک کہتے تھے۔ اس کے سب سے خاص اور قریبی دوست تھے۔ کیتھی تو اس کے بچپن کی دوست تھی۔ اسکول کے دنوں سے گریڈ ون سے وہ دونوں ہمیشہ ساتھ رہی تھیں، جبکہ مائیک سے دوستی ہائی اسکول کے دنوں میں ہوئی تھی۔ کیتھی اور مائیک ایک دوسرے کے ساتھ تب سے ہی بہت سنجیدہ تھے۔ سول انجینئرنگ میں بیچلرز ڈگری لے لینے کے بعد ان دونوں کا پہلا کام ایک اچھی جاب کا حصول اور دوسرا کام ایک دوسرے کے ساتھ شادی کے بندھن میں بندھنا تھا۔ پڑھائی ہو یا دیگر ایکٹیوٹیز وہ تینوں ہمیشہ ساتھ رہا کرتے تھے۔ کیتھی اور مائیک تو خاص دوستوں میں آ گئے مگر اس کی کیمپس میں اور بھی بہت دوستیاں تھیں۔ انجینئرنگ اسکول کے علاوہ دیگر اسکولز اور ڈیپارٹمنٹس میں بھی اس کے کافی دوست تھے۔

اپنے اسکول اور اپنے ڈیپارٹمنٹ میں بھی اپنے کلاس فیلو کے علاوہ اس کی دیگر کئی جونیئر اور سینئر اسکول میٹس کے ساتھ بھی اچھی ہائے ہیلو تھی۔ سول انجینئرنگ میں ایم ایس اور ڈاکٹریٹ کرنے والے بعض اسٹوڈنٹس سے بھی اس کی کیتھی اور مائیک کی سلام دعا تھی۔

پر عباد عذیر سے وہ اس روز سے پہلے تک قطعاً واقف نہ تھی۔ مگر اس روز کے بعد تو جیسے وہ اسے ہر جگہ نظر آنے لگا۔ وہ کسی لیب سے باہر نکل رہی ہے تو پاس ہی کہیں وہ نظر آجائے گا وہ کسی کلاس میں جا رہی ہے تو راستے میں کہیں نہ کہیں وہ ضرور ٹکرائے گا، وہ لائبریری میں جانے کے لئے لفٹ کے پاس سے گزر رہی ہے تو وہیں کہیں وہ بھی کھڑا نظر آئے گا اور تو اور وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ اسکول سے باہر بھی کیمپس میں کسی دوسری جگہ موجود ہے تو وہ قطعاً غیر متوقع سے انداز میں اچانک سامنے آجائے گا۔ ''ارے آپ؟'' کہہ کر حیران ہوتا وہ اس سے یوں سلام دعا کرتا جیسے وہ اسے کسی انتہائی غیر متوقع جگہ پر نظر آگئی ہو۔ ہینڈسم تو تھا ہی، اداکار بھی بہت اچھا تھا۔ مگر افسوس وہ نہ اتنی کم عقل تھی نہ نادان جو یہ نہ سمجھ پاتی کہ ان اتفاقیہ ملاقاتوں میں اتفاقیہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔

صرف اس نے کیا کیتھی اور مائیک تک نے اس کی موجودگی کو نوٹس کرنا شروع کر دیا تھا اور وہ دونوں نوٹس کیوں نہ کرتے؟ صرف ڈیپارٹمنٹ یا انجینئرنگ اسکول کی حدود تک بات ہوتی تو ان ''اتفاقیہ'' ملاقاتوں کو اتفاقیہ سمجھ بھی لیا جاتا کہ اگر وہ لوگ وہاں سے بی ایس کر رہے تھے وہ ایم ایس، جس رفتار سے وہ کیمپس میں ''اتفاقیہ'' طور پر مسلسل اس کے سامنے آرہا تھا اسے دیکھتے ہی کچھ نہ کچھ بھانپ لیتا۔ اپنے ڈیپارٹمنٹ کے علاوہ ان تینوں کے کیمپس میں دیگر بھی کئی فیورٹ اسپاٹس تھے اور وہ تینوں وہاں بکثرت جایا کرتے تھے اور ان تمام جگہوں پر عباد عذیر اسے مل رہا تھا۔

وہ تینوں لاء لائبریری کی سیڑھیوں پر بیٹھے گپیں مار رہے ہیں، وہ سامنے آجائے گا۔ وہ اور کیتھی مائیک کا باسکٹ بال گیم دیکھنے جم آئی ہیں، مائیک کے لئے تالیاں بجا رہی ہیں، نعرے لگا رہی ہیں اور وہ ایک دم ہی کہیں سے نکل کر سامنے آجائے گا، اس سے اور کیتھی سے ہائے ہیلو کر کے انہیں یہ بتاتا کہ وہ یہاں سوئمنگ کے لئے آیا تھا، یا کسی اور کھیل اور ایکسرسائز کے لئے کہ بقول اس کے اسے جب بھی اپنی تعلیمی مصروفیات سے فرصت اور موقع ملتا ہے تو وہ ورک آؤٹ کے لئے جم چلا آتا ہے۔

کیمپس میں الگ الگ طرح کی اشیاء خورد و نوش کے لئے ان تینوں کی الگ الگ فیورٹ جگہیں تھیں۔ سو ان تمام اسکولز کے کیفے وغیرہ میں ان تینوں کی آمد و رفت رہا کرتی تھی اور ان تمام جگہوں پر وہ انہیں مل رہا تھا۔

وہ زیادہ دیر رکتا نہیں، بس کھڑے کھڑے سلام دعا کرتا اور وہاں سے چلا جاتا۔

مائیک نے تو کچھ نہ کہا تھا مگر کیتھی نے چند روزہ خاموشی کے بعد اس تازہ ترین صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے اسے بڑی گھمبیر سنجیدگی سے باور کرایا تھا۔

''یہ ہینڈسم بندہ بڑی سنجیدگی اور مستقل مزاجی سے تمہارے پیچھے ہے ہنیا سجاد۔''

کیتھی سدا کی حسن پرست اور رومنٹک، اسے وہ بہت پسند آگیا تھا۔ کوئی بندہ اتنی مستقل مزاجی سے آپ کے پیچھے آرہا ہو، اسے تو یہ بات ہی بڑی رومنٹک لگی تھی، جبکہ ہنیا اس ساری صورتحال سے یکسر لاتعلق تھی، اس کا انداز یہ ہوتا تھا کہ اگر عباد عذیر اسے کہیں نظر آگیا ہے تو ٹھیک ہے اور اگر نہیں تو بھی ٹھیک ہے۔

اس سے یوں ''اتفاقیہ'' آمنا سامنا ہوتے کوئی ایک مہینہ تو ہو ہی گیا تھا جب اس روز وہ لائبریری میں بیٹھی تھی اور وہ ہمیشہ کی طرح اتفاقیہ وہاں پہنچ گیا تھا۔ اس روز کیتھی نہیں آئی تھی اور مائیک بھی خدا جانے کہاں تھا، اس کی اگلی کلاس شروع ہونے میں ابھی خاصا ٹائم تھا اور یہ فارغ وقت وہ لائبریری میں سنجیدگی سے بیٹھ کر کام کرتے گزارنا چاہتی تھی۔

اسٹرکچرل ڈیزائن پہ پروجیکٹ سب کو اپنا اپنا انفرادی طور پر کرنا تھا مگر کوئی مسئلہ کسی کو درپیش ہوا کرتا تو وہ تینوں سر جوڑ کر ساتھ بیٹھ جایا کرتے تھے، اس وقت بھی کچھ چیزیں اسے بالکل سمجھ میں نہیں آرہی تھیں اور وہ کیتھی اور مائیک کی کمی شدت سے محسوس کر رہی تھی۔

پاس ہی اس کا لیپ ٹاپ رکھا تھا، جس میں اس کا اپنے اس پروجیکٹ کے سلسلے میں اب تک کیا تمام کام محفوظ تھا۔ منہ میں پین دبائے وہ مختلف کتابوں کے صفحے پلٹ رہی تھی جب عباد عذیر ایک دم ہی اس کے پاس آگیا۔

''ارے ہنیا آپ؟ کیسی ہیں؟'' بھرپور حیران ہونے کی اداکاری کرتا وہ اس کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟'' اس کی طرف دیکھ کر اس نے رسمی سے انداز میں پوچھا۔

''اللہ کا کرم ہے۔ مزے میں ہوں۔'' ہنیا نے نظریں دوبارہ اپنے سامنے بکھری کتابوں پر مرکوز کر دیں۔

''کیا پڑھ رہی ہیں؟'' عباد نے پہلے ان ڈھیر ساری کتابوں اور پھر اس کے الجھے چہرے پر نظریں دوڑائیں۔

''پروجیکٹ ہے اسٹرکچرل ڈیزائن کا اسی پر کام کر رہی ہوں۔'' اس نے اپنے سامنے رکھی فائل اور کتابوں کی طرف اشارہ کر کے سنجیدگی سے کہا۔

''آپ کے ایکسپریشن بتا رہے ہیں کہ کچھ مشکل چیز ہے جو حل نہیں ہو رہی۔ لائیں دکھائیں شاید میں آپ کی مدد کر سکوں۔'' اس نے خود ہی قدرے جھک کر اس کی فائل اور لیپ ٹاپ کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ ایک آدھ سیکنڈ یوں جھکے رہنے کے بعد اس نے بڑے آرام سے اس کا لیپ ٹاپ اور فائل اپنے سامنے کھسکالی اور سیدھا ہو کر مسئلے کی نوعیت سمجھنے لگا۔ وہ اس بے تکلفی اور دخل در معقولات پر کچھ جز بز ہوئی۔

''ہوں...... تو یہ بیم پریشان کر رہی ہے آپ کو؟'' اس کی طرف دیکھے بغیر اس نے سنجیدگی سے کہا۔

یہ مسئلہ دریافت کر لینا اتنا مشکل نہ تھا کہ اس کی فائل پر لگے صفحات اور لیپ ٹاپ میں کھلی فائل سب فی الوقت اسی ایک مسئلے کے بیچ اٹکے ہوئے تھے۔ وہ چند منٹ غور و فکر کرتا بڑے اطمینان اور بے تکلفی سے اس کے لیپ ٹاپ میں کھلی فائل میں صفحہ در صفحہ اوپر نیچے آگے پیچھے جاتا اس کے پروجیکٹ کی تفصیلات سمجھتا رہا۔ چند منٹوں کے بعد اس نے مسکرا کر ہنیا کی طرف دیکھا۔

''یہ ایکویشن انٹیگریٹ نہیں ہو پا رہی آپ سے، ہے نا؟''

اسے نہ چاہتے ہوئے بھی سر اثبات میں ہلانا پڑا۔

''اس میں کیا مشکل ہے بیم پر لوڈ آپ نکال چکی ہیں۔ بیم کی Length اور Depth آپ کو پتہ ہے۔ بس اب صرف یہ ایکویشن انٹیگریٹ کرنی ہے۔ دیکھیں اس کی انٹیگریشن بڑی آسان ہے۔ میں آپ کو آسان طریقہ بتاتا ہوں۔''

ہنیا سے بولتے بولتے اس نے اپنی فائل میں لگا قلم نکالا اور ہنیا کی فائل پر اس ایکویشن کو سولو کرنا شروع کر دیا، جو اسے کافی دیر سے

پریشان کر رہی تھی۔ اس کی لکھائی صاف ستھری اور بہت عمدہ تھی، وہ الٹے ہاتھ سے لکھ رہا تھا۔ وہ جس طرح بول رہا تھا اس نے واقعی اس طرح چٹکیوں میں ساری ایکویشن حل کر کے فائل دوبارہ اس کے آگے کر دی تھی۔

وہ اب مسکراتا ہوا اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور مسکراتے ہوئے اس کے بائیں گال پر ڈمپل پڑ رہا تھا۔ اسے یہ نہیں پتہ تھا کہ ڈمپل کسی لڑکے کے چہرے پر بھی اتنا خوبصورت لگ سکتا تھا۔ اس کی مسکراہٹ بلاشبہ بہت خوبصورت تھی۔ ہمیشہ کی طرح وہ اسی لاپرواہ سے حلیئے میں تھا۔ شیو بڑھی ہوئی، بال لاپروائی سے بکھرے ہوئے۔ اس نے کولمبیا یونیورسٹی کے لوگو والی براؤن کلر کی شرٹ، نیلی جینز کے ساتھ پہن رکھی تھی۔

''شکریہ'' اس کے ڈمپل سے نگاہیں ہٹا کر اس نے سوال حل کرنے پر سنجیدگی سے اس کا شکریہ ادا کیا۔

''You are Always Welcome'' ویسے اپنی تعریفیں کرنے کی مجھے عادت نہیں ہے لیکن بہر حال یہ سچ ہے کہ میں خاصا ذہین ہوں اور اسٹرکچرل انجینئرنگ تو میرا خاص سبجیکٹ ہے، اس پر تو مجھے پوری کمانڈ حاصل ہے، لہٰذا آپ کو آئندہ بھی کچھ پوچھنا ہو تو مجھ سے پوچھ سکتی ہیں۔''

اس کی میز کے سامنے اسٹوڈنٹس کا گروپ جو شکلوں ہی سے ''پڑھاکوؤں'' پر مشتمل لگ رہا تھا، اس کے ارکان عباد کو اس زور سے بولنے کی وجہ سے گھور گھور کر دیکھنے لگے تب وہ آواز آہستہ کر کے اس سے بولا۔

''یہ پڑھاکو، مستقبل کے پروفیسرز تو سکون سے بات بھی نہیں کرنے دیں گے۔ کیا خیال ہے کہیں باہر نہ چلیں؟ یہاں ہمارے کیمپس کے پاس ہی ایک نیا اٹالین ریسٹورنٹ کھلا ہے، وہاں کی کیپوچینو بہت اچھی ہوتی ہے۔''

اس نے دوسری بار اسے کافی پینے کی دعوت دی، جسے اس نے پہلی دفعہ ہی کی طرح ٹھکرا دیا۔

''آپ کا شکریہ، لیکن ابھی میں کافی بزی ہوں۔ مجھے اپنے پروجیکٹ کا ابھی کافی کام کرنا ہے۔ پھر کبھی سہی۔''

اس کے جواب سے اس کے چہرے کی مسکراہٹ یک دم ہی کچھ ماند سی پڑ گئی۔

''چلیں کوئی بات نہیں۔ آپ اپنا کام کریں، میں چلتا ہوں۔ بائے۔'' وہ اسے خدا حافظ کہتا فوراً ہی چلا گیا۔ اسے لائبریری سے باہر نکلتا دیکھ کر اسے کچھ افسوس سا ہوا۔ وہ صرف ایک کپ کافی ساتھ پینے ہی کے لئے تو کہہ رہا تھا، کوئی اس سے اپنے ساتھ ماؤنٹ ایورسٹ سر کرنے کے لئے تو نہیں کہہ رہا تھا۔

اس نے پہلی بار ڈاکٹر گراہم کے لیکچر کے دوران بھی اس کی مدد کی تھی اور آج بھی اس کا ایک پیچیدہ مسئلہ جو شاید وہ پورا دن لگ کر بھی تنہا حل نہ کر پاتی حل کر کے ہی گیا تھا۔ وہ مہذب تھا، اس کے پیچھے آتا یا بات کرتا تو کبھی بھی کوئی غیر شائستہ بات نہ کرتا۔ وہ خوش شکل تھا، اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا، ذہین تھا، اس کے مینرز اور گفتگو کا انداز بتاتا تھا کہ وہ کسی اچھی فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔

پھر کیا حرج تھا اگر وہ اس کے ساتھ ایک کپ کافی پی لیتی۔ اس کا یہ افسوس مزید گہرا تب ہونے لگا، جب اس روز کے بعد وہ اسے نظر آنا بند ہو گیا۔ نہ کہیں کسی کوریڈور میں، نہ کسی لیب میں، نہ کسی پروفیسر کے آفس میں، نہ لائبریری میں، نہ کسی کیفے میں، نہ جم میں۔ وہ اسے کیمپس میں سرے سے کہیں نظر آ ہی نہیں آ رہا تھا۔ کیتھی تک نے اس کی غیر موجودگی محسوس کی تھی۔

"وہ تمہارا ہینڈسم ہیرو نظر نہیں آ رہا آج کل؟ لگتا ہے کوئی اور لڑکی لے اڑی ہے اسے۔ ایسے شاندار بندے کو کون لڑکی بخشے گی۔"

اس نے کیتھی کی بات کا نہ نوٹس لیا تھا نہ اسے کوئی جواب دیا تھا۔ ٹھیک ہے وہ نہیں نظر آ رہا تو نہیں آ رہا۔ ہوگا کہیں، اسے کیا۔ اس نے سر جھٹک کر اس کے خیال کو اپنے ذہن سے نکال دیا تھا۔ مگر یہ کیسی بات تھی کہ جب بھی وہ کوئی کلاس لے کر باہر نکل رہی ہوتی اس کی متلاشی نگاہیں کلاس روم سے نکلتے ہی کوریڈور میں یہاں سے وہاں گھومتیں لائبریری کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر اپنی عادت کے مطابق سامنے سرسبز لان میں رکتے کبوتروں کے غول کو دیکھنے کے بجائے وہ گردن گھما گھما کر اپنے دائیں بائیں کچھ ڈھونڈا کرتی، کیتھی کے ساتھ جم آتی کیتھی اپنی ایکسرسائز میں مصروف ہو جاتی اور وہ بلاوجہ سوئمنگ پول اور ان ڈور جاگنگ ٹریک پر چلی آتی، جہاں مشینوں پر لوگ ایکسرسائز کر رہے ہوتے وہاں آ جاتی۔ اس کی ڈمپل والی خوبصورت مسکراہٹ اس کے ذہن سے محو نہیں ہوتی تھی۔ اس نے کئی بار احمقوں کی طرح اپنی فائل میں اس صفحے کو بغور دیکھا تھا جس پر اس کی خوبصورت ہینڈ رائٹنگ موجود تھی۔

وہ اپنے حال میں مگن رہنے والی مست ملنگ، کچھ مردانہ سی عادتیں رکھنے والی لاپرواہ سی لڑکی تھی مگر وہ جو اسے اپنے وجود کا احساس دلانے کی کوشش کرتا تھا اس کے پیچھے ہر جگہ موجود ہوتا تھا۔ اچانک ہی کہیں غائب ہو کر اس کی بے فکری اور خود میں مگن انداز کو ڈگمگا گیا تھا۔ وہ خود سے بھی کسی قیمت پر یہ بات قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھی کہ وہ اس کی غیر موجودگی کو محسوس کر رہی ہے۔

جو بھی تھا اور وہ جو کوئی بھی تھا وہ کیوں اس کے متعلق کچھ سوچے۔ ہوگا کہیں، چلا گیا ہوگا کہیں۔

☆

وہ یونیورسٹی سے گھر واپس جا رہی تھی۔ ایک تو کیمپس ہی میں دیر ہو گئی تھی، آج ماما جانی نے اپنی کچھ دوستوں کو شام کی چائے پر انوائٹ کر رکھا تھا اور اس نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ یونیورسٹی سے گھر جلدی آ جائے گی، تاکہ ان کی مدد کرا سکے۔ مگر برا ہوا اس کی گاڑی کا جو کیمپس سے کچھ ہی دور ایمبسٹر ڈیم ایونیو پر آ کر اچانک بند ہو گئی تھی۔

وہ زیادہ تر کیمپس سب وے کے ذریعے آتی جاتی تھی۔ دنیا کے اس سب سے بڑے اور سب سے جدید شہر میں رش کے اوقات میں صبح اور شام کے وقت ٹریفک اس طرح جام ہوتا تھا کہ وہ فاصلہ جو آپ سب وے کے ذریعے ٹرینوں کی برق رفتاری کے سبب دس منٹ میں با آسانی طے کر لیں گے۔ وہ نیویارک کی سڑکوں پر گاڑی میں گھنٹے سے بھی اوپر کا سفر بن جاتا تھا۔ ٹریفک جام کے مسئلے اگر منٹ لیں تو نیویارک میں دوسرا بڑا مسئلہ گاڑیوں کی پارکنگ بن جایا کرتا تھا۔

اسے مین ہٹن سے باہر کہیں جانا ہوتا اور کچھ ایسا ضروری کام ہوتا جس کے لئے گاڑی میں جانا لازمی ہوتا وہ تب ہی گاڑی نکالتی تھی۔ آج صبح بھی اپنے کچھ کاموں کے سبب ہی اسے گاڑی میں کیمپس آنا پڑ گیا تھا۔

شام چار بجے سے سڑکوں پر ٹریفک جام ہونا شروع ہو جاتا تھا، وہ اس لئے گھر جلدی پہنچنا چاہ رہی تھی مگر کسی نخریلی محبوبہ کی طرح اکڑی اس کی گاڑی مزید چلنے سے صاف انکار کر چکی تھی۔ وہ گاڑی کو دوبارہ اسٹارٹ کرنے کے ہزار جتن کر چکی تھی۔

وہ گاڑی کا بونٹ کھول کر کھڑی اس کا نقص ڈھونڈنے کی کوشش کر رہی تھی، جب ایک گاڑی اس کے پاس سے گزری۔ اس کے قریب سے گزرنے اور آگے بڑھ جانے کے ساتھ ہی وہ فوراً ریورس ہوئی اور اس کے قریب روک دی گئی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اس میں بیٹھا عباد عذیر گاڑی سے اتر رہا تھا۔

''مجھے پاس سے گزرتے ہوئے یہی لگا تھا کہ شاید آپ ہیں۔ لگتا ہے آپ کی گاڑی خراب ہو گئی ہے۔''

وہ جس طرح اچانک کہیں غائب ہوا تھا، اسی طرح انیسویں دن اچانک ہی دوبارہ نظر بھی آ گیا تھا۔ یہ اس کی عباد عذیر کے ساتھ وہ پہلی ملاقات تھی جو واقعی اتفاقاً ہو رہی تھی۔ وہ بھی یقیناً کیمپس ہی سے واپس جا رہا تھا۔ وہ لمحہ بھر پہلے تک شدید آف موڈ کے ساتھ یہاں کھڑی تھی، مگر اتنے سارے دنوں بعد اسے ایک بار پھر اپنے سامنے دیکھنا ایسا خوشگوار لگا کہ وہ اپنا سارا آف موڈ بھول گئی۔ وہ اس کی سوچوں سے بے خبر اس کے پاس آ گیا تھا۔

''لائیں میں کچھ مدد کروں؟''

وہ کچھ دور ہٹ گئی۔ وہ اپنے ہمیشہ جیسے لاپرواحلیئے میں تھا۔ بہر حال یہ طے تھا کہ بندہ ہفتہ، دس دن سے پہلے ریزر ہاتھ میں نہیں لیتا تھا۔ لباس کا بھی وہی انداز تھا۔ اس نے پوری آستینوں کی گرے کلر کی جو جرسی پہن رکھی تھی اس پر بالکل سامنے ''کولمبیا یونیورسٹی'' کے الفاظ لکھے تھے، آج سر پر بیس بال کیپ بھی تھی سر جھکا کر وہ پندرہ منٹ تک انجن کے ساتھ مصروف رہا۔

''لگتا ہے معاملہ جنرل فزیشن سے نہیں چلے گا، اسے کسی اسپیشلسٹ کو دکھانا پڑے گا۔''

گاڑی کا بونٹ بند کرتے اس نے مایوسی سے یوں سر ہلایا گویا گاڑی کی نہیں کسی انسان کی بات کر رہا ہو۔ یہ تو اسے بھی لگ ہی رہا تھا کہ مکینک کو دکھانا پڑے گا۔

''اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔ اپنی گاڑی لاک کر کے یہیں چھوڑ دیں۔''

اس نے ہنیا کی طرف دیکھتے ہوئے اسے آفر دی۔ سر اثبات میں ہلاتے اس نے جلدی جلدی اپنی گاڑی لاک کی اور اپنا بیگ اور فولڈر اور فائل جو اس نے ہاتھ میں پکڑ رکھے تھے۔ لے کر اس کی گاڑی کی طرف آ گئی۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئی، تب وہ بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''اور آپ کیسی ہیں؟ اسٹڈیز کیسی چل رہی ہیں؟''

اسے کہاں جانا ہے، وہ پتہ بتا چکی تب اس نے پوچھا۔ اس کی نظریں ونڈ سکرین پر مرکوز تھیں۔

''ٹھیک......آپ کیسے ہیں؟ آج بہت دنوں بعد نظر آئے ہیں۔'' اس نے پوچھا تو بہت عام سے انداز میں تھا مگر عباد نے ونڈ سکرین سے نظریں ہٹا کر اسے بغور دیکھا۔

''میں بوسٹن گیا ہوا تھا ایک کام کے سلسلے میں۔''

وہ اس کی گہری نگاہوں سے ڈسٹرب ہوئی۔ اس نے ایسا تو کچھ نہیں پوچھ لیا جس سے یہ لگے کہ اس نے اس کی غیر موجودگی کو محسوس کیا ہے۔

''آپ کا ساتواں سمسٹر ہے نا بی ایس کا؟''

''جی، سمجھیں ختم ہونے والا ہے۔ ساتواں سمسٹر اور آپ کا ایم ایس؟'' جواب دینے کے ساتھ اس نے سوال بھی کیا۔

''ایک سال گزر گیا، ایک سال باقی رہتا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''آپ کیمپس گاڑی میں آتے ہیں؟'' اس نے گفتگو برائے گفتگو کے طور پر سرسری انداز میں پوچھا۔ ''نہیں مین ہٹن میں گاڑی وہ ڈرائیو کرے جسے بی پی پیشنٹ یا ہارٹ پیشنٹ بننا ہو۔ نیوجرسی گیا ہوا تھا ایک کام سے، وہاں سے واپس میں سیدھا کیمپس آ گیا اس لئے گاڑی میں ہوں، ورنہ سب وے، زندہ باد۔ لیٹ نائٹ کہیں جانا ہو پھر گاڑی ہی میں جاتا آتا ہوں۔''

عباد نے گاڑی 71st اسٹریٹ پر اس ماڈرن اپارٹمنٹ بلڈنگ کے سامنے روکی، جس کے پینٹ ہاؤس میں وہ اور ماما جانی رہتے تھے اور جس کے لیونگ روم کی بڑی بڑی فرنچ ونڈوز سے با آسانی ایسٹ ریور کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ دروازہ کھول کر گاڑی سے باہر اترتے ہوئے وہ اس سے بولی۔

''آپ اندر نہیں آئیں گے؟''

''آپ بلائیں گی؟''

''میرا خیال ہے۔ میں آپ کو بلا ہی رہی ہوں۔''

اس سوال جواب کے دوران وہ ایک کاغذ پر تیز رفتاری سے کچھ لکھ رہا تھا۔ لکھ کر فارغ ہوا تو مسکرا کر اس کی سمت دیکھتے وہ کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔

''میرا اسیل نمبر اور اپارٹمنٹ کا فون نمبر ہے۔ رہا سوال آپ کے گھر آنے کا تو آپ کے گھر میں ضرور آؤں گا مگر آج نہیں کبھی اور.....''

اس نے اس سے اس کے کانٹیکٹ نمبر مانگے تو نہیں تھے لیکن اب وہ دے رہا تھا تو نہ لینا بدتمیزی تھی۔ اس نے وہ چٹ اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اور اس کی ڈمپل والی مسکراہٹ کو دیکھتی وہاں سے اپنی بلڈنگ کی طرف بڑھ گئی تھی۔

وہ پہلے ہی گھر لیٹ پہنچی تھی، لہٰذا آتے ہی اس نے ماما جانی کی کچن میں مدد کروانی شروع کر دی تھی۔

ماما جانی اس کی دادی تھیں۔ اس کے والدین کے انتقال کے بعد اب گھر میں صرف وہ اور اس کی دادی ہی رہ گئے تھے۔ وہ کبھی لاڈ میں ہوتی تو انہیں دادی یا گرینڈ ما کہتی وگرنہ وہ ماما جانی ہی کہلاتیں۔ اسے یہ سوچ کر بڑا مزہ آتا تھا کہ اس کے دادا اور دادی کی پسند کی شادی تھی۔ اس کی دادی پچاس کے عشرے کے ابتدائی برسوں میں کراچی سے امریکہ پڑھنے کے لئے آئی تھیں۔ اس دور میں جب برصغیر پاک و ہند میں لڑکیوں کی روایتی تعلیم کا بھی زیادہ رواج نہ تھا، ان کے والدین نے انہیں پڑھنے کے لئے امریکہ بھجوایا تھا یقیناً اس کی دادی کی فیملی بہت روشن خیال فیملی تھی۔ یہاں انہیں اس کے دادا ملے، دونوں نے ایک دوسرے کو پسند کیا اور جھٹ پٹ شادی ہو گئی۔ وہ پچھتر برس کی تھیں، مگر بہت زندہ دل بہت ایکٹو خاتون تھیں۔

اس کی اپنی دادی سے بہت انڈرسٹینڈنگ تھی۔ وہ اپنے والدین کی چوتھی اور آخری اولاد تھی اور جب وہ پیدا ہوئی تب اس کے باقی بہن بھائی ذرا بڑے ہو چکے تھے۔ اس کی ممی جب زندہ تھیں، کبھی کبھی بڑے مزے میں کہتیں کہ تین بچوں کے بعد ان کی فیملی کمپلیٹ ہو چکی تھی کہ اچانک ہی وہ آن وارد ہوئی۔ اس کی ممی جنہوں نے بچوں کی پرورش کی خاطر اپنا کیریئر اور پروفیشن کافی عرصہ چھوڑے رکھا تھا، جب تینوں بچے ذرا بڑے اور سمجھدار ہونے لگے، تب

دوبارہ جاب کر لی تھی اور ہنیا ان کے کیریئر کی اس اسٹیج پر پیدا ہوئی تھی۔ جب وہ جاب چھوڑ کر گھر نہیں بیٹھ سکتی تھیں، چنانچہ اس کی پرورش ماما جانی نے کی تھی۔

وہ ان سے بچپن ہی سے بہت قریب بھی تھی اور مانوس بھی۔ اس سے بڑی اس کی بہن یمینہ اس سے نو سال بڑی تھی جبکہ دونوں بھائی جنید اور معاذ بارہ اور گیارہ سال بڑے تھے۔ عمر کا فرق زیادہ تھا، چنانچہ اس کی اپنے بہن بھائیوں سے بہت زیادہ انڈرسٹینڈنگ نہ تھی۔ امریکہ میں رہتے ہوئے بھی ان کے گھر کا ماحول ایک اسلامی اور مشرقی ماحول تھا۔ اس کا خصوصی کریڈٹ یقیناً ماما جانی کو جاتا تھا۔ ''تم امریکی شہری ہو مگر ساتھ ہی تم مسلمان بھی ہو۔ اس کلچر کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو تمہارے لیے ممنوع ہیں۔'' ماما جانی نے ان کی جیسے گھٹی میں یہ چیز شامل کر دی گئی تھی۔

ان چاروں بہن بھائیوں کی تربیت میں ماما جانی کا بہت ہاتھ تھا اور اس کو چونکہ پالا ہی انہوں نے تھا تو اس کی پرورش اور اس کی تربیت میں تو سو فیصد ان ہی کا عمل دخل رہا تھا۔

ماما جانی کی بدولت اپنے مسلم امریکن ہونے کو، اپنے اسلامی تشخص کو اس نے پورے دل کے ساتھ قبول کیا تھا۔ وہ پورے دل و جان سے امریکی شہری تھی اور وہ پورے دل و جان سے مسلمان تھی۔ وہ اپنے مسلم امریکن ہونے پر فخر کرتی تھی۔ اپنی جداگانہ پہچان اب اسے ہرگز شرمندہ نہ کرتی تھی بلکہ تفاخر کا احساس دلاتی تھی۔ ہاں پاکستان سے اسے قطعاً کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے آباؤ اجداد کا تعلق چاہے پاکستان سے ہو، اور چاہے اس کے بہت سے رشتے دار اب بھی وہاں رہتے ہوں، اسے مگر پاکستان سے ہرگز کوئی دلچسپی نہ تھی۔

ماما جانی کی دوستوں سے مل ملا کر اور انہیں سب کچھ سرو کر دینے کے بعد اسے اپنی گاڑی کی فکر لاحق ہوئی۔

ابھی وہ اپنے موٹر مکینک کے گیراج کا فون نمبر ڈھونڈ ہی رہی تھی کہ کسی گیراج میں کام کرنے والے ایک مکینک کا اس کے گھر فون آ گیا۔ وہ ان کی بلڈنگ کے باہر اس کی گاڑی لئے موجود تھا۔ گاڑی ٹھیک ہو کر آ چکی تھی، وہ اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ نیچے آ کر اپنی گاڑی چیک کر لے۔ وہ حیران پریشان، ہکا بکا نیچے اتری۔

موٹر مکینک نے اس سے گاڑی چیک کروائی کہ وہ اسے اسٹارٹ کر کے چلا کر، ہر طرح اپنا اطمینان کر لے، اس نے اپنا ہر طرح کا اطمینان تو خیر کر لیا مگر ساتھ ہی اس سے بل مانگا تو اسے بتایا گیا کہ بل کی ادائیگی ہو چکی ہے، وہ صرف گاڑی چیک کر لے۔ گاڑی تو ظاہر ہے ٹھیک ہو چکی تھی، وہ موٹر مکینک کو وہاں سے روانہ کر کے اوپر اپنے اپارٹمنٹ میں آئی اور آتے کے ساتھ ہی وہ چٹ اپنے بیگ میں سے نکالی جو اسے گھر پر ڈراپ کرتے وقت عباد نے تھما دی گئی تھی۔ اس نے اپنے سیل فون سے اس کا سیل نمبر ملایا۔ اس نے پہلی بیل پر کال ریسیو کر لی تھی۔

''ہاں میں ابھی آپ کے فون ہی کا انتظار کر رہا تھا، میں نے سوچا لڑکی Courteous ہے ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ شکریہ کہنے کے لئے فون نہ کرے اسی لئے تو آپ کو اپنا فون نمبر دے دیا تھا۔''

اس کے ہیلو کے جواب میں وہ فوراً بولا تھا۔ اسے بے ساختہ ہنسی آئی تھی۔ وہ باتیں مزے کی کرتا تھا۔

''لیکن میں نے شکریہ کہنے کے لئے تو فون نہیں کیا۔''

''پھر؟''

''میں نے تو صرف یہ پوچھنے کے لئے فون کیا تھا کہ آپ نے مجھے میری بلڈنگ کے باہر اتار دیا تھا پھر آپ کو میرے اپارٹمنٹ کا نمبر اور فون نمبر کیسے پتہ چل گیا؟''

''میں اپنے ملنے جلنے والوں کی خیر خبر رکھتا ہوں۔ یہ نہیں کہ کوئی بہت دن نظر نہ آئے اور آپ کے پاس اس کا کونٹیکٹ نمبر تک نہ ہو کہ ایک فون کال کر کے خیریت ہی معلوم کر سکیں۔''

وہ اپنے سہ پہر کے سوال پر تب ہی سے جی بھر کر پچھتا رہی تھی۔ اسے اس وقت یہ اندازہ نہیں تھا کہ مقابل لفظوں میں چھپے معنی اور چہرے پر چھپے تاثر پڑھنے کا شوقین ہے۔ منہ سے نکلی بات تو اب واقعی پرائی ہو چکی تھی۔

لہٰذا اس کی بات پر کوئی تبصرہ کئے بغیر اس نے فوراً ہی موضوع تبدیل کیا۔

''آپ نے میری گاڑی ٹھیک کروا دی، اس کا تو واقعی بہت شکریہ، لیکن آپ نے بل کیوں پے کیا؟ آپ پلیز وہ پیسے مجھ سے لے لیں۔''

''اس بات کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہمارے ہاں خواتین سے پیسے لینے کو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ ہاں اگر آپ کو ایسا لگ رہا ہے کہ میں نے آپ پر کوئی بہت بڑا احسان کر دیا ہے اور آپ کو اسے لازمی اتارنا ہے تو آپ مجھے اپنے ساتھ کہیں کافی پلا سکتی ہیں۔''

گھوم پھر کر کافی پھر بیچ میں آ گئی تھی۔ وہ بلاوجہ ہی اس روز یہ سمجھی تھی کہ وہ برا مان گیا ہے۔ پہلی دو دفعہ کے برخلاف اس بار کافی کی دعوت کے ذکر پر وہ اپنی ہنسی روک نہیں پائی تھی۔

''اور یہ کہیں یقیناً ہمارے کیمپس کے پاس کھلا وہ اپنا اٹالین ریسٹورنٹ ہی ہو گا، جہاں کی کیپوچینو بہت اچھی ہوتی ہے؟''

اس نے ہنستے ہوئے کچھ چھیڑنے والے انداز میں اس سے پوچھا۔ اسے عباد عذیر سے باتیں کرنا اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ زندہ دل تھا، شائستہ مذاق کیا کرتا تھا۔

''ویسے تو دعوت آپ کی طرف سے ہے۔ لیکن میری رائے پوچھیں تو وہ ریسٹورنٹ مناسب رہے گا۔'' عباد اپنی ہنسی دبا کر سنجیدگی سے بولا۔

''کل میری آخری کلاس چار بجے ختم ہو گی، میں سوا چار، چار بیس تک وہاں آ جاؤں گی۔''

وقت طے کر کے اس نے گفتگو ختم کر دی تھی۔

اگلے روز صبح سے بے چین تھی۔ وہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد گھڑی دیکھتی۔ ایسا لگتا تھا آج گھڑی سب کچھ بجائے گی بس چار ہی نہیں بجائے گی۔ اس روز شام کے چار بہت دیر سے بجے تھے۔ وہ کیتھی کو کلاس ہی میں خدا حافظ کر کے سب سے پہلے کلاس سے نکل گئی تھی۔

مارننگ سائیڈ ہائٹس پر واقع ڈھیر سارے ریسٹورنٹس اور کیفے میں وہ اٹالین ریسٹورنٹ بھی ایمسٹرڈیم ایونیو اور 121 اسٹریٹ کے درمیان واقع تھا۔

وہ اندر داخل ہوئی تو عباد وہاں پر پہلے سے موجود ملا۔ دروازے سے داخل ہوتے ہی اسے وہ نظر آ گیا، وہ دروازے ہی کی طرف نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی تھی، ایسا تاثر ابھرا تھا اس کے چہرے پر جیسے اچانک ہی کوئی بہت بڑی خوشی مل

جانے پر کسی شخص کے چہرے پر پھیلا کرتا ہے۔ وہ اس کی میز کے قریب آئی۔ وہ اس کے استقبال کے لئے اپنی کرسی پر سے اٹھ گیا تھا۔ شاید یہ ماما جانی کی تربیت اور ان کی سکھائی باتوں کا اثر تھا کہ وہ مردوں کے مینرز کا سب سے پہلے جائزہ لیا کرتی تھی۔

ماما جانی کہتی تھیں مردوں کے اچھا ہونے کی سب سے پہلی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ عورتوں کی عزت کرنے والے ہوں، قطع نظر اس کے کہ ان عورتوں سے ان کا رشتہ کیا ہے۔ وہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے بھی اس سے سلام دعا کر سکتا تھا مگر وہ جس طرح فوراً کھڑا ہوا تھا وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر رہ نہیں سکی۔

''مہمان پہلے سے موجود ہے۔ میزبان اب آ رہی ہیں۔''

وہ دونوں میز پر ایک دوسرے کے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ اس نے بے ساختہ اپنی ریسٹ واچ پر نگاہیں دوڑائیں تو وہ جلدی سے بولا۔

''آپ لیٹ نہیں آئی ہیں میں ہی ایکسائٹمنٹ میں کچھ جلدی آ گیا ہوں۔''

اس نے اس کے ایکسائٹمنٹ کے لفظ کی نہ وضاحت چاہی نہ اس پر کوئی تبصرہ کیا۔ ویسے اگر وہ یہ نہ بھی بتاتا کہ آج کی اس کافی کے لئے وہ بہت پر جوش اور خوش تھا، تب بھی اس کی ایکسائٹمنٹ بڑی واضح نظر آ رہی تھی۔ اس نے اسے کبھی شیو کیے نہیں دیکھا، نہ جینز اور Casual طرز کی شرٹس کے علاوہ کسی اور لباس میں دیکھا تھا۔ جبکہ آج اس نے نہ صرف یہ کہ شیو کیا ہوا تھا، بلکہ اس کے بال بھی بڑے سلیقے اور بڑی خوبصورتی سے جمے ہوئے تھے اور لباس بھی آج کاٹن کا بلیک ٹراؤزر اور آسمانی رنگ کی کاٹن کی فارمل طرز کی پلین شرٹ تھا۔ جو بندہ ہمیشہ بہت لاپرواسے حلیئے میں رہنا پسند کرتا ہو، اس کے حساب سے یہ تیاری بہت زیادہ تھی۔

''آپ کیا لیں گی۔''

''کیپوچینو کے لئے آئے ہیں تو وہ ہی چاہئے۔''

زبردستی بنائی گئی ہی سہی پر میزبان وہ تھی مگر ویٹر کو آرڈر وہ کر رہا تھا۔ ''دو کپ کیپوچینو، اٹالین کوکیز اور پیسٹریز۔''

''ویسے میں چائے اور کافی زیادہ پیتی نہیں ہوں، لگتا ہے آپ کو کافی بہت پسند ہے۔'' ویٹر آرڈر لے کر چلا گیا، تب وہ اس سے بولی۔

''ہاں کافی مجھے بہت پسند ہے۔ ویسے ایک بات کہوں یہ ''آپ'' کہنا کچھ عجیب نہیں لگ رہا۔'' اور ویسے میرے مما، پاپا اور قریبی دوست مجھے عابی کہتے ہیں، تم بھی اگر چاہو تو مجھے عابی کہہ سکتی ہو۔''

وہ ابھی دوست نہیں بنی تھی کہ قریبی دوستوں میں بریکٹ کی جا رہی تھی۔

''میں تمہیں تم کہہ سکتا ہوں اگر تمہیں ناگوار نہ ہو تو؟'' اس نے سر اثبات میں ہلایا تو وہ اس سے بولا۔

''تم مجھے سب سے پہلے اتنی اچھی اردو بولنے کا راز بتاؤ۔'' وہ جواباً مسکرائی۔

''اس کا راز میری دادی ہیں۔ ویسے تو ہمارے گھر کا ماحول ایسا تھا کہ اردو میرے سارے بہن بھائی بہت اچھی بول لیتے ہیں مگر میری ذرا زیادہ اچھی اس لئے ہے کہ میں دادی، دادا کے زیادہ نزدیک تھی، خاص طور پر دادی کے اور وہ گھر کے اندر اردو کے علاوہ کسی اور زبان میں بات کرنا

ہرگز پسند نہیں کرتیں۔''

''اچھا تمہاری دادی بھی ہیں؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''بس صرف وہی ہیں۔ میرے دونوں بڑے بھائیوں اور بڑی بہن کی شادیاں ہو چکی ہیں۔ سب اپنی جابز کی وجہ سے الگ الگ شہروں میں رہتے ہیں۔ نیویارک میں صرف میں اور ماما جانی ہیں۔ میں اپنی دادی کو ماما جانی کہتی ہوں۔ دادی سے تم یہ مت سمجھنا کہ وہ کوئی بوڑھی سی ڈل سی خاتون ہوں گی۔ وہ ماشاءاللہ مجھ سے زیادہ ایکٹو اور اسمارٹ ہیں۔ تم انہیں دیکھو گے تو یقین نہیں کرو گے کہ وہ میری دادی ہیں۔ بہت زندہ دل اور خوش رہنے والی ہیں وہ۔ فیشن کا انہیں مجھ سے زیادہ پتہ رہتا ہے۔ ان کے ساتھ وقت گزارو تو ذرا بوریت نہیں ہوتی۔ ان کی کمپنی میں کوئی ینگ آدمی بھی بور نہیں ہو سکتا۔ مزے کی بات بتاؤں مجھے پرانی موویز اور پرانے گانے پسند آتے ہیں اور انہیں نئی موویز، نئے گانے۔ وہ اسپائیڈر مین اور ہیری پورٹر کی عاشق ہیں۔'' اس کی باتوں کو دلچسپی سے سنتا وہ مسکرایا۔

''پھر تو تمہیں بہت مزا آتا ہوگا اپنی دادی کے ساتھ؟''

''ہاں بہت۔''

ان کی کافی اور کوکیز وغیرہ ان کی میز پر سرو ہو گئے تھے، وہ کافی پینے لگی تھی جبکہ عباد پہلے ایک پیسٹری کھا رہا تھا۔

''تم پاکستان سے آئے ہو؟'' عباد نے سر اقرار میں ہلایا۔

''وہاں پر کہاں سے؟''

''کراچی۔''

''میرے بھی ایک ماموں وہاں رہتے ہیں۔ میں ایک بار اپنے کزن کی شادی میں وہاں گئی بھی تھی۔ تم یہاں پڑھنے کے لئے آئے ہو؟''

''ہاں...... ایم ایس کمپلیٹ کرتے ہی میں واپس چلا جاؤں گا۔ وہاں میرے مما، پاپا ہیں اور میں انہیں بہت مس کرتا ہوں۔

اس نے مما، پاپا کا لفظ بڑی محبت سے ادا کیا، ایسے جیسے یہ لفظ ادا کرتے اس کی زبان میں ڈھیر ساری مٹھاس گھل گئی ہو۔

''میں اپنے مما، پاپا کا اکلوتا اور بہت لاڈلا بیٹا ہوں۔ زیادہ تر بچے یا ماں کے زیادہ قریب ہوتے ہیں یا باپ کے۔ میرے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ میں تو دونوں ہی کے خاصا نزدیک ہوں۔ پاپا بھی میرے دوست ہیں اور مما بھی۔ سمجھو میں اپنے پاپا ہی کی خواہش پر یہاں آیا ہوں۔ اے لیول کے بعد جب میں ذرا چھوٹا بھی تھا اور پاپا نے مجھے انجینئرنگ کے لئے امریکہ بھجوانے کی بات کی تھی، تب میں ننھے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا۔ میں مما اور پاپا کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ انہوں نے بہت خواب دیکھ رکھے ہیں میرے لئے۔ وہ مجھے اعلیٰ تعلیم یافتہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ تب پھر کراچی میں این ای ڈی یونیورسٹی سے بی ای کرنے کے بعد میں ایم ایس کرنے یہاں چلا آیا۔ میرے پاپا کی اپنی کنسلٹنگ فرم ہے اور اگر اسے شو آف نہ سمجھو تو میں یہ اضافہ بھی کر دوں کہ پاکستان کی لیڈنگ سول انجینئرنگ کنسلٹنسیز میں سے ایک ہے۔ فاروق ایسوسی ایٹس کو انٹرنیشنلی Recognize کیا جاتا ہے۔ پاپا کا خواب ہر باپ کی طرح ہی ہے کہ میں خوب پڑھ لکھ کر واپس پاکستان پہنچوں اور ان کی فرم کو مزید آگے لے جانے میں ان کے

ساتھ شامل ہوجاؤں۔"

وہ اسے اپنے بارے میں اور اپنے والدین کے بارے میں بتا رہا تھا۔ وہ جس والہانہ محبت اور عقیدت سے اپنے ماں، باپ کا ذکر کر رہا تھا، اس سے وہ متاثر بھی ہو رہی تھی اور حیران بھی۔

"دیکھو گی میرے مما پاپا کو؟" اس سوال پر اس نے تعجب سے اسے دیکھا۔ وہ اس وقت اسے اپنے ماں باپ کہاں سے دکھا سکتا تھا۔ اس نے اپنی ٹراؤزر کی پاکٹ سے والٹ نکالا اور اس والٹ میں سے وہ تصویریں۔

"یہ میرے پاپا ہیں عذیر فاروق اور یہ مما ہاجرہ عذیر۔ میں اپنے پاپا جیسا ہینڈسم نہیں، وہ تو اس ایج میں بھی ڈیشنگ لگتے ہیں۔ پتہ ہے اپنے بی ای کے دوران میں پاپا کی فرم بہت زیادہ جاتا تھا، سمجھو یونیورسٹی کے بعد کا سارا وقت میں ان کے آفس میں ہوتا تھا اور ان کے آفس کی انجینئر اور آرکیٹیکٹ لڑکیاں، ان میں کئی پاپا پر فدا تھیں۔ میں مما سے کہتا تھا آپ ذرا ٹھیک سے تیار و یار ہو کر رہا کریں، پاپا آفس میں سارا وقت حسیناؤں کے جھرمٹ میں رہتے ہیں۔"

وہ ہنستے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔ ہنیا کو اس کے ماں باپ کے ذکر میں کوئی دلچسپی ہے بھی یا نہیں، اس کی پروا کیے بنا وہ بولے جا رہا تھا۔

وہ حیرت سے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ پہلی بار اس کے عمر کے کسی لڑکے کو اس نے کبھی اپنے ماں، باپ کا اس شدت اور محبت سے ذکر کرتے سنا نہیں تھا۔

"تم اپنے مما، پاپا سے بہت پیار کرتے ہو؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"ہاں بہت۔" وہ جواب دیتے مسکرایا۔ پھر لحہ بھر کے لئے اس کے چہرے پر اداسی یوں چھائی جیسے وہ اس وقت بھی اپنے مما پاپا کو بہت مس کرنے لگا تھا۔

"میں مما پاپا کے پاس پاکستان واپس جانے کے لئے یہاں اپنا ایک ایک دن گن گن کر گزار رہا ہوں۔ مجھے یہاں نہیں رہنا ہنیا! مجھے پاکستان واپس جانا ہے۔"

اس نے چونک کر عباد عذیر کو دیکھا۔ اس نے دوسری بار یہ بات کہی تھی۔ وہ اسے بار بار یہ بات کیوں بتا رہا تھا کہ وہ اپنا مستقبل اپنا آنے والا کل امریکہ میں نہیں، پاکستان میں دیکھتا ہے۔ کچھ پل وہ دونوں خاموشی سے کافی پیتے رہے عابد نے اپنا کپ خالی کر کے میز پر واپس رکھا، تب اس کی طرف دیکھ کر دھیمے لہجے میں بولا۔

"میں تم سے ایک بات پوچھوں ہنیا؟" اس نے گردن اقرار میں ہلائی تب وہ کچھ ہچکچاتے ہوئے بولا۔

دیکھو، میرا سوال تھوڑا پرسنل سا ہے، اگر تمہیں بُرا لگے یا تم جواب نہ دینا چاہو تو مت دینا میں مائنڈ نہیں کروں گا۔"

یا اللہ اتنی لمبی تمہید۔ یا تو وہ بے دھڑک اور بے جھجک، خود اعتمادی سے ہر بات کرتا تھا یا اس طرح ہچکچا رہا تھا، کچھ کنفیوزڈ سا بھی لگ رہا تھا۔

"تم کہیں پر انگیجڈ ہو یا کوئی کمٹمنٹ یا کوئی۔"

''یا کوئی بوائے فرینڈ' جو تمہیں میرے ساتھ بیٹھا دیکھ کر تمہاری گردن مروڑ دے۔''

وہ ہچکچا کر ایک پل کے لئے رکا تھا اور اس نے اس کی بات اچک کر خود مکمل کر دی تھی۔ ایک بہت پر اعتماد بندے کو اس طرح ہچکچاتا اور سنبھل سنبھل کر بات کرتا دیکھ کر اسے بہت لطف آ رہا تھا۔ اسے نہ مردوں کی فطرت کا کوئی بہت زیادہ پتہ تھا اور نہ ہی مردوں سے متعلق کوئی تجربہ' پھر بھی اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ زندگی میں پہلی بار اس طرح کی بات کسی لڑکی سے کر رہا تھا اور اسے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس طرح کی بات کہی کس طرح جاتی ہے۔

وہ اس سچوایشن کو اس کے لئے ہرگز آسان نہیں بنانا چاہتی تھی۔ چنانچہ اس کی ہچکچاہٹ کے جواب میں خود اعتمادی سے بولی۔

''میں تمہیں انگیجڈ لگتی ہوں؟''

''نہیں''

''اور کمیٹڈ؟''

''لگتی تو نہیں ہو۔''

''بس پھر جو تمہیں لگتا ہے وہی صحیح ہیں۔ اس نے اپنا کپ خالی کر کے ساسر پر رکھ دیا تھا۔

''چلیں'' عباد کے چہرے پر لکھا نظر آ رہا تھا کہ وہ ابھی کچھ کہنا چاہتا ہے مگر اس کے ''چلیں'' کہنے پر اس نے سر اثبات میں ہلا دیا وہ بل پے کرنے لگا تب وہ احتجاجی انداز میں چلائی۔

''یہ فاؤل ہے۔ کافی میری طرف سے تھی۔

''کافی تمہاری ہی طرف سے ہے۔'' وہ دونوں اردو میں بات کر رہے تھے اور اٹالین ویٹر ہونق کھڑا انہیں باہم بحث و تکرار کرتا دیکھ رہا تھا۔

''لیکن بل تم پے کر رہے ہو؟'' عباد نے اپنے والٹ سے نکالا کریڈٹ کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔ ''تم دے دو۔''

''لیکن یہ تمہارے پیسے ہیں۔''

''کتنی بحث کرتی ہو۔ انجینئر کے بجائے تمہیں وکیل بننا چاہیے تھا۔''

''میں بحث کر رہی ہوں یا تم میل شاؤنزم کا جیتا جاگتا سمبل بنے بیٹھے ہو۔''

وہ خفگی سے بولتی میز پر سے اٹھ گئی۔ وہ بل پے کر کے اس کے پیچھے پیچھے ریسٹورنٹ سے باہر نکل آیا تھا۔

وہ کچھ غصے اور کچھ خفگی میں باہر نکلی تھی، کچھ غلطی اس کی تھی اور کچھ سامنے سے آنے والی گاڑی کی۔ وہ گاڑی اسے ٹکر مارتی ہوئی گزر جاتی اگر عباد ''ہنیا'' کہہ کر زور سے چلاتا اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے پوری قوت سے اپنی طرف نہ کھینچتا۔ ایک پل کے لئے اس کا ذہن بالکل ماؤف سا ہو گیا تھا۔ خوف سے تھر تھر کانپتے اس نے خود میں اور موت میں انچ بھر کا فاصلہ دیکھا تھا۔ وہ اس کی خوف زدہ اور رنگ اڑی شکل کو تشویش سے دیکھ رہا تھا۔

''تم ٹھیک ہو؟'' اس سے کچھ بولا نہیں گیا' اس نے صرف گردن ہلائی۔ زندگی اور موت میں صرف اتنا سا فاصلہ ہوتا ہے، موت کو اپنے

اتنے قریب دیکھ کر اس کی آواز بند ہوگئی تھی۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے ہی اسے واپس ریسٹورنٹ لے آیا اور داخل ہوتے ہی جو پہلی میز نظر آئی اس کی کرسی پر اسے بٹھادیا۔ ویٹر سے پانی لانے کا کہہ کر وہ اب فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم ٹھیک ہونا ہنیا؟''

اس نے پانی کا گلاس ایک گھونٹ میں خالی کر کے میز پر رکھا اور سر اثبات میں ہلایا۔ وہ ان چند منٹوں میں خود کو سنبھال چکی تھی۔ فوری طور پر جس شاک کے زیر اثر آئی تھی اس سے بھی نکل گئی تھی۔

''چلیں؟'' اس نے اپنا ہینڈ بیگ دوبارہ شانے پر ڈالتے عباد سے پوچھا۔

''تم کیسے جاؤ گی؟ گاڑی لائی ہو کیا!'' عباد نے کچھ سوچتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''سب وے سے۔'' گاڑی کے متعلق نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس نے اسے بتایا۔

وہ ایک دم ہی اس کے پاس اٹھ کر خدا جانے کہاں چلا گیا وہ اسے ریسٹورنٹ سے باہر نکلتا کچھ تعجب سے دیکھتی رہی۔ اس کے پاس آ کر بولا۔

''میں نے کیب روکی ہے، تم اس میں گھر جاؤ۔ اتنے شاک کی حالت میں سب وے میں جانا ٹھیک نہیں۔''

وہ اپنے لئے فکرمند ہوتے اس شخص کو دیکھتی رہ گئی۔ ماما جانی کے سوا اس کی زندگی میں دور دور تک کہیں کوئی شخص ایسا نہیں تھا' جسے اس کی اس طرح فکر ہو۔ وہ ایک حادثے کا شکار ہوتے بال بال بچ گئی تھی، اسے بہر حال نہ کوئی چوٹ لگی تھی نہ کچھ اور ہوا تھا مگر وہ اس کے لئے یوں فکرمند تھا جیسے پتہ نہیں اس کے ساتھ کیا ہو گیا ہے اب چونکہ وہ کیب روک چکا تھا اس لئے وہ اس کے ساتھ اٹھ کر ریسٹورنٹ سے نکل آئی۔ مگر باہر نکل کر جب اس نے عباد کا اپنے ساتھ کیب میں بیٹھنے کا ارادہ دیکھا، تو وہ فوراً بولی۔

''میں ٹھیک ہوں عباد......! تم فکر مت کرو، آرام سے گھر پہنچ جاؤں گی۔''

''لیکن میں تمہارے ساتھ جا رہا ہوں۔''

''مگر عباد۔''

''تم اتنی بحث کیوں کرتی ہو ہنیا سجاد؟'' اس نے اس کی بات کاٹ کر ناراضی سے اسے گھورا۔

''اس لئے کہ مجھے یہ بات اچھی نہیں لگ رہی کہ تم اپنے دس کام چھوڑ کر مجھے میرے گھر چھوڑنے جاؤ۔''

یلو کیب کا دروازہ کھول کر کھڑی وہ اس سے بحث کر رہی تھی۔ ابھی وہ کچھ اور ابھی کہنا چاہتی تھی کہ وہ یکدم ہی فیصلہ کن انداز میں بولا۔

''میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑنے جا رہا ہوں۔ اب میں کوئی بات نہیں سنوں گا'' وہ ہار مانتی خاموشی سے کیب میں بیٹھ گئی تھی، عباد درمیان میں کچھ فاصلہ رکھتے اس کے برابر میں بیٹھ گیا تھا۔

کیب چلنا شروع ہوئی تو کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ آہستہ آواز میں اس سے بولا۔

''اتنی لاپرواہو کر سڑک پر مت چلا کرو ہنیا......! جب وہ گاڑی اچانک سامنے آئی تو ایک لمحے کے لئے بری طرح ڈر گیا تھا۔''

اسے وہ لمحہ اچھی طرح یاد تھا جب خوف سے چلاتے عباد نے پوری قوت سے اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔ وہ اس کا کوئی بھی نہیں تھا، مگر اسے اس کی فکر تھی، پتہ نہیں کیوں مگر اچانک ہی اسے عباد عذیر کے وجود سے اس کی اپنے قریب موجودگی سے تحفظ کا احساس ہونے لگا۔ وہ یک دم ہی خود کو بہت محفوظ سا محسوس کرنے لگی۔ عباد نے صرف اسے بلڈنگ کے باہر تک ہی نہیں چھوڑا بلکہ کیب ڈرائیور کو چند منٹ وہیں رکنے کا کہہ اس کے ساتھ اندر تک آیا۔ لابی انٹرنس میں آجانے کے بعد اس نے باقاعدہ اسے لفٹ تک چھوڑا۔ وہ اس کے لفٹ میں داخل ہو جانے کا انتظار کر رہا تھا۔

''اگرچہ کہ مجھے یہ بات بالکل اچھی نہیں لگ رہی کہ تم صرف مجھے چھوڑنے یہاں آئے ہو اور اب کیب میں واپس وہاں جاؤ گے جہاں اس وقت تمہیں جانا تھا لیکن عباد تمہارا بہت شکریہ۔''

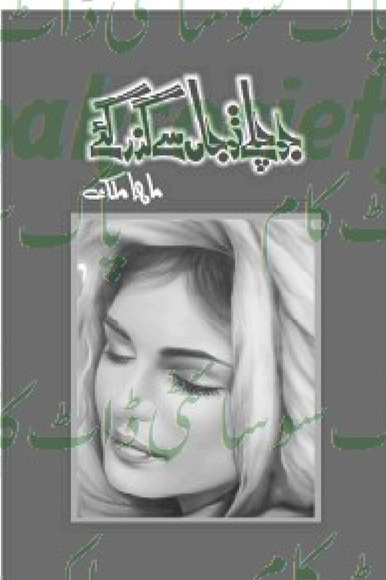
لفٹ آگئی تھی وہ اس میں داخل ہو گئی تھی۔ جب تک لفٹ کے خودکار دروازے بند نہ ہوئے اور جب تک اسے باہر کا منظر نظر آتا۔ وہ تب تک وہیں کھڑا ہوا تھا۔

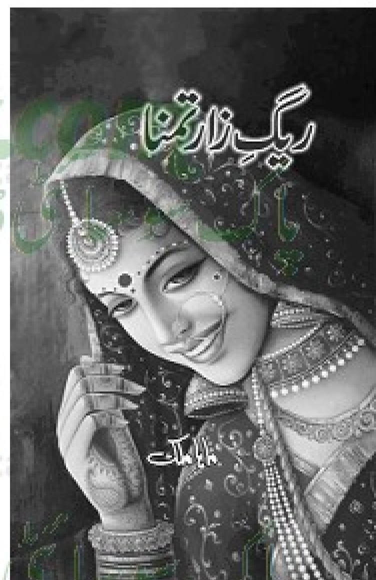
اور وہ اس کی زندگی کی وہ پہلی رات تھی، جب اس نے لاشعوری طور پر نہیں بلکہ شعوری طور پر عباد عذیر کو سوچا۔ اسے سوچنے سے خود کو روکا نہیں۔ اپنے دل میں ابھرتے اس کے خیال کو جھٹکا نہیں، بلکہ اس کے خیال کو رات بھر اپنے ساتھ رکھا۔ کبھی اس کے تصور میں اس ڈمپل والی خوبی صورت مسکراہٹ آنے لگتی، کبھی اسے دیکھتے ہی جو بے ساختہ چمک اس کی آنکھوں میں پیدا ہوئی تھی اسے وہ یاد آنے لگتی۔ کبھی اس کا گھبراتے اور ہچکچاتے وہ کہیں انگیجڈ یا کسی کے ساتھ کمیٹڈ تو نہیں ہے، پوچھنا مسکرانے پر مجبور کر دیتا۔ کبھی اُس کے وجود کا تحفظ دیتا انداز ایک نیا نیا سا احساس دل میں جگانے لگتا۔ اگر یہ حادثہ ہو جاتا تو نہ جانے کیا ہو جاتا، اس کے دل کو ایک نئے ہی انداز سے دھڑ کانے لگتا۔

اس پوری رات وہ عباد عذیر کو سوچتی رہی تھی۔ اس پوری رات وہ اس کے ساتھ رہا تھا۔

☆





اگلے روز وہ اسے کیمپس میں ملا تھا وہ لو میموریل لائبریری میں آئی ہوئی تھی۔ وہاں اس کی ایک دوست رینی جو کولمبیا یونیورسٹی ہی کے آرٹس اسکول میں زیر تعلیم تھی اس کی اور اس کے کلاس فلیوز کی پینٹنگز کی نمائش تھی اور اس نے ہنیا کو نمائش میں آنے کی دعوت دی تھی۔ لائبریری کا کسی زمانے میں مین (main) ریڈنگ روم اب یونیورسٹی کے اس نوعیت کے ایونٹس اور ایگز یبیشنز کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ وزیٹر زسینٹر زیبیں تھا، دیگر کئی طرح کے انتظامی امور سے متعلق دفاتر بھی اس عمارت کے اندر قائم تھے۔ ساتھ ہی یہاں مختلف نمائشوں اور دیگر اسی نوعیت کے ایونٹس کا انعقاد بھی ہوتا رہتا تھا۔

لو لائبریری اپنے منفرد اور کلاسیکل آرکیٹیکچر کی وجہ سے کولمبیا یونیورسٹی کی پہچان تھی۔ یونانی فن تعمیر اور طرز تعمیر کی یہ ایک خوب صورت مثال تھی۔ قدیم یونانی طرز کی عمارت جس کے سامنے، بہت سارے گول ستون بالکل سیدھ میں کھڑے تھے۔ یہ گول ستون عمارت کی فرنٹ Elevation کو ایک خوبصورت رنگ اور طلسماتی حسن عطا کیا کرتے تھے۔

لو لائبریری کی عمارت کافی اونچائی پر واقع تھی اور اس تک پہنچنے کے لئے خوب صورت پتھر سے بنی سیڑھیوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ ان سیڑھیوں کے اسٹیپ بہت چوڑے اور بہت کشادہ تھے۔ ان ہی اسٹیپ پر مشہور فرانسیسی مجسمہ ساز ڈینئل چیسٹر کا بنایا۔ ''Alma Mater'' کا مجسمہ نصب تھا۔

کولمبیا یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس کے لئے یہ جگہ وہ جگہ تھی جہاں وہ اپنا فارغ وقت گزارنا اور دوستوں سے ملنا ملانا پسند کیا کرتے تھے۔ یہ سیڑھیاں ہر وقت اسٹوڈنٹس سے گھری رہتی تھیں۔ ان کشادہ اور طویل اسٹیپس پر بے فکری سے گھنٹوں بیٹھنا جیسے کولمبینز کا سب سے محبوب مشغلہ تھا۔ سیڑھیاں اتنی طویل۔ اتنی چوڑی اور اتنی کشادہ تھیں کہ ان پر ایک وقت میں اسٹوڈنٹس کا ایک جم غفیر با آسانی سما سکتا تھا۔

وہ پینٹنگز دیکھ لینے اور رینی سے مل لینے کے بعد مین ریڈنگ روم سے باہر نکل آئی تھی۔ وہ کوریڈور سے گزر رہی تھی، جب اسے عباد پر وویسٹ کے آفس سے باہر نکلتا نظر آتا۔ اس کی ہنیا کی طرف پشت تھی، وہ اس کے قریب آگئی تھی۔ ''ہائے عباد'' وہ بے ساختہ اور فوراً گھوما۔ اسے دیکھتے ہی اس کی آنکھوں میں وہی چمک ابھری تھی۔ جو اسے اچھی بھی لگتی تھی اور جس کی وہ عادی بھی ہونے لگی تھی۔

''ہنیا......کیسی ہو؟''

ٹھیک ......کیا ہو رہا ہے؟''

''کچھ نہیں، ڈاکٹر الیگزینڈر کے آفس ایک کام سے آیا تھا۔'' اس نے پروویسٹ کا نام لیا، وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''چلو کہیں چل کر بیٹھیں؟ ویسے آدھے گھنٹے کے بعد ہمارا گروپ ڈسکشن ہے پروفیسر ہیری کے ساتھ، لیکن اتنی دیر تو ہم بات کر سکتے ہیں نا؟'' عباد اس سے بولا۔ وہ دونوں لو لائبریری کی عمارت سے نکل کر سیڑھیوں پر آگئے۔

حسب معمول اور حسب دستور اس وقت بھی وہاں اسٹوڈنٹس الگ الگ ٹولیوں کی شکل میں کافی تعداد میں موجود تھے۔

''تم بیٹھو......میں ذرا کھانے کے لئے کچھ لے آؤں، لنچ نہیں کیا، اب بھوک لگ رہی ہے۔''

وہ سیڑھیوں پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی، وہ تھوڑی ہی دیر میں آگیا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں دو عدد ڈسپوزایبل گلاسز جن میں اسٹرابیری

شیک تھا اور ایک پیپر پلیٹ جس میں سینڈوچز تھے موجود تھے۔ اس کا گلاس اسے پکڑا کر اور سینڈوچز کی پلیٹ ان دونوں کے درمیان رکھ کر وہ اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔

''تمہاری کیا ہابیز ہیں ہنیا؟ پڑھائی کے بعد کا ٹائم تم کیسے گزارتی ہو؟''

سینڈوچ کھاتے ہوئے عباد نے اس سے پوچھا۔

''ماما جانی کے ساتھ، فرینڈز کے ساتھ۔ کیتھی اور مائیکل جسے ہم لوگ مائیک کہتے ہیں۔ میرے بیسٹ فرینڈز ہیں ان کے ساتھ ہابیز میں مجھے پرانی فلمیں دیکھنا پسند ہے۔ سمندر کے کنارے واک کرنا پسند ہے۔ تھوڑی رومانٹک ٹائپ کی ہوں مجھے چاندنی راتیں، بارش اور آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھنا اچھا لگتا ہے۔ جیسے اس وقت بیٹھی ہوں ایسے بیٹھ کر سامنے ان سفید سفید کبوتروں کو دیکھنا اچھا لگتا ہے میں انہیں گھنٹوں بیٹھ کر دیکھ سکتی ہوں اور تم......؟''

''مجھے؟ آج کل تو مجھے ہنیا سجاد کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگتا ہے۔ ویسے مجھے فٹ بال میں بہت انٹرسٹ ہے۔ دیکھنے میں بھی اور کھیلنے میں بھی۔ اس کے علاوہ میوزک کا بھی شوق ہے۔ میں گٹار اچھا خاصا بجا لیتا ہوں، تھوڑا بہت گا بھی لیتا ہوں۔ آئی مین دوستوں کی محفل میں۔''

وہ اس کے چہرے کو اپنی نگاہوں کے حصار میں لئے بول رہا تھا۔ اس کے جملے کے ابتدائی حصے کو قصداً نظر انداز کر کے اس نے میوزک والی بات پر اپنے کمنٹس دیئے۔

''پھر تو کبھی میں بھی تم سے گٹار سنوں گی۔''

عباد کے گروپ ڈسکشن کا وقت ہونے لگا تھا، وہ کھڑا تو ہو گیا مگر یوں جیسے بحالت مجبوری جانے کے لئے اٹھ رہا تھا۔ ورگرنہ اس کے پاس سے جانے کا اس کا دل نہ چاہ رہا ہو۔

☆

پھر باقی سارا ہفتہ اس کی عباد کے ساتھ کوئی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس کی نگاہوں نے کیمپس میں آتے جاتے اسے تلاشا ضرور تھا مگر وہ نظر کہیں نہیں آیا تھا۔ وہ ایم ایس کرنے کے ساتھ اپنے ایک پروفیسر ڈاکٹر انڈریو نیل جو یہاں وزیٹنگ فیکلٹی ممبر تھے اور ایک کنسلٹنگ فرم میں پارٹنر تھے، وہاں ان کی فرم میں جز وقتی ملازمت اس انداز میں کر رہا تھا کہ ڈاکٹر اینڈریو اسے اپنے ساتھ اپنے مختلف پروجیکٹس میں بطور مشیر اور معاون شامل کرلیا کرتے تھے۔

وہ ان کا فیورٹ اسٹوڈنٹ تھا اور ان کی خواہش پر ان کے آفس میں ان کے ساتھ کام کرکے اپنا سول انجینئرنگ کا تجربہ وسیع کر رہا تھا۔ یقیناً وہ ان دنوں بہت مصروف رہا تھا، تب ہی پورے ہفتے اسے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ ہفتے کی رات جب وہ سونے لیٹ رہی تھی تب اس کا فون آگیا تھا۔

''تم کہاں تھے؟'' اس نے پوچھنے سے خود کو بمشکل روکا تھا اور ''ہائے'' اور ''کیسے ہو'' پر اکتفا کیا تھا۔

''کل کیا کر رہی ہو؟ کوئی مصروفیت تو نہیں ہے؟'' اس نے اس سے پوچھا۔

''نہیں۔ کیوں؟''

''تم کہہ رہی تھیں ناں تمہیں پرانی فلموں کا شوق ہے۔ Gone with the wind لگی ہوئی ہے سینما میں۔ میں نے دو ٹکٹس لے لئے ہیں۔ چلوگی؟''

اس نے فوراً ہی اس کے ساتھ چلنے کی حامی بھرلی تھی۔ اس کے ساتھ وقت طے کرکے عباد نے کہا کہ وہ اسے اس کے اپارٹمنٹ سے پک کر لے گا۔ وہ دوستوں کے ساتھ باہر گھومنے پھرنے، آؤٹنگ اور ڈنر وغیرہ جاتی رہتی تھی مگر اپنے لباس اور تیاری کے متعلق وہ اتنی کونشس اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اسے تیار ہونے اور سجنے سنورنے کا زیادہ شوق ہی نہیں تھا۔ اسے بالوں کی کٹنگ کے لئے بھی ماما جانی زبردستی دھکے دے دے کر بھیجا کرتی تھیں اور اپنی اس بہت مہنگی کٹنگ کا وہ بالوں کو بینڈ لگا لگا کر ستیاناس کردیا کرتی تھی۔

مگر آج اپنی تیاری کے لئے اس کی فکر دیدنی تھی۔ اس نے بلیک جینز کے ساتھ پنک کلر کی انڈین اسٹائل کی کرتی جو اسے اس کی ایک انڈین فرینڈ نے گفٹ کی تھی پہنی تھی۔ فل سلیوز اور ہائی نیک والی اس کرتی پر شیشوں اور دھاگوں کا بڑا خوبصورت کام بنا ہوا تھا۔ چہرہ جسے وہ روز صرف دھونے کی زحمت کرتی تھی۔

آج اس کی بڑے اہتمام سے کلینزنگ ہوئی تھی۔ بالوں کو بلو ڈرائی کر کے کٹنگ کو دوبارہ اس کی اصلی حالت میں واپس لایا گیا تھا اور تو اور ہونٹوں پر ہلکی سی لپ سٹک بھی لگائی گئی تھی۔

''ہنی! یہ تمہارا کوئی خاص دوست ہے؟'' ماما جانی نے اس کی تیاریوں کو بغور دیکھتے آخر پوچھ ہی لیا تھا۔

''خاص تو نہیں بس دوست ہے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا ماما جانی! عباد عذیر نام ہے اس کا۔ پاکستان سے آیا ہوا ہے یہاں ایم ایس کرنے۔ بہت اچھا ڈیسنٹ لڑکا ہے۔'' اس نے اپنی ہائی ہیل والی سینڈل پہنتے انہیں جواب دیا۔

''وہ تو مجھے بھی نظر آرہا ہے کہ وہ بہت اچھا ہے۔''

''کیا ہو گیا ہے ماما جانی آپ کو؟'' وہ ان کے لہجے کی معنی خیزی پر جھنجھلا کر بولی۔

''میں کیا اس سے پہلے اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں باہر نہیں جاتی؟ ابھی پرسوں میں جیک کے ساتھ لنچ کرنے گئی تھی۔ آج آپ مجھے ایسے دیکھ رہی ہیں، جیسے میں پہلی بار کسی کے ساتھ کہیں باہر جا رہی ہوں۔''

''پہلی بار اپنی عمر کے مطابق لڑکیوں کی طرح تیار ہو کر جا رہی ہو۔ جینز کے اوپر کوئی سی بھی اوٹ پٹانگ ٹی شرٹ اور سوئٹر لاد کر نہیں۔ بہر حال مجھے تو بہت اچھا لگ رہا ہے تمہارا یہ روپ اور وہ اچھا لڑکا بھی، جس نے ہنیا سجاد جیسی ٹام بوائے کو لڑکیوں کی طرح تیار ہونا تو سکھا دیا۔''

وہ ماما جانی کے ان کمنٹس کو سنتے وقت مقررہ پر نیچے اتر آئی تھی، جہاں اس کی بلڈنگ کے باہر گاڑی میں عباد اس کا منتظر تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکیڑے تھے۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو۔''

''تھینکس۔'' وہ گاڑی چلاتا گاہے گاہے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں کبھی بھی ایسی نہیں ہوتی تھیں، جن سے وہ جھجکے۔ اس کی نگاہوں میں اپنائیت چاہت اور محبت کے سوا کوئی رنگ نہیں ہوتا تھا۔

مووی تو اس نے پہلے بھی دیکھی ہوئی تھی مگر اسے اس کے ساتھ دیکھنا بہر حال بہت اچھا لگا تھا۔ فلم دیکھتے ہوئے اس نے عباد کو بتایا تھا کہ مووی سے بھی زیادہ اسے یہ ناول پسند ہے اور اس کا ہیرو آل ٹائم فیورٹ ہیرو ہے۔ اسے تو پرانی موویز کا شوق تھا، وہ پتہ نہیں بغیر شوق کے اتنے شوق سے اس مووی کو کیسے دیکھ رہا تھا۔ مووی ختم ہونے کے بعد وہ اسے ایک اچھے سے انڈین ریسٹورنٹ میں ڈنر کرانے لے آیا تھا۔

''آج دیسی کھانوں کا دل چاہ رہا ہے۔ تمہیں پاکستانی اور انڈین کھانے پسند ہیں؟''

عباد نے پہلے اس سے پوچھا تھا اور جب اس نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تب وہ وہاں آ گیا تھا۔ پالک پنیر، روغنی نان، زعفرانی پلاؤ، فیرنی اور برفی آرڈر کیا گیا تھا۔ اس کے ساتھ اس ڈنر کو اس نے بے حد انجوائے کیا تھا۔ بے تکلفی سے کھانا کھاتے ہوئے اس دوران وہ اس سے مختلف موضوعات پر بات کرتی رہی تھی۔ پڑھائی، پروفیسرز، دوست، اپنے گھر والے، ماما جانی، اسی طرح عباد بھی اپنی باتیں اس سے کرتا رہا تھا۔

اس کی باتیں زیادہ تر اس کے مما اور پاپا کے ذکر پر مشتمل تھیں۔ وہ بڑے مزے سے اسے بتا رہا تھا کہ روزانہ تین یا چار بار اس کی اپنی ممی اور پاپا سے فون پر بات ہوتی ہے۔ وہ اپنے دوستوں کی بات شروع کرتا یا پڑھائی یا جاب کی کوئی بات بتانے لگتا، اس بات میں کہیں نہ کہیں اپنے مما، پاپا کا ذکر لازمی کرتا۔ اس کی ہر بات میں خواہ وہ کسی بھی موضوع پر ہو، اس کے مما، پاپا کا ذکر خود بخود ہی آ جاتا تھا۔ نمکین، میٹھا اور گرین ٹی کے بعد ڈنر مکمل ہو گیا، تب وہ دونوں وہاں سے اٹھ گئے۔

آج بل پے کرنے کے معاملے پر وہ اس سے الجھی نہیں تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کہیں بھی جائے گی، بل ہمیشہ وہ پے کرے گا۔ ہنیا کے حساب سے آج کی یہ شام جو انہوں نے ساتھ گزاری تھی اس کا اختتام ہو گیا تھا اب عباد کو اسے اس کے گھر ڈراپ کر دینا تھا مگر وہ

بجائے اس کے گھر جانے والے راستے پر جانے کے، کہیں اور جانے لگا۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

''بس ہے ایک جگہ۔ ابھی تمہیں پتہ چل جائے گا۔''

اس کے دو تین دفعہ کے استفسار کے جواب میں وہ سسپنس پیدا کرنے والے انداز میں بولا۔ اس نے ایک کثیر المنزلہ رہائشی بلڈنگ کی پارکنگ میں لا کر گاڑی روک دی تھی۔ وہ حیران اور ناسمجھی کے عالم میں اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ وہ اسے کہاں لے کر آیا تھا؟ یہاں کون رہتا تھا؟

لفٹ سے دسویں منزل پر اترنے کے بعد وہ ایک اپارٹمنٹ کے دروازے پر آ کر رک گیا۔ ابھی صرف رات کے آٹھ بجے تھے اور بہت زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ عباد نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر اپنی جیب سے ایک کی چین نکال کر جس میں کئی چابیاں لگی ہوئی تھیں، اس میں سے ایک چابی دروازے میں لگانے لگا۔ یہ عباد کا اپارٹمنٹ تھا؟ وہ اسے اپنے اپارٹمنٹ لے کر آیا تھا؟

اس نے عباد کی طرف غور سے دیکھا۔ اس نے عباد کی مووی اور ڈنر کی آفر قبول کرتے یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ عباد عذیر کے ساتھ ڈیٹ پر جا رہی ہے اور اس کے ملک میں ننانوے فیصد ڈیٹس کا اختتام "Your place or mine" پر ہی ہوا کرتا ہے۔ اس کلچر میں یہ بات بری نہیں تھی۔

یہاں اس کے ملک میں اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ رات گزار لینا ہرگز معیوب نہ تھا، معیوب یا برا اگر سمجھا جاتا تھا تو اس بات کو کہ ایک وقت میں آپ کے کئی لوگوں سے افیئرز ہیں، اگر ایک ہی بندہ ہے جس کے ساتھ آپ کے تعلقات ہیں تب تو آپ بہت اعلیٰ کردار کی حامل خاتون ہیں۔

خود اس کی دوست کیتھی اور مائیک جو ایک دوسرے کے ساتھ سو فیصد مخلص تھے اور آپس میں شادی کا فیصلہ کر چکے تھے۔ ایک دوسرے کے اپارٹمنٹس میں اکثر رات گزارا کرتے تھے اور وہ انہیں اس بات کے لئے بالکل برا نہیں سمجھتی تھی۔ وہ ان کا طرزِ زندگی تھا یہ اس کا۔ وہ امریکی کلچر کا حصہ ہوتے ہوئے بھی اس کلچر سے مختلف تھی مگر عباد نے شاید اسے اس کلچر کا حصہ سمجھا تھا۔ وہ عباد کو برا نہیں سمجھ رہی تھی، غلط نہیں سمجھ رہی تھی مگر شاید وہ اسے پوری طرح سمجھ نہیں سکا تھا۔

وہ اس کی سوچوں سے بے خبر دروازہ کھول چکا تھا۔

''آؤ ہنیا......'' اس نے مسکرا کر خوش دلی سے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔

''آئم سوری عباد! میں اندر نہیں آ سکتی۔ میں امریکن ہوں مگر اپنے ملک کے دوسرے لوگوں سے میری ویلیو (اقدار) بہت مختلف ہیں۔''

اس نے سنجیدگی سے عباد سے کہا۔ عباد نے پہلے تو حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔ جیسے اس کی بات کا مطلب سمجھ نہیں پایا۔ اس کے چہرے پر اس کی ڈمپل والی خوب صورت مسکراہٹ کی جگہ پہلے حیرت نے لی اور پھر یکدم ہی غصہ سے اس کے لب بھینچ گئے۔ اس سے کچھ کہے بغیر اس نے اپارٹمنٹ کا دروازہ زوردار دھماکے سے واپس بند کیا اور سیدھا لفٹ کی طرف جانے لگا۔

''عباد''؟ اس کے پیچھے آتے اس نے اسے آواز دی۔ وہ لفٹ میں داخل ہو گیا تھا۔ وہ اس کے پیچھے لفٹ کے اندر آ گئی۔ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا، وہ لب بھینچے، انتہائی سنجیدہ لفٹ کے دروازے کو دیکھ رہا تھا۔

''تم کہاں جا رہے ہو عباد؟''

لفٹ سے نکل کر وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اس کا تیز قدموں کے ساتھ دے رہی تھی۔ وہ اس کی بات کا جواب دیئے بغیر اپنی پارک شدہ گاڑی تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے پہلے ہنیا کے لئے دروازہ کھولا اور پھر ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر خود گاڑی میں بیٹھ گیا۔

وہ اس کے غصے بھرے چہرے کو گاڑی سے باہر کھڑی ہونق بنی دیکھ رہی تھی۔ اسے اتنا شدید غصہ بھی آ سکتا ہے۔

''گاڑی میں بیٹھو ہنیا۔'' اس نے اگنیشن میں چابی گھما دی تھی جیسے ہی گاڑی میں بیٹھی ابھی اس نے دروازہ بھی ڈھنگ سے بند نہیں کیا تھا اس نے فوراً گاڑی سٹارٹ کر دی۔

''عباد! تم مجھ سے ناراض ہو گئے ہو؟''

اس نے مخاطب کیا۔ اس نے اسے جواب نہیں دیا۔ وہ طوفانی رفتار سے گاڑی کو دوڑاتا اسے اس کے گھر لے آیا تھا۔ اور اب لب بھینچے۔ اسٹیئرنگ پر ہاتھ جمائے اس کے گاڑی سے اترنے کا منتظر تھا۔

''عباد! دیکھو پلیز میرا یہ مطلب......''

''تمہارا گھر آ گیا ہے ہنیا۔'' سرد لہجے میں اس کی بات کاٹ کر اس نے اس سے کہا۔ انداز ایسا تھا کہ اگر وہ خود نہ اتری تو وہ اسے ہاتھ پکڑ کر اپنی گاڑی سے اتار دے گا۔

اسے یک دم ہی رونا آنے لگا تھا۔ ایک خوشگوار شام جو انہوں نے ایک دوسرے کے ساتھ بھرپور انداز میں انجوائے کرتے گزاری تھی اس کا اختتام کتنے غلط انداز میں ہو رہا تھا۔ وہ جتنا غصے میں تھا اس سے کچھ بھی کہنے سننے کی کوشش کرنا بے کاری تھا۔ وہ مایوس اور افسردہ اس کی گاڑی سے اتر گئی تھی۔

اس کے اترتے ہی اس نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کر دی تھی اور اسے خدا حافظ کہے بغیر فوراً وہاں سے چلا گیا تھا اسے رہ رہ کر اپنی کہی بات پر پچھتاوا ہو رہا تھا۔ وہ اتنا خوش، اتنا ایکسائیٹڈ اسے اپنے گھر لے جا رہا تھا، ایسے جیسے اسے کوئی سرپرائز دینا چاہتا ہو، اس کے لبوں پر اپنے اپارٹمنٹ کھولتے کتنی شرارتی سے مسکراہٹ تھی۔

امریکی کلچر کو ذہن میں رکھتے جو بات اس نے عباد سے کہی تھی، وہ کم از کم اس وجہ سے اسے اپنے اپارٹمنٹ ہرگز نہیں لے کر گیا تھا۔ اس پوری شام وہ اس کے ساتھ رہی تھی اور اس پوری شام اس نے ایک بار بھی اس کا ہاتھ تک پکڑا نہیں تھا، ریسٹورنٹ میں اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھنے کے بجائے وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھا تھا، وہ آج تک جب بھی کبھی اس کے برابر بیٹھا ہمیشہ اپنے اور اس کے بیچ مناسب قسم کا فاصلہ رکھ کر بیٹھتا تھا اور اسے اس کی اتنی احتیاط پسندی کے باوجود بھی ایسا لگا کہ وہ اس وجہ سے اسے اپنے اپارٹمنٹ لے کر گیا ہے؟

وہ بہت بے چین تھی۔ صبح تک یقیناً اس کا غصہ کم ہو چکا ہوگا۔ وہ اسے صبح فون کر کے سوری کہے گی۔ مگر صبح اسے فون کرنے پر اسے پتا چلا، وہ اس کی سوری کیا سنتا، وہ تو سرے سے اس کی کال ہی ریسیو نہیں کر رہا تھا۔

وہ اس پورے دن رات گئے تک وقتاً فوقتاً اس کے سیل اور اپارٹمنٹ کے نمبرز پر کال کرنے کی کوششیں کرتی رہی۔ کسی بھی جگہ اس کی کال ریسیو نہیں کی جا رہی تھی۔ اگلے چار دن بھی یہی تماشا ہوتا رہا تھا۔ مگر نہ وہ اس کی کال ریسیو کر رہا تھا اور نہ کیمپس میں کہیں نظر آ رہا تھا۔

وہ اپنے اپارٹمنٹ کے ان کوریڈورز، کلاس رومز اور لیبز کے روزانہ پابندی سے چکر لگا رہی تھی مگر سوائے مایوسی کے کچھ ہاتھ نہیں آ رہا تھا۔ پھر پانچویں روز جب وہ گزرے چار دنوں کی طرح اپنے ڈیپارٹمنٹ میں تلاش کرنے کی مہم پر نکلی ہوئی تھی تب بالآخر اسے اپنے دوستوں کے ساتھ کوریڈور میں Soil Mechanics کی لیب کے پاس کھڑا نظر آ گیا۔

اس نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اس کے پاس چلی آئی۔ یہ اچھا ہوا تھا کہ وہ اسے دوستوں کے درمیان مل گیا تھا، دوستوں کے درمیان کم از کم وہ اس کی بات تو سنے گا اکیلا ملتا تو شاید اس کی بات سنے بغیر وہاں سے چلا جاتا، باتوں میں مشغول وہ سب لڑکے اسے دیکھ کر چپ ہو گئے تھے۔ وہ سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے ان چاروں لڑکوں کو نظر انداز کر کے ان میں کھڑے پانچویں شخص کو مخاطب کیا۔

''مجھے تم سے بات کرنی ہے عباد۔'' اس نے قصداً یہ جملہ اس سے انگریزی میں کہا تھا۔ تا کہ اس کے دوست بھی سن سکیں کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

عباد کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اکیلا ملتا تو کبھی اس کی بات نہ سنتا مگر دوستوں کے بیچ اب وہ کوئی سین کری ایٹ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ دوستوں سے معذرت کرتا اس کی طرف آ گیا۔ ان دونوں نے خاموشی سے چلنا شروع کر دیا تھا۔ نیچے اتر کر لان کے ایک لگ تھلگ سے گوشے میں وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

''میں بہت بزی ہوں، تمہیں جو بات کرنا ہے جلدی کرو۔'' وہ اکھڑے لہجے میں بولا۔

''عباد! آئم سوری۔ تمہیں اس دن میری بات بری لگی تھی۔ میں تم سے۔''

اس نے بولنا شروع ہی کیا تھا کہ وہ اس کی بات کاٹ کر غصے سے بولا۔

''تمہیں مجھ سے سوری کہنے کی ضرورت نہیں ہے ہنیا! تم نے مجھے جیسا سمجھا، وہ مجھے بتا دیا۔ افسوس تم نے مجھے بالکل بھی نہیں سمجھا ہنیا۔''

اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ سنجیدگی سے ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے۔ میں تم سے کیوں ملتا ہوں؟ میں نے اس روز تمہیں اپنے ساتھ مووی دیکھنے اور ڈنر کی دعوت کیوں دی تھی؟ ہنیا سجاد! میری گرل فرینڈ نہیں تھی جس کے ساتھ میں وقتی افیئر چلا رہا تھا، جسے میں نے ڈیٹ پر بلایا تھا، اس کے ساتھ ایک شام بھرپور انداز میں گزار کر اس ڈیٹ کو پرفیکٹ اینڈ دینے کے لئے اسے اپنے اپارٹمنٹ لے گیا تھا۔ میں نے اس لڑکی کو اپنے ساتھ باہر چلنے کی دعوت دی تھی جس سے میں محبت کرتا ہوں، جس کے ساتھ میں اپنی پوری زندگی گزارنا چاہتا ہوں، جسے پرانی فلمیں، چاندنی راتیں، بارش اور آسمان پر چمکتے ستارے دیکھنا پسند ہے، اسے کسی مختلف اور بہت رومانٹک سے انداز ہی میں پرپوز کرنا چاہئے۔ میں اس موقع کو اس لڑکی کے لئے بہت یادگار اور رومانٹک بنانا چاہتا تھا۔ میں اس لڑکی کو اپنے اپارٹمنٹ اس مختلف اور رومانٹک انداز میں پرپوز کرنے لے کر گیا تھا، جس سے محبت کی جاتی ہے اس کی عزت تو محبت سے بھی بڑھ کر کی جاتی ہے۔ تمہیں میں ایسا نظر آیا تھا کہ تم سے محبت تو کر سکتا ہوں مگر تمہاری عزت نہیں کر سکتا؟''

جو بات وہ اس روز ریسٹورنٹ میں جب وہ پہلی بار ساتھ بیٹھے کافی پی رہے تھے، باوجود کوشش کے اس سے نہیں کہہ پایا تھا، اس وقت غصے کے عالم میں با آسانی کہہ گیا تھا۔ وہ اس سے محبت کا اقرار کر رہا تھا، مگر غصے اور رنج کے ملے جلے انداز میں۔

''تم میری بہت ساری گرل فرینڈز میں سے ایک گرل فرینڈ نہیں ہو ہنیا! میں نے کبھی کسی لڑکی سے دوستی نہیں کی، میں نے کبھی کسی لڑکی کو اپنے ساتھ کہیں باہر چلنے کی دعوت نہیں دی، میں کسی لڑکی کو اپنے اپارٹمنٹ لے کر نہیں گیا، میں نے کبھی کسی لڑکی سے محبت کا اظہار نہیں کیا، میں نے کبھی کسی لڑکی کو پرپوز نہیں کیا، میں نے کبھی کسی لڑکی کو پرپوز کرنے کے لئے چاندنی رات کا انتظار نہیں کیا۔ اس روز فل مون تھا تمہیں یاد ہے؟ میں نے تمہارے لئے اپنے اپارٹمنٹ کی بالکونی کو ڈھیر سارے پھولوں سے سجایا تھا، وہاں کیک تھا، کینڈلز تھیں اور بہت سارے پھول تھے۔ میں تمہیں ان پھولوں کے درمیان اس چاندنی رات میں پرپوز کرنا چاہتا تھا۔''

اب اس کی آواز میں غصہ نہیں صرف رنج اور افسوس تھا۔ وہ یک ٹک اس کی طرف دیکھتی خاموشی سے اس کی بات سن رہی تھی۔

''مجھے وہ لڑکی جو ڈاکٹر گراہم کے لیکچر میں بوکھلائی میرے برابر میں آ کر بیٹھی تھی، وہ لڑکی اس لمحہ میرے دل میں اتر گئی تھی۔ میرے دل نے اس لمحے کہا تھا کہ یہی ہے وہ جس کے ساتھ میں اپنی پوری زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ حالانکہ اس وقت تو مجھے تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں پتہ تھا۔ ہمارے بیچ کچھ ہے جو بہت خاص ہے۔ کیا تمہیں کبھی ایسا نہیں لگا ہنیا؟ میں نے تمہاری آنکھوں میں اپنے لئے ایک خاص چمک، ایک خاص تاثر ہمیشہ دیکھا ہے۔ میں تمہارے لئے جیسا محسوس کرتا ہوں۔ تم بھی میرے لئے وہی محسوس کرتی ہو۔

میں نے ساری زندگی کبھی کسی کے لئے اس طرح کی فیلنگز اپنے دل میں پیدا ہوتی نہیں پائیں جیسے تمہارے لئے۔ اس روز جب میری آنکھوں کے سامنے تمہارا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا، میں پورا کا پورا کانپ گیا تھا۔ میں نے اللہ سے اس لمحہ دعا کی تھی ''میں اس لڑکی کو کھونا نہیں چاہتا، اسے کبھی مجھ سے جدا مت کرنا اللہ۔'' تمہارا امریکن کلچر اسے جو نام دیتا ہے دے لو۔ مگر میں تمہیں یہ بتا دوں کہ کسی کے لئے ایسی فیلنگز انسان کے دل میں زندگی میں صرف ایک بار پیدا ہوتی ہیں۔ Once in a life time اس لئے کہ محبت زندگی میں صرف ایک بار ہوتی ہے اور صرف کسی ایک ہی سے ہوتی ہے۔''

وہ اپنی بات مکمل کر کے وہاں رکا نہیں تھا۔ وہ اس کی باتوں کے حصار میں وہاں چپ چاپ تنہا کھڑی تھی۔



صبح کے دس بج رہے تھے جب اس نے عباد عذیر کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر بیل کی۔ کل وہ اپنے دل کی سب باتیں بول کر اس کے پاس سے چلا گیا تب وہ اس کے پیچھے نہیں گئی تھی۔ اس نے اسے فون کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ وہ اسے کسی خاص اور رومینٹک انداز میں پرپوز کرنے اپنے اپارٹمنٹ لے کر گیا تھا اور اس نے اپنی غلط باتوں سے اسے ہرٹ کیا تھا۔ اب اپنی باتوں کا ازالہ وہ اس کے اپارٹمنٹ جا کر ہی کرنا چاہتی تھی۔

''میں اس لڑکی کو کھونا نہیں چاہتا، اسے کبھی مجھ سے جدا مت کرنا اللہ۔''

بہت سادہ سے اس کے یہ لفظ جن میں محبت کی شدتیں بہت تھیں اس کے دل سے نکل نہیں رہے تھے۔ اس سے اس طرح بھی محبت کی جا سکتی ہے، اس میں ایسا تو کچھ خاص نہیں کہ کوئی اس سے ایسی محبت کرے۔

چھٹی کے دن شاید وہ دیر تک سویا کرتا تھا، تب ہی تو اس کی پہلی بیل پر تو دروازہ کھلا ہی نہیں تھا۔ وہ ایک، ایک، دو دو سیکنڈ کے وقفے سے بیل بجا رہی تھی۔ چوتھی بیل پر اس نے دروازہ کھولا تھا۔ وہ بستر سے نکل کر سیدھا دروازے پر آیا تھا۔ اس نے جینز کے اوپر شرٹ نہیں پہنی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر اس کی نیند سے بند ہوتی آنکھیں فوراً ہی پوری کی پوری کھل گئیں۔ ''تم؟'' وہ یکدم ہی دروازہ کھلا چھوڑ کر سامنے آتے کمرے میں چلا گیا۔ اس نے دروازے سے اندر قدم رکھ دیا، مگر کھڑی ہوئی وہیں تھی۔ وہ شرٹ پہن کر اس کے اوپری بٹن بند کرتا کمرے سے باہر نکلا۔

''اندر آ جاؤ۔'' اس نے سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا۔ وہ اسے اپنے لاؤنج میں روم میں لے آیا تھا۔

''بیٹھو۔'' وہ صوفے پر بیٹھ گئی تب وہ وہاں سے دوبارہ اندر چلا گیا۔ اس بار وہ دو، تین منٹ بعد واپس آیا تھا تو لیے سے منہ پونچھتا ہوا۔

''ناشتہ کرو گی؟'' وہ حد درجہ سنجیدہ اس کی میزبانی کر رہا تھا۔ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ کچن میں چلا گیا۔ وہ اٹھ کر اس کے پیچھے کچن میں آ گئی۔ وہ فریج میں سے انڈے نکال رہا تھا۔

''تم مجھ سے یہ نہیں پوچھو گے کہ میں کیوں آئی ہوں؟''

''کیوں؟''

''دیکھو، میں پہلے ہی بہت شرمندہ ہوں۔ تم سے سوری کہہ رہی ہوں۔ اب کیا میں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگوں؟'' عباد نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔

''میں ناراض نہیں ہوں بنیا۔''

''ناراض نہیں ہو تو پھر یہ اچھا خاصا خوبصورت چہرہ بلاوجہ پھولا ہوا ہے؟''

وہ بے ساختہ مسکرایا تھا۔

''تھینک گاڈ۔ میں تمہاری اس ڈمپل والی مسکراہٹ کو دیکھنے کے لیے ترس گئی تھی۔''

اس کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔

''عباد......! نہیں عابی......! تمہارے قریبی دوست تمہیں عابی کہتے ہیں۔ دیکھو عابی! کیا ہم پھر سے اسٹارٹ نہیں کر سکتے۔ فرض کر لو کہ

پچھلا سنڈے ہماری لائف میں آیا ہی نہیں تھا۔ آج اس سنڈے کو تم مجھے پرپوز کرنے والے ہو۔''

وہ سنجیدگی سے اسے منا رہی تھی مگر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

''کیا چیز ہو تم ہنیا سجاد؟''

''دیکھ لو...... چاہو تو مجھے بے شرم بھی کہہ سکتے ہو کہ خود چل کر تمہارے گھر آئی ہوں کہ اینگری ینگ مین آیئے۔ مجھے پرپوز کیجئے۔ اب اس سے زیادہ اور کیا کروں۔''

''مگر یہ چاندنی رات نہیں ہے۔'' وہ اب جیسے صرف اسے زچ کرنے کے لئے یہ بات کہہ رہا تھا، ورنہ اس کی مسکراہٹ اور آنکھوں کی چمک پوری طرح لوٹ آئی تھی۔

''کوئی بات نہیں عابی! میں چاندنی رات، پھولوں، کیک اور کینڈلز کے بغیر کام چلا لوں گی۔ تم جس طرح بھی کہو گے، مجھے رومانٹک لگے گا۔''

''اس طرح بے قراری اور بے صبری سے کبھی کسی لڑکی نے خود کو پرپوز نہیں کروایا ہوگا۔'' اس نے جیسے مصنوعی سے انداز میں اسے شرم دلانے کی کوشش کی۔

''اس لئے کہ ان کا واسطہ تمہارے جیسے مغرور بندے سے نہیں پڑتا ہوگا۔ اتنا منائے چلی جا رہی ہوں، خدا کے لئے اب تو مان جاؤ۔''

اس نے خاموشی سے ایک پل کے لئے کچھ سوچا پھر اس سے بولا۔

''کہیں باہر چلیں؟''

''کہاں؟''

''اوں...... سینٹرل پارک۔ کچھ کھانے پینے کا سامان لے لیتے ہیں، وہاں ایک بوٹ لے لیں گے، پکنک ہو جائے گی۔'' اس نے سوچتے ہوئے جگہ بتائی۔

''اور تم مجھے پرپوز کب کرو گے؟'' وہ ہنستے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی۔

''نہیں کروں گا۔''

''دیکھو۔ آج تک مجھے کبھی کسی نے پرپوز نہیں کیا ہے، میں بہت ایکسائٹڈ ہو رہی ہوں۔''

وہ اس کی بات کا جواب دیئے بغیر انڈے واپس فریج میں رکھنے لگا۔

''تم بیٹھو میں پانچ منٹ میں شاور لے کر آتا ہوں۔'' وہ دونوں کچن سے باہر نکل آئے تھے۔

''شیو بھی کر لینا۔ جو بندہ ہنیا سجاد کو پرپوز کرنے جا رہا ہو، ایٹ لسٹ اس نے شیو تو کر رکھا ہو۔''

وہ اسے حکم دیتی واپس لاؤنج میں آ گئی تھی۔

''شیو بھی کرنا پڑے گا؟'' اس نے آلکسی سے پوچھا۔

''بالکل......بغیر شیو کیے پرپوز کیا تو میں تمہارا پرپوزل اسی وقت ریجیکٹ کر دوں گی۔ جو بندہ ہنیا سجاد کو اچھے حلیئے میں پرپوز نہیں کر سکتا، اس کا پرپوزل تو فوراً ریجیکٹ کر دینا چاہئے۔'' وہ شان بے نیازی سے بولی۔

''پھر مجھے تھوڑی دیر لگے گی۔''

''کوئی بات نہیں۔ میں انتظار کرلوں گی۔''

وہ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور ایک منٹ بعد ہی واپس بھی آ گیا۔

''جب تک میں آپ کے شایان شان تیار ہو کر آ رہا ہوں آپ یہ دیکھ لیجئے۔'' اس نے ڈی وی ڈی پلیئر میں ایک ڈی وی ڈی لگا دی۔

''ابھی تین مہینے پہلے میں پاکستان گیا تھا تب میں نے یہ مووی بنائی تھی۔''

وہ اس کے گھر کی مووی تھی۔ اس کے مما، پاپا کی مووی تھی۔ کہیں کہیں ان دونوں کے ساتھ وہ خود بھی تھا۔ اس کے گھر کا کچن، لان، کمرے عباد کا بیڈروم، اس کے مما پاپا کا بیڈروم، اس کے پاپا کی سٹڈی، ٹی وی لاؤنج، کار پورچ مختلف جگہوں پر اور مختلف دنوں اور اوقات میں اس نے یہ مووی بنائی تھی۔ کیونکہ اس کے اور اس کے مما، پاپا کے لباس تبدیل ہوتے نظر آ رہے تھے۔ وہ اسے مووی دیکھتا چھوڑ کر دوبارہ اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ وہ واقعی اپنے مما، پاپا کا لاڈلا بیٹا تھا، اس کی اپنے مما، پاپا کے ساتھ بہت زیادہ اٹیچ منٹ تھی۔

ایک جگہ اپنی مما کے ہاتھ سے کھانا کھاتا وہ بالکل چھوٹا سا بچہ لگ رہا تھا تو دوسری جگہ اپنے پاپا کو کمپیوٹر میں کچھ سمجھاتا بڑا ذمہ دار اور سمجھ دار بیٹا۔ وہ کچھ ہی دیر میں تیار ہو کر آ گیا۔ تازہ تازہ شیو کیے، آفٹر شیو اور کولون کی خوشبوؤں میں مہکتا، بال سلیقے سے جمائے، جینز اور سوٹ شرٹ میں ہی مگر بہت اچھا لگ رہا تھا۔

''اب ٹھیک ہے میڈم؟''

''ہاں اب بہتر ہے۔'' اس نے مسکراہٹ دباتے جواب دیا۔ وہ دونوں باہر نکلنے لگے تب اس نے اس سے گٹار لینے کے لئے کہا۔

''گٹار؟ کیا تم یہ چاہتی ہو میں تمہیں گا کر پرپوز کروں؟''

''ہاں...... گا کر کرو گے تو شاید میں تمہارا پرپوزل قبول کر ہی لوں۔''

''کر ہی لوں کے الفاظ پر اس نے اسے گھورا تھا، مگر وہ اندر سے اپنا گٹار نکال کر لے آیا تھا۔

وہ دونوں کیب میں سینٹرل پارک جا رہے تھے۔ راستے میں کیب رکوا کر عباد ایک سپر اسٹور میں چلا گیا تو۔ کچھ ہی دیر بعد وہ وہاں سے واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا کاغذ کا شاپنگ بیگ تھا۔ وہ کیب میں اس کے برابر واپس بیٹھا تو اس نے شاپر کے اندر جھانکا۔ اندازہ تو تھا ہی کہ اس میں ان کی پکنک کا کھانے پینے کا سامان ہے۔ اس میں بریڈ تھی، سلائسز والی چیز کا ایک پیکٹ تھا، گرین اولیوز کی بوتل تھی۔ یعنی پنیر اور زیتون والے سینڈوچز وہیں تیار کر کے وہیں کھائے جائیں گے۔ اس کے علاوہ کینو اور سیب تھے اور کئی طرح کے جوس اور کوک اور اسپرائٹ وغیرہ کے کافی سارے کین تھے۔

سینٹرل پارک سینٹرل مین ہٹن میں 843 ایکڑ رقبے پر محیط ایک بہت بڑا اور بہت خوبصورت پارک تھا۔ یہ بلاشبہ امریکہ کا سب سے مشہور اور سب سے زیادہ وزٹ کیا جانے والا پارک تھا۔ بلندوبالا، اونچی اونچی عمارتوں میں گھرے نیویارک شہر کے وسط میں یہ پارک گو کہ بالکل قدرتی نظر آتا تھا مگر لطف کی بات یہ تھی کہ تقریباً یہ سارا کا سارا پارک لینڈ اسکیپ تھا۔ چاہے وہ اس کے اندر موجود گارڈن ہوں، جنگلات، جھیلیں، تالاب سب کچھ لینڈ اسکیپ تھا، مگر یہ سب چیزیں تیار اس مہارت اور خوبصورتی سے کی گئی تھیں کہ ان پر سو فیصد قدرتی ہونے کا گمان ہوتا تھا۔

سینٹرل پارک کے اندر بالکل قدرتی لگتے بے شمار تالاب اور جھیلیں تھیں، بڑے بڑے سرسبز گارڈنز، لانز، جنگل، ٹینس کورٹ اور طویل واکنگ اور جاگنگ ٹریک، ہائیکنگ کی قدرتی نظر آتی سرسبز اونچائیاں، بہت سارے ریسٹورنٹس، اس پارک میں ہر عمر سے تعلق رکھنے والوں کی دلچسپی کے لئے بہت کچھ تھا۔ دوسرے شہروں اور ملکوں سے آنے والے امپائر اسٹیٹ بلڈنگ، یونائیٹڈ نیشنز اور مجسمہ آزادی کے بعد سب سے پہلے سینٹرل پارک ہی دیکھنا چاہا کرتے تھے کہ آخر وہ جگہ کیسی ہے جسے انسانی ہاتھوں نے اس مہارت سے تخلیق کیا ہے کہ اس پر اصل کا گمان ہوتا ہے۔

وہ دونوں سینٹرل پارک آ گئے تھے۔ ان لوگوں کا چونکہ بوٹنگ کا ارادہ تھا سو وہ سینٹرل پارک کے بوٹ ہاؤس پر آ گئے تھے۔ یہ بوٹ ہاؤس جھیل کے ساتھ ہی واقع تھا۔ یہاں بوٹ ہاؤس ریسٹورنٹ بھی تھا جہاں بیٹھ کر کھاتے پیتے جھیل اور اس کی خوبصورتی سے محظوظ ہوا جا سکتا تھا اور یہاں پر سے لوگ پورے دن کے لئے مختلف طرح کی بوٹس اور سائیکلز کرائے پر حاصل کیا کرتے تھے۔ انہوں نے چپوؤں والی ایک چھوٹی کشتی کرائے پر لے لی تھی۔ 22 ایکڑ رقبے پر محیط یہ جھیل بے پناہ خوبصورت تھی۔ گہرے نیلگوں پانیوں کے اردگرد ہریالی، سبزہ اور گہرا سکوت۔

وہ دونوں کشتی میں بیٹھے جھیل کے نیلگوں پانیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ جھیل کے اوپر اڑتے آبی پرندے، بہت دور نظر آتی سفید سفید بطخیں اور اردگرد بکھرا سبزہ جھیل کو جادوئی اور طلسماتی حسن عطا کر رہے تھے۔ عباد چپوؤں کی مدد سے کشتی چلا رہا تھا اور وہ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ جھیل کا سفر طے کرتے وہ دونوں کافی دور نکل آئے تھے۔ ناشتہ چونکہ دونوں ہی نے نہیں کیا تھا، اس لئے پہلے کھانے پینے ہی کا سلسلہ ہوا تھا۔

اس نے پنیر اور زیتون کا ایک سینڈوچ بنا کر پہلے عباد کو دیا تھا اور پھر اپنے لئے بھی سینڈوچ بنا کر کھانے لگی تھی۔ سینڈوچ کے بعد کینو اور سیب کھائے گئے تھے، اسپرائٹ اور کوک کے کین کھول کر سوفٹ ڈرنک سے لطف اندوز ہوا گیا تھا۔

''میں سینٹرل پارک اپنے بچپن سے لے کر اب تک اتنی مرتبہ آئی ہوں۔ یہاں فیملی کے ساتھ بھی اور دوستوں کے ساتھ میں نے بے شمار یادگار پکنک منائی ہیں، مگر جتنا انجوائے میں آج کر رہی ہوں، آج تک کبھی نہیں کیا۔'' اس نے اپنے دل کی بات سچائی سے عباد کو بتائی۔

''اس لیے کہ اس وقت تم اس کے ساتھ ہو، جس کے لیے تم بنائی گئی ہو۔ تم میرے ساتھ ہوتی ہو تو تمہیں اپنے مکمل ہونے کا احساس نہیں ہوتا؟ میں تمہارے ساتھ ہوتا ہوں تو ایسا لگتا ہے جیسے میری زندگی ہر طرح سے مکمل ہے، پرفیکٹ ہے۔ جیسے اب میری ذات میں کسی چیز کی کمی نہیں رہی۔'' وہ آہستگی اور نرمی سے بولا۔

''ایک بات بتاؤ عابی!'' وہ اس کے عابی کہنے پر مسکرایا تھا۔

''میں تمہیں دو، ڈھائی مہینے پہلے تک سرے سے جانتی بھی نہیں تھی اور اس وقت تمہارے ساتھ ذرا بھی اجنبیت محسوس نہیں ہو رہی۔ ایسا

لگ رہا ہے جیسے میں تمہیں ہمیشہ سے جانتی ہوں۔ میں اتنی جلدی کبھی کسی سے کلوز نہیں ہوتی۔ میرے تو قریبی دوست بھی بہت کم اور سلیکٹڈ قسم کے ہیں۔ پھر تم سے میں کیسے؟ مجھے خود پر حیرت ہو رہی ہے۔ اتنی جلدی بے تکلف ہونا یہ میری نیچر نہیں ہے۔'' وہ اس کے الجھن لیے سوال پر مسکرایا۔

''میرا خیال ہے، اس کو محبت کہا جاتا ہے۔ کوئی ایسا ہوتا ہے جس کے ساتھ آپ پوری زندگی گزار دیتے ہیں اور آپ کا اس کے ساتھ دل کا رشتہ نہیں جڑتا اور کوئی پہلی نظر میں دل میں اتر جاتا ہے، بہت اپنا اور بہت خاص بن جاتا ہے، اس لیے کہ وہ آپ کے لیے بنایا گیا ہوتا ہے، وہ صرف اور صرف آپ کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے کہ ہنیا سجاد صرف میرے لیے بنائی گئی ہے۔

''اگر مجھے انجینئر کے بجائے وکیل ہونا چاہیے تھا تو تمہیں بھی انجینئر کے بجائے شاعر ہونا چاہیے تھا عباد عذیر!''

شرارتی سے انداز میں کہتی وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ وہ اس کے جذبوں کے واضح اظہار سے بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ وہ اتنے جذب اور اتنی سچائی سے اس سے محبت کا اقرار کر رہا تھا کہ وہ اس کے لفظوں کے حصار سے اب عمر بھر باہر نہیں نکل سکتی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ روز ازل سے اس کا تھا اور ابد تک اسی کا رہے گا۔ وہ ہوا سے بکھرتے اس کے براؤن بالوں کو دیکھ رہی تھی، اس کے بائیں گال پر موجود ڈمپل کو دیکھ رہی تھی۔

''مما بھی یہی کہتی ہیں کہ میں بہت ہینڈسم اور گڈ لکنگ ہوں۔'' اس نے اس کی نظروں کی چوری پکڑی تھی۔ وہ متبسم سے انداز میں اسے چھیڑ رہا تھا۔

''بس ٹھیک ہو۔ ویسے تم نے ابھی تک مجھے پرپوز نہیں کیا ہے۔''

''اوہ، ہاں۔'' اس کے کہنے پر اسے وہ بھولی ہوئی اہم ترین بات یاد آئی تھی۔ چپو اس کے ہاتھ میں پکڑا تا، سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف مؤدبانہ سے انداز میں قدرے جھکا۔

''مس ہنیا سجاد میں عباد عذیر عمر ساڑھے 24 سال تعلیم بی ای سول اور عنقریب ایم ایس اسٹرکچرل انجینئرنگ، آپ کو پرپوز کرنا چاہتا ہوں۔ میں ایک اچھی فیملی کا شریف لڑکا ہوں۔ بری عادات اور مشاغل الحمدللہ کوئی نہیں ہیں۔ میرا اکیڈمک ریکارڈ شاندار ہے اور اپنے پاپا کی فرم میں اور یہاں Zeal انجینئرنگ فرم میں جن پروجیکٹس میں، میں شامل ہو رہا ہوں، ان میں میری کارکردگی دیکھ کر آپ اندازہ لگا سکتی ہیں کہ بحیثیت ایک انجینئر میرا فیوچر بہت برائٹ ہے۔ کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟''

اس کا ہنستے ہنستے برا حال تھا، جبکہ وہ مسکراہٹ لبوں پر روکے بڑی سنجیدگی سے ہنوز اس کے آگے جھکا ہوا اس کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔

ہنستے ہنستے ہی اس نے سر اقرار میں ہلایا تھا۔ وہ اب اپنی جیب سے کچھ نکال رہا تھا۔ وہ دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

وہ ڈارک بلیو کلر کا ایک چھوٹا سا جیولری کیس تھا۔ اس نے اسے کھول کر اس میں سے ایک بریسلٹ باہر نکالا۔

''آفیشلی تو ہمارا رشتہ تب ہی طے ہوگا جب مما، پاپا تمہاری مما جانی سے ہمارے رشتے کی بات کریں گے۔ انگیج منٹ رنگ بھی میں تمہیں تب ہی پہناؤں گا، لہٰذا آج رنگ نہیں دے رہا۔ لیکن ایسا سوکھا سوکھا پرپوز کرنا بھی اچھا نہیں لگتا، اس لئے تمہارے لئے یہ بریسلٹ لایا ہوں۔''

یہ بریسلٹ بھی یقیناً وہ اسے پچھلے سنڈے کو دینا چاہتا ہوگا جب اسے اپنے اپارٹمنٹ لے کر گیا تھا۔ وہ بریسلٹ کا لاک کھول رہا تھا۔ اس

نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے بریسلٹ اسے پہنایا، پھر اس کا ہاتھ آگے پیچھے اور اپنے قریب کر کے غور سے دیکھا۔"اتنی بری چوائس بھی نہیں ہے میری۔"

"مجھے کہہ رہے ہو یا بریسلٹ کو؟"

وہ وائٹ گولڈ کا بہت نازک اور خوبصورت سا بریسلٹ تھا، یقیناً بہت قیمتی بھی تھا۔ اسے خریدنے میں عباد نے یقیناً کافی پیسے خرچ کئے تھے۔ مگر اسے اس سے وہ قیمتی تحفہ لینا ذرا بھی برا نہ لگا۔ برا کیا اسے وہ بریسلٹ لینا بہت اچھا لگا تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں میں موجود اس بریسلٹ کو محبت سے دیکھ رہی تھی۔

"یہ مت سمجھنا کہ یہ میں نے اپنے پاپا کے پیسوں سے خریدا ہے۔"

"نہیں۔ میں یہ نہیں سمجھ رہی۔" وہ کھل کر مسکرائی۔ وہ بہت امیر باپ کا اکلوتا بیٹا ہے، اسے نیویارک میں عیش سے رہنا چاہئے، کوئی کام کاج کرنے کی بھلا اسے کیا ضرورت ہے، ایسا کوئی انداز اس نے عباد عذیر میں نہ دیکھا تھا۔ اسے اتنی محنت کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی ایک فون کال پر اس کے پاپا جتنا پیسہ وہ کہتا اسے بھجوا سکتے تھے مگر وہ پھر بھی ڈاکٹر اینڈریو کے ساتھ ان کی فرم میں دن رات لگ کر انتہائی جانفشانی سے کام کیا کرتا تھا۔ بے پناہ محنت کیا کرتا تھا مختلف پروجیکٹس میں ان کی معاونت کیا کرتا تھا اور اس کا صلہ اسے اپنی ذاتی بہترین کمائی کے طور پر ملا کرتا تھا۔

اس کا ہاتھ ابھی بھی عباد کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بھی اس بریسلٹ کو دیکھ رہا تھا۔

"تم میرے ساتھ پاکستان میں رہ لوگی ناں ہنیا؟ بس یہ ایک Sacrifice (ایثار) ہے جو میں تم سے مانگ رہا ہوں، تم میری خاطر اپنا ملک چھوڑ دو۔ یہ کہہ رہا ہوں۔ اس کے علاوہ میں تم سے اور کچھ چھوڑنے کے لئے نہیں کہوں گا۔ مجھے پتہ ہے، تمہارے لئے یہ ایک بہت بڑا اور مشکل فیصلہ ہوگا۔ اپنا ملک، اپنا شہر، اپنا رہن سہن کسی کے لئے چھوڑ دینا آسان نہیں ہوتا۔ لیکن مجھے پاکستان واپس جانا ہے ہنیا! میرا ماسٹرز جیسے ہی کمپلیٹ ہو گا، میں فوراً پاکستان چلا جاؤں گا۔ میں امریکہ میں نہیں رہوں گا مجھے ماسٹرز کرتے ہی واپس پاکستان چلے جانا ہے۔ وہاں میرے مما، پاپا میری راہ دیکھ رہے ہیں۔ میں پاکستان شاید چھوڑ بھی سکتا ہوں مگر میں اپنے مما، پاپا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

وہ یکدم ہی بے حد سنجیدگی سے اس سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ کچھ ٹینشن اور خوف کی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا جیسے یہ سوچ رہا ہو کہ اگر ہنیا نے اپنا ملک چھوڑنے سے انکار کر دیا تو وہ کیا کرے گا۔

"تمہیں ان کے بغیر رہنا بھی نہیں چاہئے۔ تم ان کے اکلوتے بیٹے ہو، انہیں تمہاری بہت ضرورت ہوگی۔ اور رہا سوال میرا تو میں تمہارے ساتھ صرف پاکستان کیا دنیا کے کسی بھی ملک اور کسی بھی شہر میں جا کر رہ سکتی ہوں۔"

جب عباد نے یہ سوال کیا تو خود بخود ہی اس کے لبوں سے یہ جواب نکلا۔ وہ اپنے جواب پر دم بخود رہ گئی تھی۔ وہ اتنی آسانی سے اپنا ملک چھوڑنے اور کہیں اور زندگی گزارنے پر آمادہ تھی؟ اور کہیں اور بھی وہ پاکستان جس سے اسے رتی برابر بھی دلچسپی نہ تھی؟ جس کے متعلق وہ قطعاً کوئی اچھی آراء نہیں رکھتی تھی؟ اس نے اپنے دل کو ٹٹولا۔

وہ نہ دم بخود تھا نہ حیران ۔ وہ بے تحاشا خوش تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ عباد عذیرا اگر ساتھ ہو تو وہ کسی ویران، بنجر اور بے آب و گیا۔ ریگستان میں بھی زندگی گزار سکتی ہے۔ عباد طمانیت اور سرشاری سے بھرپور انداز میں یکدم مسکرایا تھا۔

''ہم ہر سال چھٹیوں میں نیویارک آیا کریں گے، میں تم سے وعدہ کر رہا ہوں۔'' وہ اس کے ہاتھ کے اوپر اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کر کے اسے اپنے وعدوں کی سچائی کا یقین دلا رہا تھا۔

''میں تمہاری مما جانی سے ملنا چاہتا ہوں ہنیا۔''

''میں مما جانی سے بات کر کے تمہیں بتا دوں گی۔'' وہ دونوں سہ پہر کے ساڑھے تین بجے تک بوٹنگ کرتے رہے تھے۔

یہ اس کی زندگی کے وہ کامل ترین خوشیوں بھرے لمحات تھے جن کے لئے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ یہ کبھی ختم نہ ہوں۔

''ایک بات کہوں عباد...... یہ پانی کا سفر، یہ کھلا آسمان اور یہ چمکتی ہوئی دھوپ چاندنی رات سے زیادہ جادوئی اور رومانٹک ہے۔ میں آج کے اس دن کو اپنی ساری زندگی یاد رکھوں گی۔''

بوٹنگ کے اختتام پر جب وہ دونوں کشتی سے اتر رہے تھے تب اس نے عباد سے کہا تھا۔ کشتی بوٹ ہاؤس پر لوٹا کر وہ دونوں بوٹ ہاؤس ریسٹورنٹ میں آ گئے تھے۔ ریسٹورنٹ کے اندر بیٹھنے کے بجائے انہوں نے اس کے آؤٹ سائیڈ ٹیرس پر بیٹھنا پسند کیا تھا کہ یہاں سے جھیل کا منظر دیکھنا زیادہ دلکش اور سحر انگیز تھا۔ انہوں نے بالکل کنارے والی میز منتخب کی تھی تاکہ پانی کے زیادہ سے زیادہ نزدیک بیٹھ سکیں۔ سی فوڈ سے لطف اندوز ہوتے اب وہ جھیل میں بوٹنگ کرتے لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔ نظروں کے سامنے حدِ نگاہ تک پھیلا پانی، سبزہ اس خوبصورت منظر میں بیٹھ کر تو کھانا کئی گنا زیادہ مزے دار لگ رہا تھا۔ کھانے کے بعد جب وہ ریسٹورنٹ سے نکل آئے تب اس کی فرمائش پر ایک طرف گارڈن میں گھاس پر بیٹھ کر عباد نے اسے گٹار پر چند دھنیں سنائی تھیں۔ وہ گٹار واقعی اچھا بجا رہا تھا۔ اس نے تالیاں بجا کر اور خوب دل کھول کر اسے داد دی تھی۔

شام پانچ بجے وہ دونوں واپسی کے لئے اٹھ گئے تھے۔ اب یہاں سے عباد کو اپنے گھر کی راہ لینی چاہیے تھی اور اسے اپنے۔ مگر وہ کیب میں پہلے اسے اس کے گھر چھوڑنے جا رہا تھا۔ اسے ہنسی بھی آ رہی تھی اور اچھا بھی لگ رہا تھا۔ وہ نیویارک میں پیدا ہوئی، پلی بڑھی اور وہ اسے یوں چھوڑنے جا رہا تھا جیسے وہ اپنے ہی شہر کے راستوں اور لوگوں سے انجان کوئی ڈرپوک سی لڑکی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا اس کے پاکستان میں ایسا ہی ہوتا ہے، وہاں مرد اپنے سے وابستہ خواتین کی یونہی پروا کرتے ہیں، یونہی ان کا خیال رکھتے ہیں۔ اس کے لئے یہ بڑا نیا اور انوکھا تجربہ تھا۔

☆

''مما جانی نے تمہیں کل رات کھانے پر بلایا ہے۔''

اس نے اگلے ہی روز عباد کو فون کر کے کہا تھا۔ وہ مما جانی سے کوئی بات نہیں چھپاتی تھی، اس نے کل شام گھر واپس آتے ہی انہیں عباد کے پرپوز کرنے سے لے کر باقی بھی ہر بات بتا دی تھی۔ اس کے سب بہن بھائیوں نے اپنی پسند سے شادیاں کی تھیں۔ جنید کی بیوی، اس کی بڑی بھابی ترکی کی تھیں اور خالصتاً جنید کی اپنی پسند تھیں، جبکہ معاذ نے ایک خالص امریکن اور عیسائی لڑکی سے شادی کی تھی، جو اس سے شادی کے لئے مسلمان

ہوئی تھی، یمینہ کے شوہر خالد گو آباؤ اجداد کے لحاظ سے تعلق تو پاکستان سے رکھتے تھے مگر یمینہ اور ان کی شادی بھی سو فیصد پسند کی شادی تھی۔ یمینہ نے ان سے شادی کا فیصلہ کر لینے کے بعد والدین اور دادی کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا۔

وہ اگر یمینہ کی طرح ماما جانی کو اپنی پسند اور فیصلہ سے آگاہ کر دیتی انہوں نے تب بھی اس کے فیصلے کو تسلیم کر لینا تھا مگر وہ چاہتی تھی کہ ماما جانی اس کی خاطر نہیں بلکہ اپنے دل کی خوشی اور رضامندی سے عباد کو قبول کریں۔

وہ دادی تھیں مگر انہوں نے اسے ماں بن کر پالا تھا۔ ان کا بہت حق تھا اس پر۔ وہ اپنی زندگی کے ہر فیصلے میں ان کی بھی خوشی اور رضامندی چاہتی تھی۔

عباد اس کی بات سنتے ہی کونشس سا ہو گیا تھا۔ یا تو خود فرمائش کی تھی ماما جانی سے ملنے کی یا اب نروس ہو رہا تھا۔

''سنو، وہ مجھے پسند کر لیں گی نا؟'' وہ فون پر گھڑی گھڑی اس سے یہی پوچھے جا رہا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے عالی؟'' ایسے نروس ہو رہے ہو جیسے میں تمہیں ماما جانی سے نہیں بلکہ پتہ نہیں کس خطرناک شخصیت سے ملنے کیلئے کہہ رہی ہوں۔''

''یار! زندگی میں پہلی بار اس طرح کسی لڑکی کے گھر جا رہا ہوں اس کے گھر والوں کو خود کو دکھانے۔ وہ مجھے پسند کریں گے یا نہیں، اس بات کی ٹینشن تو ہوتی ہے ناں۔'' وہ اس کے شرم دلاتے جملوں کے جواب میں وضاحتی انداز میں بولا۔

☆

اگلے روز ماما جانی نے عباد کے لئے خاصا اہتمام کیا تھا۔ ہنیا ان سے ملوانے اس طرح پہلی بار کسی لڑکے کو گھر پر بلا رہی تھی، یہ خاصا اہم موقع تھا۔ ماما جانی نے ڈنر کے لئے کافی کچھ بنایا تھا۔ ہنیا نے بھی اس تیاری میں ان کا ساتھ دیا تھا۔ ماما جانی عباد کے لئے پاکستانی کھانے بنا رہی تھیں ان کا کہنا تھا کہ وہ اپنے ہاں کے کھانوں اور گھر کے ذائقے کو یقیناً یہاں پر بہت مس کرتا ہو گا۔ انہوں نے کھڑے مسالے کا قیمہ، آلو میتھی، گلاب جامن اور چپاتیاں جو روٹین میں ان کے گھر نہیں بنتی تھیں بنائیں، جبکہ ہنیا نے لزانیہ، رشین سلاد اور فرائیڈ رائس بنائے تھے۔ ماما جانی کا دعویٰ تھا کہ وہ ان بدیسی کھانوں کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گا۔

ایک تو پڑھائی کی مصروفیت کے ساتھ کلنگ کا ٹائم ہی کم ملا کرتا تھا اور اگر ملتا بھی تو اسے بس اسی طرح کی ڈشز بنانی آتی تھیں اسے پاکستانی کھانے بنانے بالکل بھی نہیں آتے تھے۔

عباد وقت کی پابندی کے ساتھ ٹھیک آٹھ بجے ان کے گھر موجود تھا۔ اس نے عباد کے لئے جا کر دروازہ کھولا تو اس کی تیاری دیکھ کر پہلے حیران ہوئی، پھر بے ساختہ ہنسی۔ اس کے پاس سوٹ نما چیزیں بھی تھیں اور وہ انہیں بمعہ ٹائی کے پہنا بھی کرتا تھا، وہ اس کے بلیک ٹو پیس سوٹ اور موو شرٹ اور ٹائی کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ بالوں کو بڑے قرینے اور زبردست سٹائل کے ساتھ جیل سے جمائے اور خوبصورت بلیک شوز پہنے وہ، وہ عباد لگ ہی نہیں رہا تھا جس کے لئے شیو بنانا بھی بڑا مشکل کام ہوا کرتا تھا۔ وہ واقعی بردکھوے کی پوری تیاری کر کے آیا تھا۔

''ٹھیک لگ رہا ہوں؟'' ٹائی کی ناٹ درست کرتے اس نے اس سے پوچھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک خوبصورت سا بکے اور ایک فینسی شاپنگ بیگ تھا۔

وہ اسے اندر لے آئی اور ماما جانی اس سے آ کر ملیں تو اس نے وہ دونوں چیزیں انہیں سلام دعا کرتے ہوئے پیش کیں۔ ہنیا سے سنی بات اس نے یاد رکھی تھی، اس نے یہ یاد رکھا تھا کہ اس کی ماما جانی روایتی نانیوں، دادیوں سے مختلف ہیں اور انہیں نئی فلمیں اور نیا میوزک پسند ہے، سو وہ ان کے لئے موجودہ دور کے امریکن روک بینڈز کے کافی سارے البمز لایا تھا۔ ماما جانی کو وہ پہلی نظر میں پسند آ چکا تھا۔ وہ ان کے گفتگو کے انداز سے یہ بات بتا سکتی تھی۔

انہوں نے اس سے کھانا لگانے کے لئے کہا اور جتنی دیر میں اس نے کھانا لگایا۔ عباد عزیر کی اس کی دادی کے ساتھ بے تکلف دوستی ہو چکی تھی۔ ان دونوں کے قہقہوں کی آوازیں اسے ڈائننگ ٹیبل تک سنائی دے رہی تھیں۔

ماما جانی تو تھیں ہی دل سے جوان انہیں ینگ لوگوں کے ساتھ بیٹھنا، باتیں کرنا اچھا لگا کرتا تھا، رہا عباد تو وہ بھی خوش مزاج، زندہ دل اور جلدی گھل مل جانے والا تھا، سو اس کی ماما جانی کے ساتھ خوب مزے میں باتیں ہو رہی تھیں۔ کھانے کے وقت ماما جانی کی پیش گوئی کے عین مطابق اس نے اس کی بنائی کسی بدیسی ڈش کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ وہ صرف چپاتیاں قیمہ اور آلو میتھی کھا رہا تھا۔

گھر کی روٹی دیکھ کر اس کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ چپاتیوں کو بڑی عقیدت اور محبت سے کھا رہا تھا۔

''ترس گیا تھا میں تو گھر کی روٹی کے لئے۔ ماما جانی! اگر کبھی میرا دل چاہے تو کیا میں گھر کی روٹی کھانے آپ کے گھر آ سکتا ہوں؟''

انہیں ماما جانی کہہ کر خطاب کرنے سے تو وہ پہلے ہی ان کا دل جیت چکا تھا۔ وہ جب سے آیا تھا، انہیں آنٹی نہیں ماما جانی ہی کہہ رہا تھا، بالکل اسی کی طرح۔ اب جو اس نے گھر کی روٹی کے ہجر اور فراق کی داستان سنائی تو ماما جانی کا ممتا بھرا دل پردیس میں تنہا اس بچے کے لئے مزید گداز ہو گیا۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کہیں۔

''فکر کیوں کرتے ہو میرے لال! میں تمہیں روز چپاتیاں پکا کر بھیجا کروں گی۔''

ندیدوں کی طرح وہ پتہ نہیں کتنی ساری چپاتیاں کھا گیا تھا۔ ماما جانی کو وہ اتنا زیادہ پسند آ چکا تھا کہ انہوں نے اسے صرف کھانا کھلایا ہی نہیں بلکہ گھر لے جانے کے لئے ساتھ باندھ کر بھی دیا۔ انہوں نے باقی بچی تمام چپاتیاں، قیمے اور آلو میتھی کا سالن اور گلاب جامنیں سب کچھ اس کے لئے پیک کر دیا تھا۔

''جب گھر کے کھانوں کا دل چاہا کرے بے تکلف آ جایا کرو، یہ تمہارا ہی گھر ہے۔ بس فون پر بتا کر آنا۔ یہ ہنیا تو اسپگاٹی، پاستا اور چاولوں میں خوش رہتی ہے، خالی اپنے لئے کون جھنجھٹ کرے، اس لئے میرا دل چاہتا ہے تو اسٹور سے پکی پکائی روٹی لے آتی ہوں۔ مگر تم بتا کر آؤ گے تو تمہارے لئے گرم گرم چپاتیاں بنا کر رکھوں گی۔''

اسے نظر انداز کئے وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مگن رہے تھے۔ ان کی اس طرح گاڑھی چھنتے دیکھ کر اسے لگ رہا تھا ان دونوں کی

موجودگی میں وہ آئندہ بھی اسی طرح اگنور ہوا کرے گی۔

''میں پاس ہوگیا ناں؟'' گھر واپس جانے کے بعد عباد نے لیٹ نائٹ اسے فون کیا تھا۔

''اتنی چاپلوسی اور چمچہ گیری کے بعد تمہیں پاس ہونا ہی تھا''

''میں بلاوجہ اتنا ڈر رہا تھا۔ ماما جانی تو اس قدر سویٹ ہیں۔''

''انہوں نے چپاتیاں ساتھ باندھ کر دے دی ہیں۔ اس لئے وہ سویٹ لگ رہی ہیں۔''

''ناراض ہو؟ میں نے تمہارا لزانیہ نہیں کھایا اس لئے۔'' وہ اس کے چڑنے پر ہنسا۔

''ناراض نہیں ہوں لیکن فکر مند ضرور ہوں۔ یہ تو میری ماما جانی تھیں تو ٹھیک ہے۔ مگر تمہیں تو گھر کی پکی روٹیاں کھلا کر کوئی بھی تمہارا دل جیت سکتا ہے۔ میرا کیا ہوگا، کل کہیں سے کوئی سگھڑ بیگم اگر نکل آئیں جو چپاتیاں بہت عمدہ بناتی ہوں۔''

''تو میں ان سے کہوں گا۔ آپ اپنی چپاتیاں اپنے پاس سنبھال کر رکھیے میں اپنی ہنی کے لزانیہ، پاستا اور اسپگاٹی ہی میں خوش ہوں۔'' وہ بڑے انداز سے بولا۔

''ہنی؟'' اس نے تعجب سے اس لفظ کو دُہرایا۔ اسے سب ہنیا ہی کہتے تھے۔ اس کے ممی، پاپا جب زندہ تھے وہ یا ماما جانی ہی کبھی کبھار پیار میں اسے ہنی کہہ دیا کرتے تھے ورنہ اور کوئی نہیں۔

''ہاں ہنی۔ اگرچہ کہ باتیں تم اس وقت شہد جیسی میٹھی نہیں کر رہیں مگر ہنیا کو مختصر کرنا چاہوں تو ہنی ہی بنتا ہے۔''

وہ اس وقت بقول اس کے شہد جیسی میٹھی باتیں نہ کرتی اسی کے دائیں ہاتھ میں پہنائے بریسلٹ کو اپنے بائیں ہاتھ سے آہستہ آہستہ گھما رہی تھی، اس پر آہستگی سے انگلیاں پھیر رہی تھی۔ وہ اتنا نازک، اتنا ڈیلیکیٹ سا تھا کہ وہ اسے کچن کے یا اس طرح کے کسی کاموں کے دوران احتیاطاً پہنتی نہیں تھی۔ مگر جب ایسا کوئی کام نہ ہوتا تو پھر اسے پہنے رہتی تھی۔ اس بریسلٹ کی ہر دم اپنے قریب موجودگی اسے اچھی لگتی تھی۔

''مما، پاپا کا امریکہ آنے کا پروگرام بن رہا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں بجائے فون پر انہیں تمہارے بارے میں بتانے کے، جب وہ یہاں آئیں گے تب ڈائریکٹ تمہیں ان سے ملوا دوں۔''

چپاتیوں کا ذکر ختم کر کے عباد نے یہ بات کہی تو وہ یک دم ہی کونشس سی ہوگئی۔

''ایسے میں فون پر انہیں بتاؤں گا تو کہیں گے تو وہ کچھ نہیں مگر دل میں پتا نہیں تمہارے متعلق کیا سوچیں گے۔ ہوسکتا ہے وہ تمہیں پاکستانی اوریجن رکھتی کوئی بہت ماڈرن اور آزاد خیال امریکن لڑکی سمجھیں۔ میں چاہتا ہوں ان کے اوپر تمہارا پہلا امپریشن ہی شاندار پڑے۔ تم سے انہیں پہلی بار ملواؤں گا نا تو انہیں بتاؤں گا بھی نہیں کہ اس لڑکی کو میں نے پسند کیا ہے، اس سے میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ یونہی ایک دوست کہہ کر تمہیں ان سے ملواؤں گا۔ مما، پاپا خود ہی سے سمجھ جائیں تو الگ بات ہے مگر میں انہیں شروع میں بتاؤں گا نہیں۔ اور مجھے یقین ہے وہ تمہیں پہلی ملاقات ہی میں دل و جان سے پسند کرنے لگیں گے۔''

''میں انہیں پسند آجاؤں گی ناں عابی؟ دیکھو، میں بہت زیادہ خوبصورت بھی نہیں ہوں۔''

جس بات پر وہ اس کا اتنا ریکارڈ لگا رہی تھی، اتنا مذاق اڑا رہی تھی اب خود کی باری آئی تھی تو وہی بات اس سے پوچھ رہی تھی۔"

"کس نے کہا، تم خوب صورت نہیں ہو؟ مجھ سے پوچھو، میں تمہیں بتاؤں کہ ہنیا سجاد اس دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہے۔"

وہ اپنا بدلہ چکانے اور اسے زچ کرنے کے بجائے نرمی سے بولا۔

"تمہیں لگتی ہوں عابی! اس لئے تمہیں مجھ میں کوئی کمی نظر ہی نہیں آتی، مگر کیا میں انہیں اچھی لگ پاؤں گی؟"

"بالکل لگو گی۔ مما تو ہیں ہی ایسی کہ انہیں دنیا کی ہر لڑکی اچھی لگتی ہے، اپنی بیٹی جیسی لگتی ہے اور رہ گئے پاپا تو میری پیش گوئی ہے ہنیا کہ تمہاری پہلی ہی ملاقات میں دوستی ہو جائے گی۔ انہیں ذہین، پر اعتماد، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور خود پر بھروسہ رکھنے والی لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں اور یہ تمام خوبیاں تم میں موجود ہیں۔ مزید پسند وہ تمہیں تمہاری انجینئرنگ کی ڈگری کی وجہ سے کریں گے۔ ان کی ہونے والی بہو بھی ان کے اور ان کے بیٹے کی طرح انجینئر ہے اس بات سے تو وہ بہت ہی خوش ہوں۔ یار انہیں اپنے پروفیشن سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے اور اپنے قبیلے کے افراد سے ان کی ہمیشہ خوب بنتی ہے۔"

وہ اس کی تسلی آمیز ان باتوں کے باوجود اندر سے تھوڑی سی پریشان ہو رہی تھی۔ وہ عباد کی طرح نہیں، اسے لوگوں کے دل موہ لینے نہیں آتے تھے۔ جیسے اس نے آکر منٹوں میں ماما جانی کا دل موہ لیا تھا، ویسی صلاحیت اور خوبی اس میں نہ تھی۔ عباد کو تو جیسے اللہ نے یہ صلاحیت ودیعت کر کے دنیا میں بھیجا تھا کہ وہ جس سے ملے اسے اپنا والہ و شیدا بنا لے۔

"ہنیا...... ! کیا ہو گیا ہے یار، تم مما پاپا کو ضرور پسند آؤ گی اور بہت پسند آؤ گی، بلاوجہ کیوں ٹینس ہو رہی ہو۔ بلکہ میں تو یہ دعویٰ بھی کر سکتا ہوں کہ تمہارے سامنے وہ دونوں مجھے کم لفٹ کروایا کریں گے۔ تمہاری جس طرح کی نیچر ہے وہ اور پھر مما، پاپا جس مزاج کے ہیں وہ، مجھے یقین ہے یوں چٹکیوں میں دوستی ہو جائے گی تمہاری ان دونوں کے ساتھ۔

پتا ہے مما، پاپا کو اس کی بڑی خواہش تھی کہ ان کی ایک بیٹی بھی ہوتی۔ اور تمہارا تو مجھے پتا ہے، پہلی ملاقات ہی میں ان کے بیٹی کے اس تصور پر سو فیصد پوری اتر جاؤ گی۔"

وہ عباد کو اچھی لگتی ہے، اس لئے باقی ساری دنیا کو بھی اچھی لگے گی وہ ایسی خوش فہم نہ تھی۔ ہاں وہ دعا ضرور کر رہی تھی کہ عباد کے عنقریب امریکہ آنے والے والدین کو وہ پسند آ جائے۔ بیٹی کے طور پر نہ سہی کم از کم اپنی بہو کے طور پر ہی۔ عباد اب اسے یہ بتا رہا تھا کہ اس کی مما کو اس کی شادی کی خواہش ہے۔ وہ جب پاکستان میں تھا اور ابھی انجینئرنگ کے آخری سال میں آیا ہی تھا انہیں تب سے اس کی منگنی کروانے کا شوق ہو گیا تھا۔ ان کا بس نہ چلتا تھا ادھر وہ انجینئرنگ کی ڈگری لے، ادھر وہ اس کی شادی کرا دیں۔

"وہ مجھ سے کہتی تھیں، میں جس بھی لڑکی کو پسند کروں گا، وہ وہاں رشتہ لے جائیں گی۔ انہیں میری پسند دل و جان سے قبول ہو گی۔ اور میں ان سے کہتا تھا مما! ابھی تک آپ کے جیسی کوئی لڑکی ملی نہیں ہے۔ میں اس لڑکی سے شادی کروں گا جس میں ہاجرہ عذیر جیسی نرمی اور محبت ہو گی، جو ہاجرہ عذیر ہی کی طرح خوبصورت ہو گی اور جو مجھ سے بالکل ویسی محبت کرے گی جیسے ہاجرہ عذیر میرے پاپا سے کرتی ہیں۔ پتہ ہے ہنیا! مما، پاپا میں بہت انڈر اسٹینڈنگ ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے ہیں۔ مما، پاپا کا اتنا دھیان رکھتی ہیں۔ روزانہ خود اپنے ہاتھوں سے پاپا کے

لئے لنچ بنا کران کے آفس بھجواتی ہیں۔ پاپا کو کھانے میں سلاد کھانے کا بہت شوق ہے تو نئی نئی طرح کے سلاد بنا کران کے لئے بھیجتی ہیں۔ میں دعا کرتا ہوں، ہماری زندگی بھی ویسے گزرے جیسی مما، پاپا کی ہے۔''

وہ اس کی ٹینشن دور کرنے کی کوشش کرر ہا تھا۔ اسے یہ بتا رہا تھا کہ اس کے ماما، پاپا بہت اچھے اور کھلے ذہن کے لوگ ہیں، وہ بیٹے کی پسند کو دل وجان سے قبول کرلیں گے۔

اس کی ٹینشن اور فکرمندی دور کرنے کے لئے بہت دیر تک اس سے یونہی ہلکی پھلکی باتیں کرتا رہا تھا۔ رات گئے تک وہ اس سے باتیں کرتا رہا تھا۔ اس سے پہلے باتیں کرتے کرتے وہ ریسیور کان سے لگائے لگائے ہی سوگئی تھی۔ اس سے شب بخیر اور خدا حافظ کہنے کی نوبت بھی نہیں آئی تھی۔ نیند کی وہ کچی تھی اور نیند بھگا بھگا کر باتیں کرتے وہ کس وقت سوگئی۔ اسے خود پتہ نہیں تھا۔

اگلے دن اس نے عباد کو فون کیا تو وہ ہنستے ہوئے بتانے لگا کہ وہ اپنے ایک دوست کا کوئی قصہ اسے سنا رہا تھا، کافی دیر تک جب اسے قصے پر ہنیا کے کوئی کمنٹس کوئی ہوں، ہاں، اچھا، سنائی نہیں دیا، تب کہیں جا کر اسے یہ پتہ چلا کہ محترمہ خدا جانے کتنی دیر ہوئی سوچکی ہیں۔

پھر تو جیسے اس طرح روز رات میں فون پر بات کرنا ان دونوں کی پکی عادت بن گیا تھا۔ وہ اسے فون کرتا اور وہ کہتی کہ جب میں سوجاؤں، فون تب بند کرنا۔ وہ روز ایسا ہی کرتا۔

ان کے ڈیپارٹمنٹ میں ان کا ایک دوسرے سے تعلق اب کوئی چھپی بات نہ تھی۔ وہ عباد کے کلاس فیلوز ہوں یا ہنیا کے سب یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ ہنیا سجاد، عباد عذیر کو Belong کرتی ہے اور کسی نے بھی اسے ایسی ویسی نظروں سے دیکھنے یا زیادہ فری ہونے کی کوشش کی تو عباد عذیر اس کی گردن واقعی توڑ دے گا۔ کیمپس میں ان کی کلاسز کے اوقات اور مصروفیات ایک دوسرے سے اتنی الگ الگ تھیں کہ وہاں ان کی ملاقات روز نہیں ہو پاتی تھی، مگر کیمپس میں نہ مل پانے کے باوجود بھی وہ ایک دوسرے سے روز ملتے تھے۔ پڑھائی کی مصروفیات کے علاوہ عباد کی اپنی فرم کی بھی مصروفیات تھیں۔ وہ وہاں کسی نہ کسی پروجیکٹ میں ڈاکٹر اینڈریو کی معاونت کر رہا ہوتا تھا۔ کسی روز وہ مصروفیات میں بہت گھرا ہوتا، بہت تھک گیا ہوتا وہ کہتی بھی کہ آج نہیں ملتی، مگر وہ بالکل نہ مانتا۔

''تم مجھ سے ملنا نہیں چاہتیں؟''

''تم تھکے ہوئے ہو، اس لئے کہہ رہی ہوں۔''

''تم سے مل کر میری ساری تھکن اتر جاتی ہے لڑکی! تمہاری شکل دیکھ لوں تو ایک دم فریش ہو جاتا ہوں۔''

ان باتوں کے بعد پھر اس کے انکار کا کوئی جواز نہ رہ جاتا۔

باہر ملنے کے علاوہ عباد ہر دوسرے تیسرے دن ان کے گھر پر بھی موجود ہوتا تھا۔ اور وہاں وہ خود کم اور ماما جانی کے انوائٹ کرنے پر زیادہ آیا ہوا ہوتا تھا وہ ماما جانی کا فیورٹ بن گیا تھا اور وہ تقریباً ہر دوسرے روز ہی اس کے لئے کچھ نہ کچھ بنا کر ہنیا سے اسے فون کرواتیں۔

''ہنیا! عباد کو فون کر کے کہو آج رات کا کھانا ہمارے ساتھ کھائے۔ میں نے آلو کے پراٹھے بنائے ہیں۔''

آلو کے پراٹھے، بیسنی روٹیاں، پوریاں، کچوریاں، اب ان کے گھر میں اسی قسم کی دیسی ڈشز بننے لگی تھیں۔ اب ان کے گھر میں چپاتیاں پابندی سے بننے لگی تھیں۔ پاکستانی کھانوں کی خوشبوئیں ان کے کچن سے ہمہ وقت آیا کرتی تھیں۔ اس روز پھر وہ دونوں باہر نہیں ملتے تھے۔ عباد کی ماما جانی کے ساتھ چند ہی دنوں میں اتنی گاڑھی چھننے لگی تھی۔ جیسے پتہ نہیں کب کی واقفیت ہے۔ وہ ان کے ساتھ ان کے مطلب کی باتیں کرتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ اپنی سہیلیوں اور میل جول کی خواتین کے متعلق باتیں اور گوسپس کر کے بہت خوش ہوتی تھیں۔ وہ بھی بھرپور دلچسپی لیتا۔ مختلف عورتوں کی غیبتیں کرتا، کہیں سے انجینئر عباد عذیر نہیں لگتا تھا۔

ماما جانی اسے کیوں اتنا نہ چاہتیں، اسے لوگوں کے دل جیتنے کے تمام گر آتے تھے۔ ماما جانی نے یونہی تذکرہ بتایا ہوگا کہ جو موئسچرائزر وہ استعمال کرتی ہیں، وہ آج کل کہیں مل نہیں رہا۔ وہ تو تھیں ہی ایسی، اپنا خوب خیال رکھتیں۔ زندہ دلی سے زندگی گزارتیں۔ انہوں نے تو یونہی تذکرہ کہا تھا مگر عباد پتا نہیں کہاں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر وہی موئسچرائزر ان کے لئے لے آیا تھا۔ اب ان باتوں کے بعد وہ ماما جانی کا دوست کیونکہ نہ بنتا؟ اس کی خوب گہری دوستی ہوگئی تھی، ماما جانی کے ساتھ۔

ایک دوبار جب وہ ہنیا کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے باہر لے جا رہا تھا، تب انہیں بھی زبردستی ساتھ لے گیا تھا۔ حالانکہ انہوں نے پہلے پہل صاف منع کر دیا تھا کہ ان ینگ لوگوں کے بیچ ان کا کیا کام ہے، وہ دونوں جا کر انجوائے کریں۔ مگر اسے اپنی بات منوانی آتی تھی۔ ضد سے لاڈ سے، ناراضی دکھا کے، آخر کار وہ انہیں ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو ہی گیا تھا۔ وہ عباد کے نزدیک ہوئی تھی تو اس کی شخصیت کی خوبیوں کو قریب سے جانا تھا۔ وہ اسے کیمپس میں پہلے پہل ایک لاابالی اور لاپرواسا لڑکا نظر آیا تھا مگر جب اسے قریب سے دیکھا اور جانا تو پتہ چلا وہ اس تاثر سے بہت مختلف تھا بلکہ وہ اپنی عمر کے دوسرے لڑکوں ہی سے بہت مختلف تھا۔ حساس، نرم دل، دوسروں کی پروا کرنے والا۔ چوبیس، پچیس سال کی عمر کے لڑکے کہاں ایسے ہوتے ہیں جیسا وہ تھا۔ یہ عمر تو لاپروائی اور بے نیازی کی عمر ہوتی ہے۔ دنیا کے ہنگاموں اور رنگینیوں میں کھو جانے اور محفلوں میں گم رہنے کی عمر ہوتی ہے۔ اس عمر میں تنہائی، بڑھاپا، اکیلا پن ان باتوں کے تو معنی بھی سمجھ میں نہیں آتے۔ مگر وہ ان سب کو سمجھتا تھا۔

اسے اس روز عباد اتنا پیارا، اتنا اچھا لگا تھا جب اسے یہ پتہ چلا کہ وہ اپنی ہی بلڈنگ کے ایک اپارٹمنٹ میں رہنے والے ایک 78 سالہ بوڑھے مصری نژاد امریکی کی تنہائی بانٹنے اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر اس سے ملنے جاتا تھا۔ ہر اتوار پابندی سے اس کے ساتھ گزارتا تھا، وہ تین گھنٹوں پر مشتمل طویل وقت، جس میں وہ بوڑھا اپنے سب دکھ اس سے کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر لیا کرتا تھا۔ اس کے بچے سب اسی شہر میں رہتے تھے مگر باپ سے ملنا تو درکنار سال، چھ ماہ میں ایک بار ایک فون کال باپ کو کر لینے کی بھی فرصت ان کے پاس نہ تھی۔

اس نے اپنی خوبیاں جتانے کے لئے ہنیا کو یہ سب نہیں بتایا تھا بلکہ ہوا یوں تھا کہ اس اتوار وہ اتفاقاً ہی اس کے اپارٹمنٹ آگئی تھی۔ عباس کے پاس انجینئرنگ سے متعلق کتابوں کا زبردست ذخیرہ تھا اور اسے اس کے پاس سے کچھ کتابیں چاہئے تھیں۔ وہ بغیر فون کئے وہاں آئی تھی۔ عباد کہیں باہر جانے کے لئے تیار نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنے اپارٹمنٹ کی چابی ہنیا کو دے کر یہ کہا تھا کہ اسے کہیں ضرور کام سے جانا ہے، ہنیا آرام سے کتابیں دیکھ لے اور جب جانے لگے تو اپارٹمنٹ کا دروازہ لاک کر کے چابی اس کی بلڈنگ کے کیئر ٹیکر کو دے جائے۔ کہہ کر وہ چلا گیا۔

وہ کتابیں دیکھنے میں کھوئی تو اسے وقت کا پتا بھی نہیں چلا۔ ڈیڑھ گھنٹے بعد جب وہ اٹھی اور اتفاقاً ہی عباد کے اپارٹمنٹ کی بالکونی میں نکل آئی۔ بالکونی سے اس پارک کا منظر صاف نظر آیا تھا، جو عباد کے اپارٹمنٹ کی بلڈنگ کی بیک سائیڈ پر اور بالکل نزدیک تھا۔ بیچ میں ایک ون وے روڈ اور سامنے پارک تھا۔

پارک میں کچھ بچے فٹ بال کھیل رہے تھے، کچھ لوگ اپنے پالتو کتوں اور بلیوں کی زنجیریں تھامے ٹہل رہے تھے۔ پارک اتنا نزدیک تھا کہ سب ہی کچھ واضح نظر آ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں گھومتے گھومتے ایک بینچ پر جا کر رک گئی تھیں۔ اس پر عباد اور ایک شخص بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ وہ کہیں کام سے جانے کا کہہ کر گیا تو وہ سمجھی وہ پتہ نہیں کہاں اور کتنی دور گیا ہے، جبکہ وہ تو اپنے اپارٹمنٹ کے اتنے نزدیک موجود تھا۔ وہ اس کے اپارٹمنٹ کا دروازہ لاک کر کے خود بھی اس پارک ہی میں آ گئی۔

عباد نے اسے دیکھ کر کچھ حیران ہوتے اس کا تعارف اس سرخ و سپید بوڑھے آدمی سے کروایا تھا۔ ایک اتنے بوڑھے، اتنے ضعیف شخص کے ساتھ عباد کو یہاں بیٹھے دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔ اسی وقت فٹ بال کھیلتے بچوں کی بال اچھلتی عباد کی گود میں آ کر گری اور ان میں سے ایک بچے نے دور سے ہی اسے آواز دی۔

”عابی! کم آن“ بڑے بے تکلفانہ انداز تھا اسے بلانے کا۔ پتہ چلا وہ سب بچے عباد ہی کی بلڈنگ میں یا پھر آس پاس کی بلڈنگز میں رہتے تھے اور وہ سب عباد کے دوست تھے۔ وہ سب بہت دیر سے اسے کھیلنے کے لئے بلا رہے تھے اور وہ عبداللہ نامی اس بوڑھے شخص کے ساتھ بیٹھا انہیں کچھ دیر میں آنے کا یقین دلا رہا تھا۔ اس بار بچوں کو ٹالنے کے بجائے وہ اٹھا اور فٹ بال کو اپنے پیروں سے کک لگاتا ان بچوں کے قریب پہنچ گیا۔ ایک سیکنڈ کے اندر وہ ان بچوں کے کھیل میں شامل ہو گیا تھا۔ وہ ان آٹھ، نو اور دس سال کی عمر کے بچوں کے بیچ بچہ بنا ان کے ساتھ فٹ بال کھیلنے لگا تھا۔

”اب یہ بچے اسے اتنی جلدی نہیں چھوڑیں گے، تم بیٹھ جاؤ۔“

عبداللہ نے اس سے کہا۔ وہ ان کے برابر بینچ پر بیٹھ گئی تھی۔ اور جب عبداللہ نے اس سے عباد کی تعریفیں شروع کرتے ہوئے اسے یہ بتایا کہ اپنی بیوی کے مرنے کے بعد اب وہ بالکل تنہا ہیں۔ تنہا وقت کاٹنا اس کے لئے عذاب بن جاتا ہے اور ایک بوڑھے بیمار شخص کے ساتھ وقت کون گزارنا چاہتا ہے، سو وہ اپنے گھر کی تنہائی اور اکیلے پن سے گھبرا کر یہاں اس پارک میں آ جاتے ہیں۔ یہیں ان کی عباد سے دوستی ہوئی تھی۔ اور اب عباد ہر سنڈے ان سے ملنے اس پارک چلا آتا ہے، ہفتے کے باقی دنوں میں بھی اسے جب کبھی موقع ملتا ہے وہ صبح گھر سے نکلتے وقت یا شام میں لوٹتے وقت عبداللہ کے اپارٹمنٹ آ کر ان کی خیر خیریت معلوم کر لیتا ہے۔

وہ عباد کی بہت تعریفیں کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ان سے باتیں کرنے والا ان کی باتیں سننے والا عباد کے سوا اور کوئی بھی نہیں۔ عباد ہی انہیں زندہ رہنے کا احساس دلاتا ہے۔ وہ بچوں کے ساتھ بچہ بن کر کھیلتے عباد کو دیر تک دیکھ رہی تھی۔ وہ کتنا اچھا تھا، وہ کتنا منفرد اور کتنا حساس تھا۔ اتنا نرم دل، وہ نیکی اور اچھائی کا جذبہ لئے، بوڑھے عبداللہ سے ملتا تھا اور اپنی اس نیکی کو دنیا سے بھی چھپائے رکھنا چاہتا تھا۔

وہ اتوار کے دن اس کے ساتھ کہیں جاتا تو شام ہوتے اسے واپسی کی جلدی ہونے لگتی تھی مگر اس جلدی کی وجہ اس نے ہنیا کو کبھی نہیں بتائی

تھی۔اسے عباد کی اس Modesty پر پیار آیا۔

''تو عباد عذیر ہر سنڈے کی شام کو اس پارک میں عبداللہ سے ملا کرتے ہیں۔'' کچھ دیر بعد جب وہ دونوں تنہا ہوئے تب اس نے مسکرا کر عباد سے کہا۔

وہ اس کی شخصیت کے ایک اچھے پہلو، اس کی ایک نیکی سے واقف ہوگئی ہے، اس پر فخر میں مبتلا ہونے کے بجائے وہ شرمندہ ہو رہا تھا۔ فوراً گفتگو کا موضوع تبدیل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ خوبی اسے عباد سے اور نزدیک کر رہی تھی، عباد کے لئے اس کے دل میں موجود محبت کو مزید گہرا کر رہی تھی۔

وہ بچے جو عبداللہ ہی کی طرح عباد کے دوست نظر آرہے تھے، اس کے ساتھ مزید کھیلنا چاہتے تھے، وہ اسے ابھی چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے اور اسے لگتا تھا صرف وہ اور ماما جانی ہی عباد عذیر کے گرویدہ ہوئے ہیں۔ وہ سراسر غلط تھی۔ عباد عذیر تو بوڑھوں، بچوں، واقف کاروں، ناواقفوں سب کا پسندیدہ تھا۔ وہ ہر دل عزیز تھا۔ وہ سب کے دل موہ لیا کرتا تھا، اسے لوگوں کے دلوں میں گھر کرنا آتا تھا۔ بہت امیر باپ کا اکلوتا بیٹا مگر بہت سادہ، خوش شکل، ذہین، اعلیٰ تعلیم یافتہ مگر منکسر المزاج۔

عباد عذیر سے اسے محبت پہلے ہوگئی تھی اور اس کی خوبیاں بعد میں پتہ چلی تھیں۔ اس کی شخصیت کی خوبیاں اور اچھائیاں اس پر آہستہ آہستہ اب آشکار ہو رہی تھیں۔ وہ اتنا خوبصورت دل رکھنے والا اتنا پیارا انسان اللہ نے اس کے لئے بنایا تھا۔ اسے خود پر پیار بھی آتا، فخر بھی ہوتا اور اس کا دل اللہ کا شکر گزار بھی ہوتا۔



وہ عباد کو تلاش کرتی لیب میں آگئی تھی۔ وہ اپنے معمولات اور روٹین سے اسے اس طرح آگاہ رکھتا تھا کہ اسے معلوم تھا کہ آج اسے کنکریٹ لیب میں اور اس کے بعد لائبریری میں کام ہے اور وہ اسے ان ہی دونوں جگہوں میں سے کسی جگہ پر ملے گا۔ وہ اندر داخل ہوئی تو عباد اسے وہاں نظر آگیا تھا۔ وہ ایک مشین کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا انڈین دوست موہن اور امریکن دوست جیف کھڑے تھے اور اس کا جاپانی دوست ہیروشی ان تینوں کے پیچھے ایک سٹول پر بیٹھا ٹانگیں ہلاتا ہوا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ جبکہ اس کا فرنچ دوست نک اس وقت ان لوگوں کے ساتھ نہ تھا۔ وہ تینوں مشین کی طرف منہ کئے اپنے کام میں مشغول تھے۔ انہوں نے اسے نہیں دیکھا تھا مگر کتاب پڑھتے ہیروشی نے اسے دیکھ لیا تھا۔ جس طرح عباد کی کیتھی اور مائیک سے دوستی ہوگئی تھی، اسی طرح اس کی بھی اس کے دوستوں کے ساتھ اچھی دوستی ہوگئی تھی وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا، ہیروشی کوئی Text Book نہیں بلکہ ہیری پورٹر پڑھ رہا تھا۔

''کنکریٹ لیب میں ہیری پورٹر؟ ڈیوڈ اسٹین مین کہاں ہیں۔'' اس نے لیب انچارج کا نام لے کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''وہ اس ریڈیو ایکٹو اسپائڈر کو ڈھونڈنے نکلے ہیں جس نے پیٹر پارکر کو کاٹا تھا۔'' یہ تمام Columbians کے درمیان ایک عام مذاق تھا۔

اس کی آواز عباد، موہن اور جیف نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا تھا۔ موہن اور جیف نے ہیلو کہہ کر خوش اخلاقی سے اس کی خیریت پوچھی تھی،

جبکہ عباد فوراً ہی اپنا سب کام کاج چھوڑ کر اس کے پاس آ گیا تھا۔

''چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔'' جب ان دونوں کے ساتھ ان کے دوست بھی ہوتے، تب وہ آپس میں انگریزی میں بات کیا کرتے تھے۔

''لیکن تم مصروف ہو۔''

''مصروف ان کے کام میں ہیں ہم تینوں۔ یہ جو ٹانگیں جھلاتے ہیری پورٹر سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔'' عباد نے ہیروشی کو گھورا جو بتیسی کی نمائش کرتا کھل کر ہنسا تھا۔ گویا وہ تینوں دوست ہیروشی کا کام کر رہے تھے۔ وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

''اب کچھ کام خود بھی کر لو۔'' اسے لتاڑتا عباد ہنیا کے ساتھ لیب سے باہر نکل آیا تھا۔ ان کا رخ لو اسٹیپس کی طرف تھا۔ اس کی طرح عباد کو بھی لو اسٹیپس پر بیٹھنا اچھا لگتا تھا۔ ہنیا کے 8th سمسٹر کی کلاسز کافی دن ہوئے شروع ہو چکی تھیں۔ اس سمسٹر میں سب سے اہم اس کے ڈیزائن پروجیکٹ تھے اور وہ ان کے متعلق باتیں کرتی ہوئی عباد کے ساتھ چل رہی تھی۔

وہ دونوں لو اسٹیپس پر آ کر بیٹھ گئے۔ حسب معمول وہاں بہت اسٹوڈنٹس تھے۔ نیویارک کی شدید سردیاں ابھی پوری طرح شروع تو نہیں ہوئی تھیں، مگر اپنی جھلک دن کے مختلف اوقات میں دکھانے ضرور لگی تھیں۔ اب کم از کم سوئٹر کا استعمال لازمی تھی۔ مگر اس وقت چونکہ سورج نکلا ہوا تھا، سو وہاں بیٹھنا خوشگوار لگ رہا تھا۔ عباد نے کولمبیا یونیورسٹی کے Logo والی گرم جیکٹ جس کے ساتھ ٹوپا بھی جڑا ہوا تھا۔ پہن رکھی تھی۔ اس کی گود میں جو فائل رکھی تھی اس پر Proud to be nedian کا اسٹیکر چپکا ہوا تھا۔ وہ اس کی فائل پر یہ اسٹیکر چپکا پہلے بھی دیکھ چکی تھی۔ مگر اس بارے میں کہا آج تھا۔

''تم پڑھتے کولمبیا یونیورسٹی میں ہو اور Proud اپنے Nedian ہونے پر فیل کرتے ہو؟''

''مائی ڈیئر! یہ محبت کا معاملہ ہے۔ اور محبت تو صرف کسی ایک ہی سے ہوتی ہے اور زندگی میں ایک ہی بار ہوتی ہے۔ میں NED سے محبت کرتا ہوں، میں اپنے کیمپس، وہاں کی چھوٹی بڑی اچھی بری ہر بات سے محبت کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے میں تمہیں پاگل لگوں کہ میں ایک اعلیٰ درجہ کی یونیورسٹی میں پڑھتے ہوئے اپنے اس ترقی پذیر ملک کی اس کولمبیا کے مقابلے میں کئی گنا چھوٹی اور ورلڈ رینکنگ میں کسی بھی نمبر پر نہ آنے والی یونیورسٹی کو پسند کرتا ہوں۔ مگر محبت تو ایسی ہی ہوتی ہے ڈیئر! میں کولمبیا کے مقابلے میں NED سے محبت کرتا ہوں، نیویارک کے مقابلے میں کراچی سے محبت کرتا ہوں۔ وہ جیسا بھی ہے میرا شہر ہے۔ وہاں بہت کچھ بہت برا، بہت غلط ہے مگر وہ میرا اپنا شہر ہے۔ میں دنیا کے کسی بھی حصے میں چلا جاؤں، کہیں بھی جا کر رہنے لگوں، کسی بھی یونیورسٹی میں پڑھوں مگر NED اور کراچی دونوں سے محبت کرنا کبھی چھوڑ نہیں سکتا۔''

''پھر تو تمہاری اس یونیورسٹی اور اس شہر سے میں بہت جلدی ملنا چاہتی ہوں عابی!''

''ہاں تم ملو گی نا انشاء اللہ بہت جلدی'' وہ جواباً مسکرا کر بولا۔ باتوں کے دوران ذکر نکلا تو اس نے عباد کو بتایا کہ ماما جانی کی برتھ ڈے آ رہی ہے مگر اس بار وہ اپنی دوستوں کو پارٹی دینے کے موڈ میں نہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اب سالگرہ منانے سے انہیں اپنی بڑھتی عمر کا احساس زیادہ ہونے لگتا تھا۔

عباد اس رات ماما جانی کے بلانے پر ان لوگوں کے ساتھ ڈنر کرنے آیا تھا اور آتے ہی اس نے چٹکیوں میں ماما جانی کو برتھ ڈے منانے پر آمادہ کر لیا تھا۔

''آخر ایک اتنی حسین خاتون روز روز تو 75 سال کی نہیں ہوتیں۔ یہ موقع تو زندگی میں صرف ایک بار ہی آیا کرتا ہے۔'' وہ ماما جانی کا

فیورٹ اوران کا ڈارلنگ یونہی تو نہ تھا وہ اتنے مزے سے ان کے حسن کی شان میں قصیدے پڑھ رہا تھا اور وہ قہقہے لگا کر ہنس رہی تھیں۔

"To age with grace" کی آپ سے بڑھ کر زندہ مثال میں نے نہیں دیکھی ماما جانی۔

ماما جانی کا ہنستے ہنستے برا حال تھا۔ اور پھر اس نے صرف کہا ہی نہیں تھا وہ واقعی ان کی برتھ ڈے پارٹی میں آن بھی دھمکا تھا۔ ان کے اور ان کی سہیلیوں کے درمیان جو سب کی سب اس کی نانی اور دادی کی عمر کی تھیں، وہ مزے سے گھسا بیٹھا رہا تھا۔

☆

عباد اپنے تھیسس کے کسی کام کے سلسلے میں تین، چار روز کے لئے بوسٹن جا رہا تھا۔ اسٹرکچرل انجینئر میں MS کرنا تھا ہی مشکل کام، اس کی پڑھائی بہت ٹف تھی، اس پر وہ اپنے ہر کام پر محنت اتنی کرتا تھا، ہر چیز بالکل پرفیکٹ کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی سٹڈیز کو بہت سنجیدگی سے لیتا تھا۔ اس کی ہر بات شروع اور ختم اسی جملے پر ہوتی۔

''پاپا کو مجھ سے بہت امیدیں ہیں۔ میں انہیں لیٹ ڈاؤن نہیں کرنا چاہتا۔ جو وہ مجھ سے توقع رکھتے ہیں میرا دل چاہتا ہے میں اس سے بھی بڑھ کر ثابت ہوسکوں۔''

یوں اسے بوسٹن یونیورسٹی میں وہاں کے سول انجینئرنگ ڈیپارٹمنٹ کے ایک پروفیسر سے ملنا تھا۔ اسے وہاں اپنی کچھ ریسرچ بھی کرنی تھی اور ڈاکٹر اینڈریو نے بھی اسے وہاں کچھ کام کہے تھے۔ وہ بھی کرنے تھے۔ گزشتہ روز ان کی ملاقات نہیں ہوسکی تھی اور رات فون پر عباد نے جب اپنے جانے کا اسے بتایا تو وہ فوراً بولی۔

''تم مجھ سے ملے بغیر چلے جاؤ گے؟''

اگلے روز عباد کی کیمپس میں اور اپنی فرم میں بہت زیادہ مصروفیات تھیں۔ کیمپس میں اگر آمنا سامنا ہو بھی جاتا تو وہاں بات چیت کا موقع ملنا مشکل تھا۔ عباد کو کل وہاں اس کے ایڈوائزر نے بلایا ہوا تھا اور ان کے ساتھ طویل نشست کے بعد اس کے پاس ہنیا سے ملنے کا وقت ملنا مشکل تھا شام ساڑھے سات بجے اس کی روانگی تھی اور اس سے پہلے کا وقت اس کا ڈاکٹر اینڈریو کی فرم میں جو وال سٹریٹ پر تھی وہاں گزرنا تھا۔ ''پر کل ملنا تھوڑا مشکل ہے۔''

''میں نہیں جانتی اگر تم مجھ سے ملے بغیر چلے گئے ناں تو میں تم سے بات بھی نہیں کروں گی، تمہاری کوئی کال بھی ریسیو نہیں کروں گی۔ وہ دھونس جماتے فیصلہ کن انداز میں بولی۔ اس کی ناراضی سے بچنے کے لئے اس بے چارے نے بڑی مشکلوں سے کھینچ کھانچ کر سہ پہر تین بجے کا ٹائم ملنے کے لئے طے کیا تھا۔ اسے ففتھ ایونیو تو آنا ہی تھا، وہاں اسے ایک بک سٹور سے آرکیٹکچر اور ڈیزائن پر کوئی خاص کتاب خریدنی تھی سو اس نے ہنیا سے ففتھ ایونیو ہی میں واقع ایک ریسٹورنٹ میں ملنے کا پروگرام طے کیا تھا۔ اسے اس کی بے تحاشا مصروفیات میں سے وقت نکال کر زبردستی اور دھونس و دھمکی سے ملنے پر مجبور کرنے کے بعد وہ خود صحیح وقت ریسٹورنٹ نہیں پہنچ سکی تھی۔ ڈاکٹر گراہم نے آج ایک ایکسٹرا کلاس ارینج کر لی تھی اور کلاس لے کر بھاگتے دوڑتے نکلنے کے باوجود بھی تین بج کر تیس منٹ پر ریسٹورنٹ میں پہنچی تھی۔ عباد ایک میز پر بیٹھا اسے اندر داخل ہوتا غصے سے گھور کر دیکھ رہا تھا۔

''آئم سوری۔ آئم سوری۔ دیر ہو گئی ناں، وہ ڈاکٹر گراہم۔''

''آدمی کو محبت نہیں کرنی چاہیے۔'' اس کی بات کاٹ کر عباد خفگی سے بولا۔ ''اچھا بھلا آدمی خوار ہو کر رہ جاتا ہے اس محبت کے پیچھے پچھلے تیس منٹوں سے میں بیٹھا یہی سوچ رہا ہوں کہ عباد عذیر عشق نے تمہیں واقعی نکما بنا دیا ہے ورنہ تم آدمی کام کے تھے۔''

''سوری کہہ تو رہی ہوں۔ اچھا غصہ تھوک دو۔ یہ بتاؤ کیا پیو گے؟'' وہ اسے مناتے ہوئے لجاجت سے بولی۔

''فی الحال میں صرف غصہ پی رہا ہوں ہنیا سجاد۔'' وہ کرسی پر سے کھڑا ہو گیا۔

''تم جا کہاں رہے ہو؟''

''بک سٹور۔ اگر آپ کو یاد ہو تو مجھے ایک کتاب ارجنٹ خریدنی ہے اور آپ سے یہاں ملنے کے بعد مجھے وہی خریدنے جانا تھا۔ مزید یہاں بیٹھنے کا میرے پاس وقت نہیں، آپ اگر آنا چاہیں تو میرے ساتھ وہاں تک آ سکتی ہیں۔''

وہ خفا خفا لہجے میں بولتا ریسٹورنٹ کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ غلطی جان بوجھ کر چاہے نہیں کی گئی تھی مگر تھی تو اسی کی، اس لیے فوراً ہی اٹھ کر اس کے پیچھے پیچھے ریسٹورنٹ سے نکل آئی۔

ففتھ ایونیو پر ریسٹورنٹ سے چند قدموں ہی کی دوری پر وہ بہت بڑا سا اور چار منزلہ بک اسٹور واقع تھا جہاں وہ دونوں پیدل چلتے فوراً ہی پہنچ گئے تھے۔ بک اسٹور کی ریوالونگ ڈور کے ذریعے وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ اس بک اسٹور میں تھیں ہی صرف آرکیٹکچر اور ڈیزائن سے متعلق کتابیں، آرکیٹکچر ہی کے الگ الگ موضوعات پر کتابیں الگ الگ سیکشنز میں چاروں فلور پر موجود تھیں۔

عباد فرسٹ فلور پر آ گیا تھا۔ اسے جو کتاب خریدنی تھی، وہ اس نے وہاں پر فوراً ہی نکال لی تھی۔ اب وہ مزید چند اور کتابیں دیکھ رہا تھا۔ اس وقت چونکہ اس سے ناراض تھا اس لیے اس سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ اسے نظر انداز کر کے کتابیں دیکھے جا رہا تھا۔ وہ سامنے والے شیلف میں لگی ہسٹری آف آرکیٹکچر سے متعلق کتابیں دیکھنے لگی تھی۔ سول انجینئرز کو آرکیٹکچر میں بہت زیادہ دلچسپی نہ بھی ہو تو بھی دلچسپی لینی پڑتی ہے جبکہ اسے تو قدرتی طور پر ہی آرکیٹکچر اور خصوصیت کے ساتھ ہسٹری آف آرکیٹکچر میں گہری دلچسپی تھی۔ وہ قدیم مصری آرکیٹکچر پر ایک کتاب نکال کر دیکھ رہی تھی۔ وہ کتاب کے صفحات پلٹ کر اس میں موجود قدیم اور نایاب رنگین تصاویر اور نقشوں کو توجہ سے دیکھ رہی تھی۔ جب اس نے عباد کو ایک دم تیزی سے اپنی طرف آتا دیکھا۔ وہ جو کتاب دیکھ رہا تھا، اسے ایک دم اس کی جگہ پر واپس رکھ کر وہ تیزی سے اس کی طرف آیا۔

''تمہارے ہاتھ میں کیا ہوا؟''

صبح دیر ہو جانے کی وجہ سے جلدی میں کپڑے استری کرتے اس کا ہاتھ جل گیا تھا۔ اس کے جس ہاتھ میں کتاب تھی، اسی پر وہ جلا ہوا نشان اس کی کلائی پر نظر آ رہا تھا۔ عباد نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس جلے ہوئے نشان کو بغور دیکھا۔

''وہ کپڑے آئرن کرتے جل گیا تھا۔'' اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

''تم اتنی لاپروا کیوں ہو ہنیا سجاد؟''

وہ تشویش سے اس کی جلی ہوئی کلائی کو دیکھتے ہوئے برہمی سے بولا۔ اتنا معمولی سا اس کا ہاتھ جلا تھا اور وہ اسے دیکھ اس طرح رہا تھا جیسے پتہ نہیں اس کے کتنی خطرناک کوئی چوٹ ووٹ لگ گئی ہے۔

''اس پر کوئی آئن منٹ (مرہم) وغیرہ بھی نہیں لگایا تم نے؟''

''کم آن عباد! اتنا معمولی سا جلا ہے۔ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اسی لاپروائی سے بولی۔

''معمولی جلا ہے یا زیادہ مگر جلا تو ہے ناں؟ تم اپنی کیئر کیوں نہیں کرتیں؟ چلو اب، میں کتاب لے چکا ہوں۔''

وہ ناراض لہجے میں بولتا اس ہسٹری آف آرکیٹکچر سیکشن سے باہر نکل آیا۔ وہ بھی اس کے ساتھ باہر آ گئی تھی۔

''میں پے منٹ کر کے آتا ہوں۔ تم اوپر جا کر بیٹھو۔''

عباد نے اپنے ہاتھ میں موجود کتاب کی طرف اشارہ کر کے اس سے سنجیدگی سے کہا۔ پے منٹ وغیرہ سب نیچے گراؤنڈ فلور کے کاؤنٹر پر ہوتی تھی۔ بک اسٹور کے سب سے اوپر والے فلور پر انٹیریئر ڈیزائننگ سے متعلق کتابوں کے سیکشن کے علاوہ ایک فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ بھی موجود تھا۔ عباد اس سے وہیں جانے کے لئے کہہ رہا تھا۔ وہ جانے لگی تب عباد پیچھے سے اسی سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''کچھ آرڈر کر دینا، میں دس منٹ میں آتا ہوں۔''

وہ اوپر آ گئی اور آ کر آئس کافی کا آرڈر کرنے کے بعد عباد کا انتظار کرنے لگی۔ وہ دس نہیں پندرہ منٹ بعد واپس آیا تھا۔ وہ میز پر اس کے سامنے والی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا اور پھر اپنی جیب سے کچھ نکالنے لگا۔ وہ ایک آئنمنٹ تھا۔

''ہاتھ دکھاؤ۔'' کارٹن میں سے ٹیوب نکالتے ہوئے اس نے اس سے کہا۔ اس نے کچھ حیران سی ہوتے اپنی جلی ہوئی کلائی اس کے سامنے کر دی۔ وہ اس کے لئے یہ آئنمنٹ خریدنے گیا تھا، اس لئے اسے دیر لگی تھی۔ ایسی ایسی وہ صبح شام اپنے کتنی چوٹیں لگاتیں رہتی تھی، جلد بازی اس میں تھی اور جلدی کے چکر میں کبھی ہاتھ جلا لینا، کبھی کہیں اور چوٹ لگا لینا تو جیسے اس کے لئے ایک معمول کی بات تھی۔ ایسے معمولی جلنے ولنے کو تو وہ کسی گنتی میں رکھتی ہی نہیں تھی۔ وہ حیرت سے عباد کو دیکھ رہی تھی۔ جو ٹیوب میں سے آئنمنٹ نکال کر اس کی جلی ہوئی کلائی پر لگا رہا تھا۔ ایک ڈیڑھ انچ سے زیادہ جلا ہوا نشان نہ تھا جس پر وہ آہستہ آہستہ آئنمنٹ لگا رہا تھا۔

''تکلیف تو نہیں ہو رہی؟'' اس نے آئنمنٹ لگاتے ہوئے ہی سر اٹھائے بغیر پوچھا۔ ایک ٹک اس کے جھکے چہرے کو دیکھتے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ سر جھکائے عباد کو اس کا انکار میں ہلتا سر کیسے نظر آ سکتا تھا۔ اس لئے اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ بغیر پلکیں جھپکائے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اسے دن میں تین، چار بار لگا لینا۔ اس سے ٹھنڈک بھی پہنچے گی اور زخم جلدی ٹھیک بھی ہو جائے گا۔''

اس کے چہرے پر موجود تاثرات کو قصداً نظر انداز کر کے وہ اسی اکھڑے اکھڑے سنجیدہ انداز میں بولا اور ٹیوب کا ڈھکن بند کر کے اور اسے کارٹن میں دوبارہ ڈال کر آئنمنٹ اسے پکڑا دیا۔

''جلدی پیو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔''

وہ آئس کریم اور گریٹڈ چاکلیٹ سے سجے اپنے آئسڈ کافی کے گلاس کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اسی سنجیدہ اور خفا انداز میں اس نے گلاس اٹھا تو لیا مگر اس کا اب اسے پینے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ عباد نے چند گھونٹوں میں اپنا گلاس خالی کر دیا تھا۔ وہ دونوں بک اسٹور سے باہر نکل آئے۔ عباد کے ہاتھ میں بک اسٹور سے خریدی کتابوں کے دو شاپنگ بیگز تھے، اس کے سامنے تو اس نے ایک ہی کتاب خریدنے کے لئے اٹھائی تھی، شاید پے منٹ کے لئے نیچے جا کر اسے کچھ اور کتابیں بھی اچھی لگ گئی تھیں۔ اسے سب وے کے ذریعے اپنے گھر اور عباد کو بس کے ذریعے اپنے آفس جانا تھا۔ وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے سب وے اسٹیشن تک آ گئے تھے۔

''یہ لو'' عباد نے وہاں پہنچ کر اپنے ہاتھ میں موجود دو شاپنگ بیگز میں سے ایک اسے پکڑایا۔

''کیا ہے اس میں؟'' شاپنگ بیگ اس کے ہاتھ سے لیتے اس نے پوچھا بھی اور ساتھ ہی اندر جھانکا بھی۔ وہ قدیم مصری آرکیٹیکچر پر وہ کتاب تھی جو وہ ابھی کچھ دیر پہلے بک سٹور میں دلچسپی اور محویت سے دیکھتی رہی تھی۔ اس کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ ابھری۔

''سنو! تم تو مجھ سے ناراض تھے؟''

''ناراض تھا نہیں، ناراض ہوں۔'' وہ بس اسٹاپ کی طرف جانے کے لئے اس کے پاس سے مڑنے لگا۔

''تمہاری ناراضی ایسی ہوتی ہے تو راضی ہونا کیسا ہوتا ہوگا عباد عذیر؟ ویسے تم ناراض ہو کس بات پر، دیر سے آئی اس بات پر یا میں نے اپنا ہاتھ جلایا اس بات پر؟'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب چلی آئی۔

''دونوں باتوں پر۔'' وہ اس کی مسکراہٹ نظر انداز کرتا سنجیدگی سے بولا۔ وہ بس اسٹاپ کی طرف جانے کے لئے قدم اٹھا رہا تھا۔

''بوسٹن سے میں تمہیں فون کروں گا۔ اگلے تین چار دن میں بہت بزی ہوں۔''

''کوئی بات نہیں میں کر لوں گی۔'' اس نے پیچھے سے زور سے کہا تاکہ آواز اس تک واضح پہنچ سکے۔

''کوئی ضرورت نہیں۔ وہاں مجھے بہت کام ہیں، میں ڈسٹرب ہوں گا۔''

مڑے بغیر اس نے آگے چلتے چلتے اس کی بات کا جواب دیا تھا۔ اسے خدا حافظ کہنے اور مڑ کر اس کی طرف دیکھنے کی اس نے زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ وہ بس اسٹاپ کی طرف چلا گیا تھا۔ بس اسٹاپ کی طرف جاتا دیکھتے، اس نے شاپنگ بیگ سے وہ کتاب نکالی۔ اس کتاب کو دیکھتے، اس کے ٹائٹل پر ہاتھ پھیرتے اس کے لبوں پر ایک دلفریب سی مسکراہٹ تھی۔ مسکراتے ہوئے اس نے کتاب کو کھولا، اس کے پہلے صفحے پر خوبصورت ہینڈ رائٹنگ میں لکھا تھا۔

''لاپروا لڑکی! میرے لئے ہی اپنی پروا کر لیا کرو۔ عابی!''

اس کے لبوں پر بکھری مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی تھی۔ وہ آئنمنٹ اور کتاب سنبھالے سب وے سٹیشن کی سیڑھیاں اتر رہی تھی تو اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ زمین پر نہیں آسمان پر چل رہی ہے۔ اسے خود اپنا آپ اتنا اہم، اتنا خاص لگ رہا تھا۔



رات وہ اس کی تحفے میں دی اس کتاب کو پڑھ رہی تھی جب ڈیڑھ بجے کے قریب اس کا فون آ گیا۔ وہ بوسٹن میں بہت مصروف ہوگا، لہٰذا وہ اسے فون نہیں کرے گا اور وہ بھی اسے ہرگز فون نہ کرے، کا حکم صادر کر کے جانے کے بعد وہ اسے پہلی رات ہی فون کر رہا تھا۔

''تمہارا ہاتھ کیسا ہے؟'' اس نے ہیلو کے بعد ہنیا سے اگلی بات یہی پوچھی تھی۔ گویا فون ہوا ہی اس کی خیریت معلوم کرنے کے لئے تھا۔

''ہاتھ میں بہت تکلیف ہے عابی۔'' مسکراہٹ لبوں پر روکتے وہ انتہائی سنجیدگی سے بولی۔ وہ اس کی مسکراہٹ کو محسوس نہیں کر سکا تھا، اس لئے یکدم تشویش سے کہنے لگا۔

''تم نے آئنمنٹ نہیں لگایا ہوگا، مجھے پکا یقین ہے۔'' اس کے لہجے میں کچھ برہمی بھی در آئی تھی جیسے اس کی لاپروائی سے تنگ آ گیا ہو۔

''آئنمنٹ بھی لگایا، ڈاکٹر کو بھی دکھایا۔ ڈاکٹر کہہ رہا تھا آپ کا ہاتھ تو بہت خطرناک جلا ہے، اس کا تو لمبا علاج چلے گا، شاید سرجری کرنی پڑے۔''

''ویری فنی!'' وہ اس کے مذاق پر چڑ کر بولا۔

''تم میرا معمولی سا ہاتھ جلنے پر اتنا پریشان ہو رہے ہو، اگر کبھی میں واقعی بیمار پڑ جاؤں تو کیا کرو گے؟''

''میں تمہیں بیمار پڑنے نہیں دوں گا۔'' سنجیدگی و خفگی ترک کر کے اس بار وہ مسکراتے انداز میں بولا۔

''تم سب کی اتنی پروا کرتے ہو یا مجھ میں کچھ اسپیشل ہے؟''

''کیا دل چاہ رہا ہے سننے کو؟'' کیا مجھ سے پھر یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ مجھے تم سے بہت محبت ہے۔'' کیا حرج ہے پھر سے کہہ دینے میں۔ ایسی بات تو جتنی بار بھی کہہ دی جائے، دل کو اچھی لگتی ہے۔''

''او کے۔ تو ہنیا سجاد! مجھے تم سے بہت محبت ہے اور جن سے مجھے بہت محبت ہوتی ہے، میں انہیں تکلیف میں دیکھ نہیں سکتا۔'' ''اور ان لوگوں میں کون کون شامل ہے۔ میرا مطلب ہے یہ فہرست کتنی طویل ہے؟''

''انتہائی مختصر۔ مما، پاپا اور تم۔'' وہ اسے اپنے ماں، باپ کے بعد اپنی زندگی کا سب سے اہم فرد کہہ رہا تھا اور صرف کہہ نہیں رہا تھا۔ بلکہ اس کا ردعمل اور اس کے رویے اس بات کو ثابت بھی کر رہے تھے۔

''بک بہت اچھی ہے عابی! تھینک یو۔''

''تمہیں اچھی لگ رہی تھی، اسی لئے لی تھی۔''

''مجھے جو جو چیز اچھی لگا کرے گی، خرید کر دیا کرو گے؟'' اس نے شرارت بھرے انداز میں پوچھا۔

''ہاں، ہر وہ چیز جو میری دسترس میں ہوگی۔'' وہ سنجیدہ اور مستحکم لہجے میں بولا۔

گھڑی کی طرف اچانک اس کی نظر پڑی تو خیال آیا کہ اب گفتگو ختم کر دینی چاہئے۔ وہ یقیناً بہت تھکا ہوا بھی ہے اور اسے کچھ دیر آرام کر لینا چاہئے پھر وہاں اس کی بہت زیادہ مصروفیات ہیں۔ اس نے اس سے یہ بات کہہ دی۔

''نہیں! ابھی نہیں۔ ابھی کچھ دیر اور بات کرو۔'' اس سے باتیں کرتے کرتے اسے نیند آنی شروع ہو گئی تھی۔

''عابی! مجھے نیند آرہی ہے۔'' جمائیاں روکتے اور بند ہوتی آنکھوں کو کھولتے اس نے اس سے کہا۔

''تو سو جاؤ۔'' اس کے اس جواب پر اسے یک لخت یہ احساس ہوا کہ اتنی دیر سے اس کے سونے ہی کا منتظر تھا، وہ سو جائے گی، تب وہ فون بند کرے گا۔ اس کے لبوں پر بے ساختہ گہری مسکراہٹ بکھری۔ بات کتنی رومانٹک تھی، کتنی سویٹ سی تھی۔ وہ کیتھی کو بتائے تو وہ یقین نہ کرے، بلکہ اس کی کوئی بھی دوست یقین نہ کرے۔

''آج ایک بات تو کنفرم ہوگئی عباد عذیر! کہ تم اگر چاہو تو بھی مجھ سے ناراض ہونا تو کیا ناراض ہونے کی اداکاری تک نہیں کر سکتے۔'' آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے عباد سے مسکرا کر کہا۔ وہ جواباً کیا کہہ رہا تھا اسے ٹھیک سے سمجھ میں نہیں آرہا تھا، وہ واقعی سونے لگی تھی۔

☆

''میں وہاں بہت مصروف ہوں گا اور ایک بار بھی فون نہیں کروں گا۔'' کا زبانی اعلان کرنے کے بعد اب وہ اسے کال روزانہ کر رہا تھا۔

''آج تم نے میرے ہاتھ کی خیریت تو پوچھی نہیں؟'' تیسرے روز رات میں جب بات ہوئی تب اس نے عباد سے کہا۔ اسے اس کا فکر کرنا اچھا بھی لگتا تھا اور ہنسی بھی آتی تھی۔

''اڑا لو مذاق۔''

''مذاق نہیں اڑا رہی، تمہیں یاد دلا رہی ہوں۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''تمہیں قدر ہی نہیں ہے میری محبت کی۔'' وہ کچھ خفگی سے بولا۔

''قدر تو بہت ہے۔ مگر میں یہ سوچ رہی ہوں کہ تم اتنی سی بات پر اتنا پریشان ہوگئے تھے اور اگر کبھی میں زیادہ بیمار ہوگئی تو کیا کرو گے؟''

''یار! میں کیا کروں۔ I cant help it. میں ایسا ہی ہوں۔ مما کہتی ہیں ''عابی! تم اتنا پریشان ہو جاتے ہو کہ تمہارے ڈر سے اکثر بیماری مجھے چھپانی پڑتی ہے۔ مجھے بے وقت لیٹا دیکھ لو تو پریشان ہو جاتے ہو، مجھے معمولی نزلہ، بخار ہو جائے تو ٹینشن سر پر سوار کر لیتے ہو، پڑھنی میں کیا کروں یار! میں ایسا جان کر نہیں کرتا۔ جن لوگوں سے مجھے شدید محبت ہے، میں انہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا، میں انہیں معمولی سا بیمار بھی نہیں دیکھ سکتا۔ پاپا کا چند سال پہلے ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، تب میں ان کے سرہانے سے ہٹتا نہ تھا۔ یونیورسٹی، دوست، پڑھائی، زندگی مجھے کچھ اچھا نہ لگتا تھا۔ پاپا کہتے تھے۔ میں ان جیسے بہادر آدمی کا بیٹا لگتا ہی نہیں ہوں۔''

وہ سنجیدگی سے اپنی ایک کمزوری کا جیسے اعتراف کرنے لگا۔

''عابی! تم بہت اچھے ہو۔ یو آر سو سویٹ اپنی عمر کے دوسرے لڑکوں سے بہت مختلف۔ تمہاری عمر کا کوئی لڑکا میں نے تمہارے جیسا نہیں دیکھا۔ اتنا سینسٹو اتنا لونگ اور اتنا کیئرنگ تمہارے ماما پاپا بہت لکی ہیں کہ ان کا تمہارے جیسا چاہنے والا بیٹا ہے۔''

''اور تم لکی نہیں ہو؟'' اس کی سچائی سے کی تعریف کے جواب میں اس نے بے ساختہ پوچھا۔

''صرف لکی نہیں میں Lukiest گرل ہوں (خوش قسمت ترین لڑکی) ہوں اس دنیا کی۔''

''تھینکس تھینکس، آج کے لئے اتنی تعریفیں کافی ہیں۔ میں آسمان پر چڑھنے لگا ہوں۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''سنو، تم واپس کب آؤ گے؟'' کچھ دیر بعد جب اسے نیند آنے لگی تھی تب آنکھیں بند کرنے سے پہلے اس نے عباد سے پوچھا۔

''ایک دو دن میں، انشاءاللہ۔''

''جلدی آؤ۔ میں تمہیں بہت مس کر رہی ہوں۔''

''مس! لیکن ہم روز تو بات کر رہے ہیں۔''

''روز تمہیں دیکھ تو نہیں رہی۔''

''تم اپنی آنکھیں بند کرو، میں تمہیں تمہارے سامنے نظر آؤں گا۔''

اس نے آنکھیں بند کیں اور وہ واقعی اسے اپنے بالکل سامنے نظر آنے لگا۔ اپنی خوبصورت ڈمپل والی مسکراہٹ لئے۔

''آیا نظر۔'' اس کی آنکھیں بند تھیں اور آہستہ آہستہ وہ غنودگی میں بھی جا رہی تھی۔

''ہاں۔''

''یہ میرا بہت آزمایا ہوا اور کامیاب طریقہ ہے۔ مما، پاپا جب کبھی بہت زیادہ یاد آتے ہیں تو میں کسی پرسکون اور خاموش سی جگہ جا کر آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاتا ہوں یا لیٹ جاتا ہوں اور وہیں مما، پاپا میری نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں۔ تمہارے لئے اب تک تو کبھی ایسا کیا نہیں تھا، مگر آج کل کرنے لگا ہوں۔''

وہ اس سے اسی بات پر بھی کچھ کہنا چاہتی تھی، پوچھنا چاہتی تھی مگر نیند کے غلبے نے اسے مزید بولنے نہ دیا تھا۔

☆

"Thanksgiving" کی چھٹیاں آ رہی تھیں اور عباد لوٹا نہیں تھا۔ تین چار دنوں کے لئے گیا تھا اور ہو گئے تھے سات دن۔ وہ اسے بے تحاشا مس کر رہی تھی۔ فون پر بات روز ہو رہی تھی مگر فون اس کی موجودگی کا نعم البدل تو نہیں ہو سکتا تھا۔ اور اس روز تو اس کی عباد سے سرے سے بات ہی نہیں ہو سکی تھی۔ عباد کا فون آیا نہیں تھا اور اس نے فون کیا تو سیل آف ملا تھا۔ اگلے روز ''تھینکس گیونگ ڈے'' تھا۔

چھٹی کا دن تھا اور وہ رات بھر اسے شدت سے یاد کرتی رہی تھی۔ اس کی خیریت کے لئے متفکر بھی ہوتی رہی تھی۔ اس کا فون کیوں نہیں آیا تھا۔ آخر ایسی کیا مصروفیت آ گئی تھی جو اس نے اپنا سیل بھی آف کیا ہوا تھا۔ بوسٹن میں اس کا عباد سے رابطہ اس کے سیل پر ہی ہوتا تھا، جس جگہ وہ ٹھہرا تھا، وہاں کا نمبر اس کے پاس نہ تھا اور اب اسے رہ رہ کر اپنی اس غلطی کا شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ وہاں کا فون نمبر کیوں نہیں لیا۔

''یا اللہ! عباد بالکل خیریت سے ہو، وہ وہاں بالکل ٹھیک ہو۔''

پریشان ہوتے اور ساتھ ہی اس کی خیریت کی دعائیں مانگتے صبح چار ساڑھے چار بجے کہیں اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ وہ بہت گہری نیند سو رہی تھی جب سوتے سوتے اسے یوں لگا جیسے عباد اس کے پاس آیا ہے۔ وہ بہت گہری نیند میں تھی، مگر اس احساس نے اس کی نیند کو پل دو پل کے لئے توڑا تھا۔ نیند سے بوجھل، مندی مندی آنکھیں کھول کر اس نے اپنے اردگرد دیکھا، اس کا کمرہ خالی تھا۔ مکمل اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں دوبارہ بند ہو گئی تھیں، وہ پھر سو گئی تھی۔ اس بار وہ پتا نہیں کتنی دیر سوئی تھی، جب اس کی آنکھ کسی کے باتیں کرنے اور ہنسنے کی آوازوں سے کھلی۔ ان کے بڑے سے پینٹ ہاؤس میں وہ زندگی سے بھرپور آواز اور ہنسی اسے مدھم سی اپنے کمرے تک سنائی دے رہی تھی۔

''عابی!'' وہ یک دم بیڈ پر سے اٹھی۔

باتھ روم جانا، منہ ہاتھ دھونا، لباس تبدیل کرنا، بال باندھ لینا ان میں سے کسی ایک بھی بات کا اسے دھیان نہیں آ رہا تھا۔'' اس نے کاٹن کا سفید رنگ کا سلیپنگ ڈریس پہن رکھا تھا جس کی قمیص اور ٹراؤزر پر سرخ سرخ رنگ کی خوب ساری اسٹرابیریز بنی تھیں۔ یہ اس کا فیورٹ سلیپنگ سوٹ تھا اور اس میں وہ اپنی عمر سے کہیں چھوٹی بالکل اسکول کی بچی نظر آتی تھی۔ اس کے خوبصورت انداز میں کٹے بال اس وقت اس کے شانوں اور ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے اور وہ آنکھیں ملتی بیڈ سے اٹھ کر سیدھی اپنے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

باتوں کی آواز اور کچھ پکنے کی خوشبوئیں کچن سے آ رہی تھیں۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی کچن کی طرف آئی۔ وہ اسے دروازے کے باہر ہی سے نظر آ گیا تھا۔ کل رات وہ اس کے لئے اتنی فکرمند، اتنی پریشان رہی تھی کہ اس وقت اسے اپنے سامنے موجود دیکھ کر اس کا دل چاہا کہ وہ بھاگتی ہوئی جائے اور اس کے سینے سے لگ جائے۔ مگر وہ جانتی تھی عباد اس بات کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ وہ دونوں ساتھ کہیں باہر جاتے، ان کے اردگرد دوسرے کپلز کیا کیا کچھ نہیں کر رہے ہوتے تھے اور وہ باتیں کرتے کرتے اگر کبھی اتفاقاً عباد کا ہاتھ تھام لیتی تو وہ چند منٹوں کے بعد ایسے کہ وہ برا بھی محسوس نہ کرے، اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے الگ کر لیا کرتا تھا۔ اس معاملے میں اتنا زیادہ مشرقی اور شرمیلا قسم کا تھا کہ نہ لوگوں میں نہ اکیلے میں کبھی بے وجہ اس کا ہاتھ تک نہ تھامتا تھا۔ خود کو خوشی اور ایکسائٹمنٹ کے کسی بے ساختہ اظہار سے روکتے وہ کچن کے دروازے پر رک گئی تھی۔

''عابی؟'' عباد اور ماما جانی دونوں کچن میں موجود تھے۔ وہ دونوں کوکنگ رینج کے آگے کھڑے کچھ کر رہے تھے۔ کچن سے زبردست قسم کی

کھانوں کی خوشبوئیں آ رہی تھیں۔ اس کی آواز پر عباد اور ماما جانی دونوں نے گردن گھما کر اسے دیکھا تھا۔ اس کے حلیئے کو دیکھ کر عباد کے چہرے پر مسکراہٹ اور ماما جانی کے چہرے پر ناگواری پھیلی تھی۔

عباد کو وہ اس سوئے سوئے انداز، الجھے بکھرے بالوں اور ڈھیلے ڈھالے بچکانہ سے لباس میں جس میں ہنیا سجاد جیسی دو دبلی پتلی لڑکیاں با آسانی سما سکتی تھیں بڑی پیاری، بہت سویٹ اور بڑی کیوٹ لگی تھی، جب کہ ماما جانی نے اس کے حلیئے کو دیکھ کر اپنا سر پیٹ لیا تھا۔ اس فضول حلیئے میں وہ عباد کے سامنے آ رہی ہے، کہ کوئی معقول آدمی تو ایسی مست ملنگ لڑکی سے شادی سے اسی لمحے ہی انکار کر دے۔

''آیئے ہنیا سجاد۔ آیئے۔'' عباد نے اسی کے گھر میں اس کا خیر مقدم کیا۔

''تم کب آئے؟''

''جب لوگ ہاتھی گھوڑے سب بیچ کر سو رہے تھے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ وہ ماما جانی کے گھورنے کے باوجود کچن میں اندر آ گئی۔ اپنے بکھرے بالوں کو ہاتھ سے سمیٹتے ہوئے۔

''دیکھیں ماما جانی! یہ والی تو میں نے صحیح تلی ہے ناں؟''

ماما جانی نے پیڑا اٹھا کر اسے بیلنے کی تیاری کرتے نظریں اٹھا کر برنر پر رکھی کڑھائی کو دیکھا جس میں پوریاں تلی جا رہی تھیں۔ وہ بیل بیل کر پوریاں کڑھائی میں ڈال رہی تھیں اور عباد انہیں چھلنی والے اسٹیل کے چمچے سے خوب دبا دبا کر تلنے میں مصروف تھا۔

''ہاں یہ بالکل ٹھیک ہیں۔ پہلی والی تھوڑی کم سنکی معلوم ہو رہی تھیں۔'' وہ ان دونوں کے بالکل قریب چلی آئی تھی۔

''ہنیا! پہلے منہ ہاتھ دھو آؤ بیٹا۔'' ماما جانی نے دانت پیستے بظاہر نرم انداز میں پوتی کو مخاطب کیا۔ اپنے گھورنے کا کچھ اثر نہ ہوتا دیکھ کر آخر کار انہیں یہ بات بولنی ہی پڑ گئی تھی۔ عباد نے پوریاں تلنا روک کر ایک نظر ماما جانی کو اور پھر ایک نظر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر شرارت بھرے تاثرات تھے اور وہ لب بھینچ کر اپنی مسکراہٹ کو دبا رہا تھا۔

''ہاں تب تک میں اور ماما جانی ہمارا آج کا یہ اسپیشل ناشتہ بھی تیار کر چکے ہوں گے۔ حلوہ پوری بمعہ آلو کی ترکاری اور کھڑے مسالے کا زبردست اور چٹ پٹا قیمہ۔''

کسی ریسٹورنٹ کے شیف کی طرح اس نے اسے مینیو بتایا۔ صبح صبح اٹھنے کے ساتھ ہی اسے اپنے سامنے دیکھنے کی خوشی، حیرت، ایکسائٹمنٹ ان سب کو ساتھ لئے وہ واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ اس نے نہانے اور لباس تبدیل کرنے میں سات آٹھ منٹ سے زیادہ وقت نہیں لگایا تھا۔ وہ واپس کچن میں آئی اور ان دونوں کے پاس آ کر کھڑی ہوئی تو عباد فوراً بولا۔

''یہ مہمان بن کر کھڑے ہونے کی نہیں ہو رہی۔ جلدی جلدی برتن لگاؤ ڈائننگ ٹیبل پر۔ گیارہ بج گئے ہیں اور اب مجھے اور ماما جانی کو شدید بھوک لگ رہی ہے۔ تمہاری طرح پونے گیارہ بجے سو کر نہیں اٹھے ہیں بلکہ صبح سویرے کے جاگے ہوئے ہیں۔''

ہنیا نے میز پر برتن پہنچائے اور ٹیبل سیٹ کرنا شروع کر دی تھی جبکہ ماما جانی اور عباد جلدی جلدی پوریاں تل تل کر ہاٹ پوٹ بھرنے میں

مصروف تھے۔ وہ کھانا اچھا پکا لیتا ہے، یہ ہنیا کو پتا تھا۔ عباد نے خود ہی اسے بتایا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اس کا کلنگ کا ہنر صحیح معنوں میں تو امریکہ آ کر نکھرا ہے، یہاں آ کر اکیلے رہنا پڑا اور سب کام خود کرنے پڑے تو کھانا پکانا اور بھی اچھا آ گیا مگر امریکہ آنے سے پہلے وہ پاکستان میں بھی ہلکی پھلکی کلنگ شوقیہ کر لیا کرتا تھا۔ وہ صرف کھانے کا نہیں پکانے کا بھی شوقین تھا۔ وہ جب کراچی میں تھا تو اکثر اپنے مما، پاپا کو اپنے ہاتھوں سے ناشتا بنا کر کھلاتا تھا۔ وہ نیویارک آنے سے پہلے اپنی ماما سے ڈھیر ساری ریسپیز ایک ڈائری میں نوٹ کروا کر لایا تھا۔ وہ اپنی مما کی ریسپیز کو ٹرائی کرتا اب خاصا اچھا کک بن گیا تھا۔

''روزانہ نہ باہر کا کھانا کھا سکتے ہیں جبکہ حلال حرام کا بھی مسئلہ ہے اور نہ ہی روز ہمیں کوئی کھانے پر بلا سکتا ہے تو بہتر یہی ہے خود پکانا سیکھ لیا جائے۔''

اکثر رات میں بات ہونے پر جب عباد سے پوچھتی کہ آج رات کے کھانے میں اس نے کیا کھایا تو وہ اپنے کچھ نہ کچھ پکانے کا ذکر کرتے اس سے یہ بات کہتا تھا۔ کئی مرتبہ بات کرتے ایسا ہوتا کہ گفتگو کے درمیان عباد اسے ہولڈ کروا کر جاتا۔

''میں ذرا سبزی میں چمچہ چلا آؤں یا میں ذرا دال میں بگھار لگا آؤں۔''

لہٰذا اسے اتنی مہارت سے کھانا پکاتے دیکھ کر حیران نہیں ہو رہی تھی مگر ماما جانی کو شاید یہ بات آج پہلی بار پتہ چلی تھی اس لئے خوش ہونے کے ساتھ تھوڑی حیران بھی تھی۔ حیرانی اس کی مہارت پر تھی ورنہ پڑھنے کے لئے باہر آئے لڑکے جب سر پر پڑتی ہے تو مارے باندھے کچن کا رخ کرتے ہی ہیں۔ اپنا کھانا بھی خود پکاتے ہی ہیں۔

ناشتا سارا لگ چکا تھا اور وہ لوگ ڈائننگ ٹیبل پر آ کر بیٹھ گئے تھے۔ اسے حلوہ پوری اتنی زیادہ پسند نہیں تھی جتنی عباد اور ماما جانی کو۔ وہ دونوں تو خوب مزے لے لے کر تمام چیزیں کھا رہے تھے۔ جبکہ وہ سدا کی ڈائٹ کونشس، یہ سوچ رہی تھی کہ ڈھیر سارے گھی میں تلی یہ پوریاں اور اصلی گھی اور مکھن اور پتہ نہیں کیا کیا ڈال کر بنایا گیا سوجی کا حلوہ کھا کر اس کا وزن کہاں پہنچے گا۔ ''نہیں ہو رہیں تم موٹی، ڈھنگ سے کھاؤ۔'' عباد نے اس کی پلیٹ میں ایک پوری مزید ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

''یہ دیکھو، عباد میرے لئے لایا ہے۔'' ماما جانی نے سامنے صوفے پر رکھا ایک شاپنگ بیگ اسے اشارے سے دکھایا۔ وہ ایکسائٹڈ سی اٹھ کر گئی اور شاپنگ بیگ اٹھا کر دیکھا۔ اس میں ماما جانی کے لئے ایک اسکارف تھا، پرفیوم تھا اور سوئس چاکلیٹس کا ایک پورا ڈبہ تھا۔ وہ ان چیزوں کو دیکھ کر مسکرائی۔ وہ ماما جانی کی پسند کے عین مطابق چیزیں ان کے لئے لے کر آیا تھا۔

''تم آئے کب تھے؟'' وہ واپس کرسی پر بیٹھ گئی۔

''آج صبح چھ بجے میں نیویارک پہنچا ہوں۔ گھر پر سامان رکھا، نہایا، کپڑے بدلے، تھوڑی دیر وقت گزرنے کا انتظار کیا۔ چھٹی کا یہ دن میرا اکیلے گزارنے کا ہرگز کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں راستے میں ہی سوچتا ہوا آیا تھا کہ تم لوگوں کے ہاں آ جاؤں گا۔ تب میں نے سوچا تم اٹھی ہو نہ اٹھی ہو، ماما جانی تو اب تک ضرور اٹھ چکی ہوں گی تو پھر بس فوراً یہاں چلا آیا۔ تم سو رہی تھیں اور میں اور ماما جانی بور ہو رہے تھے تو میں نے ان سے کہا۔ چلیں ہم کچھ پکا لیتے ہیں۔ اب Thanksgiving ہمارا تھوڑی ہے کہ ہم ٹرکی بنانے کھڑے ہوں۔ ہم تو اپنے دیسی کھانے بنائیں گے۔''

عباد نے اسے مفصل جواب دیا۔

''ناشتہ ہوگیا ہے ختم۔ اب میرا آج کے دن کا پروگرام سن لیں آپ لوگ۔ ہم تینوں آج کا یہ پورا دن کہیں باہر گھومتے پھرتے گزاریں گے۔ اور ماما جانی، آپ بالکل بھی منع نہیں کریں گی۔ آپ کو اکیلا چھوڑ کر میں اور ہنیا کہیں نہیں جائیں گے۔''

ماما جانی کے انکار کے لئے کھلتے لب دیکھتے ہی عباد نے فوراً کہا تھا۔

''آپ جلدی سے تیار ہوکر آجائیں۔ ہنیا تو میرا خیال ہے تیار ہی ہے۔''

انہیں ساتھ لے جانے پر زبردستی آمادہ کرلینے کے بعد اس نے ان سے کہا۔ وہ ان کا اتنا فیورٹ تھا کہ وہ اسے ناراض کر نہیں سکتی تھیں سو تیار ہونے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ اب ڈائننگ ٹیبل پر وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ماما جانی کے سامنے اس سے اس طرح بات نہیں کر پا رہی تھی جیسے کرنا چاہتی تھی اگرچہ کہ بیٹھی ہوئی تو اس کی برابر والی کرسی پر ہی تھی۔

ان کے چلے جانے کے بعد اس نے عباد کو بغور دیکھا۔ وہ بھی اسی کو دیکھ رہا تھا۔

''کیسی ہو؟''

''تم نے کل فون کیوں نہیں کیا، میں اتنی پریشان ہو رہی تھی۔ اوپر سے سیل بھی آف۔'' اس کی خیریت کا جواب دیئے بغیر اس نے پوچھا۔

''میں نے سوچا، جب صبح یہاں پہنچ ہی رہا ہوں تو فون کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے پتا ہے، کل ہی پروگرام بنالیا تھا کہ آج آتے ہی صبح صبح تمہارے ہاں پہنچ جاؤں گا۔''

وہ خوشگوار لہجے میں اسے بتا رہا تھا مگر وہ یکدم ہی برہمی سے بولی۔

''واہ! یہ اچھا ہے۔ تم نے وہاں بیٹھے خود ہی سب کچھ سوچ لیا، فیصلہ کرلیا اور میں جو یہاں ساری رات پریشان ہوتی رہی ہوں۔''

''پریشان؟ لیکن کیوں؟ میرا فون نہیں آیا اس بات پر۔'' وہ اس کی حیرانی مزید بڑھ گئی۔

''جی اسی معمولی بات پر۔ خون خشک ہوگیا میرا پریشان ہو ہو کر۔ دل میں اتنے برے برے خیال آرہے تھے۔ خود فون نہیں کیا تو نہیں کیا، آخر سیل کس خوشی میں آف رکھا ہوا تھا۔'' وہ اس بار حیران ہونے کے بجائے مسکرایا تھا۔ ''تمہارے اس طرح لڑنے سے پتا ہے کیا لگ رہا ہے؟ ایسا لگ رہا ہے ہماری شادی کو دس پندرہ سال تو ضرور ہو ہی چکے ہیں۔'' وہ اسے چھیڑ رہا تھا مگر وہ منہ پھلائے اسے گھور رہی تھی۔

''اوکے۔ غلطی میری ہے، مجھے فون کردینا چاہئے تھا۔ پر مائی ڈیئر مس ہنیا سجاد! مجھے یہ پتہ نہیں تھا کہ آپ میرے فون نہ کرنے سے پریشان ہو رہی ہوں گی۔''

''ہاں۔ پریشان ہونے کا سارا حق تو بس صرف تمہیں ہے۔ میرا ذرا سا ہاتھ جلا تھا تو خود نے اس قدر واویلا مچایا تھا اور میں دوسرے شہر گئے ایک بندے کے لئے جس کی کوئی خیر خبر، کوئی اطلاع مجھ تک نہیں پہنچ رہی، پریشان ہوں تو میرا مذاق اڑایا جائے گا۔'' عباد نے بات تو کوئی ایسی نہیں کہی تھی جس پر وہ رو پڑے مگر بولتے بولتے ایک دم ہی اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں، آواز بھی بھرا گئی تھی۔

''ارے، ارے۔'' اچھا میری غلطی ہے۔ آئم سوری۔ آئم ایکسٹریملی سوری۔'' وہ بری طرح بوکھلا گیا تھا۔

''رونا مت، دیکھو پلیز رونا مت۔ تم اپنے اسٹرابریز والے سلیپنگ ڈریس میں بغیر منہ دھوئے اچھی لگ سکتی ہو مگر روتے ہوئے بالکل اچھی نہیں لگو گی۔''

وہ شرارت بھرے لہجے میں بولتا اسے ہنسانا چاہتا تھا مگر وہ بجائے ہنسنے کے رو پڑی تھی۔

''کل تمہارا فون نہیں آیا تو میں پریشان ہو گئی تھی۔ میں تمہارے لئے بہت پریشان ہو گئی تھی عابی! مجھے خود پر غصہ آ رہا تھا تم جہاں بھی ہو، میں نے تم سے وہاں کا نمبر نہیں لیا۔'' وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر رو رہی تھی۔

''آئم سوری۔'' اس بار وہ سنجیدگی سے معذرت کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر نہ شرارت تھی نہ ہنسی۔

اس نے اسے رونے سے بھی منع نہیں کیا تھا، اسے خود ہی ایک دو منٹ بعد جب دل ذرا ہلکا ہوتا محسوس ہوا تو یہ احساس ہوا تھا کہ عباد کا مذاق اڑاتے اڑاتے وہ خود بھی اسی جیسی ہوتی جا رہی ہے۔ ایک دن اس کا فون نہ آنے کی اس کی اتنی معمولی سی بات کو ایشو بنا کے اس پر آنسوؤں کے دریا بہائے جائیں گے۔

''سوری۔ میں نے کچھ اوور ری ایکٹ کیا ہے۔'' اس کے کندھے پر سے سر اٹھا کر شرمندہ سی آواز میں اس نے کہا۔

''لگتا ہے، میں بھی تمہارے جیسی ہوتی جا رہی ہوں۔'' وہ نظریں جھکائے شرمندہ آواز میں کہہ رہی تھی۔

''تم میرا ہاتھ جلنے پر پریشان ہو رہے تھے، بوسٹن سے فون کر کر کے میری خیریت پوچھ رہے تھے تو میں تم پر ہنس رہی تھی اور اب حرکتیں خود بھی ویسی ہی کر رہی ہوں۔''

''یہ تو اچھی بات ہے ناں ہنی! ذرا سوچا ہماری لائف کتنی انٹرسٹنگ ہو گی تم میرے لئے پریشان ہوا کرنا، میں تمہارے لئے پریشان ہوا کروں گا۔ بس ماما، پاپا کے لئے تھوڑی مشکل ہو جائے گی، پہلے صرف بیٹے کا بات بات پر پریشان ہونا اور ٹینشن لینا برداشت کیا کرتے تھے۔ اب خیر سے بہو بھی ایسی ہی مل جائے گی تو سونے پہ سہاگا ہو جائے گا۔''

''میں تمہیں بہت مس کر رہی تھی، تین چار دنوں کا کہہ کر گئے تھے اور سات دن لگا دیئے۔ اوپر سے کل جب تمہارا فون نہیں آیا تو میرا دل اتنا پریشان ہونے لگا تھا، اتنا گھبرا رہا تھا۔''

''ہم زبانی دعویٰ نہیں کرتے کہ تمہیں مس کر رہے تھے۔ ہم تو جناب ثبوت بہم پہنچانے صبح آتے کے ساتھ ہی خود بنفس نفیس آپ کے گھر پہنچ گئے ہیں، اس وقت جب ابھی محترمہ خواب غفلت سے بیدار بھی نہ ہوئی تھیں۔''

''تم نے آ کر مجھے اٹھایا کیوں نہیں؟'' وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کے متبسم چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''میں آتے ہی ماما جانی سے سلام دعا کے بعد تمہارے کمرے میں آیا تھا، مگر تم اتنی گہری نیند سو رہی تھی، میرا تمہیں جگانے کو دل نہیں چاہا۔ میں نے سوچا چلو محترمہ کو کچھ دیر اور سونے دیتے ہیں۔''

وہ عباد کے اس جواب پر حیران رہ گئی تھی۔ اسے صبح کسی وقت کی اپنی وہ کیفیت، وہ احساس یک دم یاد آیا تھا جب گہری نیند میں اسے اپنے قریب عباد کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ ''تم میرے کمرے میں آئے تھے؟ واقعی؟''

''ہاں۔ اس میں اتنی حیرانی کی کیا بات ہے۔ بس دروازے سے ذرا سا اندر آیا تھا، ایک آدھ سیکنڈ وہاں رک کر یہ فیصلہ کرتا رہا کہ تمہیں اٹھا دوں یا سویا رہنے دوں۔ ایک دل چاہ رہا تھا فوراً اٹھا کر بٹھا دوں اور دیکھوں مجھے اچانک سامنے دیکھ کر تم کیسے ری ایکٹ کرو گی اور ایک دل تمہیں اتنی گہری نیند سے اٹھانے کو بالکل نہیں چاہ رہا تھا۔''

اس نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

''میں تمہیں ایک بہت عجیب سی بات بتاؤں عابی؟ تم یقین نہیں کرو گے، مجھے خود بھی یقین نہیں آ رہا ابھی تک۔ آج صبح مجھے وقت نہیں پتہ مگر گہری نیند میں مجھے ایسا لگا تھا جیسے تم آئے ہو۔ میں اتنی گہری نیند سو رہی تھی اور اسی نیند میں مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ تم میرے قریب کہیں موجود ہو۔ میری آنکھ کھل گئی تھی عابی! سنو کیا تم نے مجھے آواز دی تھی، کیا کمرے میں کوئی شور ہوا تھا۔ کیا تم نے مجھے ہلا کر یا آواز دے کر اٹھانے کی کوشش کی تھی؟'' عباد بھی اسے حیرت ہی سے دیکھ رہا تھا۔

''نہیں۔ میں تو تمہیں اتنی گہری نیند میں دیکھ کر دروزے سے بس ذرا سا اندر آیا تھا اور پھر وہیں سے پلٹ گیا تھا۔ اُف میرے خدایا ہنی! لگتا ہے تمہیں مجھ سے واقعی سچی محبت ہو گئی ہے۔'' جملے کا آغاز سنجیدگی سے کرنے کے بعد وہ اختتام پر پھر اپنے انداز پر لوٹ گیا تھا۔

''بدتمیزی مت کرو۔'' شرمانے درمانے کے شوق میں ہرگز مبتلا نہ ہونے کے باوجود وہ کچھ جھینپ گئی تھی۔ اس لئے فوراً بات بدلتے ہوئے اس سے بولی۔

''تم میرے لئے کچھ نہیں لائے؟''

''میں عباد عذیر پورا کا پورا ثابت سالم جو تمہارے لئے آ گیا ہوں۔ اتنے شاندار تحفے کے بعد کسی اور تحفے کی ضرورت ہے؟''

''باتیں بنانے کی نہیں ہو رہی ہے، کچھ نہیں لائے تو صاف صاف بتا دو نہیں لایا، فضول میں یہ ڈائیلاگز کیوں بول رہے ہو۔''

وہ کرسی پر سے اٹھ گئی تھی۔ ماما جانی تیار ہو کر آنے والی ہوں گی، وہ ان کے آنے سے قبل ناشتے کی میز سمیٹ دینا چاہتی تھی۔

وہ پورا دن ان تینوں نے ایک ساتھ گزارا تھا۔ چھٹی کا دن تھا، تہوار کا موقع تھا، اس لئے باہر ہر طرف خوب گہما گہمی تھی۔ باہر سردی خوب تھی۔ نومبر کے مہینے میں اتنی شدید ٹھنڈ تھی، لگتا تھا اس سال نیویارک میں سردیاں ہر مرتبہ سے زیادہ شدید آنے والی تھیں۔ وہ لوگ عباد کی گاڑی میں گھومنے نکلے ہوئے تھے۔ شام سات بجے عباد نے انہیں ان کے اپارٹمنٹ ڈراپ کیا تھا۔

''یہ لو، تمہارے لئے۔''

عباد کو خدا حافظ کہہ کر وہ اور ماما جانی گاڑی سے اتریں، تب عباد نے ایک شاپنگ بیگ گاڑی کی ڈکی سے نکال کر اسے پکڑا یا۔ اس نے مسکراتے ہوئے وہ شاپنگ بیگ اس سے لے لیا۔ اسے پہلے ہی پتا تھا وہ یونہی بول رہا ہے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ عابد عذیر، ہنیا سجاد کے لئے کچھ لئے

بغیر یونہی خالی ہاتھ آ گیا ہو۔ وہ ایک ویل آف فیملی سے تعلق رکھتی تھی۔ نیویارک کے جس علاقے میں جس پر آسائش اور شاندار پینٹ ہاؤس میں وہ اور ماما جانی رہ رہی تھیں اسے دیکھ کر ہی کوئی بھی ان کی مالی پوزیشن کا ایک لمحے میں اندازہ لگا سکتا تھا۔

اس کے پاپا نیویارک میں ایک کامیاب لائر رہے تھے، ایک بہترین فرم میں پارٹنر تھے اور وہ اس کے اور ماما جانی کے لئے اتنا کچھ چھوڑ کر گئے تھے کہ اگر وہ پڑھائی ختم ہونے کے بعد کوئی جاب نہ بھی کرتی تب بھی بڑی اچھی زندگی گزار سکتی تھی۔ جب اللہ نے مالی اعتبار سے اسے یہ خوشحالی دی ہوئی تھی تو وہ جب چاہتی اور جہاں سے چاہتی اپنے لئے کچھ بھی خرید سکتی تھی، مگر خود خریدی ہوئی چیزوں کے مقابلے میں اسے عباد کے تحفے میں دی اشیاء زیادہ پیاری لگا کرتی تھیں۔ جو کتاب عباد نے اسے خرید کر دی تھی، چاہتی تو وہ خود بھی کھڑے کھڑے خرید سکتی تھی مگر عباد کے خرید کر دینے سے وہ کتاب انمول ہو گئی تھی، بہت خاص، بہت اہم اور بہت پیاری ہو گئی تھی۔

عباد کے سامنے اس نے تھینک یو کہتے صرف شاپنگ بیگ کے اندر ذرا سا جھانکا تھا، اس میں کچھ کپڑوں ٹائپ کی چیز نظر آ رہی تھی۔ وہ اسے تسلی سے اوپر جا کر دیکھنا چاہتی تھی۔ اس نے اوپر آ کر دیکھا تو وہ ایک ماڈرن اسٹائل کا پاکستانی لباس تھا۔ ڈارک گرین ٹراؤزر، لائٹ گرین اونچی سی قمیص اور لائٹ گرین دوپٹہ قمیص اور دوپٹہ پر ڈارک گرین رنگ کے دھاگوں سے بڑی نفیس کڑھائی کی ہوئی تھی۔

اس کے پاس اس طرح کے جدید انداز و فیشن کے چند پاکستانی ملبوسات تھے جنہیں وہ عید، بقر عید وغیرہ پر یا یہاں مقیم پاکستانی کمیونٹی کا کوئی فنکشن وغیرہ ہوتا تو اس میں پہن کر جایا کرتی تھی مگر اتفاق سے اس نے ابھی تک کبھی عباد کے سامنے پاکستانی ڈریس نہیں پہنا تھا۔ عباد اس کے لئے یہ کپڑے لایا تھا یعنی وہ اسے اس لباس میں دیکھنا چاہتا تھا۔ اسے پاکستانی ملبوسات میں کچھ خاصی دلچسپی نہیں تھی پھر نیویارک کی شدید سردی میں پاکستانی لباس پہننا تھا بھی دل گردے کا کام مگر اب وہ سوچ رہی تھی کہ اسے اس طرح کے کپڑے پہننے کی عادت ڈال لینی چاہئے۔ ہر وقت نہ سہی تو کم از کم جب عباد سے ملتی ہے تو تب تو ضرور اسی طرح کے لباس پہننے چاہئیں جن میں وہ اسے دیکھنا چاہتا ہے۔



''آخر یہ میری ہونے والی بھابی صاحبہ کب تشریف لائیں گی؟''

اس کے ساتھ کچن میں موجود عدیل نے نجانے کونسی ویں دفعہ یہ بات کہی۔ عباد میکرونی ابال رہا تھا جبکہ عدیل کچن میں رکھی میز پر چڑھ کر بیٹھا سوائے باتوں کے کوئی کام نہیں کر رہا تھا۔ عدیل سفیان اس کا سب سے قریبی، سب سے خاص اور بچپن کا دوست تھا۔ اسکول، کالج، یونیورسٹی وہ دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہے تھے۔ ان دونوں میں اتنی دوستی تھی کہ ان دونوں کی فیملیز بھی اس دوستی کے سبب ایک دوسرے کے قریب آ گئی تھیں۔ عدیل، عباد کے مما، پاپا سے اور عباد، عدیل کے والدین اور بھائی بہنوں سے بہت بے تکلف تھا۔ وہ دونوں دوست ایک دوسرے کے گھر بے تکلف جایا کرتے تھے۔ ان دونوں نے این ای ڈی سے ایک ساتھ انجینئرنگ کی تھی فرق صرف یہ ہوا تھا کہ عباد نے سول اور عدیل نے میکینکل انجینئرنگ کی تھی۔ ایک ہی ساتھ پاس آؤٹ کر کے وہ دونوں اپنے اپنے متعلقہ شعبوں میں ایم ایس کرنے آگے پیچھے ہی امریکہ آ گئے تھے۔

عدیل بوسٹن میں مقیم تھا۔ وہ وہاں بوسٹن یونیورسٹی سے ایم ایس کر رہا تھا۔ امریکہ میں الگ الگ جگہوں پر رہنے کے باوجود وہ دونوں ایک

دوسرے سے ملنے کا موقع نکال ہی لیا کرتے تھے۔ پچھلے دنوں جو وہ اپنی ریسرچ کے حوالے سے بوسٹن گیا تھا تب عدیل ہی کے پاس ٹھہرا تھا۔

مما، پاپا سے پہلے وہ ہنیا کے بارے میں اپنے کسی بھی جاننے والے کو کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا، ملوانے کا تو ذکر ہی کیا تھا۔ مگر ہوا کچھ یوں کہ جب وہ بوسٹن اس کے پاس جا کر ٹھہرا تو عدیل جیسا کائیاں اور چالاک اسے اتنی عقیدت اور محبت سے گھنٹوں کے حساب سے فون کے ساتھ مصروف دیکھ کر فوراً کسی گڑبڑ کے آثار بھانپ گیا۔ پھر تو جب تک اس نے اس سے ساری بات اگلوا نہ لی چین سے نہ بیٹھا۔ اور اب جب وہ تین چار روز کے لئے کسی ایگزیبیشن میں شرکت کے لئے نیویارک آیا ہوا تھا اور عباد ہی کے پاس ٹھہرا ہوا تھا تب عباد کے پیچھے پڑ گیا تھا کہ اسے ہنیا سے ملوایا جائے۔ تب عباد نے اس ہفتے کی شام ہنیا کو کھانے پر انوائٹ کر ہی لیا تھا۔ ان دنوں اس کی اپنی پڑھائی کی مصروفیات کافی بڑھی ہوئی تھیں۔ اس لئے وہ گھر پر پکانے وکانے کا جھنجٹ پالنے کے بجائے میزبانی کے فرائض نبھاتا، عدیل کو کہیں نہ کہیں باہر لے جا کر کھانا کھلا دیا کرتا تھا۔

آج کی یہ دعوت خاص عدیل ہی کے اصرار پر گھر پر ہو رہی تھی وہ عباد کے باہر لے جا کر کھانا کھلانے کو اچھی میزبانی ماننے ہی سے انکاری تھا۔

''امریکہ آ کر تیرا خون سفید ہو گیا ہے۔ میرے پاس آیا تھا تو میں کیسا تجھے مزے مزے کے کھانے پکا کر کھلاتا تھا اور تو۔ شرم کر عباد عذیر۔ شرم کر۔''

یہ الگ بات کہ طعنے دیتا اپنے کھلائے جن مزے مزے کے کھانوں کا وہ ذکر کر رہا تھا۔ وہ عباد کا دل ہی جانتا تھا کہ کس طرح کے ہوتے تھے۔ عدیل سفیان انجینئر اچھا بے شک تھا، مگر کک انتہائی برا، خیر اس کے طعنوں، تشنوں سے تنگ آ کر عباد نے آج کی اس زبردستی کی دعوت کا اہتمام کیا تھا جس کے مہمان عدیل سفیان اور ہنیا سجاد تھے۔ وہ ابھی عدیل کو کوئی جواب دے نہیں پایا تھا کہ دروازے پر بیل ہوئی۔ ''ہنیا آ گئی۔'' وہ دروازہ کھولنے کے لئے جانا چاہتا تھا کہ عدیل جھٹ میز پر سے اترا اور اسے روک کر بولا۔

''دروازہ میں کھول دوں گا۔ تم کھانا پکاؤ۔''

اس کے گھورنے کو نظرانداز کرتا عدیل دروازہ کھولنے چلا گیا تھا۔ اس کے کچن سے اپارٹمنٹ کا مین دروازہ نظر آتا تھا، وہ گردن ترچھی کر کے اس طرف دیکھنے لگا۔ عدیل نے دروازہ کھول دیا تھا اور ہنیا کے کچھ کہنے سے قبل ہی گرم جوشی سے بولا تھا۔

''السلام علیکم۔ میں عدیل سفیان ہوں، عباد کے بچپن کا دوست اور آپ یقیناً ہنیا سجاد ہیں۔''

عدیل نے ہنیا کے ہاتھ سے اس کی چھتری لے لی تھی اور اسے دروازے کے ساتھ ہی موجود چھتریاں ٹانگنے کی جگہ پر لٹکا دیا تھا۔

''آئیے ناں، آپ اندر آئیے۔ بڑی خوشی ہو رہی ہے مجھے آپ سے مل کر۔''

آج باہر سردی تو شدید تھی ہی ساتھ تیز بارش بھی ہو رہی تھی، ہنیا نے اوورکوٹ گلوز، سب کچھ پہن رکھا تھا پھر بھی اس کا چہرہ سردی کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ پہلی ہی ملاقات میں اس بے تکلفی سے ملتے عباد کے دوست کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے بھی آپ سے مل کر خوشی ہوئی ہے۔'' ہنیا نے گلوز اتارتے ہوئے عدیل سے کہا، وہ دونوں ساتھ چلتے اب کچن ہی کی طرف آ رہے تھے۔ عباد ہنیا کو دیکھ رہا تھا مگر ہنیا جب تک تھوڑا آگے نہ بڑھ آتی اسے دیکھ نہیں سکتی تھی۔

''ویسے آپ چاہیں تو مجھے تم کہہ سکتی ہیں۔ عباد آپ کا بھی دوست ہے اور میرا بھی اور دوست کا دوست، دوست ہی ہوتا ہے۔''

ہنیا کو شاید وہ اس طرح ایک سیکنڈ کے اندر اندر اس درجہ بے تکلفی کا مظاہرہ کرتا اچھا لگ رہا تھا تب ہی تو وہ مسکرا رہی تھی۔

''او کے، میرے ابھی ابھی بنے دوست عدیل سفیان! کیا تم مجھے یہ بتا سکتے ہو کہ عباد کہاں ہے؟''

''وہ سگھڑ بچہ ہم دونوں کے لئے کھانا پکا رہا ہے۔ لاؤ یہ کوٹ میں ہینگ کر دوں۔''

ہنیا نے گلوز کے بعد اپنا اوور کوٹ بھی اتار لیا تھا۔ وہ اپنا کوٹ اور گلوز کہیں رکھنا چاہتی تھی کہ سدا کے کام چور عدیل سفیان نے بڑی شائستگی اور مینرز کا عظیم الشان مظاہرہ کرتے اپنی خدمات پیش کیں۔

''کمینہ نہ ہو تو۔'' شام سے مجال تھی جو وہ ٹس سے مس بھی ہوا ہو، اس کی ذرا سی بھی مدد کرائی ہو اور اب کیسے اپنی خدمات آفر کی جا رہی تھیں جیسے ہنیا خود تو اپنا اوور کوٹ کہیں رکھ نہیں سکتی تھی۔ عدیل کو گالیاں دے کر فارغ ہوا تو اب اس نے بھرپور اور تفصیلی نگاہ ڈالی تھی ہنیا پر۔ اس نے سبز رنگ کا وہی ڈریس پہن رکھا تھا جو وہ ابھی بوسٹن سے اس کے لئے لے کر آیا تھا۔

اسے بے اختیار ہنیا پر شدت سے پیار آیا۔ اس نے بوسٹن میں ایک پاکستانی بوتیک سے اس کے لئے یہ ڈریس خریدا تھا، یونہی اس کا دل چاہا تھا وہ اپنے ہاں کے کپڑوں میں اسے دیکھے۔ ہنیا لباس بڑا باوقار قسم کا پہنا کرتی تھی۔ پہنتی بے شک وہ جینز، ٹراؤزر، شرٹس اور لانگ اسکرٹس تھی مگر اس کا لباس بڑا باوقار ہوتا تھا، اس میں نہ بے حیائی ہوتی تھی نہ جسم کی کسی بھی انداز سے نمائش۔ بلکہ زیادہ تر وہ پینٹ شرٹ کے اوپر اتنے ڈھیلے ڈھیلے اور لمبے سوئٹرز پہنا کرتی تھی کہ دیکھنے والے یہ تک نہیں جان سکتے تھے کہ اس لڑکی کا فگر کیسا ہے، وہ کتنی دبلی، کتنی سمارٹ یا کتنے مناسب سراپے کی مالک ہے۔

اسے ہنیا سے محبت پہلے ہوگئی تھی اور اس کی خوبیاں اور اچھائیاں بہت بعد میں جا کر پتہ چلی تھیں۔ جب وہ ہنیا سجاد کے لئے بے اختیار اور بے بس کر دینے والی محبت میں مبتلا ہوا تو یہ تک نہیں جانتا تھا کہ اس لڑکی کی نیچر اور مزاج کیسا ہے، وہ کس کردار کی حامل ہے۔ پاکستانی اوریجن رکھتی تھی پر وہ ایک امریکن لڑکی تھی اور یہاں اس نے صرف پاکستانی ہی کیا دوسرے اسلامی ملکوں سے تعلق رکھتی مسلمان لڑکیوں کو ہر وہ عمل کرتے دیکھا تھا جو خالص اور اصلی امریکن لڑکیاں کرتی نظر آتی تھیں۔ جس معاشرے میں پندرہ، سولہ سال کی لڑکیوں میں کنواری لڑکیاں تلاش کرنا کارِ محال ہو، وہاں وہ ایک امریکن لڑکی سے جو مسلمان بے شک تھی، محبت کر بیٹھا تھا اور جانتا نہیں تھا اس لڑکی کی زندگی کیسی ہے، اس کی آمد سے قبل اس لڑکی کی زندگی میں کون کون آچکا ہے۔ مگر ابھی اس کی ہنیا سجاد سے دوستی بھی نہیں ہوئی تھی۔ ابھی وہ صرف دور دور سے ہی اسے دیکھا کرتا تھا جب اسے یہ خوشگوار احساس ہوا تھا کہ جس سے وہ بے اختیارانہ محبت میں مبتلا ہوا ہے وہ ایسی لڑکی ہے جسے وہ فخریہ اپنے ماں، باپ سے لے جا کر ملوا سکتا ہے۔

جب وہ پہلی مرتبہ ہنیا کو اپنے اپارٹمنٹ لایا تھا اور وہ اندر آنے سے انکار کر گئی تھی، تب فوری طور پر اسے ہنیا کا ایسا کرنا اپنے سچے اور خالص جذبوں کی توہین لگا تھا مگر کچھ ہی دنوں بعد جب وہ ہنیا کو پرپوز بھی کر چکا تھا اور وہ اس کا پرپوزل قبول بھی کر چکی تھی اس نے اس بات کو دوبارہ سوچا تو اسے ہنیا سجاد پر پیار آنے کے ساتھ ساتھ اس پر فخر بھی محسوس ہوا تھا۔ وہ کتنے مضبوط، کتنے اعلیٰ کردار کی لڑکی تھی۔

وہ آج اس کے لئے، صرف اسے خوشی دینے کیلیے یہ لباس پہن کر آئی تھی، اسے اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ اتنی سخت ٹھنڈ میں اس نے یہ لباس

اس کی خاطر پہنا تھا۔ وہ والہانہ نگاہوں سے اسے سرتا پاؤں دیکھ رہا تھا۔ اس نے قمیص کے اوپر سبز رنگ ہی کا سوئٹر پہن رکھا تھا۔ میک اپ اور جیولری سے وہ ہمیشہ کوسوں دور رہتی تھی پر آج وہ دیکھ رہا تھا کہ اس نے میک اپ بھی کر رکھا تھا اور زیور بھی پہنا ہوا تھا۔ دوپٹہ اوڑھنے کی اسے بالکل بھی عادت نہیں تھی مگر اس وقت اس نے شانوں پر اسی سوٹ کا ہلکے سبز رنگ کا دوپٹہ لیا ہوا تھا۔

دوپٹہ سنبھال کر سج سج چلتی وہ اس کے دل میں اتر رہی تھی۔ ہنیا اور عدیل کچن کے قریب آ گئے تھے۔ وہ اسے دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکرائی تھی۔

''کیسے ہو عابی؟'' وہ دونوں کچن میں آ گئے تھے۔

''ٹھیک۔ بارش بہت تیز ہو رہی ہے، تم آرام سے پہنچ گئیں۔'' وہ ایک ٹک اسے دیکھتا اس سے مخاطب تھا۔

جب سے وہ دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی، اس نے ایک پل کے لئے بھی اس پر سے نظریں نہیں ہٹائی تھیں۔

عدیل جو اسے بغور دیکھ رہا تھا، اس نے بلاوجہ کھنکار کر اسے اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہا۔

''چلو ہنیا! ابھی کھانا تیار ہونے میں تو وقت ہے، جب تک عابی کھانا تیار کر رہا ہے، اتنے میں ہم اندر چل کر کچھ گپ شپ کر لیتے ہیں۔'' عدیل، ہنیا سے بولا۔ وہ جیسے کوئی کک یا شیف تھا، اس نے خار بھری نگاہوں سے عدیل کو گھورا۔

''میرا خیال ہے، باتیں یہیں کر لیتے ہیں۔ عدیل! ساتھ ساتھ عابی کو ہیلپ بھی کرا دیں گے۔'' ہنیا ان دونوں دوستوں کے بیچ کی بے تحاشا بے تکلفی سے آگاہ تھی نہ عدیل کی عادات سے، وہ ایسا عابی کے چڑانے اور تنگ کرنے کے لئے کہہ رہا ہے۔ اسے یہ بھی نہیں پتہ تھا، وہ تو بس سنجیدگی سے جواباً یہ بولی تھی اور پھر اس کے قریب آ گئی تھی۔

''لاؤ عابی! میں ہیلپ کراؤں، کیا کام رہ گیا ہے؟'' وہ کچن کے کاموں سے کوسوں دور رہنے والی لڑکی تھی، مارے باندھے کچن کا رخ کرنے والی اور اس وقت پوری طرح کام کرنے کے موڈ میں، اس کی مدد کرانے کے موڈ میں۔

''میں کر لوں گا، تم ابھی آئی ہو، کچھ دیر بیٹھ جاؤ۔''

''تو میں کیا پیدل چل کر آئی ہوں۔ سلاد بنی ہے کیا؟''

اس نے بولتے بولتے میز پر رکھی سبزیوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔ عدیل خاموش کھڑا ایک نظر اسے دیکھ رہا تھا، ایک نظر ہنیا کو۔ اسے اس کی ہونق اور حیرت بھری شکل دیکھ کر بڑا مزہ آ رہا تھا۔ امریکہ ہی میں پیدا ہوئی اور پلی بڑی لڑکی سن کر پتا نہیں اس نے ہنیا کے متعلق کیا خاکہ اپنے ذہن میں بنا رکھا تھا اور وہ ملاقات کے اولین لمحوں ہی میں اتنی زیادہ مشرقی ثابت ہو رہی تھی۔

اس کے منع کرنے کے باوجود ہنیا سلاد کے لئے سبزیاں کاٹنے لگی تھی۔ جتنی دیر میں اس نے میکرونی تیار کی، ہنیا نے سلاد بنا ڈالی، اس کے بعد اس نے چکن لیگ، ڈیپ فرائی کرنے میں عبادکی مدد کرائی تھی۔ کام چوروں اور بے شرموں کی طرح ہاتھ پہ ہاتھ دھر کر بیٹھے عدیل سفیان کو بھی آخر کار شرم آ ہی گئی تھی اور اس نے میز پر برتن لگانے شروع کر دیئے تھے۔ اس سارے عمل کے دوران عدیل اور ہنیا کی آپس میں بات چیت بھی مسلسل

ہو رہی تھی۔ وہ خود جان بوجھ کر کم بول رہا تھا۔ عدیل کو ہنیا سے ملنے کا، دوست کی پسند سے متعارف ہونے کا اتنا شوق تھا تو اب وہ چاہتا تھا عدیل، ہنیا کی شخصیت کو پوری طرح جان جائے اور اسے اتنا ہی اچھا اور اتنا ہی منفرد سمجھے جتنی وہ حقیقت میں ہے۔ عدیل اور ہنیا کی زیادہ تر بات چیت اپنے اپنے پروفیشن، سول انجینئرنگ اور مکینیکل انجینئرنگ پر ہو رہی تھی۔ وہ پڑھائی میں تھی ہی زبردست۔ اپنے مضمون پر اسے پوری دسترس حاصل تھی چنانچہ وہ اپنی نپی تلی گفتگو سے عدیل سفیان کو مرعوب و متاثر کر رہی تھی۔ ایسی نازک کا منی سی لڑکی اور باتیں اتنی بھاری بھرکم، وہ دوست کے چہرے کے تاثرات کو انجوائے کر رہا تھا۔

کھانے کے بعد اس کے ساتھ ساتھ ہنیا نے بھی میز پر سے برتن اٹھانے شروع کر دیئے تھے۔ وہ ان برتنوں کو دھونے کے بھی موڈ میں تھی۔

''فار گاڈ سیک ہنیا! میں نے تمہیں ڈنر پر انوائٹ کیا تھا، گھر کے کام کروانے کے لئے نہیں۔ دھل جائیں گے یہ برتن، چھوڑو انہیں۔''

آج چونکہ بارش خاصی تیز ہو رہی تھی، اسی لئے کھانے کے بعد ہنیا زیادہ دیر رکی نہیں تھی۔ وہ اپنا چاکلیٹ کلر کا اوور کوٹ اور گلوز پہنتے جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ عدیل اس پوری شام سارا وقت ان دونوں کے ساتھ موجود رہا تھا اور اسے ایک پل کے لئے بھی ہنیا کے ساتھ اکیلے میں بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ وہ اس کی تعریف کرنا چاہتا تھا۔ وہ آج بہت اچھی لگ رہی ہے، یہ بتانا چاہتا تھا مگر عدیل جان بوجھ کر سارا وقت اس کے سر پر سوار رہا تھا۔ ہنیا دروازے تک آ گئی تھی، وہ اس کے ساتھ نیچے تک جانا چاہتا تھا۔

''ہاں چلو، ہم ہنیا کو نیچے تک خدا حافظ کہہ کر آتے ہیں۔'' اسے بھی ہنیا کے ساتھ دروازے سے نکلتا دیکھ کر عدیل فوراً بولا۔

''ہنیا کو نیچے تک میں چھوڑ آؤں گا۔'' دانت پیستے اس نے دوست کو گھورا۔ بتیسی کی نمائش کرتا عدیل وہیں رک گیا تھا۔

''تمہارا دوست بہت اچھا ہے عابی! بہت جولی اور زندہ دل سا۔'' لفٹ میں داخل ہوتے وہ اس سے بولی۔ اس نے آج ہنیا کو یہی کہہ کر انوائٹ کیا تھا کہ اس کا بچپن کا اور بہت گہرا دوست عدیل سفیان اس سے ملنا چاہتا ہے سو وہ اس سے پوچھنے لگی۔

''میں ٹھیک سے تیار ہو کر آئی تھی ناں عابی! تمہارے دوست پر میرا امپریشن ٹھیک پڑا ہوگا ناں؟''

''صرف ٹھیک! تم آج بہت اچھی لگ رہی ہو۔ ویسے مجھے تو تم اسٹرابریز والے سلیپنگ ڈریس میں بھی بہت پیاری لگتی ہو مگر آج میرا خیال ہے، تم سب کو اچھی لگ رہی ہوگی۔''

وہ اس کے شرارتی انداز پر کھلکھلا کر ہنسی تھی۔ وہ دونوں اس کے اپارٹمنٹ کی بلڈنگ سے نکل آئے تھے۔ اسے کیب کے ذریعے واپس جانا تھا۔ عباد نے اس کے چھتری کھولنے سے پہلے اپنی چھتری کھولی تھی اور اس کے نیچے اسے پوری طرح لے لیا تھا۔ خود اس پر بارش کی چھینٹیں آ رہی تھیں مگر ہنیا پر اس نے بارش کا ایک قطرہ نہیں گرنے دیا تھا۔

''ممی، پاپا اور ماما جانی نے مجھے لاڈ پیار میں بالکل نہیں بگاڑا تھا مگر مجھے لگتا ہے تم مجھے Spoil کر کے ہی چھوڑو گے۔ مجھے بلاوجہ اپنے ناز، نخرے اٹھوانے کی عادت ہوتی جا رہی ہے۔''

وہ اس پر چھتری تانے اس کا محافظ بنا کھڑا تھا وہ مسکرا کر اس سے کہہ رہی تھی عباد نے ہاتھ دے کر پہلے ایک ٹیکسی روکی، جب وہ رک گئی

تب وہ اس سے بولا ''میں تمہارے سارے ناز نخرے بڑی خوشی سے اٹھاؤں گا ہنیا سجاد۔'' وہ ٹیکسی میں بیٹھ گئی تھی۔

ٹیکسی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تب وہ اندر جانے کے لئے واپس مڑا۔ اپنے اپارٹمنٹ واپس آیا تو عدیل لیونگ روم میں صوفے پر اوندھا لیٹا اسپرائٹ کا کین ہاتھ میں لئے ٹی وی پر فٹ بال کا کوئی میچ دیکھنے میں مگن تھا۔

''یہ نہیں ہوا کہ کچن سمیٹ دیتے۔ اول درجے کے کام چور ہو تم عدیل سفیان۔'' اس نے آگے بڑھ کر ٹی وی آف کر دیا۔

''میرے گھر میں نوکروں کی فوج نہیں ہے، شرافت سے کچن میں آؤ اور میرے ساتھ برتن دھلواؤ۔ پہلے تم جیسے پیٹو کے لئے پکاؤں، ٹھنساؤں اور پھر برتن مانجھوں، مجھے کیا نوکر سمجھ رکھا ہے۔''

اسے لتاڑتا وہ کچن میں آ گیا۔ برے برے منہ بناتا عدیل اس کے پیچھے کچن میں آ گیا تھا۔ وہ اسفنج کی مدد سے ایک سنک میں برتن پر ڈش واشنگ لیکوڈ لگاتا جا رہا تھا اور برابر والے دوسرے سنک میں عدیل انہیں پانی سے دھو دھو کر رکھتا جا رہا تھا۔ وہ اب منتظر تھا کہ عدیل، ہنیا کے متعلق کوئی تبصرہ کرے گا، کچھ کہے گا وہ گھنا بنا ادھر ادھر کے موضوعات پر تبادلہ خیال کرتا برتنوں کو کھنگال رہا تھا۔

''عدیل! تمہیں ہنیا کیسی لگی؟ وہ مما، پاپا کو پسند آئے گی ناں؟''

اس کے گھنے پن سے ہار مانتے اسے خود ہی پوچھنا پڑا۔ عدیل اس کی طرف دیکھتا قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

''مجھے پتہ تھا اتنی دیر سے اسی بات کی بے چینی ہو رہی ہے پر میں نے کہا عاشق صادق جب تک خود نہ پوچھیں گے خود سے، ایک لفظ نہیں کہوں گا۔'' عدیل ہنستے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''یار! تو تو واقعی کام سے گیا۔ میں شروع میں سمجھا تھا یونہی کوئی چھوٹا موٹا سا افیئر ہے مگر تمہیں دیکھ کر تو لگ رہا ہے۔ تم سانس بھی اسے دیکھ کر لیتے ہو۔ میں تھا تب اس پر سے نظریں نہیں ہٹ رہی تھیں، آنکھیں اسے دیکھ کر چودھویں کے چاند کی طرح چمکنے لگی تھیں۔ اکیلے میں خدا جانے کیا حال ہوتا ہوگا۔''

''میں نے تم سے یہ فضول بک بک کرنے کے لئے نہیں کہا، جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔''

وہ اپنا مذاق اڑائے جانے پر خفگی سے بولا۔

''تم اس سے بہت محبت کرتے ہو ناں عابی؟'' اس بار ہنسی مذاق ترک کر کے عدیل نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ہاں بہت زیادہ۔ اپنی زندگی سے بھی زیادہ۔ اسی لئے تو اس بات کے لئے فکر مند ہوں کہ وہ مما، پاپا کو پسند آ جائے گی کہ نہیں؟ تم بتاؤ عدیل! بالکل سچائی سے، وہ مما، پاپا کو کیسی لگے گی؟''

ان دنوں اس کے لئے زندگی کی سب سے اہم بات یہ تھی کہ ہنیا اس کے مما، پاپا کو پسند آ جائے گی کہ نہیں۔

''سو فیصد پسند آئے گی۔ جب بوسٹن میں تم نے مجھے ہنیا کے بارے میں بتایا تو سچی بات ہے، میں کچھ خاص خوش نہیں ہوا تھا، میں نے کہا یہ تم کس چکر میں پڑ گئے، پاکستانی اور یجن والی امریکن لڑکی، مجھے تمہارے لئے یہ چیز مناسب نہیں لگی تھی۔ مگر ہنیا سے مل کر مجھے اپنے تمام Biased

خیالات سے دستبردار ہونا پڑ رہا ہے۔ وہ واقعی بہت اچھی ہے۔ ہر لحاظ سے تمہارے قابل، تمہاری فیملی کے شایانِ شان، آنٹی، انکل کی اکلوتی بہو بننے کے لائق۔ اور جیسے تم احمقوں کی طرح اسے تک رہے تھے، ایسے ہی وہ بھی تھوڑی تھوڑی دیر بعد تمہیں دیکھ رہی تھی۔ باتیں مجھ سے کر رہی تھی پر دھیان اس کا سارا وقت تم پر تھا۔ ہماری پاکستانی لڑکیوں کی طرح وہ Behave کر رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا تمہیں ہاتھ پکڑ کر بٹھا دے اور کچن کا سارا کام خود نمٹا دے۔ ایسے مٹھاس بھرے لہجے میں تمہیں عابی، کہہ رہی تھی کہ میں بلاوجہ تم سے جیلس ہوا جا رہا تھا۔ ایک لڑکی جو خوبصورت بھی ہے ذہین بھی ہے، اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہے، اچھی عادات و مزاج بھی رکھتی ہے، اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ آپ سے، بہت زیادہ اور والہانہ محبت بھی کرتی ہے، عابی! ایسی لڑکیاں کہاں ملا کرتی ہیں؟ یہ ہنیا سجاد تمہیں کہاں ملی تھی؟ اس کی کوئی چھوٹی بہن وہن ہے تو پلیز، مجھے اس سے ملوا دو۔''

وہ سرشاری و سکون سے مسکرا دیا تھا۔ ہنیا اس کے لئے جو تھی، وہ تو تھی مگر ان دنوں اسے اصل فکر اپنے مما، پاپا کی تھی۔ ہنیا انہیں کیسی لگے گی؟ وہ انہیں پسند آئے گی کہ نہیں؟ وہ چاہتا تھا جیسی والہانہ محبت ہنیا سے وہ کرتا ہے، ویسی ہی محبت اس کے مما، پاپا کو بھی ہو جائے اس سے۔ عدیل کے کمنٹس نے اسے خوشی اور بھرپور سکون پہنچایا تھا۔

''اول تو اس کی کوئی چھوٹی بہن نہیں ہے، ایک ہی بہن ہے اور وہ اس سے کئی سال بڑی اور شادی شدہ ہے، دوسرے یہ کہ اگر ہوتی بھی تو وہ ہنیا سجاد نہیں ہو سکتی تھی۔ اس دنیا میں ہنیا سجاد صرف ایک ہی ہے اور وہ عباد عذیر کے لئے ہے۔'' وہ کچھ مغرورانہ انداز میں بولا تھا۔

''کب ملواؤ گے تم آنٹی، انکل کو ہنیا سے؟'' پرنٹر میں صفحات لگاتے ہوئے عدیل نے اس سے پوچھا۔

''مما، پاپا کے نیویارک آنے کا ہو رہا ہے، ویسے ہو تو ان کے آنے کا پچھلے کئی مہینوں سے رہا ہے۔ پاپا آنے کی ڈیٹ کنفرم کرتے ہیں پھر ان کی کوئی مصروفیت آ جاتی ہے۔ کوئی امپورٹنٹ کلائنٹ، کوئی اہم پروجیکٹ اور ان کا آنا ملتوی ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس بار میں پاپا سے تھوڑا ناراض ہوا تھا میں نے ان سے کہا کہ آپ کے ہائی اسٹینڈرڈ میں اس بری طرح پھنسا ہوں کہ کرسمس اور نیو ایئر کی چھٹیوں میں بھی پاکستان آنے کا سوچ تک نہیں سکتا اور آپ دونوں سے ملنے کے لئے میں ترس رہا ہوں۔ لہٰذا پاپا نے پکا وعدہ کیا ہے کہ وہ پوری کوشش کریں گے کہ کرسمس کی چھٹیوں میں اگر یہاں نہ بھی آ سکے تو نیو ایئر پر تو ہر حالت میں میرے ساتھ نیویارک میں ہوں۔''

''پھر تو اب کم دن رہ گئے ہیں۔ دسمبر آدھا تو سمجھو گزر ہی گیا ہے۔''

''ہاں۔ اسی لئے تو میں بہت ایکسائٹڈ بھی ہوں اور تھوڑا سا ڈر بھی رہا ہوں۔ حالانکہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہنیا ایسی ہے کہ مما اور پاپا دونوں کو پہلی نظر ہی میں دل و جان سے پسند آ جائے گی۔''

''وہ پاکستان میں سیٹل ہونے کے تیار ہے؟''

''ہاں۔ صرف پاکستان کیا، وہ کہتی ہے وہ دنیا کے ہر اس حصے میں میرے ساتھ رہنے کے لئے تیار ہے جہاں میں رہنا چاہوں گا۔'' اس نے فخریہ انداز میں جواب دیا۔

''عباد عذیر! میں تجھ سے جیلس ہو رہا ہوں'' بیڈ پر اوندھے لیٹے اس نے اب اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ پاکستان رہنے اور پاکستان سیٹل

ہونے کی بات پر اس کا دھیان خود بخود اپنے گھر کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ تصور کی آنکھ سے اپنے گھر کو دیکھنے لگا تھا۔ کراچی میں اس کا پیارا سادہ گھر۔ شام کا وقت، اس کے گھر کا بڑا سا، خوبصورت سا لان، لان چیئرز پر مما، پاپا، ہنیا اور وہ خود، کتنا مکمل تھا وہ منظر، بہت زیادہ وقت تو نہیں رہ گیا تھا اب اس منظر کو حقیقت بن جانے میں۔

''یہ اکیلے اکیلے کس بات پر مسکرایا جا رہا ہے؟'' اس کے لبوں پر بکھری دلفریب مسکراہٹ دیکھ کر عدیل پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔

''ہر بات بچوں کو بتانے کی نہیں ہوتی۔'' آنکھیں بند کیے کیے ہی اس نے چڑانے والے انداز میں عدیل کو جواب دیا۔

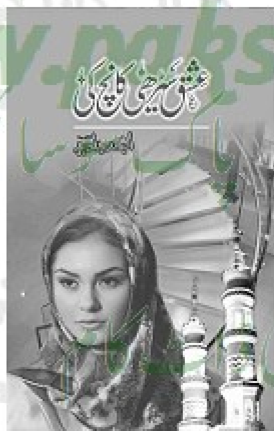
''جاتے وقت لائٹ آف کر کے جانا۔'' وہ کروٹ لے کر تکیے پر سر رکھ کر صحیح سے لیٹ گیا تھا۔ عدیل کچھ دیر بعد اپنا کام مکمل کر کے کمرے سے چلا گیا تھا۔ وہ بھی یقیناً برابر والے کمرے میں سونے کے لئے لیٹ چکا تھا۔ ہنیا کو اپنے گھر کے مختلف حصوں میں مما، پاپا اور اپنے ساتھ گھومتے پھرتے اور چلتے دیکھتے اسے نیند آنے لگی تھی۔ اس کی آنکھ لگنے لگی تھی۔

''میں تمہیں ایک بہت عجیب سی بات بتاؤں عابی! تم یقین نہیں کرو گے، مجھے خود بھی یقین نہیں آ رہا ابھی تک۔ آج صبح مجھے وقت نہیں پتا مگر گہری نیند میں مجھے ایسا لگا تھا جیسے تم آئے ہو۔ میں اتنی گہری نیند سو رہی تھی اور اسی نیند میں مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ تم میرے قریب کہیں موجود ہو۔ میری آنکھ کھل گئی تھی عابی۔''

ہنیا کی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ جس دن سے اس نے یہ بات اسے بتائی تھی وہ ہر روز دن میں نجانے کتنی بار اس بات کو سوچتا اور اس پر خوش ہوتا تھا۔ وہ لڑکی اسے اتنا چاہتی تھی۔ وہ گہری نیند سوتی، اپنے قریب اس کی موجودگی یوں پہچان گئی تھی جیسے عباد عذیر کے ساتھ اس کا دل کا نہیں روح کا رشتہ تھا۔

جس روح کے ساتھ اس کی روح نے ازل کی صبح ہمیشہ ساتھ رہنے کا وعدہ کیا تھا اس کی طرف خود بخود کھنچی چلی آئی ہے۔ جیسے وہ بس کسی ان دیکھی، ان جانی قوت کے زیرِ اثر اس کے قریب کھنچتا چلا جاتا ہے۔ یہ ایک روح کا دوسری روح کے ساتھ ازل کے روز قائم ہوا لافانی رشتہ تھا، اور انسانی فہم سے بہت بالاتر تھا۔




سنا ہے
زمین پر وہی لوگ ملتے ہیں، جن کو
کبھی آسمانوں کے اس پار
روحوں کے میلے میں
اک دوسرے کی محبت ملی ہو!



''تو عابی کے پیرنٹس امریکہ آنے والے ہیں؟'' لائبریری کے ریڈنگ روم میں اس کے ساتھ بیٹھی کیتھی نے اس سے پوچھا۔

''ہاں ابھی ڈیٹ کنفرم نہیں۔ لیکن دسمبر کے اینڈ یا جنوری کے شروع میں وہ لوگ یہاں آئیں گے، یہ بالکل کنفرم ہے۔''

ہنیا ہی کے حوالے سے کیتھی اور مائیک کی بھی عباد کے ساتھ کافی اچھی دوستی ہوگئی تھی۔ وہ دونوں عباد سے جب بھی ملا کرتے تھے تینوں کی آپس میں خوب دوستانہ انداز اور بے تکلفی سے بات چیت ہوا کرتی تھی۔ کیتھی اپنی بچپن کی دوست کے لئے بہت خوش تھی، اسے عباد بہت پسند تھا۔ ہائی اسکول میں جب کیتھی سمیت ان کی کلاس کی کوئی لڑکی ایسی نہ تھی جس کا کوئی بوائے فرینڈ نہ ہو تب ہنیا کو تنہا دیکھ کر کیتھی کڑھا کرتی تھی۔

یہ نہیں تھا کہ ہنیا کے ساتھ کوئی لڑکا ڈیٹ پر جانا ہی نہیں چاہتا تھا، اس کے مسلسل انکار کے بعد تو لڑکے اس کی طرف اور بھی زیادہ متوجہ ہوا کرتے تھے۔ مگر اس کا ایک مستقل انکار، ایک مستقل نہیں۔ وہ اپنے مذہب پر کاربند رہی دوستوں کی پارٹیز میں، فنکشنز میں ہر جگہ تنہا رہتی، ہر جگہ تنہا نظر آتی۔ اور کیتھی اسے تنہا دیکھ کر کڑھتی یہ سوچنے لگتی کہ کہیں اس کی دوست ہمیشہ یونہی تنہا نہ رہ جائے۔ اور اب جب اس کی دوست کو وہ مل گیا تھا جس کے انتظار میں اس نے جونیئر اسکول، ہائی اسکول اور یونیورسٹی کے ابتدائی تمام سال بالکل تنہا گزار دیئے تھے تب کیتھی اس کے لئے بہت خوش تھی۔ جس کے انتظار میں اس نے یہ تمام سال اپنی عمر کی باقی تمام لڑکیوں کے برخلاف بالکل تنہا کاٹے تھے، وہ تھا اس قابل کہ اس کے انتظار میں عمر گزار دی جائے۔ وہ ہنیا سے کتنی محبت کرتا تھا یہ تو کوئی پوچھنے اور بتانے والی بات ہی نہ تھی۔

ہنیا اب کیتھی سے یہ بات کر رہی تھی کہ پتا نہیں وہ عباد کے والدین کے معیار پر پوری اتر سکے گی یا نہیں اور کیتھی اسے دوستانہ گرم جوشی سے یہ یقین دلا رہی تھی کہ وہ انہیں ضرور پسند آئے گی۔

''فرائیڈے کو عابی آرہا ہے ناں تمہارے ساتھ؟''

کچھ دیر بعد کیتھی نے اس سے پوچھا۔ کرسمس ایو پر اس نے اپنے گھر پر پارٹی رکھی تھی جس میں اپنے تمام قریبی اور خاص دوستوں کو مدعو کیا تھا۔ کیتھی نیویارک میں تنہا رہ رہی تھی۔ پہلے اس کے والدین بھی یہیں تھے پھر جب اس کے والد ریٹائر ہوگئے تو وہ اور اس کی والدہ واپس کیلی فورنیا اپنے آبائی شہر لاس اینجلس منتقل ہوگئیں۔ اپنی تعلیم کی وجہ سے کیتھی یہیں رہ گئی تھی۔ اس نے پنے گھر پارٹی میں ہنیا کے ساتھ عباد کو بھی آنے کی دعوت دی تھی۔ خود اسے فون کر کے پارٹی میں شرکت کی دعوت دی تھی۔ کیتھی کے بذات خود انوائٹ کرنے کے باوجود بھی عباد کا وہاں جانے کا کچھ خاص موڈ نہ تھا۔

''یار! میں کیا کروں گا تمہارے فرینڈز کی پارٹی میں جا کر۔ تمہاری کیتھی اور مائیک کے علاوہ میں وہاں کسی کو جانتا تک نہیں ہوں گا۔''

''وہاں میری سب فرینڈز اپنے بوائے فرینڈز کے ساتھ آئیں گی۔ کیتھی نے تو ان کے بوائے فرینڈز کو انوائٹ بھی نہیں کیا تھا ورانہوں نے کہا کہ ہمیں انوائٹ کر رہی ہو تو ہم پارٹی میں اکیلے تو ہرگز نہیں آئیں گے۔ عابی! میں وہاں اکیلی جاؤں گی، تمہیں اچھا لگے گا؟ پلیز میرے ساتھ چلو۔ میں آج تک ان ہی فرینڈز کی پارٹیز میں ہمیشہ بالکل اکیلی گئی ہوں۔ اپنی فرینڈز کی طرح میرے ساتھ کوئی ہوتا ہی نہیں تھا، جسے میں پارٹیز میں اپنے ساتھ لے جاسکوں، دوستوں کے سامنے تھوڑا سا اترا سکوں۔''

اس نے کہا اس بے ساختگی سے تھا جیسے اپنی کوئی بہت قدیم حسرت بیان کر رہی ہو کہ عباد قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''تو مجھے لے جانے کا مقصد دوستوں کے سامنے اترانا اور شو آف کرنا ہے۔''

''تم میرے ساتھ ہو گے تو مجھے اچھا لگے گا، میں پراؤڈ فیل کروں گی۔ وہ سب تو صرف اپنے بوائے فرینڈز کو ساتھ لائی ہیں اور میرے ساتھ وہ آیا ہے، جس نے مجھے پرپوز کیا ہے، جو مجھ سے شادی کرنے والا ہے۔ عابی! پلیز فار مائی سیک۔''

''اس طرح سے بول کر تو مجھ سے چاند پر چلنے کو کہو گی میں چلنے کے لئے کھڑا ہو جاؤں گا۔ اچھا جانا کتنے بجے ہے؟''

وہ اس سے اپنی بات منوا کر فخریہ مسکرائی تھی اور پھر اسے چلنے کا ٹائم بتانے لگی تھی۔

''ہاں، عابی آ رہا ہے۔'' اس نے کیتھی کو مسکرا کر جواب دیا تھا۔

کیتھی کے گھر پارٹی میں جانے کے لئے اس نے بڑے اہتمام سے تیاری کی تھی۔ اس بار جو عید گزاری، اس پر ماما جانی نے اسے سیاہ رنگ کا ویلوٹ کا بہت خوبصورت ڈریس بنا کر دیا تھا۔ اپنی کسی جاننے والی سے وہ انہوں نے اس کے لئے بطورِ خاص کراچی سے وہاں کے کسی مشہور ڈیزائنر کی بوتیک سے منگوایا تھا۔ ویلویٹ کا بلیک کلر کے انگرکھا اسٹائل کی اونچی سی قمیص، ویلویٹ ہی کا ٹراؤزر شرٹ کے گلے، آستینوں اور دامن پر سلور رنگ کا بہت خوبصورت اور نازک سا کام بنا ہوا تھا۔ عید پر وہ ڈریس پہننے کا موقع نہیں مل سکا تھا مگر آج اس نے اسی لباس کا انتخاب کیا تھا۔ چونکہ ویلویٹ کا سوٹ تھا۔ اس لئے آج کے اس ٹھنڈے موسم کے لئے یہ ڈریس موزوں بھی تھا۔ شوق نہیں تھا تو جیولری وغیرہ کا کوئی خاص کلیکشن بھی نہیں تھا۔ ماما جانی نے اسے اپنا ایک سلور نگوں کا سیٹ نکال کر دیا تھا۔ سلور ہی کی چین میں سلور نگوں سے آراستہ نیکلیس، ایئر رنگز اور انگوٹھی۔

زندگی میں پہلی بار اس نے گہرے شیڈ کی لپ اسٹک لگائی تھی۔ آئی لائنر، مسکارے اور بلش آن کا استعمال کیا تھا۔ بالوں کو وہ آج دوپہر ہی ایک نئے انداز میں سیلون سے کٹوا کر آئی تھی۔ اس نئے ہیئر کٹ میں اس کے بالوں کے قدرتی کرلز اور بھی اچھے لگ رہے تھے۔ آج سردی چونکہ بہت زیادہ تھی، اس لئے بڑے اہتمام سے اس نے اپنا سب سے قیمتی منک کوٹ اور منک ہیٹ پہنا تھا۔

ماما جانی کو خدا حافظ کہتی وہ عباد کے گھر آ گئی تھی۔ کیتھی کا اپارٹمنٹ چونکہ عباد کے اپارٹمنٹ سے نزدیک تھا، لہٰذا اس کے اور عباد کے بیچ یہی طے ہوا تھا کہ پارٹی میں جانے کے لئے وہ عباد کے گھر آ جائے گی۔ دوپہر میں جب عباد اپنے اپارٹمنٹ کی بلڈنگ کے گراؤنڈ فلور پر واقع لانڈری روم میں لانڈری کے لئے آیا ہوا تھا، تب اس نے ہنیا کو فون کر کے اس سے پوچھا تھا کہ وہ آج کس کلر کے کپڑے پہن رہی ہے۔

''بلیک کلر کے'' اس نے اسے بتا دیا تھا۔ وہ اس کے اپارٹمنٹ پہنچی تو عباد تیار ہو کر اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے بلیک کلر کا ڈنر سوٹ پہن رکھا تھا۔ جب ہنیا نے اسے پارٹی میں ساتھ چلنے کے لئے راغب کر لیا، پھر اس نے اس سے یہ وعدہ بھی کر لیا تھا کہ وہ پارٹی میں بہت اہتمام سے تیار ہو کر چلے گا۔

آج کیتھی کے ہاں پارٹی میں شریک لوگوں کو ان کی تیاری اور خوش لباسی کے حوالے سے مختلف خطابات دیئے جانے تھے۔ ان خطابات میں ایک خطاب ''کپل آف دی ایوننگ'' کا بھی تھا جو آج پارٹی میں شریک سب سے پرفیکٹ کپل کو دیا جانا تھا۔ کیتھی اپنی پارٹیز میں ایسی ایکٹیویٹیز ضرور رکھا کرتی تھی۔ باقاعدہ ایک باکس رکھ دیا جاتا تھا، جس میں لوگ اپنا اپنا ووٹ خاموشی سے ڈال دیا کرتے تھے۔ ایسا ہی آج بھی ہونا تھا۔

عباد نے اس وقت تو ہنسی مذاق میں اس کی ساری بات ٹال دی تھی مگر اس وقت وہ جس اہتمام اور جس تک سک سے درست بھرپور انداز میں تیار نظر آ رہا تھا، اسے دیکھتے پتہ چل رہا تھا کہ اس کی بات کے۔

''عابی! میں چاہتی ہوں آج پارٹی میں ''کپل آف دی ایوننگ'' ہم ہی دونوں قرار پائیں۔''

دل سے چاہے وہ اس کی اس فرمائش کو جتنا بھی بچکانہ اور امیچور سمجھتا ہو، پر اس نے اس کی بات ٹالی نہیں تھی۔

''دیکھ لینا عابی! آج کپل آف دی ایوننگ ہم ہی ہوں گے۔'' وہ بے تحاشا خوش اور ایکسائیٹڈ تھا۔ عباد کے ساتھ کسی پارٹی میں جانا اسے بہت زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔ عباد اس کی ایکسائٹمنٹ پر مسکرا رہا تھا۔ وہ اس کی خاطر اس کی خوشی کی خاطر اس کے ساتھ جا رہا تھا اور اسے خوشی دینا اسے ہمیشہ کی طرح بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے عباد کو بتایا تھا کہ کیتھی نے گٹار کا بھی انتظام کر کے رکھا ہوا ہے اور اس نے خاص طور پر کہلوایا ہے کہ آج عباد پارٹی میں سب کو گٹار پر کچھ اچھی دھنیں ضرور سنائے۔ عباد نے اپنا کیمرہ ساتھ لے لیا تھا۔

''باہر کرسمس کی اتنی رونق ہے، پیدل چلیں ہنی؟''

کیتھی کا اپارٹمنٹ عباد کے گھر سے نزدیک تو تھا، پر واکنگ ڈسٹینس پر بھی نہ تھا۔ مگر کرسمس کے موقع پر نیویارک کی سڑکوں پر جو بے تحاشا رونق اور گہما گہمی ہوتی تھی، اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے پیدل چلنے سے زیادہ بہترین اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

نومبر کی آخری تاریخوں سے جنوری کی ابتدائی تاریخوں تک ہر سال نیویارک شہر سیاحوں سے بھر جاتا تھا۔ نومبر سے لے کر جنوری تک یوں لگتا جیسے شہر کی سڑکوں پر کسی جشن کا اہتمام ہے۔ چھوٹی بڑی تمام دکانیں سجی ہوئی، روشنیوں سے جگمگاتی ہوئی۔ ہر اسٹور، ہر شاپ کے باہر خوبصورت کرسمس ٹری سجے نظر آتے تھے۔

نیویارک شہر جو روشنیوں سے یوں بھی جگمگاتا رہتا تھا، کرسمس کے موقع پر اس کی رونقیں اور روشنیاں آنکھوں کو خیرہ کر دیا کرتی تھیں۔ عباد کے ساتھ ساتھ اس کا بھی یہی موڈ ہو رہا تھا کہ نیویارک کی سڑکوں پر کرسمس کی رونقوں اور ہنگاموں کا انجوائے کرتے کیتھی کے گھر پہنچیں۔ وہ دونوں باہر نکل آئے تھے۔ موسم بے انتہا سرد تھا۔ سب کچھ پہنے ہوئے ہونے کے باوجود بھی سرد ہوائیں جسم کے آر پار گزرتی محسوس ہو رہی تھیں مگر مجال تھی، جو یہ سخت ترین سردی لوگوں کے جوش و خروش اور تہوار کی رونقوں کو کچھ کم کر دیتی۔

وہ دونوں Lexington Avenue پر آ گئے تھے۔ وہ سڑک کے دونوں اطراف موجود اسٹورز کو دیکھتے، وہاں کی رونق اور گہما گہمی سے لطف اندوز ہوتے آگے بڑھ رہے تھے۔ تہوار کی خوشی سے سرشار نیویارکرز اور سیاح ان اسٹورز میں داخل ہوتے اور وہاں سے نکلتے نظر آ رہے تھے۔ بڑے بڑے اسٹورز کے باہر اور اندر خوبصورت کرسمس ٹریز نظر آ رہی تھیں۔ جوان اسٹورز کے باہر سرخ لباس اور سفید داڑھیوں والے گیٹ اپ میں سانتا کلاسز کھڑے نظر آ رہے تھے۔ جو ان اسٹورز میں گھستے اور وہاں سے نکلتے بچوں میں چوکلیٹس اور ٹافیاں تقسیم کر رہے تھے۔

عباد نے ایک اسٹور پہ رک کر کیتھی کے گھر لے جانے کے لئے کرسمس کیک، چوکلیٹس کا ایک باکس اور ایک فلاور شاپ سے پھولوں کا بڑا گلدستہ خریدا تھا۔ پھول اس نے پکڑ لئے تھے۔ باقی دونوں چیزیں عباد نے اٹھا رکھی تھیں۔ وہ دونوں اب نیویارک کی سب سے فیشن ایبل سڑک

میڈیسن ایونیو پر آ گئے تھے۔

یہاں Brand کونشس امراء تو بڑی تعداد میں نظر آتے ہی تھے مگر ساتھ ہی ونڈو شاپنگ کرتے وہ بے شمار افراد بھی جو ان جگہوں سے شاپنگ کرنا تو ہرگز افورڈ نہیں کر سکتے تھے مگر ان کی رونقوں سے لطف اندوز ضرور ہو سکتے تھے۔ میڈیسن ایونیو پر کرسمس کا بہت زیادہ اہتمام ہوتا تھا۔ یہاں کی رونق اور ڈیپارٹمنٹ اسٹورز کی (ڈسپلے) ونڈوز تھیں، جنہیں کرسمس کے موقع پر بے حد خوبصورتی سے سجایا جاتا تھا۔ بچے ان ونڈوز کے شیشوں سے ناک لگائے ان میں سجی اپنی من پسند اشیاء کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

''سال کا یہ واحد موقع ہوتا ہے جب نیویارکرز نائس اور فرینڈلی نظر آتے ہیں۔'' عباد اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہنے لگا۔ وہ اسے چھیڑنے کے لئے اکثر اس طرح کی باتیں بولا کرتا تھا۔ وہ اسے چھیڑنے کو نیویارکرز کو Snob بولا کرتا، انہیں ہر لمحہ خود کو بہت مصروف پوز کرنے کا شوق ہے بولا کرتا اور وہ چونکہ ایک نیویارکر تھی تو برا مان کر جھٹ بولا کرتی۔

''بڑے شہروں کے بارے میں لوگ یونہی یہ غلط فہمی رکھتے ہیں۔ اصل میں بڑے شہروں میں رہنے والے تیز رفتار زندگی گزارتے ہیں۔''

ساڑھے سات بجے وہ دونوں کیتھی کے گھر پہنچے تو تقریباً تمام مہمان آ چکے تھے۔ کیتھی نے گرم جوشی سے ان دونوں کا استقبال کیا۔ ہنیا کے ہائی اسکول کے دنوں کے وہ چند اچھے دوست جن سے اب کم کم اور ایسے کسی خاص موقع پر ملنا ہوا کرتا تھا۔ پارٹی میں موجود تھے۔ وہ سب چونکہ آج عباد سے پہلی مرتبہ مل رہے تھے، اس لئے ابتداء تعارف اور رسمی خیر و عافیت ہی سے ہوئی تھی۔

کیتھی اسے اپنے گھر جب بھی مدعو کرتی ہمیشہ اس بات کا دھیان رکھا کرتی تھی کہ وہ اس کے لئے اس طرح کی حلال ڈشز کا اہتمام ضرور کرے، جنہیں وہ باآسانی کھا سکے۔

اس کے اپارٹمنٹ کا لیونگ روم اور ڈرائنگ روم مہمانوں سے بھرا ہوا تھا۔ لیونگ روم میں ایک طرف بڑا سا اور بہت خوبصورت کرسمس ٹری سجا تھا۔

فل والیوم میں میوزک بج رہا تھا، قہقہے لگ رہے تھے اور مختلف لوگ کیتھی کے یاد دلانے پر وقتاً فوقتاً باکس کے پاس رکھی چھوٹی چٹس پر بیسٹ ویل ڈریسڈ مین، بیسٹ ویل لیڈی، لیڈی آف دی ایوننگ، جنٹل مین آف دی ایوننگ اور کپل آف دی ایوننگ کے ناموں کا اندراج کر کے اپنی اپنی پرچیاں باکس میں ڈالتے جا رہے تھے۔ چند من چلوں کا گروپ تیز میوزک پر ڈانس کرنے میں مشغول تھا۔ وہ اپنے اور عباد کے لئے پلیٹس میں کچھ ڈال کر لانا چاہتی تھی۔ عباد کو سب دوستوں سے ملوانے اور متعارف کرانے کی مصروفیت میں ابھی تک ان دونوں نے کچھ لیا ہی نہیں تھا۔

''عابی! کیا لو گے؟'' وہ صوفے پر اس کے برابر سے اٹھنے لگی۔

''جو دل چاہے۔ میرے لئے بھی اپنی ہی پلیٹ میں ڈال کر لے آؤ۔''

وہ اٹھی اور میز پر سے ایک بڑی پیپر پلیٹ اٹھا کر اس میں اپنے اور عباد کے لئے کافی کچھ ڈال کر فورکس اور چمچے لے کر واپس آ گئی۔ پلیٹ اس کے ہاتھ میں پکڑا کر وہ کولڈ ڈرنک لینے کے لئے جانے لگی۔

''کیا کولڈ ڈرنک بھی ایک ہی گلاس میں لے آؤں؟'' اس نے تو مذاق میں پوچھا تھا مگر عباد نے سنجیدگی سے سر اقرار میں ہلایا۔ آج وہاں سب شمپین اور ریڈ وائن پی رہے تھے، اسپرائٹ اور کوک کی بوتلیں کیتھی نے میز پر رکھی ہی ان دونوں کے لیے تھیں۔ اس نے بوتل میں سے ایک گلاس میں اسپرائٹ ڈالی اور واپس عباد کے پاس آ گئی۔

''واؤ سو رومانٹک۔'' وہ دونوں ایک ہی پلیٹ میں ساتھ بیٹھ کر کھانے اور باتیں کرنے میں اتنے مگن بلکہ اردگرد سے اتنے لاتعلق تھے کہ کیتھی کی مسکراتی آواز پر دونوں نے چونک کر سر اٹھایا۔

''اگر آپ دونوں برا نہ مانیں تو میں آپ دونوں کی ایک تصویر کھینچ سکتی ہوں؟'' اصل میں تم دونوں اس وقت ساتھ بیٹھے مجھے اچھے بہت لگ رہے ہو۔''

''باقی لوگ جسے بھی کہیں، پر میرے لئے میری پارٹی کا سب سے شاندار کپل تم دونوں ہو۔ وہ کپل جسے دیکھ کر دل میں پہلا خیال یہی آتا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے بنائے گئے ہیں۔''

وہ دوست کے محبت بھرے تعریفی تبصرے پر کچھ فخریہ انداز میں مسکرائی تھی جبکہ عباد تھینکس کہتا بے ساختہ ہنسا تھا۔ کیتھی نے ان دونوں کی اسی انداز میں بیٹھے ایک تصویر کھینچ لی تھی۔ باہر ہلکی برف باری شروع ہوئی تو اندر پارٹی میں موجود تمام افراد نے زوردار تالیاں بجا کر اس برف باری کا خیر مقدم کیا۔

نیویارک میں ہر سال کرسمس پر برف باری نہیں ہوتی تھی، ایسا کبھی کبھی ہوتا تھا اور جب بھی کرسمس ایو اور کرسمس کے دن برف باری ہوتی لوگ یونہی جوش اور ولولے کے ساتھ اس برف باری کا استقبال کرتے۔ پارٹی اپنے عروج پر تھی، برف باری نے لوگوں کے جوش اور خوشی کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔ کیتھی نے شور و غل مچاتے تمام لوگوں کو خاموش کرا کے گٹار عباد کے ہاتھ میں لا کر پکڑا دیا تھا۔

اُس نے ایک خوبصورت اور مدھر دھن بجانی شروع کر دی تھی۔ وہ لوگ جو ہنگامے اور شور شرابے کے موڈ میں تھے اور ایک جگہ سکون سے بیٹھ کر گٹار سننے میں زیادہ انٹرسٹڈ نہیں تھے، وہ بھی آہستہ آہستہ اس کی بجائی خوبصورت دھن کے زیر اثر آتے جا رہے تھے۔ عباد نے اپنا کوٹ اتار کر ہنیا کو دے دیا تھا۔ جسے وہ گود میں رکھے بیٹھی تھی۔ قمیص کی آستین کہنیوں تک فولڈ کی ہوئی تھیں اور ٹائی بھی قدرے ڈھیلی کر کے کمرے کے بیچوں بیچ ایک کرسی پر بیٹھا وہ دھن بجا رہا تھا۔ باہر ہوتی برف باری جو کیتھی کے اپارٹمنٹ کی بڑی بڑی ونڈوز سے صاف نظر آ رہی تھی، روئی کے گالوں کی طرح آسمان سے گرتی برف اور اندر ایک رومانٹک سی دھن۔ وہ دھن بجاتے ہوئے اسے دیکھتا رہا تھا جو چہرے پر مسکراہٹ سجائے بہت خوش بیٹھی تھی۔ وہ صرف ایک دھن سنانے بیٹھا تھا مگر وہاں موجود ہنیا کے دوستوں نے اصرار کر کے اس سے مزید بھی کئی دھنیں سنی تھیں۔

پارٹی ابھی اپنے جوبن پر تھی مگر چند لوگ چونکہ جانے کی اجازت مانگ رہے تھے تو کیتھی باکس کھول کر آج کون کس اعزاز کا حق دار قرار پایا ہے کا اعلان کرنے لگی۔ ہنیا کی خواہش کے عین مطابق ''کپل آف دی ایوننگ'' وہ دونوں ہی قرار پائے تھے اور وہ بھی بڑی غالب اکثریت سے۔

''آج یہاں دوسرے کئی کپلز ایسے ہیں جو ہنیا اور عباد سے زیادہ خوش لباس اور خوش شکل ہیں مگر جو کیمسٹری ان دونوں کے بیچ نظر آ رہی ہے،

جوایک ہونے کا احساس ان دونوں میں ہے وہ اور کسی میں بھی نہیں۔''

کیتھی نے ان دونوں کو بیسٹ کپل قرار دینے کے بعد کہا تھا۔عباد مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ پتا تھا وہ اس وقت مارے خوشی کے پھولی نہیں سما رہی ہے۔اور وہ اس کے چہرے سے سمجھ گئی کہ وہ یہاں سے اٹھنا چاہ رہا ہے اس لئے اس سے بولی تھی۔

''چلیں عابی؟''

''ہاں! تم یہاں ٹھہرو، میں گھر سے گاڑی لے آتا ہوں۔''

''گاڑی کی کیا ضرورت ہے، جیسے پیدل آئے تھے ایسے ہی چلیں گے سڑکوں پہ رونق دیکھتے ہوئے۔''

''اس وقت برف باری نہیں ہو رہی تھی ہنی۔اب باہر برف پڑ رہی ہے، ٹھنڈ بھی یقیناً زیادہ ہوگئی ہوگی۔''

وہ اپنے اپارٹمنٹ جا کر وہاں سے اپنی گاڑی لانے پھر نیچے سے کوئی کیب روکنے کی پوری طرح موڈ میں تھا مگر وہ ایسا بالکل نہیں چاہتی تھی۔ برف باری میں اس کا ہاتھ تھام کر روشن جگمگاتی سڑکوں پر چلنا کتنا رومانٹک تھا۔

''میں اتنی نازک نہیں ہوں عابی! اس موسم کی عادی ہوں۔ نیویارک کی سردیاں اور برف باری، میں اس میں پیدا ہوئی اور بڑی ہوئی ہوں۔ پلیز عابی! پیدل چلو نا۔رات میں اس وقت برف باری میں پیدل چلنا اتنا اچھا لگے گا۔پلیز!''

وہ اس کی پلیز سے ہار مان کر چپ ہو گیا تھا۔عباد اس سٹینڈ جس پر تمام مہمانوں کے اوور کوٹ ٹنگے تھے، وہاں سے اپنا اور اس کا اوور کوٹ اٹھا کر لے آیا تھا۔جتنی دیر میں اس نے اپنا اوور کوٹ پہنا وہ اس دوران اس کا ہیٹ اور گلوز پکڑ کر کھڑا رہا۔ ہنیا کا ایک دوست جو اس منظر کو دور سے بیٹھا دیکھ رہا تھا، اس نے کیتھی کو جو قدرے دور کھڑی تھی زور سے آواز دے کر کہا تھا۔

''آج اور کچھ صحیح دیا گیا ہو یا نہیں Best کپل کا اعزاز بالکل درست جگہ پر دیا گیا ہے۔''

اس نے ہنیا سجاد اور عباد عذیر کی جوڑی کو جنت میں بنائی جوڑی قرار دیا تھا۔

''خوش ہو اب، تمہیں بیسٹ کپل کا ٹائٹل چاہئے تھا، وہ مل گیا۔''

سب کو خدا حافظ کر کے جب وہ دونوں باہر نکل آئے، تب عباد نے اس سے پوچھا۔رات کے ساڑھے دس بج رہے تھے مگر نیویارک کی سڑکوں پر ابھی کرسمس کی رونقیں اور ہنگامے ذرا ماند نہیں پڑے تھے۔ برف باری اور سردی کی شدت نے بھی لوگوں کے ذوق وشوق اور ایکسائٹمنٹ کو کم نہیں کیا تھا۔

نیویارک کی ان جگمگاتی، خوبصورت سڑکوں پر برف باری میں چلنا اپنے آپ میں ایک بے حد خوبصورت تجربہ تھا۔ابھی ہر چیز پر ہلکی ہلکی برف پڑنی شروع ہوئی تھی، صبح تک تمام سڑکیں، درخت، مکانات، بلڈنگز برف سے ڈھک جاتی تھیں۔ پورا شہر برف اوڑھے نظر آنے لگتا تھا۔جرائم کی بڑھتی ہوئی شرح کے حساب سے بدنام اس شہر میں عام دنوں میں رات کے وقت یوں پیدل چلنا خطرے سے خالی نہ تھا، مگر یہ کرسمس ایو تھا۔ باہر رونقیں ایسی تھیں، چہل پہل اس قدر تھی کہ کم از کم آج رات ایسے حادثات اور واقعات کا ہونا ناممکن تھا۔آسمان سے گرتی نرم اور سفید برف جوان

دونوں پر ایک ساتھ گر رہی تھی، اس برف باری میں اس طویل سڑک پر عباد کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا، اس سے زیادہ حسین اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا، ہنیا سجاد جیسی رومانٹک لڑکی کے لئے۔

آج یہ موسم یہ برف باری زندگی کے سب موسموں سے زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔ اس کا دل چاہا تھا وہ عباد کا ہاتھ تھام کر چلے، اس نے آہستگی سے اپنے گلوز میں عباد کا ہاتھ تھام لیا تھا، اسے پتہ تھا وہ دو تین منٹ بعد اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نکال لے گا۔ وہ ایسا نہیں چاہتی تھی، کاش آج، صرف آج کے دن وہ ایسا نہ کرے۔ زندگی کے ان خوبصورت اور یادگار لمحات کو وہ یونہی اسی انداز میں گزرتا رہنے دے۔ پھر اگلے سال تو وہ دونوں یہاں ہوں گے بھی نہیں۔ کراچی میں عباد کے گھر میں، غالباً اس کے بیڈ روم میں بیٹھے نیویارک کی اس سرد ترین مگر بے حد رومانٹک رات کو یاد کر رہے ہوں گے۔ (میڈیسن ایونیو) پر واقع تمام بڑے اور چھوٹے اسٹورز پر بھی خریداروں کا رش تھا، وہ ان خوبصورت اور بڑے بڑے اسٹورز کے باہر سے ونڈو شاپنگ کرتے گزر رہے تھے۔ اسے ایک بڑے سے اسٹور میں باہر ڈسپلے پر بہت خوبصورت مردانہ شرٹس ٹراؤزرز اور ٹائیاں وغیرہ ٹنگے نظر آئے تھے۔

''عابی! اندر چلیں؟'' اس کے کہنے پر عباد اس کے ساتھ اندر آ گیا تھا۔ اندر آ جانے کے بعد، اب وہ اسے اپنے اندر آنے کی وجہ بتا رہی تھی۔

''عابی! منع مت کرنا پلیز! ورنہ مجھے بہت دکھ ہوگا۔ دیکھو میں نے آج تک کبھی تمہیں تحفے میں کچھ نہیں دیا، ہمیشہ تم دیتے ہو، میرا بھی تو دل چاہتا ہے تمہیں کوئی گفٹ دینے کو۔ دیکھو یہ شرٹس مجھے اچھی لگ رہی ہیں۔ میں ان میں سے ایک تمہارے لئے خریدنا چاہتی ہوں۔'' جس طرح ہر جگہ خود پیسے خرچ کرتا اور اسے کہیں ذرا سے بھی پیسے خرچ نہ کرنے دیتا اس سے وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں عباد یہاں بھی منع نہ کر دے، مگر وہ آج اس کے تمام اندازے غلط ثابت کر رہا تھا، اس نے سڑک پر اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا بلکہ اب کافی دیر بعد جب وہ اسٹور میں آئے تھے۔ تب اسٹور کے اندر آ کر اپنا ہاتھ الگ کیا تھا اور اس نے اس سے تحفہ لینے سے بھی انکار نہیں کیا تھا۔

''دل چاہتا ہے تو دیتی کیوں نہیں ہو گفٹ! میں تو اکثر یہ سوچا کرتا ہوں کہ یہ ہنیا بڑی کنجوس لڑکی ہے، اس نے آج تک کبھی مجھے گفٹ میں کچھ نہیں دیا۔''

وہ متبسم نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہ یکدم بہت خوش ہو گئی تھی۔ خوشی سے سرشار ہوتے وہ ہینگرز میں ٹنگی شرٹس دیکھنے لگی۔

''عابی! تمہیں کونسا کلر اچھا لگ رہا ہے؟ یہ بلیو یا وہ فان؟'' اس نے دو ڈیزائنر شرٹس کی جانب اشارہ کیا۔

''فان۔'' وہ شرٹس سے زیادہ اس کی خوشی سے تمتماتے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

''عابی! مجھے بلیو زیادہ اچھی لگ رہی ہے۔ تم پر بلیو کلر بہت زیادہ سوٹ کرتا ہے۔'' اس نے جیسے ایک الجھن عباد کے سامنے رکھی مگر وہ فوراً ہی بولا۔

''نو پرابلم۔ ہم بلیو ہی لے لیتے ہیں۔''

''پر تمہیں فان زیادہ اچھی لگ رہی ہے نا؟'' اسے بلیو شرٹ زیادہ پسند آ رہی تھی مگر وہ عباد کی پسند کو بھی مقدم رکھنا چاہتی تھی۔

"مجھے ہر وہ چیز سب سے زیادہ اچھی لگتی ہے جو ہنیا سجاد کو اچھی لگتی ہے، اب تو یہ بلیو شرٹ ہی خریدی جائے گی"۔

اس نے وہ شرٹ اٹھالی تھی اور پیچھے کھڑی سیلز گرل کے سپرد کرتا اس کے ساتھ کاؤنٹر کی طرف پے منٹ کے لیے آ گیا۔

"پیسے میری فیانسی دے گی۔ یو نو یہ میرا نیو ایئر گفٹ ہے۔"

وہ کاؤنٹر پر کھڑے اطالوی کیشیئر کو بتانے لگا۔ اس کی فخریہ انداز میں دی جانے والی اس اطلاع پر وہ درمیانی عمر کا اطالوی بندہ مسکرایا تھا، ساتھ ہی اس کی فیانسی کے اتنا اچھا تحفہ دینے پر اسے سراہا بھی تھا۔ جبکہ وہ عباد کی اس حرکت پر جھینپی اور پھر مسکرائی۔ وہ اس شرٹ کو اچھے سے ریپنگ پیپر میں ریپ کروانا اور اس پر خوبصورت سا ربن بھی بندھوانا چاہتی تھی مگر عباد نے منع کر دیا تھا۔

"تم اس پر مجھے کچھ لکھ دو۔ تاکہ میں اسے جب بھی پہنوں یہ یاد آجائے کہ یہ تم نے دی ہے۔"

کاؤنٹر کے سامنے سے ہٹنے کے بعد وہ اس سے بولا۔

"شرٹ خراب ہو جائے گی۔" وہ متامل سی ہوئی۔ "اندر کی طرف چھوٹا سا کچھ لکھ دو Just your Signatures۔" عباد نے شاپنگ بیگ میں سے ڈبہ اور ڈبے میں سے شرٹ نکال کر اسے پکڑائی اور پھر اپنی جیب سے قلم نکال کر اسے دیا۔

"نہیں خراب ہو گی یار! اندر کی طرف بالکل چھوٹا سا لکھ دو۔ یہ لیبل پر لکھ دو۔" اسے گومگو کی کیفیت میں دیکھ کر وہ بولا، ساتھ لکھنے کے لئے جگہ بھی بنا دی۔

ہنیا نے کالر کے نیچے پشت پر جہاں اس مشہور ڈیزائنر کا لیبل لگا تھا جس کی ڈیزائن کردہ یہ شرٹ تھی اس پر To Aabi Love Honey کے الفاظ انتہائی چھوٹی اور باریک لکھائی میں لکھ دیئے۔ عباد بڑی خوشی خوشی اس شرٹ اور اس پر لکھی گئی تحریر کو مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔

"اب یہ گفٹ ہمیشہ کے لئے یادگار ہو گیا ہے۔" وہ اب شرٹ کو تہہ کر کے واپس ڈبے میں ڈال رہا تھا۔ اسٹور میں ان دونوں کے علاوہ بھی کئی لوگ موجود تھے اور اپنی اپنی شاپنگ میں مصروف تھے۔ وہ سر پہ اپنے منک ہیٹ کو ٹھیک کر رہی تھی، جب عباد اس سے بولا۔

"آؤ ہنی! میں تمہاری ایک تصویر کھینچوں۔"

شاپنگ بیگ اپنے پیروں کے پاس رکھ کر اس نے کیمرہ سنبھال لیا۔ اس نے آج پارٹی میں ہنیا کی کئی تصویریں کھینچی تھیں۔ وہ اس انداز اور اس لباس میں اسے اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ بے اختیار دل چاہا تھا اس کی ایک اور تصویر کھینچے۔ وہ عباد کے کہنے پر اسٹور کی بڑی ڈسپلے ونڈو کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ عباد نے کیمرہ آنکھ سے لگایا اسٹور روشنیوں سے جگمگا رہا تھا ہنیا کے چہرے پر اس طرح روشنی پڑ رہی تھی کہ تصویر بہت اچھی کھینچ سکتی تھی۔ اس نے اسے اس بڑی سی شیشے کی کھڑکی کے سامنے اس لئے کھڑا کیا تھا کہ یہاں سے باہر سڑک کا منظر بھی نظر آ رہا تھا۔

وہ تصویر میں ہنیا پر فوکس رکھتے بیک گراؤنڈ میں گرتی ہوئی برف کو بھی لانا چاہتا تھا جو باہر سڑک پر روشنیوں کی چکاچوند کے سبب تصویر میں نظر آ رہی تھی اس تصویر میں ہنیا بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اپنی عمر سے بہت چھوٹی اور بہت مختلف لگ رہی تھی۔

"اب ہم دونوں ساتھ میں ایک تصویر کھنچوائیں۔" عباد بولتے ہوئے اس اطالوی کیشئر کے پاس چلا گیا۔ جو فی الوقت فارغ کھڑا تھا اور اس سے درخواست کی کہ وہ ان دونوں کی ایک تصویر کھینچ دے۔ عباد خود بھی اس کے ساتھ اس جگہ کھڑا ہو گیا تھا۔ جہاں ابھی ہنیا نے اکیلے کھڑے

ہو کر تصویر کھنچوائی تھی۔

"Nice Couple" تصویر کھینچ جانے کے بعد جب عباد نے اس اطالوی کا شکریہ ادا کیا، تب اسے کیمرہ لوٹاتے اس نے مسکرا کر ان دونوں کو اپنے تعریفی تبصرے سے نوازا۔

''اب تو تم اور بھی خوش ہو گی۔ آج ہر جگہ تمہیں یہی کمنٹس اور یہی ٹائٹل مل رہے ہیں۔''

وہ دونوں اسٹور سے باہر نکل آئے، تب عباد اسے چھیڑنے لگا۔

''ہاں بہت خوش ہوں۔'' اس نے مغرورانہ انداز میں گردن اکڑائی۔

''صبح تک تو یہ ساری سڑکیں اور سب درخت برف سے ڈھک چکے ہوں گے۔'' اس کا ہاتھ تھام کر چلتے ہوئے عباد نے سر اٹھا کر آسمان سے گرتی برف کو دیکھا۔ اسٹور سے باہر نکلتے ہی عباد نے ازخود اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس کا ہاتھ تھام کر چند قدم چلتے ہی اسے عباد کے ہاتھ پکڑنے کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔ اس نے موسم کے لحاظ سے بند جوتے پہنے ہوئے تھے مگر آخر فیشن بھی کسی چڑیا کا نام ہے سو ہائی ہیل والے بند جوتے پہننے سے وہ خود کو روک نہیں سکی تھی۔

وہ اپنی ہائی ہیل کے سبب برف پر پھسل نہ جائے، اس کے کوئی چوٹ نہ لگ جائے، اس لیے اس نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ وہ اس کا کس طرح خیال رکھا کرتا تھا، جیسے وہ کوئی چھوٹی سی بچی ہے، کانچ کی گڑیا ہے، اپنے لیے اس کی یہ پروا، یہ فکر اسے بے انتہا اچھی لگ رہی تھی۔

''کاش نیویارک میں سارا سال برف باری ہوا کرے، کم از کم اس بہانے عباد عذیر نے میرا ہاتھ تو پکڑ لیا۔''

دل میں جو بھی خوشی محسوس کی تھی، پر زبان سے وہ اسے چھیڑنے سے باز نہ رہی تھی۔

''تمہاری فرمائش پر آج میں تمہارے ساتھ چلا گیا، ہم نے پوری شام ساتھ گزاری، خوب انجوائے بھی کر لیا، اب میرا خیال ہے ان تفریحات کو ختم کر کے پڑھائی کے متعلق کچھ سیریس ہو جاؤ، تمہارے ایگزیمز سر پہ ہیں۔'' اس کی شوخی اور شرارت کے جواب میں وہ سنجیدگی سے بولا۔ وہ دونوں اب عباد کے اپارٹمنٹ کے کافی نزدیک پہنچ چکے تھے۔

''اتنا تو پڑھتی ہوں میں عابی۔''

''کوئی نہیں پڑھ وڑھ رہیں۔ روز تمہیں ملنا ہوتا ہے، روز تمہیں گھنٹوں فون پہ باتیں کرنا ہوتی ہیں۔

ذرا سوچو تمہارا رزلٹ پہلے جیسا نہ آیا تو ماما جان تو یہی سوچیں گی کہ ایسا میری وجہ سے ہو رہا ہے۔ مجھ سے ملنے سے پہلے ان کی پوتی خوب پڑھا کو تھیں۔'' وہ حد درجہ سنجیدگی سے بولا۔

اس کی اس سنجیدگی اور دو ٹوک انداز سے اسے کچھ خطرے کی بو آئی۔ ''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ آج کے بعد، اب جب تک تمہارے ایگزیمز نہیں ہو جاتے روز ملنا بند۔'' اس ظالمانہ حکم پر اس نے اپنے سینے پہ بے ساختہ ہاتھ رکھا اور احتجاجی انداز میں چلائی۔

''ارے واہ کیوں ملنا بند۔ میں نہیں مانتی تمہاری بات۔''

''نہیں مانو گی یا بحث کرو گی تو فون پر بات کرنا بھی بند کر دوں گا۔ کچھ ہوش کے ناخن لو لڑکی۔ ایگزیمز میں پاس ہونا ہے کہ نہیں۔''

وہ اپنے ظالمانہ فیصلے میں بالکل اٹل تھا۔ اختلاف اور بحث کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ اسے اتنا دوٹوک اور اٹل دیکھ کر دھونس، دھمکی والا انداز ترک کر کے وہ التجائیہ انداز پر فوراً آ گئی۔

''اتنی خوبصورت شام کا اختتام اتنے بڑے نوٹ پر؟ پلیز عابی! اتنا سنگ دلانہ حکم مت دو۔ میں تم سے ملے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میں پرامس کر رہی ہوں اسٹڈیز پر پوری توجہ دوں گی، تمہیں شکایت نہیں ہوگی۔ میں بہت اچھا رزلٹ لاؤں گی۔''

''تم کچھ بھی کہو میرا فیصلہ اٹل ہے ہنیا سجاد! ہاں فون پر ہم ضرور بات کریں گے، مگر گھنٹوں کے حساب سے نہیں بلکہ تھوڑی سی دیر کے لئے۔''

''رہنے دو اس احسان کی بھی کیا ضرورت ہے۔''

اس کا منہ پوری طرح پھول چکا تھا۔ وہ اب اس سے ایک لفظ بات نہیں کر رہی تھی۔ عباد نے کئی بار اس سے موسم پر، برف باری پر، رات کی خوبصورتی پر بات کرنی شروع کرنا چاہی مگر وہ اس سے رخ پھیرے، منہ پھلائے خاموش چلتی رہی۔ وہ عباد کے اپارٹمنٹ پہنچ گئے تھے۔ وہ اس سے کچھ بولے بغیر سیدھی اپنی گاڑی کے قریب آ گئی۔ وہ اسے خدا حافظ کہے بغیر اپنی گاڑی میں بیٹھنے لگی تھی۔

''اتنی خوبصورت شام کا اختتام اتنے برے نوٹ پر؟''

وہ اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر اس نے اسے گاڑی میں بیٹھنے سے روکا تھا۔ ہنیا نے گردن گھما کر اسے دیکھا۔ اس کا جملہ اس کو لوٹاتے وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ اب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔

''ہنیا سجاد! صرف تم نہیں، میں بھی تم سے ملے بغیر نہیں رہ سکتا۔ نہ ملنے کی بات جو میں نے کہی ہے تو کوئی بہت خوشی سے نہیں کہی ہے۔ مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ اپنا زیادہ وقت میرے ساتھ گزارتے تم اپنی اسٹڈیز کو کچھ اگنور کر رہی ہو اور ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے اس لئے یہ بات کہہ رہا ہوں اور میں نے یہ کب کہا کہ ہم سرے سے ملا ہی نہیں کریں گے۔ میں نے روز ملنے سے منع کیا ہے، ملنے سے تو نہیں۔ ہم ہفتے میں دو دفعہ ضرور ملا کریں گے۔''

''تین دفعہ۔'' اس کے نرم لب و لہجے میں کی بات کے اختتام پر وہ بے ساختہ بولی۔ وہ اس بار قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

''یعنی تمہیں میری بات ماننی تو نہیں ہے، یہ طے ہے۔ اگر میں تین دفعہ کہتا تو تم چار دفعہ کہتیں۔'' وہ جواباً کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

''اور تمہارے مما، پاپا جو آنے والے ہیں؟'' آنے والے دنوں میں ملنے اور نہ ملنے کے ذکر پر اسے یکدم ہی اس بات کا بھی خیال آیا تو وہ فوراً ہی سنجیدہ ہوتے پوچھنے لگی۔

''وہ جب آئیں گے، میں تمہیں بتا دوں گی۔ پاپا نے شاید سیٹ بھی کنفرم کرا لی ہے، مگر مجھے بتا نہیں رہے عادت ہے ان کی مجھے سسپنس میں رکھنے کی، لگتا ہے بالکل آخری لمحے میں بتائیں گے۔ خیر! ابھی ان کے آنے کی ڈیٹ مجھے بھی نہیں پتہ، لہٰذا فی الحال تو تم سنجیدگی سے اپنی پڑھائی کرو۔'' اس نے بھی اسے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

☆

اس کے ایگزیمز تقریباً ختم ہو چکے تھے، ان دنوں اس کے ڈیزائن پروجیکٹ کے وائیوا چل رہے تھے اور عباد کے ظالمانہ حکم کے مطابق ان کا ملنا اس دوران بہت کم رہا تھا۔ فون پہ بات بھی ان دنوں گھنٹوں کے حساب سے نہیں بلکہ صرف ایک یا دو منٹ پر مشتمل ہوتی تھی۔ عباد کے مما، پاپا ابھی تک امریکہ نہیں آئے تھے۔

اپنے ایگزیمز کے دوران اسے مسلسل اس بات کا دھیان رہا تھا کہ وہ کب آئیں گے؟ ماما جانی ان دنوں شکا گو گئی ہوئی تھیں۔ اس کے بہنوئی کی طبیعت کچھ خراب تھی اور وہ ہاسپٹلا ئزڈ تھے۔ ماما جانی نے جیسے ہی ان کی بیماری کا سنا وہ بے قرار ہو گئیں۔ اگرچہ کہ ان کے اس عمل سے کسی اور کو تو کیا اس کی بہن کو بھی کچھ خاص فرق پڑنے والا نہیں تھا۔ اس کے دونوں بھائی اور بہن سب کے سب مکمل امریکن تھے۔

اس گھر اور اسی ماحول میں پرورش پانے کے باوجود جب انہوں نے اپنی زندگیاں اپنے طور پر اپنے انداز میں گزارنی شروع کیں تو زندگی گزارنے کے لئے وہی سب نے Materialiste سوچ اور نظریات، وہی مشینی سا انداز اختیار کر لیا، جو اس معاشرے کا خاصہ تھا۔ وہ تینوں ہنیا اور ماما جانی سے محبت بے شک کرتے ہوں گے مگر اس محبت کے اظہار کے لیے ان کے پاس نہ وقت تھا نہ فرصت۔ یمینہ سول انجینئر تھی، ایک کامیاب پروفیشنل تھی اور خالد اپنے والدین کے حوالے سے جس کا پاکستان سے تعلق تھا مگر وہ بھی ان ہی لوگوں کی طرح پیدائشی امریکن شہری، وہ بھی ایک انجینئر ہی تھا۔

ان لوگوں کے گھر جا کر کم از کم اسے تو کبھی یہ نہیں لگتا کہ وہ اپنی بہن کے گھر آئی ہے۔ بہن اتنی مصروف تھی کہ اس کے پاس اپنے میاں اور بچوں کے لئے فرصت نہیں تھی تو کسی اور کے لئے کیا کرتی۔ یہی حال اس کے دونوں بھائی کے گھروں کا بھی تھا۔ وہی جذبات سے عاری ماحول۔ گھر کے افراد ہی باہم ایک دوسرے سے لاتعلق، اس کے بھائی، بھابیاں اور بھتیجا بھتیجی ہر کوئی اپنی اپنی انفرادی زندگی گزار رہا تھا۔ کسی کو کسی کی پروا نہیں تھی۔ ایک بے نیازی، ایک لاتعلقی سی میاں، بیوی، ماں، باپ اور بچوں کے بیچ۔ میاں کے پاس بیوی کے دل کی بات سننے کا وقت نہیں تھا اور بیوی کی پروفیشنل مصروفیات، اسے میاں کے دل میں جھانکنے کی مہلت نہ دیتی تھی۔

یمینہ، جنید اور معاذ وہ تینوں اپنے اس ماحول میں بہت خوش تھے، جہاں میاں بیوی اور بچوں کا آپس میں اتنا سرسری تعلق تھا، وہاں بہن اور دادی کے لئے فرصت اور وقت نکالنا ناممکن ہی تھا۔ اپنے والدین کے انتقال کے بعد سے گزشتہ کئی برسوں سے اب اس کا اپنے بہن بھائیوں سے خاص خاص موقعوں اور تہواروں پر ہی ملنا جلنا رہ گیا تھا۔ وہ لوگ عید پر یہاں آ جاتے، عید کا دن ان کے ساتھ گزارتے یا ہنیا اور ماما جانی کی برتھ ڈیز پر ان تینوں کی جانب سے فون کالز اور تحفے موصول ہو جاتے۔ بھائیوں سے لاڈ اٹھوانا، ضدیں پوری کروانا، بھابیوں سے دوستی، بہن سے رازدارانہ سرگوشیاں، ایسا کچھ نہیں تھا، اس کے اور اس کے بہن بھائیوں کے بیچ۔ بلکہ اگر کبھی وہ اپنی ایسی کسی حسرت کا اظہار کرتی تو اس سے بارہ سال بڑے جنید جو ہارورڈ یونیورسٹی میں پڑھا رہے تھے، اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ اسے ماما جانی کی خالص پاکستانی تربیت اور پرورش کا جیتا جاگتا شاہکار قرار دیتے تھے، احمقانہ قسم کی جذباتیت سے بھرپور۔

وہ اس کا چاہے جتنا بھی مذاق اڑا لیتے اسے ماما جانی کے زیرسایہ پرورش پانے پر فخر تھا۔ ان ہی سے تو اس نے اس خودغرضی سے بھرے معاشرے میں رشتے ناتوں کو اہمیت دینا سیکھا تھا۔ اسے اپنے بہن بھائیوں کی بھاگتی دوڑتی مشینی اور بے تحاشا مصروف زندگیوں اور زندگی گزارنے

کے مادہ پرستانہ انداز سے شدید ڈپریشن ہوتا تھا۔

خدا جانے ماما جانی کا بنیا کے ہاں کتنے دن قیام رہتا تھا۔ جب تک وہ خالد کی صحت کی طرف سے مطمئن نہ ہو جاتیں، ان کے واپس آنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ وہ ماما جانی کے اتنے دنوں کے لئے چلے جانے پر کبیدہ خاطر اس لئے بھی تھی کہ کل اس کی برتھ ڈے تھی اور ماما جانی کے بغیر برتھ ڈے کا کیا مزہ تھا۔ ایک طرف ماما جانی کی غیر موجودگی اسے ناخوش کر رہی تھی تو دوسری طرف جانب عباد کی سنگ دلی غصہ دلا رہی تھی۔ وہ اس سے کئے وعدے کی لاج نبھاتے اسے فون بھی نہیں کرتی تھی اور ملنے پر اصرار بھی نہیں کرتی تھی۔ وہ خود ہی دن میں ایک آدھ بار اسے فون کر لیا کرتا تھا۔ جبکہ ملنے کے لئے دو، تین دن چھوڑ کر تو اس کے گھر جاتا یا اگر وہ کیمپس گئی ہوتی تو وہاں آ کر مل لیتا۔

اسے اپنے ایگزیمز کالے پانی کی سزا لگ رہے تھے۔ وہ ایگزیمز جو اسے عباد عذیر سے ملنے سے روکنے کا سبب بن رہے تھے اسے ان سے شدید نفرت ہو رہی تھی۔ اسے کسی کسی دن جب وہ بہت ہی یاد آ رہا ہوتا تو خود پہ غصہ آنے لگتا آخر اسے اتنی مشکل پڑھائی میں پڑنے کی ضرورت کیا تھی وہ دل پہ جبر کر کے جیسے تیسے اس روٹین کو جھیل رہی تھی مگر آج تو حد ہو گئی تھی۔ آج اسے عباد سے بات کئے پورے سات دن ہو گئے تھے۔ پہلے دن اس کا فون نہیں آیا اس نے صبر کیا، خود بھی فون نہیں کیا۔ اگلے روز پھر یہی ہوا، اس سے اگلے روز پھر یہی اور یوں آج ساتواں دن تھا۔ اسے عباد سے ملے اور بات کئے بغیر۔ وہ اب اس سے ملے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ چاہے عباد کتنا بھی ناراض ہو۔ اب اس کی تسلی فون پر بات کرنے سے بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اسے ہر صورت اس سے ملنا تھا۔

وہ عباد کے اپارٹمنٹ جا رہی تھی۔ وہ ان دنوں اس کے ایگزیمز کے اچھے ہو جانے کے لئے جتنا فکر مند تھا، ایسے میں اسے پکی امید تھی کہ اسے اپنے سامنے دیکھتے ہی وہ ناراضی اور برہمی کا اظہار کرتا کسی سخت گیر استاد کی طرح اس کے پڑھائی سے لاپروائی برتنے پر خفا ہوگا اور پھر اسے ایک طویل لیکچر دے گا۔ اس لیکچر سے بچنے کے لئے اس نے زبردستی ڈھونڈ ڈھانڈ کر اپنے اگلے Oral ایگزیمز سے متعلق کچھ سوالات نکالے تھے، جنہیں وہ اس سے پوچھنے والی تھی۔ وہ اتنا بھولا معصوم تو نہ تھا کہ اس کی چالاکی کو سمجھ نہ پاتا خیر اس کی بھولی بھالی صورت پر اسے ترس آ ہی جانا تھا۔

شام کے سات بج رہے تھے اور عباد کی روزانہ کی مصروفیات کی جس طرح لمحہ لمحہ کی اسے خبر رہتی تھی، ایسے میں وہ جانتی تھی آج اس وقت وہ اسے لازمی طور پر گھر پہ ہی ملے گا۔ اس لئے فون پر اپنے آنے کی اطلاع دیئے بغیر وہ یونہی آن دھمکی۔ اس کے بیل کرنے پر عباد نے دروازہ کھولا۔ وہ اسے غیر متوقع اور بغیر اطلاع کے سامنے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ ''تم؟''

''ہاں میں۔'' اس نے بصد اطمینان کہا اور اندر قدم رکھ دیئے۔ اس کے کسی لیکچر کے شروع ہونے سے قبل وہ اکڑ کر بولی۔ ''لیکچر دینے کی ضرورت نہیں ہے، تم سے ملنے نہیں آئی ہوں۔ اسٹیل اسٹرکچرز میں کچھ چیزیں تم سے پوچھنی ہیں، صرف اس کی وجہ سے آئی ہوں ورنہ تم سے ملنے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔''

''تو تم کیوں آ گئیں مجھے کہہ دیتیں، میں آ جاتا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''میں آ جاتا۔ بول ایسے رہے ہو، جیسے میری بہت پروا ہے۔ اتنے دنوں سے ماما جانی شکا گو گئی ہوئی ہیں، فون کر کے ایک بار بھی میری

خیریت تک تو پوچھی نہیں ہے۔'' وہ چمک کر بولی۔

''ماما جانی شکاگو گئی ہیں؟ کیوں، خیریت؟ تم نے مجھے بتایا نہیں۔'' اس بار اس کے سنجیدہ چہرے پر کچھ فکر مندی پھیلی تھی۔

''تم سے بات ہو تو بتاؤں نا۔ آج میری آپ سے سات دن بعد بات ہو رہی ہے عباد عذیر! خالد بھائی کی طبیعت کچھ خراب ہے، اس لئے وہاں گئی ہیں ماما جانی۔'' اس کا بات کرنے کا انداز بالکل لڑاکا عورتوں والا تھا۔

''تمہیں مجھے بتانا چاہئے تھا۔'' وہ کچھ سنجیدگی اور کچھ فکر مندی سے بولا۔ وہ اسے دیکھ کر ایک بار بھی مسکرایا نہیں تھا۔ وہ حد درجہ سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ وہ بہت تھکا تھکا اور بجھا ہوا سا بھی لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے پڑے حلقے یہ بتا رہے تھے کہ شاید گزشتہ چند راتوں سے وہ سویا ہی نہیں ہے۔ اس نے عباد کو بغور دیکھا۔

''لگتا ہے تم مجھے دیکھ کر خوش نہیں ہوئے ہو۔ آخر بات کیا ہے؟ اندر کون ہے؟'' اس نے قصداً غیر سنجیدگی سے کہا۔ وہ اسے ہنسانا چاہتی تھی۔ اگر پڑھائی کا پریشر اور تھکن ہو تو اسے اپنی اوٹ پٹانگ باتوں سے دور کر دے۔

''تو میرا شک صحیح نکلا نا۔ میرے ایگزیمز کو بہانہ بنا کر مجھ سے ملنے اور فون کرنے سے اس لئے منع کیا جا رہا ہے کہاں ہے وہ؟''

''وہ کون؟'' وہ پتہ نہیں ذہنی طور پر کہاں تھا اس نے پوری طرح اس کی بات بھی شاید نہیں سنی تھی۔

''وہی تمہاری نئی گرل فرینڈ۔'' اس نے لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر کہا۔

''توبہ ہے تم سے ہنیا سجاد۔ جا کر دیکھ لو اچھی طرح پورا اپارٹمنٹ۔ کر لو اپنی تسلی۔''

''ہاں تو میں دیکھنے جا رہی ہوں۔'' وہ اس کی باتوں پر مسکرا تو رہا تھا مگر یہ مسکراہٹ عباد عذیر کی مسکراہٹ نہ تھی۔ نہ آنکھوں میں چمک، نہ چہرے پر خوشی، اسے تو مسکراتے وقت نمایاں ہوتا اس کا ڈمپل بھی سوگوار سا لگ رہا تھا۔ بات کیا تھی؟ آخر کیا ہوا تھا؟ وہ پورے دل سے قہقہے لگا کر ہنسنے والا شخص، یہ سنجیدگی اور رنجیدگی تو اس کے مزاج کا حصہ ہی نہ تھی ابتدائی چند لمحوں کی کنفیوژن کے بعد اب وہ یہ بات یقین سے کہہ سکتی تھی کہ بات جو بھی ہے وہ پڑھائی کا پریشر یا تھکن ہرگز نہیں، وہ کسی بات پر پریشان ہے، کوئی چیز اسے ڈسٹرب کئے ہوئے ہے، وہ کسی بات پر بہت ملول اور اداس ہے۔ اسے عباد کی زندگی کی چمک سے بھرپور آنکھوں میں بے تحاشا اداسی نظر آ رہی تھی۔ ہنیا اسے بغور دیکھ رہی ہے، وہ اس کی اداسی محسوس کر رہی ہے۔ اسے جیسے یکدم ہی اس بات کا احساس ہو گیا تھا۔

اس نے فوراً اپنے چہرے پر موجود مصنوعی مسکراہٹ کو مزید گہرا کر دیا تھا۔ وہ اسے ساتھ لے کر خود اپنا پورا اپارٹمنٹ چیک کروا رہا تھا، ہر کمرے کا دروازہ خود کھول کر جبکہ وہ اسے دیکھتے اس کے ساتھ بس یہی خاموشی سے چلے جا رہی تھی۔ بالکونی، کچن، باتھ روم وہ اسے خود ہر جگہ دکھاتا جا رہا تھا۔

''دیکھ لو شکی لڑکی! میرے اپارٹمنٹ میں کوئی نہیں ہے۔'' وہ ملامتی انداز میں بولا۔ وہ اس کی توجہ خود پر نہیں چاہ رہا تھا، وہ اسے اپنی آنکھوں کو پڑھتا دیکھ رہا تھا اور ایسا چاہتا نہیں تھا کہ اسی لئے اس کی توجہ خود پر سے ہر حال میں ہٹا دینا چاہتا تھا، وہ اس سب کو محسوس کر سکتی تھی، محسوس کر رہی تھی۔

''ہو گئی تسلی؟ دیکھ لو یہاں کوئی نہیں ہے۔ توبہ ہے ہنی! تم کتنی شکی لڑکی ہو۔''

''عابی! کیا ہوا ہے؟'' اس نے عباد کی بات کا جواب دیئے بغیر پوچھا۔ اب وہ سنجیدہ اور عباد غیر سنجیدہ تھا۔

''کسے کیا ہوا ہے؟'' وہ اسے ساتھ لے کر اپنے لیونگ روم میں آ گیا تھا۔

''تمہیں۔'' وہ اس کے اشارہ کرنے پر صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

''لو جی چھٹی ہوئی۔ پہلے کسی لڑکی کی موجودگی کا وہم ہو رہا تھا، اب مجھے کچھ ہو گیا ہے۔ ہنیا سجاد! تمہارے زرخیز دماغ میں اس کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے۔ چار دن تم سے ملوں گا نہیں، تو میری محبت ہی مشکوک ہو جائے گی۔'' وہ اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

''جھوٹ مت بولو۔ کچھ ہوا ہے، کوئی بات ہے جو تم مجھ سے چھپا رہے ہو۔ ذرا چہرہ دیکھو اپنا اتنا کمزور اور بجھا ہوا لگ رہا ہے تین چار دنوں سے سوئے ہی نہیں ہو، اتنے گہرے حلقے پڑے ہیں آنکھوں کے نیچے۔''

''میں تمہاری جدائی میں کمزور ہو گیا ہوں، ہنیا ڈیئر۔ اور چلو اس سے تمہیں یہ تسلی تو ہو گئی ہو گی کہ تم سے ملے بغیر میں کتنا اداس ہوں۔'' اس نے مسکرا کر بولتے ہوئے سینٹر ٹیبل پر رکھی اس کی کتابیں اٹھا کر دیکھنی شروع کر دیں۔

''اب یہ ادھر ادھر کی باتیں چھوڑو اور جو پوچھنے آئی ہو وہ پوچھو۔ پھر مجھے بھی اپنا کافی کام کرنا ہے۔''

وہ خاموشی سے اس کے چہرے کو دیکھتی رہی۔ کچھ ہوا تھا جو وہ اس سے چھپا رہا تھا، کچھ تھا جو وہ اس سے چھپا لینا چاہتا تھا۔ اسے یک لخت ہی احساس ہوا کہ اس کچھ کو چھپائے رکھنے ہی کے لئے وہ اس سے پچھلے سات دنوں میں نہ تو ملا تھا اور نہ ہی کوئی فون کیا تھا۔

''کیا پیو گی تم؟ اسٹرابیری شیک بنا کر لے آؤں۔''

وہ کتنا بھی اس وقت خود کو لاپروا اور بے نیاز ظاہر کرتا، جس قدر بھی غیر متعلقہ باتیں کر لیتا، وہ اس کی باتوں میں آ نہیں سکتی تھی۔ وہ اس مصنوعی ہنسی اور لاپروائی و غیر سنجیدگی سے دھوکہ کھا جانے والوں میں سے نہ تھی۔ عباد عذیر اس کے سینے میں دل بن کر دھڑکتا تھا، وہ اسے نہ سمجھتی، اس کی آنکھوں کو نہ پڑھتی تو آخر کسے سمجھتی؟ کسے پڑھتی؟

''عابی! مجھے بتاؤ پلیز کیا ہوا ہے؟'' وہ اپنے صوفے پر اٹھ کر اس کے برابر آ کر بیٹھ گئی۔ اس نے عباد کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں، لگتا ہے میری سات دنوں کی جدائی نے تم پر گہرا اثر ڈالا ہے، تمہیں میں ہٹا کٹا تندرست بندہ بیمار اور کمزور بھی لگ رہا ہوں اور اچھا بھلا کچھ نظر آنے لگا ہے۔ اچھا یار! اب ہم روزانہ ملیں گے، اپنی جدائی میں تمہاری یہ حالت تو مجھ سے واقعی نہیں دیکھی جا رہی۔''

''اور مجھے لگتا تھا ہمارا رشتہ اتنا مضبوط تو ہے ہی کہ ہم ایک دوسرے سے کبھی بھی اپنی کوئی بات چھپائیں گے نہیں۔ مگر شاید میں غلط تھی۔'' اس کی آواز یک دم ہی بھرا گئی تھی۔

''تم مجھے نہیں بتانا چاہتے کوئی بات نہیں، مگر کچھ نہیں ہوا کا، جھوٹ بول کر میری محبت کی انسلٹ مت کرو۔ میں تمہارا چہرہ دیکھ کر یہ جان سکتی ہوں عباد عذیر! کہ کچھ ہوا ہے جو تمہیں بہت پریشان کر رہا ہے۔'' ناراضی اور شکوہ ہی نہیں اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی بھی شامل تھی۔ وہ عبا کے چہرے پر سے نظریں ہٹا کر دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔ اس نے اس کا ہاتھ بھی چھوڑ دیا تھا۔

"ہنی۔" اس کے آواز دینے پر اس نے نظریں گھما کر اسے دیکھا۔ وہ سنجیدگی اور دکھ سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کسی تذبذب میں مبتلا لگ رہا تھا۔

"ہمارا رشتہ جتنا تم سمجھتی ہو اس سے بھی زیادہ مضبوط ہے۔ تمہیں مجھ پر، میری ذات پر ہر طرح کا حق حاصل ہے مگر پلیز! ابھی مجھ سے کچھ پوچھنے کے لئے اصرار مت کرو۔ میں تمہیں تمہارے ایگزیمز کے دوران پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ تم سکون سے اپنے ڈیزائن پروجیکٹ سے فارغ ہو لو ہم اس بات کو پھر ڈسکس کر لیں گے۔"

"وہ نرمی اور محبت سے اسے سمجھا رہا تھا۔ وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ اسے بات بتانا بھی نہیں چاہتا تھا۔"

"کوئی بات ہے اور مجھ سے ہی متعلق ہے، ہے نا عابی؟" وہ جواباً خاموش رہا۔ "میں پریشان نہیں ہوں گی۔ تم ہمارے رشتے کو توڑنا چاہتے ہو؟" اپنی نئی گرل فرینڈ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟" وہ اتنا بجھا ہوا، اتنا اداس، اتنا دل گرفتہ ذرا بھی تو اچھا نہیں لگ رہا تھا، اس نے اسے ہنسانا چاہا تھا اور وہ جواباً قہقہہ لگا کر ہنس میں پڑا تھا۔

"یہ میری نئی گرل فرینڈ تمہارے اعصاب پر کب سے سوار ہو گئی؟"

"جب سے تم نے مجھ سے ملنا اور مجھے فون کرنا چھوڑا ہے۔ میں اتنی کمزور نہیں ہوں عابی! مجھ میں ہر بات سننے کا حوصلہ ہے۔"

غیر سنجیدگی سے بولتے بولتے اس نے یک لخت ہی سنجیدگی سے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ کر کہا۔ عباد نے اپنے ہاتھ کے اوپر رکھے اس کے ہاتھ کو دیکھا، پھر اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا دوسرا ہاتھ محبت سے رکھتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

"میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں ہنیا! میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ مگر میں یہ بات پاپا کو سمجھا نہیں پا رہا ہوں۔"

انجانے وسوسوں اور خدشات کے تحت تیز تیز دھڑکتا اس کا دل ایک پل کے لئے بالکل ساکت ہو گیا تھا۔ اس پر جیسے کوئی بجلی آ کر گری تھی، اس کے خوابوں کے حسین محل کو کوئی جیسے مسمار کرنے لگا تھا۔ اس کے بدترین خدشات یکدم ہی حقیقت بن کر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔ عباد کی خود سے والہانہ اور شدید محبت دیکھتی تو کبھی کبھی خود ہی ڈر جایا کرتی تھی۔ وہ اتنا اچھا انسان، وہ اسے اتنا ٹوٹ کر اتنا والہانہ اور بے حساب چاہتا تھا، اس میں اچھائیاں ہی اچھائیاں تھیں، اس کی محبت میں سچائیاں ہی سچائیاں تھیں، عباد کی محبت اتنی سچی اتنی والہانہ تھی، سب کچھ اتنا اچھا، اتنا مکمل اور اتنا بھرپور تھا کہ کبھی کبھی اسے کسی ان ہونی کا ڈر لگنے لگتا تھا۔ زندگی اتنی مکمل نہیں ہوتی، زندگی اتنی پرفیکٹ اور اتنی خوشیوں بھری نہیں ہوتی اور عباد اس کے خدشات کی تصدیق کر رہا تھا، اس کا ڈر ٹھیک تھا۔ اس کے وہم درست تھے۔

زندگی ہنیا سجاد کے لئے بھی مکمل اور پرفیکٹ نہ تھی۔ لیکن وہ عباد کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ زندگی کی دی ہر خوشی سے خوشی خوشی دستبردار ہونے کو تیار ہے، مگر عباد عذیر سے نہیں۔ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتی، وہ اس کے بغیر نہیں جی سکتی۔ "زندگی مجھ سے میرا سب کچھ لے لو، مگر مجھ سے اس شخص کو مت لینا۔ یہ ساتھ ہو گا تو زندگی ہو گی ورنہ تو میرے پاس کچھ ہو گا ہی نہیں۔" وہ سانس روکے۔ عباد کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں دبائے اب بالکل خاموش تھا۔

"عابی۔" ابھی لمحہ بھر پہلے اس نے عباد سے کہا تھا وہ کمزور نہیں ہے اور اس وقت وہ خود کو بہت کمزور محسوس کر رہی تھی۔ عباد عذیر کے بغیر

زندگی؟ نہیں۔ کبھی نہیں۔ وہ چند دن اس سے ملے بغیر، اس سے فون پر بات کیے بغیر نہیں رہ سکتی تو اس کے بغیر زندگی کس طرح گزار سکتی ہے۔ یہ خدشات، یہ اندیشے، یہ ڈر کیوں اچانک ہی کہیں سے داخل ہو گئے تھے، ان کی خوبصورت دنیا میں، ان کی محبت بھری حسین زندگی میں۔

''تمہارے ماما، پاپا نے مجھے ریجیکٹ کر دیا عابی! میں امریکن ہوں اس لئے؟ میں ان کے مشرقی اور پاکستانی لڑکی کے تصور پر پوری نہیں اترتی؟'' اس نے رندھی آواز میں جیسے اپنے رد ہونے کی وجہ جاننا چاہی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر رہی تھیں، وہ انہیں بہنے سے روک رہی تھی۔

''نہیں ہنی! ایسا نہیں مما، پاپا بہت براڈ مائنڈڈ ہیں۔ تم امریکن ہو یا تم شلوار قمیص اور دوپٹہ نہیں پہنتیں، اس سے انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ بات یہ نہیں ہے انہوں نے تمہیں ریجیکٹ کیا بھی نہیں ہے۔''

''لیکن انہوں نے مجھے قبول بھی تو نہیں کیا ہے۔ ہے نا عابی؟'' اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے تھے۔ وہ روتی نہیں تھی۔ وہ بڑی باہمت اور بہادر لڑکی تھی۔ مگر اس وقت وہ خود کو اتنا بے بس اور بے اختیار محسوس کر رہی تھی کہ اس کا اختیار صرف اپنے آنسوؤں پر ہی رہ گیا تھا۔

''تمہیں کسی نے قبول کرنے سے انکار نہیں کیا ہے پاگل لڑکی۔ تم سے تو مما، پاپا ملے ہی نہیں ہیں۔ تم سے ایک بار مل لیں تو میرا دعویٰ ہے تم ان دونوں کو پہلی نظر میں پسند آ جاؤ گی۔ تمہیں نہ انہوں نے ناپسند کیا ہے نہ ریجیکٹ کیا ہے۔ وہ تمہیں جانتے ہی نہیں؟ تم سے ملے ہی نہیں تو؟'' عباد نے اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کو گرنے نہیں دیا تھا، وہ ابھی اس کی پلکوں سے گرے نہیں تھے اور اس نے انہیں اپنی پوروں پر چن لیا تھا۔

''لیکن انہوں نے مجھ سے ملنے سے انکار کر دیا ہے، ہے نا عابی؟ انہوں نے مجھے قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، تب ہی تو وہ امریکہ ابھی تک نہیں آئے؟''

''وہ امریکہ آ رہے تھے۔ وہ دبئی ہوتے ہوئے امریکہ آ رہے تھے۔ دبئی میں میرے تایا رہتے ہیں انہیں ان سے ملتے ہوئے میرے پاس امریکہ آنا تھا۔ وہ سات دن پہلے یہاں پہنچ بھی چکے ہوتے، مگر۔''

''مگر کیا عابی؟ خدا کے لئے جو بات بھی ہے مجھے بتا دو۔''

''پاپا مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں ہنی! وہ اور مما امریکہ آنے کے بجائے واپس پاکستان چلے گئے ہیں؟'' وہ اس پر سے نظریں ہٹا کر آہستگی سے بولا۔

''اور تم کہہ رہے ہو، انہوں نے مجھے ریجیکٹ نہیں کیا۔ ریجیکٹ کرنا اور کیسا ہوتا ہے عابی؟ وہ ایک آزاد معاشرے میں پلی لڑکی کو قبول نہیں کرنا چاہتے'' اس نے آنسو پیتے اُس سے پوچھا۔ ''میں تمہیں کیسے سمجھاؤں ہنی کہ ایسا نہیں پاپا نے تمہیں ریجیکٹ نہیں کیا، انہوں نے اس ان جانی لڑکی کو قبول کرنے سے انکار کیا ہے، جس سے ان کا بیٹا محبت کا اقرار اس وقت کر رہا ہے جب وہ اس کی کہیں اور منگنی کر چکے ہیں۔'' عباد نے دونوں ہاتھوں میں اپنا سر تھام لیا تھا۔

''منگنی؟'' اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ کچھ پل کے لئے اس کا دل شاید دھڑکنا ہی بھول گیا تھا۔ وہ بالکل ساکت عباد کو دیکھ رہی تھی۔

چند لمحے یونہی خاموشی سے گزر گئے تھے، عباد سر تھامے فرش کو دیکھ رہا تھا اور وہ اسے۔

''آج آٹھواں دن ہے ہنی! اس ساری بات کو۔ منڈے کی رات کو جب ہماری بات ہوئی اس کے کچھ ہی دیر بعد پاپا کی دبئی سے کال آ گئی تھی۔ پاپا بہت خوش اور ایکسائیٹڈ لگ رہے تھے۔ میرے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی انہوں نے خوشی خوشی مجھے یہ اطلاع دی کہ ابھی کچھ ہی دیر پہلے انہوں نے میرے تایا کی بیٹی انوشہ کو رنگ پہنا کر میری اس کی ساتھ باقاعدہ انگیج منٹ کر دی ہے اور شادی کا پروگرام میری پاکستان واپسی پر طے کریں گے۔ پہلے تو میں اس ساری بات کو مذاق سمجھا، وہ مجھ سے پوچھے بغیر، مجھے بتائے بغیر میری کہیں منگنی کیسے کر سکتے ہیں۔ مگر وہ مذاق نہیں کر رہے تھے، وہ بڑی خوشی خوشی مجھے میری منگنی کی اطلاع دے رہے تھے۔ وہ مجھے بتا رہے تھے کہ انوشہ انہیں اپنی بھتیجی کی حیثیت سے تو ہمیشہ سے پسند تھی ہی، مما بھی اسے بہت پسند کرتی ہیں اور پھر میری بھی اس سے بچپن سے ہمیشہ بہت اچھی دوستی رہی ہے، وہ انجینئرنگ نہیں کر رہی تو کیا ہوا میڈیسن تو پڑھ رہی ہے، یعنی ایک پروفیشنل ڈگری تو لے ہی رہی ہے۔ دبئی آنے پر جب انہیں میرے تایا انکل طارق سے انوشہ کے لئے آنے والے چند رشتوں کا پتہ چلا جن پر میرے تایا اور تائی سنجیدگی سے غور بھی کر رہے تھے تو یکدم ہی انہوں نے فیصلہ کیا کہ اپنی اتنی اچھی، اتنی پیاری بھتیجی کو کسی اور کے گھر میں جاتے نہیں دیکھ سکتے، اسے تو وہ اپنے گھر لائیں گے، اپنی بہو بنا کر۔ انہوں نے انکل طارق کے سامنے یہ رشتہ رکھا، انکل طارق نے وہ رشتہ اسی وقت قبول کر لیا اور پاپا نے اس رشتے کو پکا کرنے کے لئے فوراً ہی انوشہ کو انگوٹھی بھی پہنا دی۔

یعنی سب کچھ ایک ہی دن کے اندر اندر ہو گیا۔ رشتہ دیا گیا، اسے فوراً قبول بھی کر لیا گیا اور فوراً ہی انوشہ کو رنگ بھی پہنا دی گئی۔ پاپا اسے رنگ پہنانے کے فوراً بعد مجھے فون کر رہے تھے۔ میں یہ بات سن کر سکتے میں رہ گیا تھا ہنی! میں انہیں تمہارے بارے میں اس طرح نہیں بتانا چاہتا تھا، میں تو یہ چاہتا تھا کہ تمہیں ان سے پہلے یونہی ملواؤں کچھ بھی بتائے بغیر اور جب تم انہیں اچھی لگ جاؤ تو پھر انہیں یہ بتاؤں کہ یہ جو لڑکی آپ کو بہت اچھی لگی ہے نا پاپا! میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تو اتنے مہینوں میں فون پر ان سے تمہارا ذکر تک اس لئے نہیں کیا تھا کہ میں ان پر تمہارا پہلا تاثر ہی بہت اچھا قائم کروانا چاہتا تھا۔ میں سوچتا تھا کہیں ملنے سے پہلے وہ عام تاثر کے مطابق تمہیں کوئی آزاد خیال امریکن لڑکی نہ سمجھیں۔ ان کے خوابوں اور خواہشوں کو فراموش کر کے میں نے اپنے لئے ایک آزاد خیال معاشرے کی کوئی آزاد خیال لڑکی پسند کر لی ہے، میں ان پر تمہارا یہ امپریشن ہرگز نہیں دینا چاہتا تھا۔

میں تو ان کے امریکہ آنے کا اتنی شدت سے انتظار ہی اس لئے کر رہا تھا۔ مجھے پتہ تھا پاکستان بیٹھ کر فون پر ایک ان دیکھی، ان جانی امریکن لڑکی کا ذکر مما، پاپا کے دل کو زیادہ اچھا نہیں لگے گا۔ مگر سب کچھ میری خواہش کے مطابق نہیں ہوا۔ مجھے انہیں ایک غلط ماحول غلط جگہ اور غلط وقت پر تمہارے بارے میں بتانا پڑ گیا۔

جب مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ مذاق نہیں کر رہے تب بے ساختہ میں نے ان سے کہا۔

''لیکن پاپا! میں یہاں ایک لڑکی کو پسند کرتا ہوں۔ وہ لڑکی بہت اچھی ہے پاپا میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں۔ تو وہ غصے میں آ گئے۔ مجھ پہ ناراض ہونے لگے۔ میں نے رشتے ناتوں کو مذاق سمجھ لیا ہے، جب انہوں نے اور مما نے میرے لاسٹ ٹائم پاکستان جانے پر مجھ سے پوچھا تھا کہ

مجھے کوئی لڑکی پسند ہے تو اپنی پسند انہیں بتاؤں، تب میں نے انہیں کچھ نہ بتایا اور اب جب یہ دیکھ کر کہ میری کوئی اور پسند نہیں انہوں نے میرا رشتہ طے کر دیا ہے تو میں انہیں ان کے بھائی، بھابی اور بھتیجی کے آگے ذلیل کروانا چاہتا ہوں۔ میں نے انہیں یہ بات بہت سمجھانا چاہی عنی! کہ جب میں پاکستان گیا تھا اور وہ لوگ مجھ سے میری پسند بار بار پوچھ رہے تھے تب تم میری زندگی میں آئی ہی نہیں تھیں۔ پاپا میرے بہت یقین دلانے پر بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ میں جب سے امریکہ آیا ہوں، تب ہی سے تمہیں جانتا ہوں۔ تب ہی سے تم سے میری دوستی ہے اور میں نے ان سے جان بوجھ کر اس بات کو اب تک چھپا کر رکھا ہوا تھا۔

وہ مجھے اتنا غلط سمجھ رہے تھے عنی! میں انہیں اپنی صفائی دے ہی نہیں پا رہا تھا میں انہیں کچھ سمجھا ہی نہیں پا رہا تھا۔ پاپا مجھ سے ایک دم ہی اتنے ناراض ہو گئے تھے۔ کچھ بھی پوچھے بغیر سخت غصے میں فون بند کر دیا تھا۔ میری فون کالز بھی ریسیو نہیں کر رہے۔ کاش ان گزرے مہینوں میں، میں نے مما اور پاپا کو تمہارے بارے میں بتا دیا ہوتا عنی۔''

اور وہ عباد عذیرا اپنے والدین سے کتنی محبت کرتا تھا۔ محبت کی انتہا ہی تھی جو وہ ایک ایسے معاملے میں جہاں ساری غلطی سراسر اس کے پاپا کی تھی، انہیں موردِ الزام ٹھہرانے کے بجائے اپنی غلطیاں تلاش کر رہا تھا۔ اگر وہ بیچ میں نہ ہوتی، اگر فرض کر لیں کہ عباد کی زندگی میں سرے سے کوئی لڑکی ہی نہ ہوتی اور اگر یہ بھی فرض کر لیں کہ عباد نے اپنے لئے لڑکی پسند کرنے کا اختیار کلی طور پر اپنے والدین کو دے رکھا تھا، تب بھی کیا بقول عباد کے اس کے بہت اعلیٰ تعلیم یافتہ، کھلے ذہن کے، براڈ مائنڈڈ، ماڈرن اور سب سے بڑھ کر اکلوتے بیٹے پر جان چھڑکنے اور اس سے بہت محبت کرنے والے باپ کو یہ بات سوٹ کرتی تھی کہ وہ بیٹے کا رشتہ اسے بتائے بغیر طے کر دیتے؟ ہم تمہارا یہاں رشتہ طے کر رہے ہیں انگوٹھی پہنانے سے قبل یہ اطلاع تک نہیں؟

عباد کے وہ بہت براڈ مائنڈڈ پاپا جو عباد کے کہنے کے مطابق اس پر جان بھی چھڑکتے ہیں، اس کو بے حد و بے حساب چاہتے بھی ہیں کیا رشتہ دینے اور انگوٹھی پہنانے سے پہلے دبئی ہی سے بیٹے کو ایک فون کال نہیں کر سکتے تھے؟ وہ ان کا بیٹا تھا یا ان کی جاگیر، ان کی ملکیت؟ انگوٹھی پہنانے کے بعد اسے اطلاع دی جا رہی ہے، جس کی زندگی کا یہ فیصلہ تھا۔ کیا ماں، باپ ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ اولاد کی زندگی بھی خود جینے لگیں؟

اسے عباد کے پاپا ایک مغرور اور حاکمانہ مزاج کے شخص لگ رہے تھے۔ ایک ڈکٹیٹر کی طرح سخت مزاج اور اپنی منوانے والے۔ پر وہ عباد اپنے پاپا سے کتنی محبت کرتا تھا۔ وہ ان کی غلطی سے صرف نظر کرتا، اس سارے معاملے کا الزام خود کو دے رہا تھا کہ اس نے انہیں ہنیا کے بارے میں پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا۔

''پاپا دبئی سے اگلے ہی روز واپس کراچی چلے گئے۔ پاپا تو مجھ سے بات کر ہی نہیں رہے ہیں مگر مما سے میری بات ہوئی تھی انہوں نے مجھے یہ بات بتائی تھی۔'' چند لمحوں کی خاموشی کے بعد عباد بولا تھا۔

''عابی! تمہاری مما کیا کہہ رہی ہیں؟''

اس نے لیونگ روم میں بالکل سامنے دیوار پر لگی اس کے والدین کی بڑی سی تصویر کو دیکھا۔ اس کی زندگی کی تمام تر خوشیوں کا دارومدار اور انحصار ان دو لوگوں پر تھا۔ وہ اسے قبول کر لیتے ہیں یا نہیں۔

وہ نہیں چاہتی تھی عباد اس کے لئے اپنے والدین کو چھوڑ دے مگر وہ یہ بھی تو نہیں چاہتی تھی کہ اس کے پاپا اپنی ایک بے جا ضد اور ایک ناجائز اور غلط حکم پر عباد کو اس سے چھین لیں، اپنے ایک سراسر غلط اور حاکمانہ فیصلے پر بیٹے سے اس کی فرمانبرداری کا امتحان مانگیں۔

''مما سے کل میری بات ہوئی تھی ہنی! وہ پاپا کی طرح غصے میں تو نہیں پر مجھ سے کچھ خفا ضرور ہیں۔ پاپا کی منتخب کردہ لڑکی سے رشتے سے انکار کر کے میں کسی امریکن لڑکی کا نام لے رہا ہوں، اس پر وہ ناخوش نہیں مجھ سے کچھ ناراض ہیں۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ دبئی میں جب پاپا نے انکل طارق سے انوشہ کا رشتہ مانگنے کی بات ان سے کی تو انہوں نے پاپا سے کہا تھا کہ وہ پہلے مجھ سے فون پر بات کر لیں، میری مرضی معلوم کر لیں کزن کی حیثیت سے دوستی ہونا الگ بات ہے، پتہ نہیں میں انوشہ کو اس دوسری حیثیت میں پسند کروں گا یا نہیں۔ مگر پاپا مما کی بات ہنسی میں ٹال کر فخریہ لہجے میں بولے۔

''پسند کیوں نہیں کرے گا ہاجرہ! وہ میرا بیٹا ہے اور اپنے پاپا کی پسند کو وہ دل و جان سے قبول کرے گا، اسے پتا ہے پاپا اس کے لئے کبھی کچھ برا نہیں سوچ سکتے۔''

پاپا کے اس فخر اور مان بھرے انداز پر مما چپ ہو گئی تھی، ورنہ وہ دل سے یہی چاہتی تھیں کہ باقاعدگی سے رشتہ مانگنے سے قبل ایک بار مجھ سے پوچھ لیں۔ مما مجھے سمجھا رہی تھیں ہنی! کہ پاپا کو انوشہ کا رشتہ مانگنے سے قبل مجھ سے پوچھ لینا چاہئے تھا، پر ایسا نہیں ہو سکا۔ اب مجھے ان کے کئے فیصلے کی عزت کرنی چاہئے، مجھے ان کا مان اور فخر نہیں توڑنا چاہئے۔ مجھے ان کے فیصلے کو تسلیم کر کے، اسے مان کر پاپا کا مان بڑھا دینا چاہئے۔''

تصویر میں نظر آتے عذیر فاروق اس سے سات سمندر کی دوری پر ایک دوسرے ملک میں بیٹھے تھے، ورنہ وہ انہیں بلا کر ان کے بیٹے کی بجھی آنکھیں، اس کا اداس چہرہ اس کا نڈھال وجود ضرور دکھاتی۔ وہ ان آٹھ دنوں میں ایک ناکردہ غلطی پر باپ کی ناراضی کا بوجھ اٹھائے کتنا ٹوٹا پھوٹا اور بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ اس کے پاپا اس سے ناراض ہو گئے ہیں، وہ اس بات سے کتنا زیادہ مضطرب اور پریشان تھا۔ عباد اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھا تھا، وہ اس طرح ہاتھوں میں سر تھامے اس سے آہستہ آواز میں بات کرتا رہا تھا۔ وہ بات ختم کر چکا تھا اور اب بالکل خاموش تھا۔ وہ بھی خاموش تھی۔ وہ اس کی بات ختم ہونے کے بعد بھی بہت دیر تک کچھ نہ بولی تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''میں نے تمہیں بھی پریشان کر دیا نا۔ میں اسی لئے ابھی تمہیں کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔''

وہ آنسو بھری اداس نگاہوں سے چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

''ہنی یار! پلیز اتنی اداس مت ہو، اتنی مایوسی خود پر طاری مت کرو دیکھ لینا انشاء اللہ جلد ہی سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ایک غلط فہمی ہو گئی ہے، ایک مس انڈرسٹینڈنگ ہو گئی ہے میرے اور پاپا کے بیچ، مگر یہ سب بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔''

''کیا ٹھیک ہو جائے گا عابی! تمہارے پاپا تمہاری انگیج منٹ کر چکے ہیں۔'' وہ بے بس سے انداز میں قدرے بلند آواز میں بولی۔

''تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے؟ میری محبت پر یقین ہے؟'' عباد نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سوال پوچھا۔

''اپنی زندگی سے بھی بڑھ کر۔ اپنے آپ سے بھی بڑھ کر۔'' جو جواب اس کے دل سے نکل رہا تھا وہ اسے جھٹلا کر کچھ اور نہیں بول سکتی تھی۔

''بس پھر مجھ پر یقین رکھو میں تم سے وعدہ کر رہا ہوں کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا مما، پاپا اپنے دل کی پوری خوشی کے ساتھ تمہیں قبول کر لیں

گے تم ہر فکر اور ہر اندیشہ دل سے نکال کر بس صرف میرے اس وعدے کا یقین رکھو۔ مجھے کچھ وقت ضرور لگے گا مگر میں پاپا کو منا لوں گا۔ وہ ابھی غصے میں ہیں، مگر وہ میرے پاپا ہیں اور مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔''

دل میں چھپے ہر ڈر اور ہر خوف کے باوجود اس کی امید جگاتی اور حوصلہ دلاتی یہ باتیں دل کو بہت اچھی لگ رہی تھیں۔

''اچھا تم یہاں بیٹھو۔ میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔'' عباد اس کے پاس سے اٹھ گیا تھا۔ وہ اب لیونگ روم میں بالکل تنہا تھی۔ اس نے اپنے پیر صوفے پر اوپر رکھ لئے تھے۔ اپنے دونوں ہاتھ پیروں کے گرد مضبوطی سے باندھ لئے تھے اور چہرہ گھٹنوں پر ٹکا لیا تھا۔ رخسار اور ٹھوڑی گھٹنے پر ٹکائے وہ پھر سامنے لگی اس تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ یک ٹک وہ اس ہینڈسم شخص کو دیکھ رہی تھی، جو عباد کے پاپا تھے۔

''پلیز عابی کو مجھ سے مت چھینیں۔ میں یہ نہیں کہتی کہ میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں، میں کس سے محبت کرتی ہوں یہ آپ کے لئے ہرگز اہم نہیں ہو مگر آپ کا بیٹا وہ تو آپ کے لئے اہم ہے نا؟ پلیز اسے محبت کی اس آزمائش میں مت ڈالیے۔ وہ مجھ میں اور آپ میں سے کسی ایک کو چنے۔ یقین کریں میں اتنی بری نہیں ہوں۔ مجھ سے ملے بغیر مجھے ریجیکٹ مت کریں۔ میرے امریکن ہونے پر مجھ سے نفرت مت کریں۔ میں آپ کے پاکستانی ماحول کو پوری طرح اپنا لوں گی۔ میں شلوار قمیص اور دوپٹہ پہنا کروں گی۔ میں عابی کی خاطر کچھ بھی اپنا سکتی ہوں، میں عابی کی خاطر کچھ بھی چھوڑ سکتی ہوں۔ وہ دوسری جو بھی کوئی ہے چاہے مجھ سے جتنی بھی اچھی ہو پر میری جیسی محبت نہیں کر سکتی عابی سے وہ آپ دونوں سے بہت محبت کرتا ہے مگر وہ مجھ سے بھی تو محبت کرتا ہے میں آپ کی محبت کی برابری نہیں کر رہی، آپ اس کے ماں باپ ہیں۔ وہ جتنی محبت مجھ سے کرتا ہے یقیناً اس سے کہیں زیادہ آپ دونوں سے کرتا ہو گا۔ اس کا امتحان مت لیں۔ پلیز! عابی کو مجھ سے مت جدا کریں۔''

گھٹنوں پر سر رکھے، اس تصویر کو مخاطب کرتی وہ بے آواز رو رہی تھی، اسے روتے روتے نجانے کتنی دیر ہو گئی تھی، وہ کچھ غنودگی جیسی کیفیت میں جانے لگی تھی۔ پھر شاید وہ سو گئی تھی۔ کہیں سے کوئی آواز آ رہی تھی، کسمسا کر اس نے گھٹنوں پر رکھے سر کو اٹھانا اور آنکھیں کھولنا چاہیں، اس آواز کو سمجھنا چاہا۔ وہ عابی تھا۔ وہ کچھ گنگنا رہا تھا۔ اس نے گھٹنوں پر سر رکھے رکھے ہی آنکھیں کھول کر دیکھا۔ لیونگ روم کی تمام لائٹس آف تھیں۔ اس کے عین سامنے عباد ہاتھوں میں دو بڑی بڑی کینڈلز پکڑے کھڑا تھا۔ لیونگ روم کے اس اندھیرے میں تمام تر روشنی صرف ان کینڈلز کی تھی جن کی روشنی عباد کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

''ہیپی برتھ ڈے ڈیئر ہنی! ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' اس نے بے اختیار اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھا۔ ٹھیک بارہ بج رہے تھے۔ وہ شام سات بجے یہاں آئی تو اسے کل آنے والی اپنی سالگرہ بہت اچھی طرح یاد تھی، مگر یہاں آنے پر جو کچھ اسے پتہ چلا اس کے بعد وہ اپنی سالگرہ کو یکسر بھول چکی تھی۔

''تھینکس عابی...... میں پتہ نہیں کب سو گئی، مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔'' وہ صوفے پر سے فوراً کھڑی ہو گئی۔

''تمہارے سو جانے سے تو میرا مسئلہ آسان ہو گیا، ورنہ میں سوچ رہا تھا تمہیں بارہ بجے تک کیسے روکوں۔'' وہ جواباً مسکرایا۔

''تمہارے سو جانے سے تو میرا مسئلہ آسان ہو گیا، ورنہ میں سوچ رہا تھا تمہیں بارہ بجے تک کیسے روکوں۔'' وہ جواباً مسکرایا۔

''میرا ارادہ تھا کہ کل صبح جب ابھی تم سو کر اٹھی بھی نہیں ہو گی، اس وقت تمہارے گھر آ کر تمہیں وش کروں گا، سرپرائز دوں گا۔ مگر ابھی تم

سے جب یہ پتہ چلا کہ ماما جانی شکا گو گئی ہوئی ہیں تو میں نے یہ پروگرام فوراً کینسل کر دیا۔ اب وہ نہیں ہیں تو دروازے پر بیل ہونے پر دروازہ تم آ کر کھولو گی جبکہ مجھے تو تمہیں سونے سے اٹھا کر حیران کرنا تھا، وش کرنا تھا۔ سو میں نے سوچا کل کے بجائے آج رات بارہ بجے ہی وش کر دیتے ہیں۔ میں یہاں سے اٹھ کر گیا تھا نا، تھوڑی دیر بعد آ کر دیکھا تو تم سو رہی تھیں، میں لائٹ بھی آف کر گیا کہ اچھا ہے بارہ بجے تک ایسے ہی سوتی رہو۔'' وہ کچھ دیر پہلے کی اداسی اور افسردگی کو مٹاتے بھرپور انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''آؤ۔''

''کہاں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''تم آؤ تو سہی۔'' اس نے اسے اپنے ساتھ آنے کے لئے کہا۔ وہ حیران سی اس کے ساتھ چلتی اس کے اپارٹمنٹ کی بالکونی تک آ گئی۔ یہاں ایک بے حد خوبصورت منظر اس کا منتظر تھا۔ اس کی بڑی سی بالکونی میں ہر طرف ڈھیر سارے پھول اور غبارے نظر آ رہے تھے۔ فرش پر جا بجا بچھے پھول اور سرخ اور گولڈن رنگوں کے ہارٹ شیپڈ (Shaped) بلونز۔ بالکونی کے عین وسط میں رکھی چھوٹی سی میز پر بہت ساری کینڈلز جلی ہوئی تھیں اور ان کینڈلز کے درمیان میز کے بالکل سینٹر میں ایک بڑا سا چوکلیٹ کیک رکھا تھا، جس پر سرخ رنگ کی چھوٹی چھوٹی بہت ساری کینڈلز لگی ہوئی تھیں۔ کیک پر رکھی کینڈلز ابھی جلائی نہیں گئی تھیں۔ یہ چودھویں کی رات نہیں تھی مگر آسمان پر جگمگاتا چاند اپنا نور پھر بھی یہاں بکھرا تو رہا تھا۔

اس نے ایک نظر اس ساری سجاوٹ اور اہتمام پر ڈالی اور پھر ایک نظر عابد پر، جو اس کی حیرت کو انجوائے کرتا مسکرا رہا تھا۔

''اوہ عابی! اتنا سارا کچھ۔ تم نے یہ سارا کچھ ابھی کیا ہے؟'' اتنا رو کر بیٹھی تھی مگر ایسا لگا تھا کہ وہ خوشی میں پھر رو پڑے گی۔

''آج تمہاری سالگرہ ہے دیکھو ہم کو یاد ہے نا!'' وہ متبسم سے انداز میں گنگنایا۔

''تم سو رہی تھیں، میں تمہیں اپارٹمنٹ میں بند کر کے باہر سے دروازہ لاک کر کے یہ سب چیزیں لانے چلا گیا تھا۔'' وہ اسے اپارٹمنٹ کے اندر لاک کر کے جانے والی بات کہہ کر خود ہی ہنسا۔ یونہی ہنستا ہوا وہ میز کے قریب چلا گیا تھا۔ وہ اب ایک ایک کر کے کیک پر لگی کینڈلز جلا رہا تھا۔

''آؤ ہنی! کیک کاٹو۔'' وہ چلتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔ وہ کیک کی طرف نہیں گئی تھی، وہ اس کے پاس آ کر رک گئی تھی۔

''عابی! ہمیشہ مجھ سے ایسی ہی محبت کرنا۔''

''تمہیں کیا لگتا ہے نہیں کروں گا؟''

میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ پلیز خود کو مجھ سے الگ مت کرنا۔ مجھ سے دور مت جانا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔

''میں بھی نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر۔ اور ہم الگ نہیں ہو رہے ہیں ہنی! ہم دور بھی نہیں ہو رہے ہیں''۔

اس نے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے یقین دلایا، پھر فوراً مسکرا کر کہنے لگا۔

''آج کے لئے اتنی سنجیدہ اور اتنی اداس کر دینے والی باتیں کافی ہیں۔ تمہاری سالگرہ ہے لڑکی آؤ اسے مناؤ۔'' وہ اسے ہاتھ پکڑ کر کیک تک لے آیا۔ اس نے کیک کاٹ کر اس کا ایک ٹکڑا عباد کی طرف بڑھایا۔

میں مما، پاپا کو ہمیشہ ان کی برتھ ڈیز اور ویڈنگ اینی ورسریز پر صبح صبح ان کے کمرے میں جا کر وش کرتا ہوں۔ میری کلنگ اسکلز تو تم نے دیکھی ہی ہیں۔ میں اس روز صبح صبح اٹھ کر ان میں سے جس کی بھی سالگرہ ہو اس کی پسند کا خوب اہتمام والا ناشتہ بناتا ہوں، ناشتے کی ٹرے کے ساتھ پھول اور گریٹنگ کارڈ بھی لیتا ہوں اور ناک کرتا ان کے کمرے میں پہنچ جاتا ہوں۔ اب تو مما، پاپا کو بھی یہ کنفرمڈ پتا ہوتا ہے کہ میں جم جم ان کے کمرے میں وش کرنے آنے والا ہوں، اس لئے اگر وہ سو کر اٹھ بھی چکے ہوتے ہیں تو بھی بستر ہی پر موجود رہتے ہیں۔ مما کہتی ہیں انہیں میرا وش کرنے کا یہ اسٹائل بہت اچھا لگتا ہے اور پاپا مسکراتے ہوئے میرے لائے کارڈ اور پھولوں کو دیکھنے لگتے ہیں۔ میں نے سوچا تھا تمہیں بھی صبح اس طرح وش کروں گا۔ مگر خیر نیکسٹ ایئر سہی۔''

وہ کیک کے ساتھ کچھ اور بھی کھانے پینے کی اشیاء لے کر آیا تھا۔ رات کا کھانا ان دونوں ہی نے نہیں کھایا ہوا تھا، لہٰذا اب ایپل پائی، ڈونٹس، سینڈوچز، اور کولڈ ڈرنک کے ساتھ کھانے کی کمی پوری کی جا رہی تھی۔ عباد نے شاید لنچ بھی نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس نے پتا نہیں کب سے، کتنوں دنوں سے شاید کچھ کھایا ہی نہیں تھا۔ اس نے ایک کیک پیس عباد کی پلیٹ میں مزید ڈال دیا تھا۔

''میں کھا چکا ہنی۔''

''یہ بھی کھالو، پلیز۔'' وہ اسے ایسا کمزور کمزور سا اچھا نہیں لگ رہا کیا کہتی۔

''تمہاری پلیز پلیز میں وزن بڑھالوں، موٹا ہو جاؤں، یہ چاہتی ہو۔ تا کہ پھر کوئی لڑکی میری طرف دیکھے بھی نا۔'' وہ ہنس پڑی۔

''شکر تم ہنسیں تو سہی۔ لگتا تھا آج کی تاریخ میں مجھے ہنیا سجاد کا ہنستا چہرہ دیکھنے ہی کو نہ ملے گا۔'' وہ اس کی سالگرہ اتنی خوشی خوشی سیلیبریٹ کر رہا تھا، اسے خوش اور ہنستا دیکھنا چاہتا تھا سو وہ دل میں چھپی کوئی پریشانی اور خوف اب اس وقت مزید ڈسکس نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس وقت سب بھلا کر ان لمحات کی خوبصورتی میں کھو جانا چاہتی تھی۔

''میری ہنسی میں تو اتنا خاص کچھ نہیں، خاص تو تمہاری ہنسی ہے۔ سچ عابی! تمہاری ڈمپل والی ہنسی مجھے اتنی اچھی لگتی ہے۔'' وہ میز پر رکھی کینڈلز کو بے وجہ ادھر سے ادھر رکھتا مسکرایا۔ اس نے سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے ہی ہنیا کو دیکھا۔

''یہ بات تم مجھے پہلے بھی بتا چکی ہو اور تب سے مجھے اپنے ڈمپل سے بڑی محبت ہو چلی ہے۔''

''مجھے تمہارا ڈمپل بہت اچھا لگتا ہے۔ کسی لڑکے کے چہرے پر ڈمپل اتنا اچھا لگ سکتا ہے تم سے ملنے سے پہلے مجھے پتہ نہیں تھا۔''

''بس اتنی تعریف کافی ہے۔ بلاوجہ میں مغرور ہونے لگا ہوں۔'' وہ زمین پر موجود غباروں کو اپنے پیروں سے ادھر ادھر کرتی کولڈ ڈرنک کے سپ لے رہی تھی۔

''جلدی سے ختم کرو، تمہیں واپس بھی جانا ہے۔'' عباد نے اسے رات کے ہونے کا احساس دلایا۔ گھڑی میں وقت دیکھتے اسے بھی فوراً ہی اس بات کا دھیان آ گیا تھا۔ رات کا پونا ایک بج رہا تھا، واقعی دیر ہو گئی تھی۔

''مجھ سے پرامس کرو گھر جا کر اکیلے میں کچھ بھی سوچ کر پریشان نہیں ہو گی، روؤ گی نہیں۔'' اسے رخصت کرتے وقت وہ بولا۔

''میں روؤں گی نہیں عابی! لیکن۔''

''لیکن کچھ نہیں۔ تم نے کہا ہے تمہیں مجھ پر بھروسہ ہے تو بس اب اپنی بات پر قائم رہو۔ یہ وقتی مشکل ہے مگر میں اسے انشاء اللہ ٹھیک کر دوں گا۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر مستحکم لہجے میں بولا۔

''جلدی سے گھر پہنچو، میں تمہیں فون کروں گا ہم آج ساری رات بات کریں گے۔'' وہ واقعی اسے خوش کرنا چاہتا تھا، اسے خوش دیکھنا چاہتا تھا۔

''ساری رات؟ لیکن ساری رات بات کرنے سے تو میری پڑھائی کا حرج ہوتا ہے نا۔ ساری رات بات کروں گی تو صبح کب اٹھوں گی، دیر سے اٹھوں گی تو پڑھوں گی کب؟'' اس نے جیسے جتانے والے انداز میں اسے اس کی باتیں یاد دلائیں۔

''کوئی بات نہیں ہونے دو حرج۔ اب ہم روز بات کریں گے، روز ملیں گے۔''

''میرے خدا! یہ میرے کان کیا سن رہے ہیں؟ پروفیسر عباد عذیر کیا فرما رہے ہیں، کہیں حیرت سے میں بے ہوش نہ ہو جاؤں۔'' وہ اسے چھیڑنے کے لئے ان دنوں جب وہ پڑھائی پڑھائی کا زیادہ واویلا کرتا تو پروفیسر عباد عذیر ہی کہا کرتی تھی۔

''میرا مذاق اڑاؤ گی تو تمہاری سالگرہ کے موقع پر دی جانے والی اس آفر کو ابھی کے ابھی کینسل بھی کر دوں گا۔''

''کتنا اتراتے ہو تم عابی! واقعی تمہیں ضرورت سے زیادہ اہمیت دے دے کر میں نے تمہارا دماغ آسمان پر پہنچا دیا ہے۔

یونہی الٹی سیدھی بے سروپا باتیں کرتی وہ اس سے رخصت ہوئی تھی۔ اپنے گھر آ کر وہ ابھی اپنے کمرے تک پہنچی نہ تھی کہ اس کی کال آ گئی تھی۔ اسے گھر پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا اس کا منٹوں سیکنڈوں کے حساب سے ایسا صحیح اندازہ لگا کر اس نے فون کیا تھا کہ وہ حیرت زدہ ہوتی ہنس پڑی۔

''ابھی مجھے کپڑے چینج کر کے دانت تو برش کر لینے دو۔''

''کوئی مسئلہ نہیں ہے تم چاہو تو اپنے سارے کام کرتے ہوئے باتیں کرتی رہو، نہیں تو میں اتنی دیر انتظار کر لیتا ہوں۔'' وہ لائن ڈس کنیکٹ کر کے دوبارہ کال کرنے کی بات نہیں کر رہا تھا بلکہ انتظار کر لینے کا کہہ رہا تھا۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ اس وقت وہ اسے تھوڑی دیر کے لئے بھی اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتا اور اگر اس وقت وہ اسے کال نہ کر رہا ہوتا تو وہ کیا کر رہی ہوتی؟ وہ گھر آتے ہی بغیر لباس تبدیل کئے اپنے بستر پر اوندھی لیٹ کر رو رہی ہوتی۔

وہ نہ اس وقت اسے رونے کا موقع دینا چاہتا تھا نہ تنہا رہنے کا۔ پھر یہی ہوا تھا وہ اپنے یہ چند کام کرنے کے دوران اس سے باتیں کرتی رہی تھی اور کچھ منٹوں بعد بستر پر لیٹی تو بھی اس سے باتیں کر رہی تھی۔

''تم نے اس دن بھی اپنی بالکونی میرے لئے ایسے ہی سجائی تھی؟'' اس نے عباد سے اس دن کا ذکر کیا جب وہ اسے پہلی بار اپنے اپارٹمنٹ لے کر گیا تھا۔

''ہاں، تب ذرا اس سے بھی زیادہ اچھی سجائی تھی۔ آج تو سب کچھ ایمرجنسی میں ارینج کرنا پڑا ہے۔''

جو اہم بات تھی، جو اہم ترین اور سنگین مسئلہ ان دونوں کی زندگیوں کو لاحق ہو گیا تھا اس ایک بات کے علاوہ وہ دونوں دنیا زمانے کے ہر موضوع

پر بات کر رہے تھے۔ رات کی اس تنہائی میں وہ اپنے گھر آ کر بہت رو رہی ہوتی مگر وہ اسے رونے دے نہیں رہا تھا۔ وہ اسے رونے کا موقع ہی نہیں دے رہا تھا وہ اسے تنہا رہنے ہی نہیں دے رہا تھا۔ باتیں کرتے کرتے صبح ہونے لگی تھی، باتیں کرتے کرتے نیند آنے لگی تھی مگر وہ بات ختم کرنے اور خدا حافظ کہنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے یا چھ بجنے والے تھے، کس وقت باتیں کرتے کرتے اس کی آنکھ لگی تھی، کارڈلیس اس کے ہاتھ سے گرا تھا اسے ذرا یاد نہیں تھا۔



اگلا پورا دن وہ گھر پر رہی تھی۔ بظاہر کمرے میں کتابیں بکھرائے پڑھتی ہوئی مگر حقیقت میں ایک بھی لفظ نہ پڑھتی صرف اور صرف ایک ہی بات سوچتی ہوئی۔ صرف ایک دن پہلے اس کی زندگی میں سب کچھ کتنا ٹھیک تھا وہ کتنی خوش تھی اور آج وسوسے ہی وسوسے تھے، خوف ہی خوف تھے۔ شام ساڑھے چھ بجے جب وہ اپنے کمرے میں رائٹنگ ٹیبل پر سر رکھ کر خالی الذہنی کی سی کیفیت میں بیٹھی تھی، تب دروازے پر بیل ہوئی تھی۔ اس کا اس بیل کو اگنور کرنے کا پروگرام تھا، وہ اس وقت کسی سے ملنے کے موڈ میں نہیں تھی، مگر دوسری بیل کے ساتھ ہی اس کے سیل پر عبادی کی کال بھی آ گئی تھی۔

''دروازہ کھولو'' اس نے کمرے سے نکل کر باہر آ کر اس کے لئے دروازہ کھولا۔ وہ ہنستا مسکراتا خوب ہشاش بشاش اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اندر آ کر اس نے اوور کوٹ کے ساتھ ساتھ اپنا سویٹر بھی اتار دیا۔ اس نے بلیک پینٹ کے ساتھ وہی بلیو شرٹ پہن رکھی تھی۔ جو نیہا نے اسے گفٹ کی تھی۔ سویٹر اتارنے کا مقصد بھی شاید اسے وہ شرٹ دکھانا ہی تھا۔ وہ رات والے ہی لباس اور حلیے میں تھی۔ ان ہی کپڑوں میں سوئی، ان ہی میں اٹھی، اس نے تمام دن نہ خود کو آئینے میں دیکھا تھا نہ بالوں کو برش کرنے کی زحمت ہی کی تھی۔ بالوں کو یونہی لپیٹ کر کیچر لگایا ہوا تھا اور مختلف جگہوں سے بالوں کی الجھی لٹیں نکل رہی تھیں۔

''یہ حلیہ کیا بنایا ہوا ہے تم نے؟ اگر میرے بجائے اس وقت ماما جانی ہوتیں، وہ اچانک واپس آ گئی ہوتیں تو سوچو تمہیں اس طرح دیکھ کر کتنی پریشان ہو جاتیں؟'' وہ ناراضی سے بولا۔

''کچھ کھایا پیا ہے یا صبح سے بھوکی ہو؟'' وہ صبح اٹھنے کے بعد سے ایک بار بھی اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی، کچھ کھانا تو درکنار اس نے ایک گلاس پانی تک نہ پیا تھا۔

''مجھے اس طرح کی امیدیں تھیں تم سے اس لئے لائبریری سے سیدھا یہاں آ گیا ہوں۔'' اس نے اسے دیکھتے مایوسی سے سر ہلایا۔

''بھوکا پیاسا رہنے سے کیا مسئلے حل ہو جاتے ہیں؟'' وہ اس کے کچن کی طرف جانے لگا تھا۔

''تم کہاں جا رہے ہو عابی؟''

''میں آپ کے لئے کچھ کھانے کے لئے لانے جا رہا ہوں، جتنے میں کھانے پینے کا بندوبست کرتا ہوں آپ براہ مہربانی اپنا حلیہ سدھاریئے۔'' وہ خفگی سے بولتا کچن میں آ گیا تھا۔

''تم رہنے دو عابی! فریزر میں ہوگا کچھ نہ کچھ، میں مائیکرو ویو میں گرم کر لیتی ہوں۔''

"تم سے جو میں کہہ رہا ہوں تم وہ کرو۔ کھانے کی فکر میں کر لوں گا۔"

اس کے حتمی انداز پر وہ وہاں سے ہٹ گئی۔ گرم پانی سے نہائی۔ کافی دیر تک پانی اپنے جسم پر بہاتی رہی۔ اس نے اپنے پاس موجود شلوار قمیص کے جوڑوں میں سے ایک نکال کر پہن لیا۔ وہ واپس کچن میں آئی تو وہاں خشبوئیں پھیلی ہوئی تھیں۔ اپنی نئی شرٹ کو کسی داغ دھبے کے لگنے سے محفوظ رکھنے کے لئے عباد نے ماما جانی کا کچن میں ٹنگا ایپرن پہنا ہوا تھا۔

"آ جاؤ بس پانچ منٹ اور لگیں گے۔ ایسا کرو تم ٹیبل پر برتن لگاؤ تب تک یہ آملیٹ تیار ہو چکا ہو گا۔"

وہ نان سٹک پین کو کسی شیف کی طرح برنر سے اوپر اٹھا کر زور زور سے گھماتے ہوئے بولا۔ اس نے میکسیکن آملیٹ اور سلاد بنائی تھی، اس کے ساتھ کھانے کے لئے فرنچ بریڈ بھاگ کر جا کر ان کے اپارٹمنٹ کے نزدیک ترین اسٹور سے دو، تین منٹ میں خرید لایا تھا۔

"کچھ اور بناتا تو وقت لگتا۔ میں نے سوچا یہ آملیٹ مجھ سے اچھا بن بھی جاتا ہے اور اس میں وقت بھی کم لگے گا۔

وہ ڈائننگ روم کے بجائے کچن ہی میں موجود لکڑی کی چار کرسیوں والی میز پر بیٹھے کھا رہے تھے۔ اسے دن بھر میں ایک بار بھی کھانے کی خواہش نہ ہوئی تھی، بھوک نہیں لگی تھی لیکن اس وقت عباد کے ساتھ بیٹھ کر وہ بڑی رغبت سے کھا رہی تھی۔

وہ دن بھر کا تھکا ہارا صرف اس کی خاطر یہاں آیا تھا وہ کھانے کے دوران مختلف موضوعات پر اس سے باتیں کر رہا تھا، ہلکی پھلکی خوشگوار باتیں۔ وہ اسے مسلسل اور بغور دیکھ رہی تھی۔ اس کی ٹینشن دور کرنے اور اسے خوشی دینے کے لئے چہرے پر سجائی اس کی یہ مسکراہٹ کتنی سچی تھی، وہ جانتی تھی۔

"تم نے لنچ کیا تھا عابی!" وہ یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتی تھی کہ کل رات کے بعد سے اس نے کچھ کھایا۔

"کھانا...... ہاں دو۔"

"مجھ سے جھوٹ مت بولو عابی! مجھے پتہ ہے تم نے کل سے کچھ نہیں کھایا۔" وہ اس کی بات کاٹ کر افسردگی سے بولی۔

"تمہیں میری فکر ہے، مجھے خوش کرنے کے لئے جھوٹی ہنسی ہنس رہے ہو، خود کو خوش اور مطمئن ظاہر کر رہے ہو۔ عابی پلیز مجھے خود سے الگ مت کرو۔ مجھ سے وہ کہو جو تمہارے دل میں ہے، جو تمہیں اندر ہی اندر تکلیف دے رہا ہے۔ مجھے بہلانے، مطمئن کرنے کے لئے یہ مصنوعی ہنسی مت ہنسو عابی۔"

اس کے لفظوں میں گہرائی تھی، سچائی تھی، محبت کی شدتیں تھیں۔ عباد کے مسکراتے چہرے پر یک دم ہی اداسی بکھر گئی تھی۔

"تم مجھ سے الگ نہیں ہو ہنیا! ہمارا رشتہ تو بہت خاص ہے، بہت گہرا ہے یوں لگتا ہے جیسے میں تمہیں جانتا تب سے ہوں، جب ابھی یہ کائنات تخلیق کی جا رہی تھی" وہ اس کی طرف دیکھتا آہستگی اور نرمی سے بول رہا تھا۔

"پاپا مجھ سے زندگی میں پہلی بار اس طرح ناراض ہو گئے ہیں ہنیا! میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ انہیں کیسے مناؤں۔ یہ کیسے بتاؤں کہ میں بدلا نہیں، میں ان کا وہی عابی ہوں۔" وہ اپنی مما، پاپا سے اپنی جان سے بڑھ کر پیار کرتا تھا اور اپنے پاپا کی ناراضی نے اس کی ساری توانائیاں سلب کر لی تھیں، وہ باپ کی ناراضی پر کسی چھوٹے سے بچے کی طرح سہم گیا تھا، ڈر گیا تھا باپ کی ناراضی نے اس کے چہرے پر سے ساری رونق اور تازگی مٹا کر

وہاں افسردگی ہی افسردگی بچھادی تھی۔

''مجھ سے غلطی ہوگئی ہنیا! مجھے مما، پاپا کو تمہارے بارے میں پہلے ہی بتا دینا چاہئے تھا۔ میرا ارادہ مما، پاپا کا دل دکھانے کا تو نہیں تھا، وہ میری کوئی کال ریسیو نہیں کررہے، میری ای میلز، میرے ٹیکسٹ میسجز کسی کا جواب نہیں دے رہے۔ پاپا کے دل کو دکھا کر میں سکون سے نہیں رہ سکتا۔''

وہ کل عباد کی اس طرح کی باتوں پر چپ رہی تھی، مگر آج اس کا احساس جرم وہ بھی بغیر کسی جرم، کسی غلطی، کسی خطا کے وہ دیکھ نہیں پا رہی تھی۔ وہ صاف دل کی، اصولوں کی، صحیح اور غلط میں فرق کی واضح بات کرنے والی لڑکی تھی۔

اس نے عباد کے چہرے پر بکھرتے پچھتاووں، ملال اور افسردگی کو دیکھا پھر آہستگی سے بولی۔

''عابی! ایک بات کہوں۔ تمہارے پاپا کو تمہارے انکل سے تمہاری کزن کا رشتہ تمہارے لئے مانگنے سے پہلے at least تمہیں انفارم تو کردینا چاہئے تھا۔ اگر میں بیچ میں نہ ہوتی، اگر تم کسی بھی لڑکی کو پسند نہ کرتے ہم تب بھی اتنا تو تمہارا حق تھا کہ تمہارا رشتہ کہیں طے کرنے سے قبل پوچھا نہ سہی کم از کم تمہیں انفارم کردیا جائے۔

وہ تم سے تمہاری مرضی معلوم کرسکتے تھے عابی! اور انہیں ایسا کرنا چاہئے تھا۔ تم جس بات کو لے کر خود کو اتنا قصور وار سمجھ رہے ہو اس میں تمہاری غلطی کہاں ہے؟ تم صرف اتنا ہی تو چاہتے تھے کہ تم اچھے انداز میں مجھے ان سے متعارف کرواؤ تاکہ میرا اچھا امپریشن قائم ہو ان پر۔ غلطی چھوٹے ہی نہیں بڑے بھی کرسکتے ہیں۔ وہ اگر آج اپنے بھائی اور ان کی فیملی کے سامنے اپنی پوزیشن اکورڈ محسوس کررہے ہیں تو اس کی وجہ تم نہیں بلکہ ان کی اپنی غلطی ہے۔''

''ہم جس سے بہت محبت کرتے ہیں نا ہنی! اس پر اپنا حق بھی سمجھتے ہیں۔ تم جو کہہ رہی ہو شاید وہ صحیح ہو مگر پاپا کی مجھ سے بے تحاشا محبت کے تناظر سے اس معاملے کو دیکھو تو وہ بالکل درست نظر آئیں گے۔ سادہ سی بات ہے ہنی! وہ مجھ سے اپنے اکلوتے بیٹے سے شدید محبت کرتے ہیں، وہ اس پر اپنا حق بھی سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے اس حق کو پورے حق کے ساتھ استعمال بھی کرنا چاہتے ہیں۔'' وہ اپنے پاپا کی غلطی کا دفاع کررہا تھا۔ محبت کیسی ہوتی ہے۔ جس سے محبت کرتے ہیں اس کے لئے نہ خود کچھ برا سوچیں گے نہ کسی دوسرے کو سوچنے دیں گے۔ اسے اس باپ پر رشک آیا جس کا اتنا چاہنے والا بیٹا تھا۔ اسے اس باپ پر افسوس ہوا جو اپنے اتنے محبت کرنے اور چاہنے والے بیٹے سے یوں اتنی آسانی سے بدگمان ہوگیا تھا۔

''عابی! اگر میں تمہاری زندگی میں نہ ہوتی اور پھر تمہارے پاپا یونہی ایک فون کال کے ذریعے تمہیں تمہاری منگنی کی اطلاع دے رہے ہوتے تو کیا تم اس کو قبول کرلیتے؟'' اس کی محبت اور حق والی بات پر وہ بے اختیار پوچھ بیٹھی۔

''ہاں، بالکل۔'' عباد نے ایک سیکنڈ کی ہچکچاہٹ کے بغیر فوراً جواب دیا۔

''پاپا کا فیصلہ میرے لئے غلط کیسے ہوسکتا ہے۔ میں اپنے لئے اتنا اچھا نہیں سوچ سکتا جتنا وہ سوچ سکتے ہیں میں خود اپنے آپ سے اتنی محبت نہیں کرسکتا جتنی وہ مجھ سے کرتے ہیں۔'' وہ بالکل خاموش ہوگئی تھی۔

''چلو ہنیا کہیں باہر چلتے ہیں۔'' وہ بولتا ہوا میز پر سے اٹھ گیا۔ وہ وہی بلیو کلر کی شرٹ پہنے ہوا تھا جو اسے ہنیا نے گفٹ کی تھی۔ بلیو کلر کی

شرٹ ہنیا کو پسند آ رہی تھی اس لیے عباد نے وہ لی تھی حالانکہ اسے تو فان کلر کی پسند تھی وہ اس شرٹ کو دیکھتے ہوئے سوچ میں ڈوب گئی۔

عباد اسے لے کر ایسٹ ریور کے نزدیک ایک پارک میں آ گیا تھا۔ وہ دونوں پارک میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ وہ بالکل خاموش تھی۔ وہ گھر سے نکلنے کے بعد سے بالکل خاموش تھی۔ عباد ہی وقتاً فوقتاً مختلف موضوعات پر کچھ نہ کچھ بول رہا تھا۔ ابھی رات کے آٹھ بجے تھے اور نیویارک شہر کی روایتی رونقیں ہرگز ماند نہ پڑی تھیں۔ مگر چوں کہ اندھیرا پھیل رہا تھا...... اور سردی بھی کافی زیادہ تھی، اس لئے پارک سے لوگ آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔

"کیا ہوا ہنیا! تم اتنی چپ کیوں ہو گئیں؟" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔

"عابی! مجھے معاف کر دو میں کل شام سے تمہارے پاپا کے لئے اتنا کچھ نیگیٹو سوچتی رہی ہوں۔ میں سوچ رہی تھی وہ یہ کس طرح کی محبت تم سے کرتے ہیں کہ تم پر اپنا تسلط جمانا چاہتے ہیں، لیکن میں کس منہ سے انہیں یہ سب کہہ سکتی ہوں، جبکہ میں خود تم سے ایسی ہی محبت کرتی ہوں۔ تمہیں فان کلر کی شرٹ پسند ہے، یہ میرے لئے اہم نہیں، میرے لئے اہم یہ ہے کہ مجھے تمہارے لئے بلیو شرٹ زیادہ اچھی لگ رہی ہے۔ محبت میں ہزار اچھائیاں ہوں، پر محبت کا یہ انداز اچھا نہیں عابی! ملکیت جتانے والا، تسلط قائم کرنے والا، اپنی منوانے والا اور تم ہم دونوں سے شرمندہ ہو۔ تم اپنے پاپا سے شرمندہ ہو کر ان کا ایک ناجائز حکم نہ مان کر ان کی نافرمانی کے مرتکب ہو رہے ہو، اور مجھ سے اس لئے شرمندہ ہو کہ میرا وجود اپنے والدین سے تسلیم نہیں کروا پا رہے ہو عابی! اتنے اچھے بھی مت بنو۔ ہم لوگوں کو جو تم سے محبت کے دعویدار ہیں ہماری غلطیاں بتایا کرو، ہمیں خوش کرنے اور خوش رکھنے کی کوشش میں خود کو دکھ مت دو، اپنا کوئی نقصان نہ کرو۔"

اس پل اس کا دل عباد عذیر کے لئے بہت دکھ رہا تھا، آخر کیوں تھا وہ اتنا اچھا۔

"بے فکر رہو میرے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہو رہی، نہ پاپا کی جانب سے نہ تمہاری جانب سے۔ بلکہ میں تو خود کو اس دنیا کا خوش قسمت ترین آدمی سمجھتا ہوں، جس سے اتنے سارے لوگ اتنی زیادہ محبت کرتے ہیں۔" وہ اس کی حساسیت اور اپنے لئے اس کی محبت پر مسکرایا۔ وہ آنکھوں میں نرمی اور گداز لئے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم پاپا جیسی ہونے والی یہ بات اب کہہ رہی ہو ہنی، میں نے تو تمہیں بہت پہلے بتا دیا تھا کہ تم پاپا سے ملو تو وہ تمہیں اور تم انہیں ملاقات کے ابتدائی چند سیکنڈز ہی میں پسند کرنے لگو گے۔ تم دونوں عام لوگوں سے مختلف اور بہت منفرد ہو۔ مستقل مزاج ہو، تم میں اور پاپا میں بہت کچھ ایک جیسا ہے۔ جیسے تم بے تکلف اور بے جھجک بات کرتی ہو، ایسے ہی پاپا بھی ہیں۔ مما کی بات الگ ہے انہیں دنیا کی ہر لڑکی فوراً ہی پیاری اور اچھی لگ جاتی ہے۔ مگر پاپا کو متاثر کرنا آسان نہیں۔ مگر تمہیں پہلی ہی ملاقات میں وہ پسند کرنے لگیں گے۔

پُر اعتماد اور ذہین لڑکیاں انہیں اچھی لگتی ہیں جنہوں نے اپنی اسلامی اور مشرقی قدروں کو بھی تھاما ہوا ہے۔ تب ہی تو میں تمہیں ان سے پہلے ملوانے اور بعد میں تمہارے متعلق کچھ بتانے پر اتنا سنجیدہ تھا۔ ابھی اگر تم ان سے کہیں ملو اور انہیں یہ نہ پتا ہو کہ تم ہی وہ لڑکی ہو جس سے میں محبت کرتا ہوں تو وہ اندر ہی اندر یہ سوچیں گے کہ کاش ان کا نالائق بیٹا اگر کسی لڑکی کو پسند کر ہی رہا تھا تو وہ لڑکی ہنیا سجاد ہوتی۔"

وہ عباد کی بات پر بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔

"You must be jocking"

''پرامس! بالکل سچ کہہ رہا ہوں اور تم جو بھی انہیں تھوڑا سخت مزاج اور غصے والا سمجھ رہی ہو جب ان سے ملو گی تو پہلی ہی ملاقات میں ان کی عاشق ہو جاؤ گی۔ ان کے مینرز، ایٹی کیٹس، بات کرنے کا سلیقہ سب ایسا ہوتا ہے جس پر تم لڑکیاں دل و جان سے فدا ہوتی ہو۔''

عباد ہنستے ہوئے اسے بتا رہا تھا۔ وہ بھی ہنستے ہوئے ہی اس کی بات سن رہی تھی۔

''جب میں انہیں اور وہ مجھے اتنے پسند آسکتے ہیں عابی! پھر سب کچھ اتنا غلط کیوں ہو رہا ہے؟'' مسکراتے مسکراتے یک لخت وہ سنجیدہ ہو گئی تھی، اپنے چہرے کی اداسی عباد سے چھپانے کی خاطر اس نے اپنا چہرہ دوبارہ سامنے کر لیا تھا۔ وہ سامنے دور تک نظر آتے درختوں کی طرف بالکل سیدھ میں دیکھ رہی تھی۔

''یہ سارا غلط جلد ہی ٹھیک ہو جائے گا ہنی! پلیز میرا یقین رکھو۔ اپنی محبت پر بھروسہ رکھو۔''

عباد نے ایک پل کے لئے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔ وہ اسے سب ٹھیک ہو جانے، سب اچھا اور من چاہا ہو جانے کی نوید دے رہا تھا۔

☆

ماما جانی شکاگو سے واپس آگئی تھیں۔ اس کا ارادہ نہیں تھا انہیں کچھ بھی بتا کر پریشان کرے گا۔ لیکن اسے یہ خدشہ تھا کہ اس کے نہ بتانے کے باوجود کہیں وہ اس کے چہرے سے پریشانی کے کوئی آثار نہ بھانپ جائیں۔ مگر ماما جانی کی شکاگو سے آتے ہی طبیعت ایسی خراب ہوئی تھی کہ انہیں اس کے چہرے کو پڑھنے کی مہلت نہ مل سکی تھی۔ یہاں آتے ہی جو انہوں نے بستر سنبھالا تھا، ہنیا اس سے بوکھلا گئی تھی۔ وہ بہت کم بیمار ہوتی تھیں اور ان کی کبھی کبھار کی بیماری اس طرح ہنیا کے ہاتھ پاؤں پھلا دیا کرتی تھی۔

☆

''تم عباد کے پاپا کی فرم میں جاب کر رہی ہو، تمہیں پتا تھی یہ بات؟'' فیاض احمد نے حیرت سے باہر نکلتے ہوئے اس سے استفسار کیا۔

''جی ماموں! مجھے پتا تھی۔ میں نے آپ لوگوں کو شروع میں اس لئے نہیں بتایا تھا کہ اس وقت مجھے خود بھی نہیں معلوم تھا کہ میں ان کے پاس جاب حاصل کر بھی پاؤں گی کہ نہیں۔ جاب مل جانے کے بعد مجھے آپ لوگوں کو بتا دینا چاہیے تھا مگر نہ بتا سکی، سوری۔'' وہ آہستگی سے بولتی جیسے اپنی ایک غلطی کا اعتراف کر رہی تھی۔

''میں الجھن میں تھی، ہر پل یہی سوچتی رہتی تھی کہ عابی کے پاپا جو مجھے اپنے ہاں جاب کرنے والی انجینئر کے طور پر اتنا پسند کرتے ہیں جس روز میری سچائی جان جائیں گے کیا اس روز بھی مجھے اتنا ہی پسند کریں گے؟ میں آج بھی یہی سوچ رہی ہوں ماموں! جس روز میری سچائی کھلے گی، میں کہاں کھڑی ہوں گی؟ کیا تب بھی عذیر فاروق اپنی بیگم کے ساتھ آ کر مجھے میرے گھر پر کوئی تحفہ دے کر جائیں گے یا نفرت سے مجھے رد کر دیں گے؟''

اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی تھی۔

''میں وہ لڑکی ہوں جس سے عذیر فاروق شدید نفرت کرتے ہیں۔ میں وہ لڑکی ہوں جس کی وجہ سے وہ عابی سے خفا ہیں۔ آپ کو پتا ہے ماموں! وہ

عابی کا نام تک اپنی زبان پر لانا پسند نہیں کرتے۔ میں نے آج تک کبھی ان کے لبوں سے ان کے بیٹے کا نام نہیں سنا، اس کا ذکر اس کی کوئی بات نہیں سنی۔ ایسے جیسے وہ اسے تو کیا اس کے نام تک کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی سے باہر نکال چکے ہیں۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ وہ آنکھوں میں امنڈتے آنسوؤں کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆

وہ ڈنر میں شرکت کے لئے عذیر فاروق کے گھر پہنچی تو وہ وہاں آنے والی پہلی مہمان تھی۔ شام ساڑھے سات بجے ڈنر کا ٹائم ہوا بھی نہیں ہوتا، سو ابھی کوئی بھی مہمان نہیں آیا تھا۔ اس گھر میں آنے کی ایسی ایکسائٹمنٹ تھی اسے کہ وہ ساڑھے سات بجے سے زیادہ خود کو روک ہی نہیں سکی تھی۔ اسے امریکہ سے پاکستان آئے پانچ مہینے ہو گئے تھے اور ان پانچ مہینوں میں آج وہ پہلی مرتبہ بطور ایک مہمان اس گھر میں قدم رکھ رہی تھی کہ جس میں رہنے اور بسنے کے اس نے عباد کے ساتھ مل کر بے شمار خواب دیکھے تھے۔

شام ساڑھے سات بجے ابھی اتنی جلدی وہ کسی مہمان کی آمد کی توقع نہیں کر رہی تھیں، اس کے باوجود ہاجرہ نے بڑے تپاک اور گرم جوشی سے اس کا خیر مقدم کیا۔ یہ عذیر فاروق کا اپنی فرم کے تمام افراد کے لئے سالانہ ڈنر تھا، جس میں وہ سب کو کسی فائیو سٹار ہوٹل میں مدعو کرنے کے بجائے اپنے گھر بلانا زیادہ پسند کرتے تھے۔ فرم کے تمام افراد کو بھی ان کے گھر آنا بہت پسند آیا کرتا تھا۔ سب ہاجرہ عذیر کی میزبانی اور ان کے گھر کے کھانوں کی سارا سال تعریفیں کرتے تھے۔

پارٹی کا انتظام ان کے خوبصورت لان کیا گیا تھا۔ ابھی ان کے ملازمین وہاں باقی رہ گئی تیاریاں مکمل کرنے میں مصروف تھے، اس لئے اس وقت سے بہت پہلے چلی آئی مہمان کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا تھا۔ ہاجرہ اس سے آ کر ملیں تو سب سے پہلے تو اسے اپنا دیا ہوا سوٹ پہنا دیکھ کر بے حد خوش ہوئیں۔ خوب کھلتے ہوئے پرپل اور گرین رنگوں کے امتزاج والا یہ ڈریس اسٹائلش بھی تھا اور جیسے کپڑے وہ پہنا کرتی تھی، اس کے مقابلے میں بہت شوخ اور سجا بنا بھی تھا۔

"بہت پیاری لگ رہی ہو۔" اسے گلے لگا کر خوش آمدید کہنے کے بعد انہوں نے بغور اس کی تیاری دیکھی۔

"سادگی میں بھی اسٹائلش لگتی ہو، مگر آج زیادہ اچھی لگ رہی ہو۔"

"آپ کو اچھی لگنے ہی کے لئے تو اتنا تیار ہو کر آئی ہوں۔" وہ مسکرا کر صوفے پر ان کے برابر میں بیٹھ گئی تھی۔

"میں جلدی آ گئی، اصل میں......"

"بہت اچھا کیا بیٹا! مجھے تمہارا جلدی آنا، ہمیں اپنا سمجھنا بہت اچھا لگا ہے۔" وہ اس کی وضاحت سننے سے پہلے ہی پیار اور اپنائیت سے بولیں۔ وہ ان کی محبت بھرے انداز پر مسکرائی۔

"سر کہاں ہیں؟" کتنا مشکل لگتا تھا انہیں سر کہنا۔ وہ انہیں عباد کی طرح پاپا کہنا چاہتی تھی اور یہ نہیں تو کم از کم انکل تو ہر حالت میں کہنا چاہتی تھی مگر مجبوری ایسی تھی کہ وہ سر کے سوا کسی اور من چاہے انداز میں فی الحال انہیں مخاطب کر نہیں سکتی تھی۔

''تیار ہو رہے ہیں۔'' انہوں نے اس کے سوال کا جواب دیا۔

''آپ تیار نہیں ہوں گی؟''

''میں تمہیں تیار نہیں لگ رہی؟'' انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔ بہت سوگوار اور بجھی ہوئی مسکراہٹ۔ وہ مسکراتی تھیں تو صرف ان کے لبوں تک ہی مسکراہٹ ہوتی تھی، اس کا کوئی رنگ ان کی آنکھوں سے ظاہر نہ ہوتا تھا۔

''پوری طرح تیار نہیں لگ رہیں۔ مطلب ڈریس تو بہت پیارا ہے مگر آپ نے میک اپ تو کیا ہلکی سی لپ اسٹک تک نہیں لگائی او جیولری بھی بس وہی پہنی ہوئی ہے، جو روزانہ پہنے رہتی ہیں۔''

''بس بیٹا! اب یہ سجنے سنورنے اور تیار ہونے کی تو تم لوگوں کی عمر ہے۔''

انہوں نے اپنی تیاری سے متعلق ذکر کو مزید طول نہ دیتے بات ختم کر دی۔ وہ جانتی تھی کہ ہاجرہ عذیر ابھی پورے پچاس سال کی بھی نہیں ہوئی ہیں۔ عباد اپنی ینگ، اٹریکٹو اور بہت خوبصورت مما کا کتنے فخریہ انداز میں ذکر کرتا تھا۔ اس نے عباد کے پاس، اس کے اپارٹمنٹ میں ان کی اتنی تصویریں دیکھ رکھی تھیں، ان کی ویڈیو دیکھ رکھی تھی اور ان سب میں اس نے انہیں ہمیشہ خوب تیار دیکھا تھا۔ اپنی عمر کی مناسبت سے میک اپ اور جیولری ہر چیز کا وہ اہتمام کرتی تھیں، دھیان رکھتی تھیں۔

اس وقت اس کے سامنے بیٹھی ہاجرہ عذیر ان تصویروں والی ہاجرہ عذیر سے بہت مختلف خاتون تھیں۔ سادگی میں بھی ان کی خوبصورتی نمایاں تھی۔ وہ تھیں واقعی بہت خوبصورت، عباد کی طرح ان کے بھی بائیں گال پر ڈمپل پڑتا تھا۔ عباد نے یہ ڈمپل اپنی مما سے لیا تھا۔ مگر ان کی ساری خوبصورتی ایک حزن، ایک سوگواری میں لپٹی محسوس ہوتی تھی۔

کچھ دیر مزید گفتگو کے بعد جب یہ اندازہ ہوا کہ باہر تمام تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں تو ہاجرہ اسے باہر لے جانے لگیں۔

''چلو کھلی ہوا میں چل کے بیٹھتے ہیں۔ باقی مہمان بھی آنے والے ہوں گے۔'' وہ ان کے ساتھ ڈرائنگ روم سے باہر نکلی تو ان کے لاؤنج پر نظر پڑی۔ اس کی ایک دیوار پر ایک بہت بڑی سی تصویر لگی تھی۔

اسے وہ تصویر صاف نظر آ رہی تھی۔ تصویر کے پاس رکتا دیکھ کر ہاجرہ آہستگی سے بولیں۔

''میرے بیٹے کی تصویر ہے۔'' وہ ان سے یہ کہہ نہ سکی کہ وہ اس بات کو بہت اچھی طرح جانتی ہے۔ اس نے ان کے لبوں سے ان کے بیٹے کا تذکرہ پہلی مرتبہ سنا تھا، اس نے گردن گھما کر انہیں دیکھا۔ وہ یکدم ہی مزید کمزور، مزید بجھی ہوئی نظر آنے لگی تھیں۔ اپنی آنکھوں میں چھلک آئی نمی کو اس سے چھپانے کی خاطر وہ اسے اپنے ساتھ آنے کا کہتی اس سے پہلے ہی باہر نکل گئیں۔ اس نے آنسو چھپا کر تیزی سے لان میں جاتی ہاجرہ کو دیکھا، پھر مڑ کر دوبارہ اس تصویر کو دیکھا۔

''آہاہ۔ تو مس ہنیا سجاد تشریف لا چکی ہیں۔'' عذیر فاروق سیڑھیاں اتر کر اس طرف آ رہے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب آ گئے تھے۔

''السلام علیکم سر!'' تصویر سے نظریں ہٹا کر اس نے انہیں سلام کیا۔ وہ اسے اس تصویر کو بغور دیکھتا دیکھ چکے تھے مگر انہوں نے ہاجرہ کی طرح

اسے اس تصویر سے متعارف کروانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

''اتنے ناراض ہیں آپ عابی سے؟ اس کا نام بھی نہیں لینا چاہتے، اس کا ذکر بھی نہیں کرنا چاہیے؟ عابی سے اس طرح ناراض مت ہوں پاپا!'' اس نے خاموشی سے انہیں اس تصویر کو نظر انداز کرتے دیکھا۔

''یہاں اکیلی کیوں کھڑی ہیں؟''

''سر! میں آنٹی کے ساتھ لان میں جا رہی تھی۔''

''چلیں تو لان ہی میں چلتے ہیں۔'' اس نے ان کے ساتھ باہر جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے۔

''بائی دا وے! آج آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔''

''تھینک یو سر! سر یہ وہی سوٹ ہے۔''

''ہاں میں نے پہچان لیا ہے۔ ہاجرہ نے اسے لیا تھا'' میں یہ والا لوں یا وہ والا لوں'' کی کنفیوژن کے بعد تھا کہ مجھے اس کا رنگ اور ڈیزائن یاد ہو گیا'' وہ جواباً مسکرا کر بولے۔

''میری بیگم کی آپ فیورٹ بن چکی ہیں مس ہنیا۔''

''سر! میں آپ کی فیورٹ نہیں ہوں؟''

''کیوں ایک بندے سے دل مطمئن نہیں ہو رہا؟ ہم دونوں کی فیورٹ بننا چاہتی ہیں؟''

انہوں نے ہنستے ہوئے اس سے پوچھا۔ اس نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ ان کے ساتھ لان میں آ گئی تھی، وہاں ہاجرہ نہیں تھیں۔ وہ دور دور تک کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ وہ ان کے پیچھے جانا چاہتی تھی۔ وہ کہاں تھیں، وہ گھر کے کس کمرے، کس جگہ پر تھیں، وہ انہیں تلاش کرتی ان کے پاس جانا چاہتی تھی۔ وہ رو رہی تھیں، وہ جانتی تھی۔ وہ اس تصویر کو دیکھ کر دن میں کتنی بار رویا کرتی تھیں؟ مگر وہ ہنیا سجاد اس گھر میں صرف ایک مہمان تھی، ایک مہمان جو آج پہلی مرتبہ اس گھر میں آئی تھی۔ وہ بے تکلفی سے ان کے گھر کے اندر کس طرح جا سکتی، گھوم پھر سکتی تھی؟ حالانکہ اندر جا کر اگر وہ تھوڑا سا بھی ڈھونڈتی تو ہاجرہ اور عذیر فاروق کے بیڈ روم تک با آسانی خود پہنچ سکتی تھی۔ عباد کے اس بہت خوبصورت گھر کی اس نے کئی مرتبہ ویڈیو دیکھ رکھی تھی۔

وہ اس گھر کے چپے چپے اور کونے کونے سے واقف تھی۔

''اور سنائیں، آج چھٹی کے دن کی کیا مصروفیات رہیں؟''

''کچھ خاص نہیں سر! بس اپنے ہفتے بھر کے جمع ہوئے کام نمٹاتی رہی۔'' وہ ان کے ساتھ ایک میز کے گرد رکھی۔ کرسیوں پر بیٹھ گئی تھی۔

''ویسے امریکہ میں آپ کے ویل وشرز کی پیش گوئی تو غلط ثابت ہوئی۔ پانچ مہینے تو میرا خیال ہے ہو رہے ہیں، آپ کو ہمارے ہاں جاب کرتے۔ یعنی پاکستان سے مایوس ہو کر لوٹنے کا پروگرام کم از کم چھ مہینے کے اندر اندر تو ہرگز نہیں بن گیا۔'' وہ اس کی انٹرویو کے دن بتائی بات کا حوالہ دے رہے تھے۔

''اور سر! ہو گا بھی نہیں۔ یہاں نیویارک جیسی سہولتیں اور آسانیاں نہیں، کچھ مشکلات ہیں تو کیا ہوا۔ کم سے کم یہاں میں تنہا تو نہیں۔''

کچھ مہمان آنے شروع ہو گئے تھے، عذیر فاروق اس سے معذرت کرتے مہمانوں کا استقبال کرنے اٹھ گئے۔

''میں یہاں سے ناکام اور مایوس واپس لوٹنے نہیں بلکہ دلوں کو جیتنے آئی ہوں۔ میں یہاں ہارنے نہیں آئی پاپا! میں جیتنے آئی ہوں، آپ کی محبت، مما کی محبت، مصمم ارادے کے ساتھ، پورے یقین کے ساتھ محبت کا ہاتھ تھامے محبت ہی پر بھروسہ کیے۔ کام مشکل ہے پر ناممکن تو نہیں۔'' وہ زیر لب جیسے خود سے بول رہی تھی۔ اس کی نگاہیں دور مہمانوں کا استقبال کرتے عذیر فاروق پر تھیں۔ وہ مسکرا کر بلگرامی صاحب اور فرم کے چند دیگر سینئر انجینئرز کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ وہ ایسے ہی ایک اپنی ہی عمر کے صاحب سے اسے متعارف کروا رہے تھے۔

''مس ہنیا سجاد سے ملئے۔ کولمبیا یونیورسٹی کی گریجویٹ ہیں اور ماشاء اللہ بہت ہی Comptetent انجینئر ہیں، اعجاز نثار جو خود بھی ایک انجینئر تھے اور ایک انجینئرنگ فرم چلا رہے تھے ان سے عذیر فاروق نے اس کا تعریفی تعارف کروایا۔ نفرت بلکہ شدید نفرت تو وہ اس لڑکی سے کیا کرتے تھے جو ان کے اور ان کے بیٹے کے بیچ آ کر کھڑی ہوئی تھی۔ کیسی عجیب سی بات تھی یہ جاننے کے باوجود کہ عذیر فاروق اس سے اس کی اصل حیثیت میں شدید نفرت کرتے ہیں وہ پھر بھی ان سے محبت کرتی تھی۔ وہ عذیر فاروق سے محبت کرتی تھی وہ عباد کے پاپا سے محبت کرتی تھی۔ وہ ہاجرہ عذیر سے محبت کرتی تھی، وہ عباد کی مما سے محبت کرتی تھی۔ عذیر فاروق کے لئے ناپسندیدگی والے جذبات تو اپنے دل سے اس نے اسی روز نکال دیئے تھے جب یہ جانا تھا کہ صرف عابی کے پاپا ہی نہیں وہ خود بھی تو حق جتاتی اور تسلط جماتی محبت کرتی ہے عابی سے اور پھر آہستہ آہستہ اسے یہ احساس ہونا شروع ہوا تھا کہ وہ عابی کے مما، پاپا سے محبت کرنے لگی ہے۔ وہ عباد کی زندگی کے وہ دو لوگ تھے جن کے بغیر عباد کے پاس زندگی کا کوئی تصور نہ تھا، وہ اپنے ماں، باپ کو عشق اور جنون کی آخری حدوں تک چاہتا تھا۔ سادہ سی بات تھی ناں جس سے محبت ہو اس سے وابستہ تو ہر چیز محبوب ہو جاتی ہے۔ اس روز East River کے قریب اس پارک میں جب عابی کے پاپا کے لئے اس نے اپنے دل سے منفی سوچیں نکال دیں۔ اس کے بعد تو پھر وہ عباد سے بات کرتے وقت اس کے والدین کا ذکر کرنے پر تمہارے پاپا تمہاری مما کے بجائے مما اور پاپا کہہ کر ان کا ذکر کرنے لگی تھی۔

ڈنر بہت اچھا رہا تھا۔ اس کے تمام کولیگز، تمام سینئرز، فرم سے متعلقہ ہر فرد نے اس میں شرکت کی تھی۔ مہمانوں کی آمد کے ان ابتدائی لمحات ہی میں ہاجرہ خیر مقدمی مسکراہٹ لئے مہمانوں کا استقبال کرنے باہر آ گئی تھیں۔ ہمیشہ کی طرح ان کی سوگواری میں لپٹی مسکراہٹ۔ ڈنر سے فارغ ہوتے اسے ساڑھے گیارہ بج گئے تھے۔ وہ پارٹی بیچ میں سے چھوڑ کر جا بھی نہیں سکتی تھی، مگر اندر ہی اندر اس کی بے چینی حد سے سوا تھی۔ یہاں آنے کی بات دوسری تھی، یہاں تو وہ اپنی خوشی اور اپنی مرضی سے آئی تھی ورنہ اب وہ رات میں ہونے والی تقریبات سے اس لئے گھبرایا کرتی تھی کہ وہاں گیارہ کیا بارہ اور ایک، ڈیڑھ تک بج جایا کرتا تھا۔ جبکہ وہ گیارہ بجے کے بعد ہر قیمت پر اپنے گھر اور اپنے بیڈ روم میں موجود ہونا چاہتی تھی۔ شمسہ اور فیاض احمد اسے اپنے ساتھ تقریبات میں چلنے کے لئے کہتے تو وہ اکثر و بیشتر معذرت کر لیا کرتی تھی۔ یہاں حالات اتنے امن و امان والے اور پرسکون نہیں کہ خواتین رات میں تنہا ڈرائیو کر کے کہیں جا سکیں۔ یہ اسے اندازہ ہو گیا تھا اسی لئے وہ خود ڈرائیو کر کے آنے کے بجائے فیاض احمد کے ڈرائیور کے ساتھ پارٹی میں آئی تھی۔ وہ گھر واپس پہنچی تو یہ دیکھ کر اس نے اطمینان کا سانس لیا کہ فیاض اور شمسہ سونے کے لئے اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ ورنہ اسے ابھی کچھ دیر ان کے ساتھ مروتاً گفتگو کرنا پڑتی۔ وہ دو، دو زینے ایک ساتھ پھلانگتی تیزی سے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔



فاروق ایسوسی ایٹس کا ہیڈ آفس کراچی میں تھا مگر اس کے برانچ آفسز لاہور، اسلام آباد اور کوئٹہ میں بھی قائم تھے۔ چونکہ پاکستان کے مختلف شہروں کے علاوہ فرم کو مڈل ایسٹ کے مختلف ممالک میں بھی کئی Projects اکثر و بیشتر ملا کرتے تھے اس لئے پانچ سال قبل فرم کا ایک برانچ آفس دبئی میں بھی قائم کر دیا گیا تھا۔ ان دنوں دبئی کی ایک بڑی کمپنی وہاں اپنی نئی آفس بلڈنگ جو 50 سے 60 منزلہ تھی تعمیر کروانا چاہتی تھی۔ اس بلڈنگ کی ڈیزائننگ میں فاروق ایسوسی ایٹس نے دلچسپی ظاہر کی تھی۔ پاکستان کی چند دوسری بڑی فرمز کے علاوہ سنگاپور، جاپان اور کوریا کی چند فرمز بھی اس پروجیکٹ کے حصول میں کوشاں تھیں۔ سخت مقابلہ تھا اور یہ پروجیکٹ جس بھی فرم کو مل جاتا وہ خوش قسمت ٹھہرتی کہ کمپنی واقعی بہت بڑی تھی۔ اس کمپنی کے ساتھ فاروق ایسوسی ایٹس کی دبئی میں کئی میٹنگز ہو چکی تھیں جن میں شرکت کے لئے کراچی سے بلگرامی صاحب اور نجمہ یاسمین بھی دوبارہ دبئی جا چکے تھے۔ اب فائنلی اس کمپنی کے چند سینئر عہدیدار کراچی ان کے آفس آ رہے تھے۔ یہ اس کمپنی کے ساتھ ان کی نتیجہ خیز میٹنگ تھی جس میں وہ ان کے ڈیزائنز کو پسند کر لیتے یا ناپسند۔ اس کمپنی کو جو Presentation دی جانی تھی اس کی تیاری کے لئے دو آرکیٹکٹس اور دو انجینئرز کا انتخاب کیا گیا تھا۔

پروجیکٹ کی اہمیت کے سبب بلگرامی صاحب سینئر انجینئرز اور آرکیٹکٹس کا انتخاب کرنا چاہتے تھے۔ کسی جونیئر انجینئر یا آرکیٹکٹ کا اس پریزنٹیشن میں شامل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور ہنیا سجاد جو ابھی فرم کی سب سے نئی انجینئر تھی اس کی شمولیت کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ مگر اس نے عذیر فاروق سے درخواست کی تھی کہ وہ اسے اس بڑی کمپنی کی ٹاپ مینجمنٹ کے سامنے پریزنٹیشن دینے کا ایک موقع دے دیں، وہ انہیں ہرگز لیٹ ڈاؤن نہیں کرے گی۔

بلڈنگ کے جو ممکنہ ڈیزائنز فاروق ایسوسی ایٹس نے تیار کیے تھے ان کی ڈیزائننگ میں فرم کے کئی سینئر آرکیٹکٹس اور انجینئرز شامل رہے تھے مگر اب ان ڈیزائنز پر مشتمل پریزنٹیشن وہ چار لوگ تیار کر رہے تھے جنہیں بلگرامی صاحب نے اس مقصد کے لئے منتخب کیا تھا۔

ہنیا سجاد ان کا انتخاب قطعاً نہ تھی، وہ عذیر فاروق کے اس فیصلے سے مطمئن نہ تھے۔ گو اس کا کام وہ کئی بار دیکھ چکے تھے۔ پھر بھی انہیں لگ رہا تھا کہ وہ اپنی ناتجربہ کاری کے سبب پریزنٹیشن دیئے جانے کے موقع پر کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور کرے گی۔

اپنے منتخب کردہ باقی تینوں آرکیٹکٹس اور انجینئر سے وہ مطمئن تھے خطرہ انہیں ہنیا سجاد سے تھا۔ اسی لئے انہوں نے پریزنٹیشن میں سب سے آخری باری اس کی رکھی تھی۔ ابتداء سب ٹھیک ہوتی ہے، اگر پریزنٹیشن کے آغاز میں اس کمپنی کے سینئر عہدیداران ان کے ڈیزائن پروپوزلز سے مطمئن ہو گئے تو پھر آخر میں رہ گئی کوئی کمی یا غلطی کسی کو نظر نہیں آئے گی۔ ہنیا بھرپور تیاری کے ساتھ آئی تھی۔ بلگرامی صاحب کو اس کے متعلق کیا کیا خدشات ہیں، وہ جانتی تھی۔ پہلے ایک کر کے دونوں آرکیٹکٹس نے بلڈنگ کے آرکیٹیکچر کے حوالے سے مختلف ڈیزائن اور آپشنز اس کمپنی کے عہدیداران کو پیش کیے، پھر اس کے علاوہ دو دوسرے انجینئرز کی باری آئی اور پھر سب سے آخر میں اس کی۔

وہ کانفرنس ٹیبل سے اٹھ کر سامنے جا کھڑی ہوئی۔ اس نے ٹیبل کے گرد بیٹھے بہت سے چہروں میں سے کسی کی طرف بھی نہیں دیکھا اس نے صرف عذیر فاروق کی طرف دیکھا۔ حوصلہ بڑھانے والے انداز میں وہ اس کی طرف دیکھ کر ہلکا سا مسکرائے۔ اس نے ان کے چہرے پر سے نظریں ہٹا کر ان چہروں کی طرف دیکھنا شروع کر دیا جنہیں وہ یہ پریزنٹیشن دے رہی تھی۔ اس کی محنت ہر ایک کو نظر آ رہی تھی اور اس کا پراعتماد انداز

ہر ایک کو متاثر کر رہا تھا۔ اسے کوئی نہ بھی بتاتا وہ تب بھی جانتی تھی کہ وہ اپنے سے پہلے گئے تینوں سینئرز سے زیادہ پر اعتماد ثابت ہوئی تھی۔ اس کی پریزنٹیشن کے دوران اس کمپنی کے عہدیداران نے اس سے جو چند سوالات کئے اس نے ان کے جواب بھی اپنے پیش رؤں سے زیادہ اعتماد اور ذہانت کے ساتھ دیئے تھے۔ بلگرامی صاحب سمیت فاروق ایسوسی ایٹس کے دوسرے لوگوں نے بھی آج بالآخر اس کے اعتماد اور مہارت کو تسلیم کر لیا مگر اس سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا، وہ خوش اس بات پر تھی کہ بلگرامی صاحب جو آج پہلی مرتبہ اس سے متاثر نظر آ رہے تھے ان کی طرف عذیر فاروق نے ان نگاہوں سے دیکھا تھا جو یہ کہہ رہی تھیں۔

''دیکھا میں نے کہا تھا ناں اس لڑکی کو ناپختہ کار کہہ کر انڈر اسٹیمیٹ مت کرو۔'' عذیر فاروق کی یہ فخریہ نگاہیں اسے خوشی سے سرشار کر گئی تھیں۔

اس نتیجہ خیز ثابت ہونے والی میٹنگ کا نتیجہ فاروق ایسوسی ایٹس کے لئے بڑا شاندار نکلا تھا۔ ان کے تینوں ڈیزائنز میں سے ایک ڈیزائن کو پسند کر لیا گیا تھا گویا یہ پروجیکٹ فاروق ایسوسی ایٹس کو مل گیا تھا۔

بڑا پروجیکٹ تھا، بڑی کامیابی تھی۔ سب خوش تھے، ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے۔ اگر کسی چہرے پر اسے خوشی نظر نہیں آ رہی تھی تو وہ عذیر فاروق کا چہرہ تھا۔ وہ بظاہر مسکرا رہے تھے، سب سے مبارکباد وصول کر رہے تھے، آفس میں سب کے لئے آج اپنی طرف سے لنچ کا اعلان کر رہے تھے مگر ان کا چہرہ سچی خوشی سے عاری تھا۔ ایک پروجیکٹ جس کے حصول کے لئے انہوں نے اس قدر محنت اور کوششیں کی تھیں، کئی کئی گھنٹے فرم کے مختلف انجینئرز اور آرکیٹکٹس کے ساتھ طویل میٹنگز کی تھیں جب وہ پروجیکٹ انہیں مل گیا تب خوشی کا کوئی تاثر ان کے چہرے پر نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ اکثر دیکھتی تھی کہ ان کی بے تحاشا محنت، کوششوں اور انتھک کام کے بعد ان کا کوئی بڑا پروجیکٹ کامیابی سے تکمیل کو پہنچتا یا بڑی محنت اور جستجو کے بعد کوئی بڑا پروجیکٹ ان کی فرم کو ملتا، وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ دور کھڑے اس کامیابی کو دیکھتے نظر آتے۔ ان کے چہرے پر یہ تاثر ہوتا جیسے کامیابی و ناکامی، عروج و زوال۔ انہیں کسی چیز سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔



میڈیکل کالج کی سائٹ سے سائٹ انجینئر کی شکایات موصول ہو رہی تھیں، بلڈنگ میٹریل کی کوالٹی کے متعلق، چونکہ ایسی چیزوں پر عذیر فاروق بالکل کمپرومائز نہیں کرتے تھے اس لئے سائٹ پر فوراً جا رہے تھے۔ انہوں نے لنچ ٹائم سے قبل ہی اس سے سائٹ پر چلنے کے لئے کہہ دیا تھا۔ آفس میں ان کے کچھ اہم کلائنٹس آ گئے تھے، یوں انہیں آفس سے نکلتے نکلتے ہی ساڑھے چار بج چکے تھے۔

وہ سائٹ پر پہنچے تو وہاں کام زور و شور سے جاری تھا۔ سیمنٹ، بجری، بلاکس، سریا وہاں ہر طرف وہی دھول مٹی سے اٹا منظر تھا جو کنسٹرکشن سائٹس پر ہوا کرتا تھا۔ اونچی نیچی ناہموار سی جگہ تھی جس پر چڑھ کر وہ وہاں بکھرے سامان کی کوالٹی کو جانچنا چاہتے تھے اور انہوں نے اس کے سپرد یہ کام کیا تھا کہ وہ نئے نئے تعمیر شدہ ان حصوں کا تفصیلی معائنہ کرے جہاں پلاسٹر ہی چند روز ہوئے مکمل ہوا تھا۔ اگر کہیں کوئی Cracks Develop ہوتے اسے نظر آ رہے ہیں تو انہیں بتائے۔ وہ ان سے کچھ فاصلے پر یہ کام کر رہی تھی اور وہ اپنے ہاتھ میں اٹھا اٹھا کر اپنی تجربہ کار اور ماہر نگاہوں سے اپنے سامنے موجود بلڈنگ Material کا جائزہ لے رہے تھے۔

اچانک پتہ نہیں کیا ہوا تھا، ان کی مٹھی میں بھرا سیمنٹ ان کے ہاتھ سے نیچے گرا تھا، وہ پورے کے پورے یوں ڈگمگائے تھے جیسے انہیں زور کا چکر آیا ہو۔ وہ زیادہ دور نہیں تھی، اس کی نگاہ فوراً ان پر پڑی تھی۔ اسے یوں لگا تھا وہ چکرا کر زمین پر گرنے والے ہیں۔ اس کے ہاتھ میں موجود ڈرائنگز، پوائنٹر اس کے ہاتھ سے یک لخت چھوٹے تھے۔

''پاپا۔'' اس کے لبوں سے چیخ نکلی تھی وہ بھاگتی ہوئی ان کے قریب آئی۔

''عابی!'' خود کو لڑکھڑا کر گرنے سے بچاتے ان کے لبوں سے غیر اختیاری طور پر یہ نام نکلا تھا، جیسے خود کو گرنے سے بچانے کے لئے اپنے گرد اپنے جوان بیٹے کے بازو تلاش کر رہے ہوں۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے شانوں کے پاس ان کے بازوؤں کو مضبوطی سے تھام کر انہیں گرنے سے فوراً بچا لیا تھا۔ وہ اندھا دھند بھاگتی ان کی طرف آئی تھی، اس نے انہیں لڑکھڑا کر گرنے سے بچا لیا تھا۔ اگر وہ ایک لمحے کی بھی دیر کرتی تو وہ زمین پر پڑے ہوتے۔ وہ ابھی بھی اس کے بازوؤں کے سہارے کھڑے تھے۔ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، مگر انہیں دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے انہیں ابھی بھی چکر آ رہے ہیں۔

''آپ ٹھیک تو ہیں ناں پاپا؟'' وہ ہارٹ پیشنٹ تھے اور ان کی ایسی حالت نے آناً فاناً اس کے اوسان خطا کر دیئے تھے۔

انہوں نے سر ہلا کر اسے اپنے ٹھیک ہونے کا یقین دلایا، مگر ان سے کچھ بولا نہ جا سکا۔ وہ بس صرف تیز تیز سانس لے رہے تھے۔ اس نے زور سے آواز دے کر سائٹ انجینئر جو کسی اور طرف متوجہ تھا اس سے پانی لانے کو کہا اور خود انہیں اسی طرح پکڑے پکڑے قریب ہی عارضی طور پر قائم سائٹ انجینئر کے آفس میں لے آئی۔ اس نے انہیں وہاں ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ سائٹ انجینئر ان کے لئے منرل واٹر کی بوتل لے آیا تھا۔ انہوں نے پانی کے چند گھونٹ لئے۔

''آپ کی کیسی طبیعت ہے سر؟ آپ اسپتال چلیں گے؟''

وہ ان کے سامنے کھڑی شدید تشویش اور پریشانی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ ہلکے ہلکے لرز رہے تھے۔ ان کی طبیعت خراب ہوتی دیکھ کر اس کی اپنی حالت ابتر ہو رہی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے اپنے باپ کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ بس یونہی چکر سا آ گیا تھا۔ یہ بی پی بھی تو کنٹرول میں نہیں رہتا۔'' وہ مسکرا کر اسے تسلی دینے لگے۔ ان کی حالت اب بہتر معلوم ہو رہی تھی مگر وہ ان کے لئے ازحد فکر مند تھی۔

''سر! آپ ہسپتال چلیں۔''

''میں ٹھیک ہوں مس ہنیا! گھر جا کر ریسٹ کروں گا تو طبیعت خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔''

وہ کرسی سے کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ پھر انہیں تھام لینا چاہتی تھی، اسے ڈر لگا تھا کہیں وہ پھر نہ گر پڑیں۔ وہ چلتے ہوئے آفس سے باہر نکل آئے تھے۔ وہ اسپتال جانے، ڈاکٹر کو دکھانے پر آمادہ نہیں تھے تو وہ زبردستی انہیں مجبور نہیں کر سکتی تھی مگر وہ انہیں ایسی کنڈیشن میں گاڑی ڈرائیو بھی نہیں کرنے دینا چاہتی تھی۔

''سر! آپ کو گھر میں چھوڑوں گی۔ آپ کے لئے اس وقت ڈرائیو کرنا ٹھیک نہیں۔'' اس نے دوٹوک انداز میں کہا اور ان کا جواب سنے

بغیر اپنی گاڑی کی طرف آ گئی۔ وہ ان کی گاڑی میں سائٹ پہ آتی تو کل صبح آفس آنے میں مشکل ہوتی اس لئے وہ اپنی اور عذیر فاروق اپنی گاڑی میں الگ الگ یہاں آئے تھے۔ وہ ان کے لئے اپنی گاڑی کا دروازہ کھول کر کھڑی تھی۔

اس کی توقع کے برخلاف وہ کوئی بھی انکاری اور اختلافی لفظ بولے بغیر اس کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ شاید ٹھیک ہوں کہنے کے باوجود انہیں بھی یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اس وقت وہ گاڑی ڈرائیو نہیں کر پائیں گے۔

وہ گاڑی ڈرائیو کرتے مسلسل انہیں بھی دیکھ رہی تھی۔ وہ بالکل خاموش تھے انہوں نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کی ہوئی تھیں مگر ان کی حالت اب بہتر لگ رہی تھی۔ اس نے صرف انہیں ان کے گھر تک ڈراپ نہیں کیا تھا بلکہ وہ ان کے ساتھ اندر بھی آ گئی تھی۔ اگرچہ کہ وہ ہنستے مسکراتے اندر داخل ہوئے تھے مگر لاؤنج میں بیٹھی ہاجرہ انہیں دیکھتے ہی تشویش اور فکرمندی سے فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ جیسے ان کا چہرہ دیکھ کر اور ہنیا کو ان کے ساتھ دیکھ کر کسی خطرے کو محسوس کر گئی ہوں۔

''کیا ہوا؟ کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' وہ فوراً ان کے قریب آئیں۔ وہ انہیں مسکرا کر مطمئن کرنے کی کوشش کرتے فوراً صوفے پر بیٹھ گئے تھے شاید زیادہ دیر ان سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔

''سر کی طبیعت خراب ہو گئی تھی سائٹ پر۔'' اس نے انہیں بتایا۔ وہ یکدم ہی یوں پریشان ہوئیں کہ اسے سمجھ میں نہ آیا وہ بیمار پڑے عذیر فاروق کو دیکھے یا ہاتھ پاؤں چھوڑتی ہاجرہ کو۔

''یونہی ذرا سا چکر آ گیا تھا ہاجرہ! خدانخواستہ ہارٹ کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ آپ پریشان مت ہوں، میں ٹھیک ہوں۔''

''کوئی ٹھیک نہیں ہے طبیعت۔ اپنی صحت سے لاپروائی برتتے ہیں۔ خود کو کاموں میں اتنا زیادہ تھکا لیتے ہیں۔ میں ڈاکٹر زمان کو فون کر رہی ہوں۔ اگر وہ آ سکتے ہوں گے تو یہاں آ جائیں گے ورنہ ہم لوگ چلتے ہیں ان کے پاس۔''

''تشویش سے بولتے وہ فون کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''اف ٹیلی فون انڈکس تو ہمارے کمرے میں ہے۔'' فون کے پاس ٹیلی فون انڈکس موجود نہ دیکھ کر وہ غصے اور جھنجھلاہٹ سے بولیں۔

''آنٹی آپ بیٹھیں۔ میں کسی ملازم سے کہہ کر منگوا دیتی ہوں۔''

وہ فوراً ہی لاؤنج میں نکل آئی۔ اسے اپنے قریب کوئی ملازم نظر نہ آیا تو بجائے ملازم کی تلاش میں نظریں دوڑانے کے Passage سے جو سیڑھیاں فرسٹ فلور پر جا رہی تھیں، ان پر چڑھ کر اوپر آ گئی۔ لان کے بالکل وسط سے 90 کا زاویہ بناتا کمرہ عباد کا اور عباد کے بالکل برابر والا کمرہ ان کا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر آئی۔ ان کے بیڈروم میں موجود فون کے ساتھ ہی ٹیلی فون انڈکس موجود تھا۔ وہ اسے اٹھا کر فوراً ہی واپس لاؤنج کی طرف آ گئی۔

''اپنی صحت سے لاپروائی مت برتا کریں۔''

اس کے کانوں میں ہاجرہ کی روتی ہوئی آواز آئی۔ وہ رو رہی تھیں۔ اس نے اندر قدم نہیں رکھا، اس نے انڈکس میں سے خود ہی ڈاکٹر زمان سکندر کا نمبر تلاش کر کے انہیں فون کر دیا۔ ان سے بات کرنے پر اسے پتہ چلا کہ وہ ہارٹ اسپیشلسٹ بھی تھے، عذیر فاروق کے معالج بھی تھے، ان کے پڑوسی اور

دیرینہ دوست بھی تھے۔اس وقت وہ عموماً گھر پر مل جایا کرتے تھے۔

اسی لئے ہاجرہ نے انہیں فون کرنا چاہا تھا کہ اگر وہ گھر پر ہی ہوں گے تو انہیں دیکھنے یہاں آ جائیں گے۔ان کا مکان ان کی اسٹریٹ کا آخری مکان تھا۔ڈاکٹر زمان کو فون کر کے چند منٹوں بعد وہ اندر آئی تب تک ہاجرہ خود کو سنبھال چکی تھیں۔

''میں نے فون کر دیا ہے ڈاکٹر زمان کو۔وہ بس آنے والے ہیں۔''

وہ ان دونوں کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ڈاکٹر زمان کچھ ہی دیر میں آ گئے تھے۔جتنی دیر انہوں نے عذیر فاروق کا تفصیلی معائنہ کیا وہ وہیں موجود رہی۔

ڈاکٹر زمان کے عذیر فاروق سے سوال و جواب کے دوران اسے یہ پتہ چلا تھا کہ دل کے عارضے کے ساتھ وہ مستقل بے خوابی کے بھی مریض تھے۔انہیں نیند آتی ہی نہیں تھی۔اسے ان تمام کاموں کی تکمیل کی وجہ اب سمجھ میں آ گئی جن کے لئے اسے لگا کرتا تھا کہ انہوں نے رات بھر جاگ کر انہیں مکمل کیا ہوگا۔ڈاکٹر زمان نے ان کے دل کی صحت کی طرف سے اطمینان کا اظہار کیا تو ہاجرہ پر سکون ہوئیں۔مستقل بے خوابی کے سبب، خود کو بے تحاشا تھکا لینے کے سبب آج ان کی طبیعت خراب ہوئی تھی۔

ڈاکٹر زمان انہیں سمجھا رہے تھے کہ اگر انہیں دوا لے لینے کے باوجود بھی نیند نہیں آتی وہ تب بھی بجائے رات رات بھر دفتری کاموں میں خود کو تھکا لینے کے لیٹ کر آرام کیا کریں۔ڈاکٹر زمان نے انہیں ریسٹ کا مشورہ دیا۔ان کی ادویات میں معمولی رد و بدل کیا اور پھر وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔ہاجرہ اب عذیر فاروق پر خفا ہو رہی تھیں۔

''جب طبیعت پوری طرح ٹھیک نہیں تھی تو سائٹ پر جانے کی ضرورت کیا تھی؟ آفس میں اتنا سارا اسٹاف، اتنے ڈھیر سارے انجینئرز کس مرض کی دوا ہیں؟ کسی سینئر ہی کا جانا ضرور تھا تو بلگرامی صاحب سمیت سینئرز کی بھی کوئی کمی نہیں۔ان میں سے کوئی بھی سائٹ پر چلا جاتا۔''

''میں یہ لیکچر تو بعد میں بھی سن سکتا ہوں، پہلے مہمان کی تو خیر خبر لیجئے۔بے چاری مس ہنیا کو آپ نے پانی تک کو نہیں پوچھا۔کیا تاثر لیں گی وہ آپ کی میزبانی کا؟''

انہوں نے مسکرا کر بولتے ہوئے بیگم کی توجہ خود پر سے ہٹا کر ہنیا پر مبذول کروائی۔وہ چپ چاپ ان دونوں کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔اس بات پر وہ فوراً ہی بولی۔

''نہیں پلیز، کسی تکلف......''

''ارے دیکھیں ذرا میرا دماغ۔میں ہنیا کو بالکل بھول ہی گئی۔لیکن صرف پانی کیوں؟ میں اسے کھانے پر روک رہی ہوں۔'' وہ اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے بولیں۔

''ماموں ممانی کو فون کر کے بتا دو کہ یہاں ہو، کبھی وہ بے چارے پریشان ہوں۔میں کھانا لگواتی ہوں۔آٹھ تو بج رہے ہیں، کھانے کا ٹائم تو ہو ہی گیا ہے۔''

وہ اسے مزید کچھ بولنے کا موقع دیئے بغیر صوفے پر سے اٹھ گئیں۔ اب لاؤنج میں صرف وہ اور عذیر فاروق تھے۔ ہاجرہ کے چلے جانے کے بعد اب وہ اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھے اسے بغور دیکھ رہے تھے۔ وہ ان کی نظروں سے کچھ کنفیوژ سی ہوئی۔ انہیں لڑکھڑا کر گرتا دیکھ کر بے دھیانی اور بے اختیاری میں وہ انہیں ''پاپا'' پکار بیٹھی تھی۔

انہوں نے پہلی بار اگر اس کے چیخ کر پاپا پکارنے کو توجہ سے نہیں سنا تھا تو دوسری بار جب وہ ان کے بالکل نزدیک انہیں اپنے ہاتھوں سے تھام کر کھڑی تھی تب تو اس کا خود کو پاپا کہہ کر مخاطب کرنا انہوں نے ضرور سن لیا تھا۔ اس بارے میں کوئی بات نہ کرنے کے بجائے وہ اپنے ایسا کہنے کے حوالے سے کوئی نہ کوئی وضاحت جو انہیں مطمئن بھی کر سکے دے دینا چاہتی تھی۔ جیسے غیر اختیاری طور پر اس کے لبوں سے ان کے لئے ''پاپا'' نکلا تھا ایسے ہی خود کو گرنے سے سنبھالتے ان کے لبوں سے ''عابی'' نکلا تھا۔ وہ...... جس کا وہ نام نہیں لیتے، وہ جس کا وہ ذکر نہیں کرتے، آج جب لڑکھڑا کر گرنے لگے تو اپنے اس بیٹے کو پکارا تھا۔

''عابی! پاپا تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ تمہاری بات غلط نہیں۔ وہ واقعی تمہیں بے حد وحساب چاہتے ہیں۔ وہ تم سے ناراض ہیں، مگر اتنے نہیں کہ تم سے محبت کرنا چھوڑ دیں۔ تم ان کے دل میں سمائے ہوئے ہو، تم ان کی رگوں میں لہو بن کر دوڑ رہے ہو۔ وہ تمہارا کوئی ذکر نہیں کرتے، تمہاری کوئی بات نہیں کرتے مگر آج ان کا صرف ایک عابی کہنا ہی ایسا تھا کہ میں اب تک ان کی اس پکار کے حصار میں ہوں۔ وہ بے اختیاری میں تمہیں کس طرح پکار رہے تھے عابی۔ ان کی تم سے ساری ناراضی بہت جلد دور ہو جائے گی عابی! آج مجھے اس بات پر پہلے سے بھی زیادہ یقین ہو گیا ہے۔''

اس نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا، وہ اس کو بغور دیکھ رہے تھے۔

''سر! آج سائٹ پر بے دھیانی میں، میں نے آپ کو پاپا کہہ دیا تھا۔ آپ کو میرا ایسا کہنا بے تکلفی لگی ہو، برا لگا ہو تو آئم سوری۔''

''ویسے تو ایک اتنی پیاری لڑکی آپ کو پاپا کہے تو دل تو لازمی دکھتا ہے، لیکن خیر میں نے آپ کے کہنے کا برا نہیں مانا۔'' وہ اس کے سنجیدہ اور محتاط سے وضاحتی انداز کے جواب میں ہنس کر بولے۔ وہ بھی ان کی بات پر ہنس پڑی تھی۔

''سر! آپ ابھی بھی دلکش شخصیت کے مالک ہیں۔ میری عمر کی لڑکیاں ابھی بھی آپ کو Admire کرتی ہیں۔''

''شکریہ، بہت شکریہ۔ ویسے آپ کا ایسا کہنا اگر بے تکلفی تھی بھی تو مجھے ہرگز برا نہیں لگا۔'' شوخ سے انداز میں شکریہ کہنے کے بعد انہوں نے اس سے سنجیدگی سے کہا۔

''پتہ نہیں سر! آپ کو میرا ایسا کہنا کیسا لگے مگر آپ کو اور آنٹی کو دیکھ کر مجھے ہر بار میرے پیرنٹس یاد آتے ہیں۔ شاید لاشعوری طور پر میں آپ میں اپنے پاپا کو دیکھنے لگی ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے آہستہ آواز میں بول رہی تھی۔

''اور ہمیں تم ہماری بیٹی کی طرح لگتی ہو۔ ہم بھی تم میں اپنی بیٹی کو دیکھتے ہیں۔'' ہاجرہ اچانک لاؤنج میں داخل ہوئی تھیں۔ انہوں نے بنیا کی بات سن لی تھی اور عذیر فاروق کے کچھ بولنے سے قبل خود اس کی بات کا بہت پیار سے جواب دیا تھا۔

ہاجرہ اس کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔ عذیر فاروق جو گھر آنے کے بعد سے یہیں بیٹھے تھے، اب اٹھ کر فریش ہونے اور لباس تبدیل کرنے

اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

''ہنیا! تمہارا بہت شکریہ۔'' اس نے عذیر فاروق کو گاڑی ڈرائیو نہیں کرنے دی، انہیں ان کے گھر خود پہنچانے آ گئی، ہاجرہ اس بات پر خلوص اور محبت سے اس کا شکریہ ادا کر رہی تھیں۔

''مجھے اپنی بیٹی بھی کہتی ہیں اور میرا شکریہ بھی ادا کر رہی ہیں؟'' اس نے انہیں مزید اظہار تشکر سے روک دیا تھا۔ ''آپ سر کو تین چار دن مکمل ریسٹ کروائیں، انہیں آفس مت آنے دیجئے گا۔''

''تم فکر مت کرو۔ میں اب انہیں پورے ایک ہفتے آفس کا نام بھی نہیں لینے دوں گی۔'' انہوں نے دوٹوک انداز میں اپنا ارادہ اس پر ظاہر کیا۔

کھانا لگ چکا تھا۔ عذیر فاروق لباس تبدیل کر کے آئے تو وہ لوگ ڈائننگ روم میں آ گئے۔

''آؤ ہنیا! بیٹھو۔'' ہاجرہ نے اس کے لئے ایک کرسی کھینچی۔ ایک پلیٹ، کانٹا اور چمچ اس کے لئے رکھنے کے بعد انہوں نے عذیر فاروق کے سامنے ایک پلیٹ رکھی، وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ ہاجرہ ان کے دائیں طرف والی کرسی کے ساتھ کھڑی تھیں، انہیں اس کرسی پر بیٹھنا تھا مگر بجائے اپنے سامنے پلیٹ رکھنے کے انہوں نے عذیر فاروق کے لئے پلیٹ رکھنے کے بعد ان کے برابر والی بائیں طرف رکھی کرسی کے سامنے پلیٹ، چمچ اور کانٹا رکھا۔ ہنیا سے باتیں کرتے کرتے بالکل بے دھیانی میں، جیسے لاشعوری طور پر ہمیشہ کا انجام دیا کوئی کام انہوں نے پھر کر دیا ہو۔ وہ انہیں بغور دیکھ رہی تھی۔

وہ ہنیا کے لئے پلیٹ رکھ چکی تھیں، عذیر فاروق کے لئے رکھ چکی تھیں، اپنے لئے رکھی جانے والی پلیٹ ان کے ہاتھ میں تھی پھر میز پر جو چوتھی جگہ، یہ چوتھی پلیٹ کس کی تھی؟ یہ عباد کی کرسی تھی، یہ اپنے گھر کی کھانے کی میز پر عباد کے بیٹھنے کی مخصوص جگہ تھی۔ اس نے اس کے گھر کی ویڈیو میں اسی کرسی پر عباد کو بیٹھے، اپنی مما کے ہاتھ سے کھانا کھاتے دیکھا تھا۔ وہ پراٹھے کے ساتھ کسی سالن کے نوالے بنا بنا کر بڑے پیار سے اسے کھلا رہی تھیں۔ بے خیالی میں پلیٹ رکھتے وقت تو نہیں مگر رکھنے کے فوراً بعد ہی جیسے انہیں سامنے رکھی وہ اضافی پلیٹ نظر آ گئی تھی۔

ان کے چہرے پر سے تمام رنگ ایک پل میں رخصت ہو گئے تھے، ان کے لبوں پر ہنیا کے لئے جو ایک خوش اخلاق میزبانی والی مسکراہٹ بھی تھی وہ ایک آن میں بجھ گئی اور آنکھوں میں ایک گہرا دکھ ہلکورے لینے لگا تھا۔

''ہنیا! ابھی میز کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی، وہ ابھی اپنے لئے کھینچی گئی کرسی پر نہیں بیٹھی تھی، اس نے اپنے لئے کھینچی گئی اس کرسی پر بیٹھنے کا ارادہ لمحے بھر میں بدل کر اس چوتھی کرسی پر...... عباد کی کرسی پر بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''عذیر فاروق بظاہر خوش مگر درحقیقت بیوی کے چہرے پر پھیلے درد اور غم کو پوری طرح دیکھ رہے تھے۔ وہ ہنستی مسکراتی مسلسل بولتی ایسے جیسے میز پر ایک اضافی پلیٹ، چمچ اور کانٹے کے رکھے جانے کو اس نے محسوس ہی نہیں کیا ہے اسے کچھ پتہ ہی نہیں چلا ہے، وہ عذیر فاروق کی بائیں جانب والی کرسی پر، عباد کی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔

''آپ کے گھر کے کھانے تو بہت زبردست ہوتے ہیں۔ سر کبھی لنچ ساتھ کرنے کو کہتے ہیں تو میں تو تکلفاً بھی انکار نہیں کرتی۔'' وہ اس تکلیف دہ سکوت کو توڑتی مسکرا کر بولی۔

"ویسے تکلف میں تو میں نے ابھی بھی انکار نہیں کیا۔ آپ نے اخلاقاً ایک بار رکنے کو کہا اور میں واقعی کھانے پر رک بھی گئی۔" وہ پیالہ اٹھا کر پلیٹ میں سالن نکالنے لگی۔

"تکلف کرو گی تو مجھ سے ڈانٹ نہیں کھاؤ گی؟ جب بیٹی بنی ہو تو پھر تکلف کا ذکر کہاں سے آ گیا۔"

ہاجرہ نے خود کو جلدی ہی اس کیفیت سے باہر نکال لیا تھا۔ وہ اب ایک بار پھر مسکرا رہی تھیں۔ عذیر فاروق خاموشی سے کھانا کھا رہے تھے۔ ہاجرہ اور ہنیا آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔ بیٹھے بیٹھے اس نے ان کے ساتھ آنے والے کسی دن ساتھ شاپنگ کا پروگرام بنا لیا تھا۔

اس سے یہ سن کر کہ اسے اپنے لئے موسم کے کچھ کپڑے بنانے ہیں مگر اس کو کراچی کی مارکیٹوں اور قیمتوں کا اتنا اندازہ نہیں ہے اور ممانی بازار جانے سے گھبراتی ہیں۔ ہاجرہ نے فوراً اپنی خدمات آفر کر دی تھیں اور وہ انکار کیوں کرتی، اس نے تو یہ ذکر قصداً کیا ہی صرف اس لیے تھا۔ وہ ہر وقت ان دونوں کے قریب رہنا چاہتی تھی۔ کسی بھی بہانے سے، کسی بھی وجہ سے مگر وہ ہر وقت اور ہر لمحہ ان دونوں کے نزدیک رہنا چاہتی تھی۔

کھانے کے فوراً بعد وہ جانے کے لئے اٹھ گئی تھی۔ ہاجرہ نے اسے مزید روکا بھی نہیں تھا۔ نو بجنے والے تھے اور اسے اکیلے ڈرائیو کر کے اپنے گھر جانا تھا۔ وہ اس کے لئے فکر مند بھی ہو رہی تھیں۔

"تم ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤ۔ رات ہو رہی ہے، اکیلی جاؤ گی تو مجھے فکر رہے گی۔"

"ابھی تو نو بھی پورے نہیں بجے۔ آپ فکر مت کریں میں سوا نو تک اپنے گھر پر ہوں گی اور گھر میں قدم رکھنے سے پہلے آپ کو کال کر کے اپنی خیریت بتا دوں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے انہیں اطمینان دلا رہی تھی۔

"اچھا سر! اللہ حافظ۔ اپنا خیال رکھیے گا۔"

وہ اور بھی بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ان کے اور اس کے بیچ تکلف کی ابھی ایک دیوار قائم تھی۔ ہاجرہ سے وہ جس طرح بے تکلف سب کہہ سکتی تھی، ان سے کہتے ایک جھجک آڑے آتی تھی۔ باوجود پر اعتماد ہونے کے۔ وہ اسے رخصت کرنے گیٹ تک آنا چاہ رہے تھے مگر اس نے انہیں صوفے پر سے بھی اٹھنے سے روک دیا تھا۔ ہاجرہ البتہ اسے چھوڑنے گیٹ تک آئی تھیں۔

"سر کے ساتھ ساتھ اپنا بھی خیال رکھیے گا۔" اس نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر انہیں بڑی محبت اور عقیدت سے چوما۔

وہ ان سے ملاقات ہوتے پر اب اکثر اگر وہاں صرف وہ دونوں ہوتیں اور تیسرا کوئی وہاں موجود نہ ہوتا تو اسی طرح ان کے ہاتھوں کو محبت اور احترام سے چوم کر انہیں خدا حافظ کہا کرتی تھی۔ اس کے ایسا کرنے میں اتنی سچائی، اتنی بے ساختگی اور اتنی محبت ہوتی تھی کہ ہاجرہ مبہوت سی کئی لمحے اسے دیکھتی ہی رہتی تھیں۔ اور وہ انہیں کیا بتاتی کہ اس کے دل میں جو محبت ان کے اور عذیر فاروق کے لئے ہے اور اس محبت کا جیسا وہ والہانہ اظہار کرنا چاہتی ہے ابھی تک کرنے سے قاصر ہے۔ ابھی ایک حدِ فاصل، ایک لکیر ہے اس کے اور ان دونوں کے بیچ۔ وہ ہر فاصلے کو عبور کرتی اور ہر لکیر کو مٹا کر ان دونوں کے اتنا نزدیک ہو جانا چاہتی تھی کہ جیسی محبت وہ ان دونوں سے کرتی ہے، اس کا پوری طرح اظہار کر سکے بغیر کسی ڈر، خوف یا الجھن کے۔

☆

اگلے روز اس نے ہاجرہ کو فون کر کے عذیر فاروق کی خیریت پوچھی تھی۔

''سر کیسے ہیں؟''

''ٹھیک ہیں۔ بس اس وقت کچھ موڈ آف کر رکھا ہے، میں نے ان کے آفس جانے کے ساتھ ساتھ موبائل کے استعمال پر بھی جو دو، چار روز کی پابندی عائد کر دی ہے۔ میں ان کی کالز خود ریسیو کر رہی ہوں، جو واقعی ضروری ہوتی ہے وہاں بات کرا دیتی ہوں ورنہ نہیں۔ فی الحال ٹی وی پر کوئی کرکٹ میچ دیکھ رہے ہیں، میں سیب کاٹ کر دے رہی ہوں، وہ کھا رہے ہیں۔ بات کراؤں تمہاری ان سے؟'' اسے ہنس کر جواب دیتے انہوں نے پوچھا۔

''نہیں بس آپ سے خیریت پتہ چل گئی کافی ہے...... کل سنڈے ہے ناں، میں کل آپ کے گھر آؤں گی۔''

''بالکل آؤ۔ موسٹ ویلکم۔ تم آؤ گی تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔''



اور وہ اگلے روز صبح گیارہ بجے ان کے گھر پہنچ بھی گئی تھی۔ چوکیدار نے اس کے لئے گیٹ وا کر دیا۔ پورچ میں گاڑی روکنے کے بعد وہ گھر کے رہائشی حصے کی طرف بڑھی تو اسے اپنے گرد ہر طرف خاموشی ہی خاموشی پھیلی محسوس ہوئی۔ وہ پرسوں جب یہاں آئی تھی تب بھی اور آج بھی، اسے اس گھر میں ہر طرف خاموشی اور سناٹا پھیلا نظر آیا۔ بے جان چیزیں بھلا کسی کی کمی محسوس کیا کرتی ہیں؟ مگر اسے تو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ گھر اپنے ایک مکین کے بغیر بہت اداس، بہت سوگوار تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ گھر بانہیں پھیلائے کسی کی آمد کا منتظر تھا۔ اس گھر کے کونے کونے اور چپے چپے پر عباد کی خوشبو بسی تھی۔ اس گھر میں کئی ملازمین تھے، مگر پھر بھی یہاں خوشی اور سناٹا ہی پھیلا لگ رہا تھا۔ پرسوں بھی اور آج بھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ گھر اور اس کے مکین اس سناٹے کو توڑنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ ایک ملازمہ اسے لاؤنج میں بٹھا کر اندر ہاجرہ کو اس کی آمد کی خبر دینے چلی گئی تھی۔ ہاجرہ اس کی توقع کے عین مطابق اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھیں۔

''کل تم نے آنے کا کہا تھا۔ میں نے تب ہی سے تمہارا انتظار شروع کر دیا تھا۔ میں سمجھ رہی تھی سنڈے ہے تم صبح دیر سے اٹھتی ہو گی، پھر اپنے سب کاموں سے فارغ ہوتے ہوتے کہیں شام ہوتے آؤ گی۔ مگر صبح صبح آ کر تو تم نے مجھے حیران بھی کر دیا ہے اور خوش بھی۔''

وہ خوشگوار سے انداز میں مسکرا دی تھی۔ ''سر کہاں ہیں؟''

''کمرے میں ہیں۔ صبح نماز کے بعد میرے کہنے سے دوبارہ لیٹ گئے تھے۔ آنکھ لگ گئی ہے ان کی۔ میں چاہ بھی یہی رہی تھی کہ کچھ دیر سو جائیں۔'' انہوں نے اس کے استفسار کا جواب دیا۔

''کیا لو گی؟ بلکہ پہلے یہ بتاؤ کہ ناشتہ کر کے آئی ہو یا نہیں؟'' اس نے بغیر تکلف کے سچ بتا دیا تھا۔

''کیا کھاؤ گی؟ کیا بنواؤں؟''

''پراٹھا۔ لیکن آپ کے ہاتھ کا۔'' ان کی آنکھوں میں ایک پل کے لئے بہت ساری روشنی اور جگمگاہٹ پیدا ہو گئی۔ وہ کسی اور کے لئے بھی

اسی طرح اس کی فرمائش کے تحت اپنے ہاتھوں سے پراٹھے بناتی رہی تھیں۔

وہ اسے اپنے ساتھ کچن میں لے آئی تھیں۔ انہیں کچن میں آتا دیکھ کر ان کا کک فوراً مؤدب ہو کر ان کی طرف آیا تھا مگر انہوں نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ اس وقت خود کچھ بنانا چاہتی ہیں۔ وہ کوکنگ رینج کے سامنے ان کے پاس ہی کھڑی تھی۔ وہ دونوں باتیں کر رہی تھیں۔

''عابی کو بھی میرے ہاتھ کے پراٹھے.....'' پراٹھے کا پیڑا بناتے بے دھیانی میں بولتے وہ یکلخت خاموش ہو گئیں۔ ان کی آنکھوں میں تیرتی نمی کو اس نے دیکھ لیا تھا مگر قصداً اس بات پر توجہ نہ دیتے وہ ان سے باتیں کرتی رہی۔

''ماموں، ممانی ایک شادی اٹینڈ کرنے ٹھٹھہ گئے ہیں۔ کل گئے تھے شاید آج شام تک ان کی واپسی ہو گی۔ میں نے سوچا چھٹی کا دن گھر پر اکیلے بور ہو کر گزارنے سے بہتر ہے، صبح صبح آپ لوگوں کے ہاں پہنچ جاؤں۔''

وہ ان سے باتیں بھی کرتی جا رہی تھی اور ساتھ ان کے چہرے کو بھی بغور دیکھتی جا رہی تھی۔ وہ ان کے چہرے پر بکھری اس سوگواری اور رنج کی جگہ وہاں مسکراہٹ دیکھنا چاہتی تھی۔

''خوشبو تو بہت اچھی آ رہی ہے۔'' انہوں نے پراٹھے کو گھی ڈال کر تلنا شروع کیا تو وہ پراٹھا پکنے کی خوشبو کو انجوائے کرتے ہوئے بولی۔

''اس کا مطلب ہے میرا اندازہ ٹھیک تھا۔ میں سوچتی تھی جو خاتون اپنے کک سے اتنے اچھے کھانے بنواتی ہیں، وہ خود کتنا اچھا پکاتی ہوں گی۔'' وہ اس کی تعریفوں پر ہنس رہی تھیں۔ وہ جس طرح ان کے پاس کھڑی اس پراٹھے کو بڑی خوشی اور ایکسائٹمنٹ کے ساتھ پکتا دیکھ رہی تھی اس سے انہیں مسلسل کسی کا دھیان آ رہا تھا۔ انہیں ہنیا کا اس طرح اپنے پاس کھڑے ہونا اور فرمائش کر کے کچھ بنوانا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ایک دم ہی ایسا لگنے لگا تھا جیسے وہ زندہ ہیں۔ اپنے اندر لمحہ بھر کے لئے سہی زندگی کا احساس ہونے لگا تھا۔

''صرف ایک پراٹھا؟ میں اکیلے نہیں کھاؤں گی۔'' ''آپ اپنے لئے بھی پکائیں۔ میں آپ کے ساتھ کھاؤں گی۔'' انہوں نے پراٹھا پلیٹ میں نکال کر اس کی طرف بڑھایا تو وہ فوراً بولی۔

''میں میز پر برتن لگاتی ہوں، آپ دوسرا پراٹھا ڈال لیں۔'' ان کے کک نے چائے تیار کر رکھی تھی، وہ چائے کے برتن کچن میں موجود میز پر لگانے لگی۔

''آپ کے گھر ایپل یا اسٹرابری جیم تو ہو گا ناں۔ اصل میں مجھے پراٹھا جیم کے ساتھ کھانے میں مزہ آتا ہے۔''

وہ اس کے بے تکلفانہ استفسار پر ہنس پڑی تھیں۔ اپنے لئے پراٹھا تلتے تلتے انہوں نے مڑ کر اسے دیکھا۔

''لوگوں کو اچار، دہی، بالائی کے ساتھ تو پراٹھا کھاتے دیکھا ہے، یہ جیم کے ساتھ کھانے کا ذکر پہلی بار سن رہی ہوں۔''

''بہت مزے کا لگتا ہے، آپ ٹرائی کر کے دیکھئے گا۔'' وہ اس کے بچکانہ سے انداز پر ہنس رہی تھیں۔ ہنستے ہوئے ہی انہوں نے اسے جیم اور مارملیڈ وغیرہ کہاں رکھے تھے، بتا دیا تھا۔

خوشبوئیں اور باتوں کی آوازیں چونکہ کچن سے آ رہی تھیں اس لئے عذیر فاروق سیڑھیاں اتر کر نیچے آئے تو سیدھے کچن ہی کی طرف آ

گئے۔ کچن کے باہر ہی سے انہیں ہاجرہ کے ہنسنے کی آواز آئی۔

صبح اٹھتے ہی ان کی ہنسی، ان کی خوشی کا تاثر دیتی آواز انہیں خود بھی بے طرح خوشی دے گئی۔ وہ یاد کرنے لگے ہاجرہ کی خوشی بھری کھلکھلاتی آواز انہوں نے آخری بار کب سنی تھی، آخری بار انہیں یوں ہنستے ہوئے کب دیکھا تھا، انہیں اس طرح کچن میں خوشی خوشی کام کرتے کب دیکھا تھا۔ وہ کچن کے دروازے پر آ کر رک گئے تھے۔ ہاجرہ کی توجہ کوکنگ رینج کی طرف تھی، وہ مسکراتے اور مسلسل بولتے ہوئے کچھ پکا رہی تھیں۔

ہنیا ہاتھ میں جیم کے دو تین جار اٹھائے کچن ٹیبل کی طرف جا رہی تھی۔ وہ دونوں آپس میں باتیں کر رہی تھیں، ہنس رہی تھیں۔ وہ بھول گئے تھے اپنے کچن کی اس رونق اور چہل پہل کو اپنی بیوی کے ہاتھوں کے پکے کھانوں کی خوشبوؤں کو۔ لگتا تھا وہ کوئی اور زندگی تھی جب اس کچن سے وہ خوشبوئیں آیا کرتی تھیں۔ صبح آفس جاتے وقت اور شام وہاں سے واپسی پر یہ کچن اپنی مالکن کے ہاتھ کے پکائے کھانوں کی خوشبوؤں سے مہک رہا ہوتا تھا۔

وہ کبھی ہاجرہ کو بہت گم صم اور بہت خاموش دیکھ کر ان سے اپنے لئے کچھ پکانے کی فرمائش کرتے تو وہ ان کے کہنے پر کچن میں آ جاتیں، جو انہوں نے فرمائش کی ہوتی اس ڈش کی تیاری پورے اہتمام سے شروع بھی کر دیتیں مگر پھر اچانک ہی نہ جانے انہیں کیا ہوتا، ایسے جیسے اچانک ہی ان کا ہر چیز سے دل اچاٹ ہو گیا ہو، وہ سارا سامان یونہی کچن میں بکھرا چھوڑ کر کچن سے نکل آتیں، اپنے کمرے میں چلی جاتیں۔ آج کتنے طویل عرصے بعد انہوں نے ہاجرہ کو کچن میں یوں مسکراہٹیں بکھیرتے اور کچھ پکاتے دیکھا تھا۔

اپنی بیوی کے لبوں پر ہنسی دیکھ کر، اسے خوش دیکھ کر، اپنے کچن کی رونقوں کو لوٹتا دیکھ کر انہیں پل دو پل کے لئے یہ احساس ہونے لگا کہ ان کی زندگی بالکل نارمل ہے۔ وہ اور ہاجرہ خوشیوں بھری نارمل لائف گزار رہے ہیں۔ وہ اپنے کچن میں زندگی کو دیکھ رہے تھے اور وہ اپنے کچن میں اس زندگی لانے والی کو بھی دیکھ رہے تھے۔ وہ ہنیا سجاد کو دیکھ رہے تھے۔ کرسی پر بیٹھی وہ ایک بڑے سے چمچے سے بھر بھر کر میز پر رکھی ایک پلیٹ میں ایپل جیم اور اسٹرابری جیم نکال رہی تھی۔ اپنی انگلی پر لگ جانے والا جیم اس نے بچوں کی طرح زبان سے چاٹ لیا تھا۔ وہ اس وقت ایک Competent سول انجینئر نہیں، ایک چھوٹی سی بچی لگ رہی تھی، جو پراٹھے کو جیم کے ساتھ کھانے کے لئے از حد ایکسائٹڈ تھی۔ جیم کو انگلی سے چاٹتے چاٹتے اس کی ان پر نگاہ پڑی تھی۔ شرمندہ ہوتے اس نے اپنا ہاتھ جلدی سے نیچے کر لیا تھا۔

''السلام علیکم سر۔'' وہ انہیں دیکھ کر کرسی پر سے کھڑی ہو گئی تھی۔

''وعلیکم السلام۔'' وہ کچن کے اندر آ گئے۔ ہاجرہ نے انہیں مسکرا کر کچن میں خوش آمدید کہا تھا۔ انہوں نے ان کی مسکراہٹ کو محبت سے دیکھتے اس کا جواب مسکرا کر ہی دیا تھا۔

''میں اور ہنیا تو پراٹھے کھا رہے ہیں۔ آپ کیا کھائیں گے؟''

''میں نے کیا قصور کیا ہے، جب سب پراٹھا کھا رہے ہیں تو میں بھی یہی کھاؤں گا۔''

وہ کھانے پینے میں خود اتنی زیادہ احتیاط کر لیا کرتے تھے کہ اس تھوڑی بہت بد پرہیزی سے ہاجرہ نے انہیں روکا نہیں۔ انہوں نے ہلکے کورن آئل میں تل کے ایک لائٹ سا پراٹھا ان کے لئے بنا دیا تھا۔ وہ میز پر ہنیا کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے تو وہ بھی دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

وہ ان کی آمد سے قبل بہت چہک رہی تھی، مگران کے آجانے کے بعد اس کی بولتی بند ہوگئی تھی۔ وہ انہیں اچانک سامنے دیکھ کر کچھ نروس سی بھی نظر آرہی تھی۔ وہ ان کے گھر کے اس کچن میں اپنی اتنی بے تکلفانہ موجودگی کے دوران شاید ان کی آمد کی توقع نہیں کر رہی تھی اب انہیں ایک دم سامنے پایا تو کچھ ہچکچاہٹ اور جھجک کا شکار نظر آنے لگی۔

انہوں نے اس کی گھبراہٹ اور نروس نیس دور کرنے کے لئے کسی بھی طرح یہ تاثر نہ دیا کہ انہوں نے اس کی اپنے گھر اس بے تکلفانہ آمد کو ناپسند نہیں کیا ہے۔ وہ سنجیدہ چہرے اور مکمل خاموشی کے ساتھ ناشتہ کرتے رہے۔

اس نے پلیٹ میں جتنا سارا جیم بھر بھر کر ڈال رکھا تھا، اسے ان کے سامنے اپنی اسی پلیٹ کو صاف کرنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

ہاجرہ ویسی ہی خوش اور مگن تھیں۔ وہ ہنیا سے پوچھ رہی تھیں کہ کیا اس کے لئے ایک پراٹھا اور پکا ئیں۔ ابھی تو اس کی پلیٹ میں جیم بچا ہوا ہے۔ اس نے انہیں انکار کر کے چمچے سے جیم کھا کے اپنی پلیٹ بمشکل صاف کی تھی۔ وہ اپنی مسلسل سنجیدگی اور خاموشی سے اس کے لئے اس چوئشن کو آکورڈ بنا رہے ہیں، انہیں معلوم تھا مگر وہ پھر بھی کچھ بول نہیں رہے تھے۔ وہ ناشتے کے فوراً بعد وہاں سے اٹھ گئے تھے۔ ہاجرہ سے اپنے لئے ایک کپ اور چائے کی فرمائش کرتے ہوئے وہ اپنی اسٹڈی میں آگئے تھے۔



ہاجرہ نے خوب اچھی طرح دم دے کر ان کے لئے تازہ چائے تیار کی تھی۔ وہ چائے کپ میں نکال چکیں تو وہ ان سے بولی۔

''سر کے لئے چائے میں لے جاؤں۔''

''لے جاؤ۔ سٹڈی میں ہیں وہ۔ لیکن تمہیں اسٹڈی تو پتا ہی نہیں ہوگی کہاں ہے؟''

''میں پوچھ لوں گی باہر کسی ملازم سے۔'' وہ انہیں جواب دے کر کچن سے نکل آئی۔

اسے کسی ملازم سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسٹڈی تو نیچے ہی تھی، اسے ڈھونڈنا تو ان کے کمرے کو ڈھونڈ لینے سے زیادہ آسان تھا۔ دستک دے کر وہ چائے کا کپ ایک چھوٹی سی ٹرے میں رکھے اندر داخل ہوئی۔ وہ غالباً کسی ملازم کی آمد کی توقع کر رہے تھے اس لئے اسے دیکھ کر ان کے چہرے پر حیرت سی ابھری۔ وہ رائٹنگ ٹیبل پر ایک ڈرائنگ اپنے سامنے رکھے بیٹھے تھے۔ آفس جانے پر پابندی لگی تھی تو انہوں نے آفس کا ضروری کام گھر پر منگوا لیا تھا۔ گویا چند دن بھی وہ مکمل ریسٹ کے موڈ میں نہیں تھے۔

''سر! یہ چائے۔'' وہ ان کے قریب آکر رک گئی۔ وہ ابھی یہاں سے جانا نہیں چاہتی تھی، وہ ان سے بات کرنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ مصروف تھے اور وہ ان کے روکے بغیر یہاں رک نہیں سکتی تھی۔ انہوں نے کپ اٹھاتے ہوئے بغور اسے دیکھا۔

''بیٹھئے۔'' چاہے انہوں نے رسماً اور اخلاقاً ہی اسے بیٹھنے کی دعوت دی ہو مگر وہ فوراً ہی ان کی کرسی کے سامنے رکھی ایک دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔ انہوں نے میز پر پھیلی ڈرائنگ سے توجہ ہٹالی تھی اب وہ براہ راست اسے دیکھ رہے تھے۔

''سر! میں آپ سے ایک بات پوچھوں؟'' انہوں نے چائے کا سپ لیتے سنجیدگی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔ وہ ان کی سنجیدگی سے خائف

سی ہو رہی تھی۔

''میں آپ کے گھر اس طرح زیادہ آنے جانے لگی ہوں، آپ کو یہ بات اچھی نہیں لگی ناں؟''

''یہ اندازہ آپ نے میری کس بات سے لگایا؟'' انہوں نے کپ واپس ساسر پہ رکھا، وہ ہنوز بے حد سنجیدہ تھے۔

''بس ایسے ہی سر! مجھے لگا کہ شاید آپ کو اپنے گھر میرا زیادہ آنا، اپنے باس کے گھر زیادہ آنا جانا، دوستی بڑھانا، کہیں مجھے اپنی جاب میں کچھ فائدے، کچھ فیورز تو حاصل نہیں کرنے۔ سر! آپ ایسا سوچنے میں حق بجانب ہیں، کوئی بھی ہوگا اپنے ایمپلائی کو ایسا کرتے دیکھ کر یہی سوچے گا۔ لیکن سر! سچ بات وہی ہے جو میں آپ کو پہلے بھی بتا چکی ہوں۔ مجھے آپ اور آنٹی بہت اچھے لگتے ہیں، مجھے آپ دونوں میں اپنے پیرنٹس کا عکس نظر آتا ہے، مجھے آپ لوگوں کے ساتھ وقت گزارنا، آپ لوگوں سے ملنا بہت اچھا لگتا ہے...... میں آپ لوگوں سے ملنا نہیں چھوڑنا چاہتی، لیکن سر! آپ اس بات کو جس حوالے سے ناپسند کر رہے ہیں وہ بھی بالکل درست ہے۔ آپ کی فرم میں جاب کرتے میرا آپ سے فیملی ٹرمز رکھنے کی خواہش رکھنا ہر لحاظ سے غلط ہے۔ اسی لئے سر! میں نے یہ سوچا ہے کہ میں آپ کے ہاں جاب چھوڑ دوں گی۔ میں کہیں اور جاب کرلوں گی پھر تو میرا آپ کے گھر آنا آپ کو ٹھیک لگے گا ناں؟'' وہ دھیمی آواز مگر پراعتماد انداز میں ان کی طرف دیکھ کر بات کر رہی تھی۔

''کہاں جاب کریں گی؟'' انہوں نے اس کی بات کے اختتام پر سنجیدگی سے پوچھا۔ یعنی وہ یہ چاہتے تھے کہ وہ ان کے ہاں سے جاب چھوڑ دے۔ اس نے تو یونہی کہا تھا اور وہ سنجیدہ تھے۔ اس کا دل اندر ہی اندر ڈوبا۔

''کسی بھی فرم میں سر۔'' اس نے بجھے دل کے ساتھ جواب دیا۔ اس کے لہجے میں مایوسی شامل تھی۔

''اور آپ اتنی ٹیلنٹڈ تو ہیں ہی کہ کوئی بھی فرم آپ کو فوراً اور بخوشی Hire کرلے گی۔''

وہ سنجیدہ تھے، طنز کر رہے تھے یا اس کا مذاق اڑا رہے تھے، وہ سمجھ نہ پائی ''اور آپ کے خیال سے میں اتنا بڑا احمق ہوں کہ ایسا ٹیلنٹ اپنے کسی Competitor کے پاس چلا جانے دوں گا؟'' وہ اگر اس کا مذاق اڑا رہے تھے تو یہ مذاق اڑائے جانے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ وہ مزید دل گرفتہ ہونے لگی۔

''جس لڑکی کے آجانے سے میرے گھر میں رونق آجاتی ہے، مجھے اس کا اپنے گھر آنا کیوں برا لگے گا؟''

اس نے سر اٹھا کر حیران نظروں سے انہیں دیکھا۔ وہ کھل کر مسکرا رہے تھے۔ اسے اتنی دیر تک اپنی خوفناک سنجیدگی سے ڈرانے کے بعد وہ اب مسکرا رہے تھے۔ گویا اتنی دیر سے وہ اسے جان بوجھ کر ستا رہے تھے، زچ کر رہے تھے۔

''آپ کو میرا آنا برا نہیں لگا؟'' انہوں نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

''برا نہیں، بہت اچھا لگتا ہے۔ ہاں بس میں یہ سوچ کر حیران ہوں کہ اپنے ہم عمروں کے ساتھ وقت گزارنے کے بجائے ہم بڈھے، بوڑھیا کے ساتھ وقت گزارنے میں آپ کو کیا مزہ آتا ہوگا۔''

''آپ بڈھے نہیں ہیں۔ اور 52 سال کی عمر میں کوئی بڈھا ہوتا بھی نہیں ہے۔'' اس نے ناراضی سے فوراً ان کی تصحیح کی، ایسے جیسے ان کا خود

کو بڈھا کہنا اسے بالکل اچھا نہ لگا ہو۔

''میری عمر اتنی ٹھیک کہاں سے پتہ چلی؟'' وہ محظوظ لگا ہوں سے اسے دیکھتے مسکرائے۔

''آپ کے پاسپورٹ سے...... آپ کی ٹیبل پر رکھا تھا ایک دن، میں نے آپ کی برتھ ڈے معلوم کرنے کے لئے اسے دیکھا تھا۔'' اس نے باآسانی اعتراف جرم کر لیا تھا۔

''گویا جاسوسی کی صفات بھی ہیں۔'' وہ اب قہقہہ لگا کر ہنس رہے تھے۔ ''تمہارے آنے سے میرے گھر میں رونق آجاتی ہے ہنیا! تم یہاں آیا کرو۔ تمہارا جب جی چاہے، جب موڈ ہو آجایا کرو۔''

انہوں نے اسے پہلی بار ''تم'' کہہ کر مخاطب کیا، اسے مس ہنیا کی جگہ صرف ہنیا کہا، وہ خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی، ان کا اس طرح بات کرنا، اس انداز سے مخاطب ہونا اسے بے پناہ اچھا لگ رہا تھا۔

''مجھے تمہارا آنا برا لگے گا یا میں مائنڈ کروں گا یہ سوچنا بھی مت۔ میں اپنی پروفیشنل لائف اور پرسنل لائف کو الگ الگ رکھنا پسند کرتا ہوں۔ آفس میں تم میرے لئے دوسرے تمام انجینئرز کی طرح میری فرم میں جاب کرنے والی ایک جونیئر اسٹرکچرل انجینئر ہی رہو گی۔ وہاں نہ میں تمہیں کوئی فیور دوں گا، نہ دوسروں سے کچھ زیادہ اہمیت۔ تم میرے گھر آؤ گی تو میں اس بات کو بھول جاؤں گا کہ تم میری فرم میں جاب کر رہی ہو، یہاں تک کہ گھر پر اگر تم کسی آفیشل معاملے پر مجھ سے بات کرنا چاہو گی تو میں بات نہیں کروں گا۔ میرا خیال ہے اب یہ معاملہ حل ہو گیا ہے۔ ہنیا سجاد میری اور ہاجرہ کی دوست کی حیثیت میں ہمارے گھر بھی آیا کریں اور ہنیا سجاد میری فرم میں بطور انجینئر جاب بھی کریں گی۔ اب ہنیا سجاد سے دوستانہ اور گھریلو مراسم میں اس قیمت پر تو ہرگز استوار نہیں کروں گا کہ ان جیسا بے مثال ٹیلنٹ اپنے کسی Competitor کے حوالے کر دوں۔'' وہ آنکھوں میں ایک شرارت بھرا تبسم لئے اسے چھیڑ رہے تھے۔

''سر! This is not fair آپ میرے اس انٹرویو کے دن کی بات کو اب معاف کر بھی دیں۔'' اس نے احتجاجی انداز میں کہا۔ وہ انہیں سر ہی کہہ کر مخاطب کر پائی۔ اتنے دنوں میں سر کہنے کی اتنی عادت ہو گئی تھی کہ ایک دم سے کچھ اور بولنا اسے مشکل لگ رہا تھا۔

''ویسے یہ آج پتہ چلا ہے کہ جیم بریڈ پہ لگا کر نہیں بلکہ پلیٹ میں بھر کر چمچے سے کھایا جاتا ہے۔'' وہ اس بار ان کے شرارت بھرے انداز پر خود بھی ہنس پڑی تھی۔

''آپ بھی کھا کے دیکھیں، زیادہ مزے کا لگتا ہے۔''

اتنے ہیوی ناشتے کے بعد لنچ کی کوئی گنجائش نہیں تھی، مگر وہ لنچ ٹائم تک وہاں رکی ضرور تھی۔ وہ آج بے انتہا خوش تھی۔ اس کا وہاں سے واپس جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔



وہ آفس سے واپسی میں ان کے گھر آ گئی تھی، عذیر فاروق ابھی گھر نہیں آئے تھے۔ وہ آفس سے تین ساڑھے تین بجے اٹھ گئے تھے۔ انہیں کسی میٹنگ میں جانا تھا۔ وہاں سے ان کی ابھی واپسی نہیں ہوئی تھی۔ ایک ہفتہ جبراً کروائے ریسٹ کے بعد وہ دوبارہ آفس جانے لگ گئے تھے۔ وہ اس اتوار کے دن کے بعد آج ان کے گھر آئی تھی۔

دل تو اس کا روز آنے کو چاہتا تھا مگر پچھلے چند دنوں آفس سے واپسی میں دیر اتنی ہو رہی تھی کہ پھر ان کے گھر جانے کے لئے وقت ہی نہیں بچتا تھا۔ ہاجرہ سے اس کی روز، دن میں ایک بار نہیں بلکہ دو، تین بار بات ہو رہی تھی، آج بھی اس نے انہیں اپنے آنے کا بتا رکھا تھا اور وہ والہانہ بے تابی سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی انہوں نے گلے لگا لیا تھا۔

''اتنا ترسا ترسا کر، اتنا کم آتی ہو۔''

''کیوں ابھی اس سنڈے ہی کو میں آئی تھی اور اب کل پھر سنڈے ہے، کل پھر آ دھمکوں گی۔''

''میرا دل نہیں بھرتا۔ میرا دل چاہتا ہے تم روز آیا کرو۔'' مسکراتے ہوئے انہوں نے اس کے بالوں کو اپنے ہاتھوں سے یوں سنوارا جیسے دن بھر کی تھکی ہاری شام گئے گھر لوٹنے والی بیٹی کی تھکن ایک ماں اپنے قرب اور اپنے لمس سے مٹا دینا چاہتی ہے۔

''تھک گئی ہو ناں؟ آفس سے سیدھی آ رہی ہو۔ جاؤ منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو کے آؤ، میں نے تمہارے لئے کچھ خاص چیز بنائی ہے، وہ لاتی ہوں۔''

وہ اسے اپنے ساتھ ایک کمرے میں لے آئیں اور اسے وہاں موجود واش روم میں فریش ہونے کے لئے بھیج دیا۔

''سائٹس پر جا جا کر تم نے اپنی اسکن کتنی خراب کر لی ہے، مجھے تو رنگ بھی آج کچھ دبا دبا محسوس ہو رہا ہے۔ سن بلاک نہیں لگاتیں؟ ایک تو مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ لڑکیوں کو ان مردانہ فیلڈز میں گھسنے کی ضرورت کیا ہے۔ اپنی ساری خوب صورتی تباہ کر لو۔''

وہ لاؤنج میں اسے اپنے ساتھ لئے بیٹھی تھیں۔ سامنے میز پر وہ ڈھیر سارے لوازمات سجے تھے جو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اس کے لئے بنائے تھے۔ خود اپنے ہاتھوں سے انہوں نے اس کے لئے پلیٹ بھری تھی۔ وہ منع کرتی جا رہی تھی اور وہ پلیٹ میں مزید کچھ نہ کچھ ڈالتی جا رہی تھیں۔ اسے کھلانے کی بھی فکر تھی، اس کی اسکن اور کومپلیکشن کی بھی فکر تھی۔ اسے وہ بالکل اپنی ماں لگ رہی تھیں۔

''آج کل کے لڑکوں کی ڈیمانڈز، اللہ معاف کرے۔ کسی ایک چیز سے مطمئن نہیں ہوتے۔ لڑکی بہت خوبصورت بھی ہو، بہت پڑھی ہوئی بھی ہو، بہت اچھی فیملی سے بھی ہو۔ اپنا خیال رکھا کرو۔ اللہ تمہارا نصیب بہت اچھا کرے۔'' انہیں اس کے رشتے اور شادی کی فکر لاحق ہوئی تھی۔ اتنا تو اب تک اندازہ ہو ہی گیا تھا کہ وہ پیچھے امریکہ میں اپنا کوئی بوائے فرینڈ چھوڑ کر نہیں آئی، وہ اس ٹائپ کی لڑکی ہی نہیں ہے، تو اب اس کا رشتہ یہیں پاکستان ہی میں طے ہونا چاہئے تھا۔ کسی بہت اچھے لڑکے کے ساتھ۔ وہ ابھی اس کے رشتے اور شادی کے متعلق مزید بھی کچھ کہتیں کہ اس نے فوراً ہی ان کے ہاتھوں کے بنے دہی بڑوں کی تعریفیں کر کے موضوع تبدیل کر دیا۔

''عذیر بھی آج صبح مجھ سے تمہارا پوچھ رہے تھے۔'' ہاجرہ بولیں۔ وہ دہی بڑوں میں بہت سارا مسالا ڈال کر کھا رہی تھی تو آنکھوں اور ناک سے

پانی بہنا تو لازمی تھا۔ ٹشو سے آنکھیں اور ناک رگڑتے اس نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

''سر میرا پوچھ رہے تھے؟''

''مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ کل سنڈے ہے، کیا کل ہنیا آئے گی؟'' ہاجرہ جواباً مسکرا کر بولیں۔ ''میری طرح انہیں بھی تمہارا انتظار رہنے لگا ہے تب ہی تو یہ بات پوچھ رہے تھے۔ ویسے خود کو لا پروا اور لاتعلق ظاہر کرتے ہیں، مگر مزے کی بات بتاؤں کل آفس سے واپسی میں وہ کیا کیا چیزیں خرید کر لائے ہیں۔ کئی طرح کے جیم، چپس کے یہ بڑے بڑے پیکٹس، یہ کرنکل والے ہیں، یہ سادے ہیں، یہ چیز والے ہیں، مختلف طرح کے امپورٹڈ کوکیز، کئی فلیورز کی آئس کریم اور بھی پتا نہیں کیا کیا۔ اب یہ چیزیں تو نہ میری کھانے کی عمر ہے نہ ان کی۔ لازمی بات ہے یہ سب تمہارے لئے ہی لا کر رکھا گیا ہے۔ مجھ سے بولے کچھ نہیں، کس کے لئے لایا ہوں، کیوں لایا ہوں، بس لاپروائی سے وہ سب تھیلے فرید کو پکڑا دیئے تھے کہ جا کر کچن میں رکھ دو۔''

وہ سنڈے کے دن کا انتظار کر رہے تھے، وہ یہ چاہتے تھے کہ جس طرح وہ پچھلے سنڈے کو ان کے گھر آئی تھی اسی طرح کل بھی آئے اور اس کے آنے سے پہلے ہی انہوں نے اس کے لئے اتنی ساری چیزیں گھر میں لا کر رکھ دی تھیں۔ وہ خوش بھی ہو رہی تھی، اور حیران بھی۔

البتہ آفس میں وہ اس کے ساتھ بالکل پہلے جیسے ہی تھے۔

ساڑھے سات بجے وہ گھر آئے تھے اور اسے لاؤنج میں بیٹھا دیکھ کر ان کے سنجیدہ چہرے پر یک دم ہی مسکراہٹ ابھری تھی۔ ان کے ہاتھ میں اپنا بریف کیس اور کوٹ تھا جبکہ ان کے پیچھے آتا ان کا ملازم فرید ایک بڑا سا شاپنگ بیگ اٹھائے ہوئے تھا۔

''آج کیا لے آئے؟'' ہاجرہ نے مسکرا کر پوچھا۔

''کچھ نہیں، بس ایسے ہی۔'' لاپروائی سے ادھورا جواب دیتے انہوں نے اپنی ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

''آفس میں دل نہیں لگتا؟'' انہوں نے مسکرا کر اسے چھیڑا۔

''میں چھٹی کے ٹائم پر آفس سے اٹھی تھی۔ پوچھ لیں آنٹی سے، میں یہاں کب آئی تھی۔''

وہ بدستور مسکراتے ہوئے اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے میز پر بکھرے ڈھیر سارے لوازمات کو دیکھا۔ دس بندوں کا کھانا ایک اکیلی نازک سی لڑکی کو کھلایا جا رہا تھا۔

''لڑکی مجھے تمہارا مستقبل کچھ خوفناک سا نظر آ رہا ہے۔ دبلی پتلی نازک سی ہنیا سجاد کی جگہ یہ موٹی، خوب صحت مند ہنیا سجاد تصور میں آ رہی ہیں۔''

''ایک تو وہ ویسے ہی ڈائٹ کونشس ہے، مزید ایسی باتیں تو اس سے نہ کریں۔ پہلے ہی دیکھیں ذرا سا ٹائٹس پر جا جا کر اس نے اپنا کیا حشر کر لیا ہے۔ تھوڑی اپنی کیئر کرے، کچھ کھانا پینا ٹھیک کرے تب ہی تو اسکن Healthy ہوگی، چہرہ Glow کرے گا۔''

''جی جی یہ مرغن اشیاء کھا کر انشاء اللہ اسکن اور چہرہ دونوں بہت اچھے ہو جائیں گے۔''

انہوں نے سنجیدگی سے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ اس نے اپنے قریب سے گزرتے فرید کے ہاتھ میں موجود تھیلے پر نظر ڈالی۔ اسے اس میں سے کچھ کھانے پینے ہی کی اشیاء جھانکتی نظر آئیں۔ یقیناً اس کے لئے کچھ اور چیزیں گھر میں ذخیرہ کرنے کے لئے لائی گئی تھیں۔ وہ لباس تبدیل

کرنے اٹھ گئے تھے۔

ہاجرہ اب اس کے لئے انار چھیل رہی تھیں۔انار کے دانے نکال کر پلیٹ میں ڈالتے وہ اسے پھلوں کی افادیت سمجھا رہی تھیں۔اس کے موبائل پر کوئی کال آرہی تھی۔اس نے اپنے بیگ میں سے موبائل نکالا۔اسکرین پر چمکتے نام کو دیکھ کراس کے اوسان خطا ہوگئے۔وہ اس وقت یہ کال کس طرح ریسیو کرسکتی تھی۔ہاجرہ اس کے بالکل برابر میں بیٹھی ہوئی تھیں۔اس نے ان کی طرف دیکھا، پھراپنے شور مچاتے سیل فون کی طرف۔ہاجرہ نے چونک کراسے دیکھا کہ آخروہ اپنے لئے آنے والی کال ریسیو کیوں نہیں کر رہی۔مگر ہاجرہ کو اپنی جانب متوجہ پا کراس نے ناچار کال ریسیو کی۔دوسری جانب اس سے کیا کہا جا رہا تھا، اسے سننے کی کوشش کرنے کے بجائے اس نے کال ریسیو کرتے ہی پہلے آہستہ آواز میں ہیلو، ہیلو کہنا شروع کیا، پھر قدرے بلند آواز میں۔ایسے جیسے اسے دوسری جانب سے کوئی آواز سنائی دے رہی ہے۔اس کے اس طرح مسلسل ہیلو کہنے سے دوسری جانب فوراً ہی یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ اس وقت وہ کسی ایسی جگہ اور ایسی سچویشن میں ہے جہاں وہ بات نہیں کرسکتی لہٰذا اس کی اس ہیلو ہیلو کی گردان کے دوران ہی دوسری جانب سے فوراً ہی فون بند کردیا گیا تھا۔

سکون کا سانس لیتے اس نے بھی فوراً موبائل بند کیا۔

''کس کا فون تھا؟'' ہاجرہ دوبارہ انار کے دانے نکالنے میں مصروف ہوچکی تھی۔انہوں نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

''پتہ نہیں، کوئی بولا ہی نہیں۔'' اس نے ان سے بھی زیادہ سرسری اور لاپرواانداز میں جواب دیا۔یہ اور بات کے اندر سے اس کے دل کی حالت عجیب تھی۔اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔اپنی اس گھبراہٹ پر اسے خود پر شدید غصہ بھی آرہا تھا۔ہاجرہ کوئی اس کے موبائل میں جھانک تو نہیں رہی تھیں نہ وہ کان لگا کر دوسری جانب اس سے کی جانے والی بات سن رہی تھیں۔وہ اس کال کو سکون سے بھی تو ہینڈل کرسکتی تھی۔کال ریسیو کرتی، سکون سے ''سوری رونگ نمبر'' کہتی اور فون بند کردیتی۔اس کی گھبراہٹ دیکھ کر تو کوئی بھی شک میں مبتلا ہوجاتا۔

وہ شکر ادا کر رہی تھی کہ اس وقت یہاں صرف ہاجرہ تھیں، عذیر فاروق نہیں۔ان کے سامنے اگر وہ اس طرح گھبراگئی ہوتی توان کے ذہین نگاہوں سے اس کی یہ کیفیات چھپی نہیں رہ سکتی تھیں۔ہاجرہ نے تو اس کی گھبراہٹ پر کچھ خاص دھیان دیا بھی نہیں تھا، ان کی توجہ تو اسے انار کھلانے میں لگی تھی۔

''پھر کل آرہی ہونا ں؟'' انہوں نے اپنی مصروفیت کے دوران اس سے پوچھا۔

''جی انشاءاللہ۔''

عذیر فاروق نہا کر اور لباس تبدیل کر کے واپس لاؤنج میں آگئے تھے۔وہ صوفے پر ان دونوں کے سامنے آکر بیٹھ گئے تھے۔اس نے ان کی طرف توجہ سے دیکھا۔اس نے آج انہیں پہلی مرتبہ شلوار قمیص میں دیکھا تھا۔کاٹن کے سفید شلوار قمیص میں وہ اسے بہت ہینڈسم، بہت گریس فل لگ رہے تھے۔عباد میں ان کی کتنی شباہت تھی۔اس کا ڈمپل اور بال اگر اپنی مما جیسے تھے تو باقی وہ پورا کا پورا اپنے پاپا جیسا تھا۔ہائٹ سے لے کر چہرے کا ایک ایک نقش تک، آنکھیں، ناک، پیشانی، وہ پورے کا پورا اپنے پاپا پر تھا۔جوانی میں وہ بالکل عباد کی طرح لگتے ہوں گے۔

''کیا بہت ہینڈسم لگ رہا ہوں؟'' انہوں نے اس کی نگاہوں کی چوری پکڑ لی تھی۔ بجائے گڑبڑا جانے کے اس نے مسکرا کر سر اقرار میں ہلایا تھا۔

''بہت سے بھی زیادہ۔'' وہ اس کے بے جھجک جواب کو انجوائے کرتے قہقہہ لگا کر ہنسے۔

''میں کل صبح ہی آجاؤں گی۔ ہم کل کہیں پکنک پہ چلیں؟'' اس نے ہاجرہ سے کہا۔

''اچھا تو تعریف اس لئے ہو رہی تھی۔ پکنک کی فرمائش پوری کروانی ہے۔'' انہوں نے تاسف سے گردن ہلاتے جیسے اس کے مطلبی پن پر اظہار افسوس کیا۔

ہاجرہ پکنک پہ یا کہیں گھومنے پھرنے جانے کے موڈ میں نہ تھیں۔ مگر اس کی خواہش رد بھی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

''آنٹی! پلیز ناں۔ بہت مزہ آئے گا، منع مت کریں۔ میں جب سے کراچی آئی ہوں کہیں گھومنے نہیں گئی۔ ہر سنڈے گھر پر ہی گزر جاتا ہے۔'' اس کے اصرار پر وہ راضی تو ہوگئیں مگر ساتھ ہی انہوں نے اس سے پوچھا۔

''بیٹا! تمہارے ماموں ممانی تو مائنڈ نہیں کریں گے ناں تمہارے ہمارے ساتھ کہیں جانے کو؟ میں پہلے بھی تم سے پوچھنا چاہ رہی تھی کہ تمہارے یہاں آنے جانے پر انہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟''

ان کا انداز ایک ماں کا سا تھا۔ کوئی اس کی بیٹی کے متعلق کوئی غلط رائے قائم نہ کرے، کوئی اس کی بیٹی کے بارے میں کچھ برا نہ سوچے۔ وہ یہاں اپنے ماموں، ممانی کے پاس رہ رہی ہے کسی رشتہ دار کے ساتھ رہنے میں کئی باتوں کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔

اپنے لئے ان کی فکر مندی، احتیاط اور محبت پر وہ مسکرائی۔

پاکستانی ماحول اور یہاں رائج طور طریقوں کے لحاظ سے ہاجرہ کی تشویش بالکل درست تھی اور اس کے ماموں، ممانی یہ بات یقیناً سوچتے بھی، اگر وہ عذیر فاروق اور ہاجرہ کے ساتھ اس کے حقیقی تعلق اور رشتے سے آگاہ نہ ہوتے عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر اس کے کون تھے۔

''ماموں، ممانی کو کیوں کوئی اعتراض ہوگا؟ بلکہ اس سے پہلے جب میں ہر سنڈے پورا کا پورا دن گھر پر اکیلے بور ہوتے گزارتی تھی تو ماموں اور ممانی دونوں مجھ سے یہی کہتے تھے۔''بیٹا! گھر سے باہر نکلا کرو۔ کچھ دوست دوست بناؤ۔ آفس سے گھر اور گھر سے آفس اس کے علاوہ تمہارے پاس جانے کے لئے کوئی تیسری جگہ نہیں ہے۔ سنڈے کا دن بھی گھر پر اتنے ڈل انداز میں گزار دیتی ہو۔ لیکن میری یہاں کسی سے ابھی تک ایسی دوستی ہی نہیں ہوئی تھی جس کے ساتھ کہیں جانا آنا، گھومنا پھرنا مجھے اچھا لگے۔ ماموں، ممانی کے علاوہ کچھ دور کے رشتے دار اور ہیں کراچی میں۔ مگر ان سے بھی میری ایسی انڈرسٹینڈنگ اور دوستی نہیں ہوسکی کہ ان سے ملنے میں مزہ آئے۔ آج میں نے آفس سے فون کر کے ممانی کو بتایا کہ میں واپسی میں آپ کے ہاں سے ہوتے ہوئے آؤں گی لہٰذا گھر پہنچنے میں تھوڑی دیر ہوجائے گی تو ممانی فوراً بولیں۔''شکر ہے بیٹا! آفس اور گھر کے علاوہ تمہارے جانے کا کوئی تیسرا ٹھکانہ تو ہوا۔''

اس کے تفصیلی جواب نے ہاجرہ کو مطمئن کر دیا تھا۔ وہ اب اس کی خاطر کل پکنک کا پروگرام رکھنے پر پوری طرح آمادہ تھیں۔

''سر سے تو پوچھ لیں، وہ ہمیں پکنک پہ لے کر چلیں گے؟'' اس نے پکنک کے پروگرام کو حتمی شکل دیتی ہاجرہ کو یاد دلایا۔

''بالکل لے کر چلیں گے۔'' ہاجرہ نے اطمینان سے کہا تھا۔ جیسے کہ جب ان دونوں نے طے کر لیا ہے تو اب عذیر فاروق کے انکار کا تو کوئی گویا جواز ہی نہیں ہے۔ ان دونوں کے ساتھ کہیں باہر جانا اسے ابھی سے سوچ کر اچھا لگ رہا تھا۔

☆

صبح نو بجے ہاجرہ اور عذیر فاروق نے اسے اس کے گھر سے پک کیا تھا۔ یہ بات کل ہی طے ہوگئی تھی کہ وہ ان کے گھر نہ آئے۔ وہ لوگ اسے اس کے گھر سے پک کر لیں گے۔ وہ گاڑی کی پچھلی نشست پر بیٹھ گئی تھی۔

''لوگوں کو اپنے ہم عمروں کے ساتھ گھومنے پھرنے میں مزہ آتا ہے۔ مگر بنیا سجاد بڈھوں کی کمپنی کو انجوائے کرتی ہیں۔'' گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے عذیر فاروق بولے۔ وہ پھر اسے چھیڑ رہے تھے۔

''آپ کو خود کو بڈھا کہلانے کا اتنا شوق ہے تو آپ بڈھے ہوں گے، آنٹی کیوں بڑھیا ہوں۔''

وہ پچھلی نشست پر کافی آگے ہو کر بیٹھی ہوئی تھی اور اپنے ہاتھ اگلی والی دونوں سیٹس کی پشت پر جما رکھے تھے۔ ''کچھ میوزک تو لگائیں۔ لگے تو سہی ہم پکنک پہ جا رہے ہیں۔''

''ہمیں تو 60s اور 70s کا میوزک پسند ہے، سننا ہے؟ یہاں برٹنی اسپیئرز، میڈونا آپ کو سننے کو نہیں مل سکیں گی۔'' وہ مسلسل اسے چھیڑنے کے موڈ میں تھے۔ وہ ہنس پڑی۔ انہوں نے بیک ویو مرر میں اس کی ہنسی کو بغور دیکھا۔

''یہ ہنسا کس بات پر جا رہا ہے؟''

''آپ کی بات کو انجوائے کر رہی ہوں سر۔ کیونکہ مسئلہ یہ ہے کہ مجھے بھی ہمیشہ سے پرانی فلمیں اور پرانا میوزک پسند رہا ہے۔''

''پھر تو میری بات ٹھیک ہے۔ بوڑھی روح ہو تب ہی تو ہمارے ساتھ انجوائے کرتی ہو۔'' اس طرح کی گفتگو کرتے وہ لوگ بیچ پہنچ گئے تھے۔ ہاجرہ کھانے پینے کا وافر سامان ساتھ لائی تھیں جس سے وہ پوری طرح لطف اندوز ہو رہی تھی جبکہ وہ دونوں محض تھوڑا بہت چکھنے پر اکتفا کئے ہوئے تھے۔ عذیر فاروق ایک جگہ جہاں آ کر بیٹھے تھے، اب وہاں سے ہلنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ وہ ساحل پر صرف ستانے اور آرام کرنے کے موڈ میں تھے، سو وہ اور ہاجرہ ان کے بغیر ہی پانی کی طرف آ گئیں۔ کنارے پر چلتے، آتی جاتی لہروں سے اپنے پیروں کو بھگوتی وہ دونوں دنیا جہاں کے مختلف موضوعات پر باتیں کر رہی تھیں۔

ہاجرہ باتیں کرتے کرتے عذیر فاروق کو بھی دیکھتی جا رہی تھیں جو بظاہر آنکھیں موندے آرام کرتے نظر آ رہے تھے۔ وہ آرام کر رہے تھے یا کسی کی کمی محسوس کر رہے تھے۔

اس نے عابی سے ان بے شمار پکنکس کا احوال سن رکھا تھا جو اس نے اپنے مما اور پاپا کے ساتھ منائی تھیں، اس طرح زبردستی پروگرام بنا کر۔ جیسے وہ زبردستی پروگرام بنا کر ان دونوں کو یہاں لے آئی تھی۔ عذیر فاروق، عباد سے کہتے کہ اگر اس کا کہیں باہر جانے کا اتنا ہی موڈ ہے تو اپنے

دوستوں کے ساتھ چلا جائے مگر وہ ضد کر کے ان دونوں کے ساتھ پکنک مناتا، اکثر اتوار کا دن وہ یونہی اپنے مما، پاپا کے ساتھ کہیں باہر گزارنا پسند کیا کرتا تھا۔ اگر وہ بیچ پہ آئے ہوتے تو عباد اور عذیر فاروق کے درمیان فٹ بال لازمی کھیلا جاتا۔ دو کھلاڑی اور اکیلی تماشائی ہاجرہ۔

وہ گھر سے فٹ بال تو نہیں مگر اوٹ پٹانگ جو ڈھیر سارا سامان لائی تھی اس میں ایک بڑی سی بال بھی شامل تھی۔

''سر ایسے ڈل بیٹھے اچھے نہیں لگ رہے۔ میں ابھی انہیں ایکٹو کرتی ہوں۔'' وہ ہاجرہ سے کہہ کر اپنے سامان کے پاس گئی۔ وہاں سے بال اٹھائی اور سر! بال پکڑیں، کہہ کر اسے خوب زور سے ان کی طرف اچھالا۔

انہوں نے اس کی آواز پر آنکھیں کھول دی تھیں۔ سیدھے بھی ہو کر بیٹھ گئے تھے، اسے بھی دیکھ لیا تھا، مگر جیسے ہی بال ان کے قریب آ کر گری، انہوں نے بجائے بال کی طرف دیکھنے کے اپنے دائیں بائیں اس طرح دیکھا، جیسے کسی کو تلاش کر رہے تھے، جیسے وہ بال ہنیا نے نہیں کسی اور نے اچھالی تھی ان کی طرف۔ ان کی نگاہوں نے دائیں بائیں آگے پیچھے دور دور تک کسی کو تلاشا تھا، مایوس ہو کر وہ نگاہیں اس پر آ کے ٹھہر گئی تھیں۔

انہیں یہ یاد آ چکا تھا کہ جسے وہ ڈھونڈ رہے ہیں وہ یہاں کہیں نہیں ہے۔ اس نے ان کے چہرے پر تھکن اور مایوسی کے آثار دیکھے۔ اسے وہ یکدم ہی بہت بوڑھے اور کمزور لگنے لگے تھے۔

''عابی! پاپا تم سے بہت پیار کرتے ہیں۔ تمہارا ذکر نہیں کرتے، تمہارا نام نہیں لیتے، تمہاری بات نہیں کرتے، مگر تمہارے بغیر وہ جی نہیں سکتے۔ یہ ان کی تم سے کتنی انوکھی ناراضی ہے عابی! تم سے خفا بھی ہیں اور تمہیں کو سب سے زیادہ چاہتے بھی ہیں۔ تمہیں سے بدگمان بھی ہیں اور تمہیں سے سب سے زیادہ محبت بھی کرتے ہیں۔''

عذیر فاروق اس کی طرف واپس بال اچھا نہیں سکے تھے، وہ ویسے ہی گم صم سے بیٹھے تھے، ایسے کہ جیسے ان میں بال اٹھا کر اس کی طرف پھینکنے کی طاقت ہی نہیں تھی۔ ہاجرہ دور کھڑی ان کی کیفیات کو دیکھ رہی تھیں، سمجھ رہی تھیں وہ بالکل گم صم اور ساکت کھڑی تھیں، وہ شوہر کے قریب نہیں آ سکی تھیں۔

وہ ماحول کی خوشگواریت کو افسردگی میں تبدیل ہوتا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ عذیر فاروق کے قریب چلی آئی۔

''لگتا ہے سر! آپ کی بات صحیح تھی۔ آپ تو واقعی بڈھے ہو گئے ہیں۔ آپ ایک لڑکی کا چیلنج قبول نہیں کر سکے۔''

اس نے ان کے پاس پڑی بال کی طرف اشارہ کر کے افسوس سے کہا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے تھے مگر اس کا بڑھاپے کا الزام مسترد کر کے اس کا چیلنج قبول کرنے کے لئے نہیں بلکہ دور کھڑی اپنی بیوی کے پاس جانے کے لئے۔ ان کی گم صم اور خاموشی سی کیفیت ختم کروانے کے لئے۔ ہنیا کا اس پکنک کا آئیڈیا انہوں نے قبول ہی ہاجرہ کے لئے کیا تھا۔ زندگی میں ایک بار ہاجرہ کے ساتھ زیادتی کر چکے تھے، ان کی محبت اور وفاداری کا ان سے کڑا امتحان لے چکے تھے۔ ماں کے لئے اس کی اولاد زیادہ اہم ہے یا بیوی کے لئے اس کا شوہر۔ بیٹا اور شوہر ایک دوسرے کے مقابل ہوں تو ماں کی ممتا جیتتی ہے یا بیوی کی محبت اور وفاداری؟ وہ ہاجرہ کی آنکھوں سے درد اور کرب مٹا کر ان کے لبوں پر مسکراہٹ بکھرتی دیکھنا چاہتے تھے اسی لئے فوراً ہی اٹھ کر ان کے پاس آ گئے تھے۔ وہ ہنستے، مسکراتے ہنیا کی طرف بال اچھال رہے تھے اور ہنیا ان کی طرف۔

ایک دوسرے کی طرف بال اچھالتے وہ دونوں پانی میں آ گئے تھے۔ ہنیا چلا رہی تھی، شور مچا رہی تھی۔ گھڑی گھڑی ان پر ''فاؤل ہے اور

بے ایمانی ہے۔'' کے الزام لگا رہی تھی۔ اپنی آنکھوں میں آئی نمی کو خاموشی سے دوپٹے کے پلو سے صاف کرتی ہاجرہ مسکراتے ہوئے ان دونوں کے قریب چلی آئی تھیں۔

سہ پہر کے وقت ان لوگوں کی واپسی ہوئی تھی۔ اسے گھر ڈراپ کر کے وہ دونوں گیٹ ہی سے لوٹ جانا چاہتے تھے مگر وہ بضد ہو کر انہیں اندر بلا لائی تھی۔ اب فیاض اور شمسہ کو چونکہ سب پتا تھا اس لئے اسے پہلی بار کی طرح ان میں سے کسی کے کچھ بول دینے کا خدشہ نہیں تھا۔ جھٹ پٹ وہ چائے بنا کر لے آئی تھی۔

''میرا دل چاہتا ہے ہنیا کا جلدی سے کسی اچھی سی جگہ رشتہ طے ہو جائے۔ اتنی پیاری ہے یہ، اس کا رشتہ کسی بہت اچھی جگہ پر ہونا چاہئے کسی بہت اچھے سے لڑکے کے ساتھ۔'' وہ چائے لے کر آئی تو ہاجرہ یہ بات شمسہ اور فیاض سے کہہ رہی تھیں۔ شمسہ ان کی تائید میں کچھ نہ کہہ سکیں، بات ہی ایسی تھی کہ وہ اس پر کیا کہتیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا مگر فیاض موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے سر ہلا کر بولے۔

''انشاء اللہ ہماری بھی یہی خواہش ہے۔'' اس نے جلدی جلدی سب کو چائے سرو کرنی شروع کر دی اور موضوع تبدیل کروانے کے لئے فوراً ہی شمسہ سے بولی۔

''آنٹی مجھ سے پوچھ رہی تھیں تم ہمارے گھر آتی ہو تمہارے ماموں، ممانی تو اس بات کو مائنڈ نہیں کرتے۔''

''اس میں مائنڈ کرنے کی کیا بات ہے۔ میں تو بہت خوش ہوں اس نے کہیں باہر نکلنا اور آنا جانا شروع کیا ورنہ کراچی میں ابھی تک تو اس کی کوئی سوشل لائف ہی نہیں تھی۔ مجھے تو اسے ہر وقت گھر پر دیکھ دیکھ کر ڈپریشن ہوتا تھا کہ بچے کہیں باہر نکلو، کسی سے تو دوستی کرو، یہاں کوئی تو ہوگا تمہارے معیار کے مطابق۔'' شمسہ اس کی موضوع تبدیل کروانے کی کوشش کو بھانپتے فوراً بولیں۔

''اور ہنیا سجاد کے معیار کے مطابق نکلے ہم بڈھے، بڑھیا۔'' عذیر فاروق مسکرا کر بولے۔



اب اس کا آفس میں دل نہیں لگتا تھا۔ جب تک آفس اسے عذیر فاروق اور ہاجرہ سے قریب کرنے کا واحد ذریعہ بنا ہوا تھا تب تک اس کے لئے وہاں بہت چارم، بہت اٹریکشن تھی مگر اب جبکہ وہ بے جھجک اور بے تکلف جب چاہے ان کے گھر جا سکتی تھی، زیادہ بے تکلف ماحول میں ان لوگوں سے مل سکتی تھی تب آفس کے فارمل ماحول میں اس کے لئے کیا دلچسپی باقی بچی تھی۔

وہ فاروق ایسوسی ایٹس میں اپنا کیریئر بنانے نہیں آئی تھی، وہ جس کام کے لئے آئی تھی، جس مقصد سے آئی تھی، اس مقصد میں اسے کامیابی ہو رہی تھی۔ وہ ان کے گھر تک رسائی پا چکی تھی، آفس میں اب پہلے کی طرح دلچسپی لینا اسے مشکل لگ رہا تھا۔ پھر بھی وہ پوری کوشش کر رہی تھی کہ اپنے کام کا معیار وہی رکھے جس سے اول وقت میں اس نے عذیر فاروق کا دل جیتا تھا۔ وہ یہاں سخت محنت کر کے ان کی نگاہوں میں ایک لائق اور قابل انجینئر کا اپنا جو امیج قائم کر چکی تھی اسے قائم رکھنا چاہتی تھی۔ مگر وہ اپنے دل کا کیا کرتی جو اب ہر وقت صرف اور صرف اسی گھر میں جانے کو مچلا کرتا تھا۔ وہ گھر جو عابی کا تھا، وہ گھر جو اس کا تھا۔ وہ اس گھر کو اپنا کب کہہ سکے گی؟

اسے اس دن کا انتظار تھا۔ وہ عذیر فاروق کو سر کی جگہ پاپا کب کہہ سکے گی اسے اس دن کا انتظار تھا۔ وہ ہاجرہ کو آنٹی کی جگہ مما کہنے لگی تھی اور ایسا ایک دم ہی بالکل اچانک ہو گیا تھا۔ سنڈے کے بعد اگلے سنڈے تک اس کا انتظار ان پر شاق گزرا کرتا تھا۔

آفس کی مصروفیات کچھ بڑھی ہوئی تھیں۔ چند پروجیکٹس تھے جن کی وجہ سے ان دنوں چھٹی کے بعد بھی دیر تک رکنا پڑ رہا تھا۔ فون پر بات ہونے سے انہیں بالکل تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

پھر اس روز وہ لنچ ٹائم میں موقع نکال کر آفس سے ان کے گھر اچانک پہنچ گئی تھی۔ لنچ ٹائم میں آئی تھی یعنی بہت ہی تھوڑی سی دیر کے لئے آئی تھی مگر وہ اسے چانک اپنے سامنے دیکھ کر اتنی خوش ہوئی تھیں کہ انہیں اس تھوڑی سی دیر پر بھی کوئی شکوہ نہ تھا۔

"تمہاری شکل دیکھنے کو ترس گئی تھی۔" وہ اسے گلے سے لگاتے ہوئے بولی تھیں۔

"مجھے بھی آپ بہت یاد آ رہی تھیں۔" ان کے افسردہ لبوں پر اسے دیکھ کر مسکراہٹ ابھر آئی تھی۔

"تم آتی ہو تو لگتا ہے میں زندہ ہوں۔ ورنہ اپنے گھر کا یہ سناٹا مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ تمہارے آنے سے یہاں رونق آتی ہے، زندگی آتی ہے۔ اتنا کم مت آیا کرو بنیا۔"

"میں آپ کے گھر ہی نہ رہنا شروع کر دوں؟ ہنس کر پر مزاح انداز میں اس نے پوچھا تھا اور اس ہنستے ہوئے پر مزاح انداز کے پیچھے اس نے اپنی پوری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ان کے سامنے رکھی تھی۔ اس گھر میں بس جانے کی خواہش۔

"میرے دل کی پوچھو تو میں کہوں بنیا! یہاں سے کبھی جاؤ ہی نہیں۔" اس نے ان کے محبتیں اور چاہتیں لٹاتے چہرے کی طرف دیکھا۔

"جب میری سچائی جان جائیں گی تب بھی یہی بات کہیں گی ناں؟ یہ جان کر کہ میں بنیا سجاد وہی امریکی لڑکی ہوں جسے پاپا کب کا مسترد کر چکے، مجھ سے منہ تو نہیں پھیر لیں گے ناں؟" اس کی خاموش نگاہوں نے ان سے سوال کیا، مگر وہ اس کا سوال نہ دیکھ پائیں، نہ پڑھ پائیں۔ وہ اسے اچانک اپنے سامنے پا کر اتنی خوش تھیں کہ مزید کچھ اور انہیں سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا۔

''کیا کھاؤ گی جلدی سے بتاؤ؟ دم کا قیمہ بنا ہے، اس کے ساتھ پراٹھا بنا دوں؟'' وہ اس کے پاس سے اٹھنے لگیں۔ انہیں ہمیشہ کی طرح اسے خوب اچھی طرح کھلانے پلانے کی فکر پہلے لاحق ہوئی تھی۔

''کچھ بھی نہیں مما! میں آفس سے لنچ ٹائم میں اٹھ کر آئی ہوں، کھانے پینے بیٹھ گئی تو دیر ہو جائے گی۔''

تصور ہی تصور میں وہ ان دونوں کو مما اور پاپا اتنا بولتی رہتی تھی کہ بالکل اچانک اور بے دھیانی میں اس کے منہ سے ان کے لئے آنٹی کی جگہ مما کا لفظ نکل گیا۔ وہ ٹھٹک گئی تھیں، ان کی آنکھوں میں حسرتیں بھی تھیں، افسردگی بھی تھی اور کچھ خوشی بھی تھی۔ جیسے اپنے لئے یہ نام انہوں نے ایک طویل عرصے بعد سنا تھا۔

''ابھی تم نے مجھے کیا کہا بنیا؟'' انہوں نے آہستہ آواز میں اس سے گویا، اپنی سماعتوں کی تصدیق چاہی۔

''مما، آپ کو برا لگا؟''

''برا؟ میرے کان ترس گئے اپنے لئے یہ نام سننے کو۔ میرے دل سے یہ پوچھو مجھے کیسا لگ رہا ہے۔'' وہ یکدم ہی رو پڑی تھیں۔ اس نے انہیں ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔ اور ان کا سر اپنے شانے سے لگا کر تھپکنے لگی۔ وہ انہیں رونے سے منع نہیں کر رہی تھی۔ وہ ان سے ان کے رونے کی وجہ نہیں پوچھ رہی تھی۔ وہ عابی سے کتنا پیار کرتی ہیں، وہ اس کی مما، مما پکارتی اس آواز کو کتنا یاد کرتی ہیں، کتنا تڑپتی ہیں اس کے لئے، اسے معلوم تھا۔ بیٹے کی جدائی نے اس ماں کے دل کو روگ لگا دیا تھا۔ وہ بیٹے کے لئے بری طرح تڑپتی تھیں، اسے ہر پل ہر آن یاد کر کے روتی تھیں۔ اور اس روز سے وہ انہیں مما کہنے لگی تھی۔



ہر اتوار اس کا ان کے گھر آنا لازم ٹھہرا تھا۔ یہ اب ایک طے شدہ بات تھی کہ چاہے جو بھی ہو وہ اتوار کے دان ان کے گھر ہر صورت آئے گی۔

اس روز اتوار ہی تھا اور وہ وہاں آئی بھی تھی مگر اسے آنے میں کچھ تاخیر ہو گئی تھی ورنہ تو وہ صبح دس، گیارہ بجے ان کے گھر موجود ہوا کرتی تھی۔

''اتنی دیر سے آئی ہو؟ عذیر بھی کب سے تمہاری راہ دیکھتے دیکھتے اب گھر سے نکلے ہیں، انہیں کہیں کام سے جانا تھا۔'' اس کا گرم جوشی اور والہانہ پن سے استقبال کرتے ہاجرہ بولیں۔

''گھر پہ مہمان آ گئے تھے، ان کے آتے ہی اٹھ کر آنا برا لگ رہا تھا اس لئے تھوڑی دیر بیٹھنا پڑ گیا۔''

''سر واقعی میرا انتظار کر رہے تھے؟'' اس نے ان سے تصدیق چاہی۔ وہ اس سے بے تکلفانہ بات چیت کرتے، ہنسی مذاق چھیڑ چھاڑ سب ہوتی مگر ہاجرہ کی طرح اس سے والہانہ پیار اور لگاؤ کا اظہار انہوں نے کبھی نہیں کیا تھا۔

''لو کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ گیارہ بجے سے تو میرے پیچھے پڑے تھے بنیا سے فون کر کے پوچھو، ابھی تک آئی کیوں نہیں ہے۔ میں نے کہا، میں تو فون نہیں کر رہی، یقیناً وہ کسی کام میں مصروف ہو گئی ہو گی، آپ کو کرنا ہے تو آپ خود کر لیں۔'' وہ اس کی بے یقینی پہ قدرے خفگی سے بولیں۔

''کھانا سر کے ساتھ کھائیں گے۔ وہ لنچ تو گھر پہ کریں گی ناں؟'' انہوں نے اس سے کھانے کا پوچھا تو وہ فوراً بولی تھی۔ ہاجرہ نے سر اثبات

میں ہلا دیا تھا۔

انہیں صرف زبانی ہی اس کے اسکن، کومپلیکشن اور بالوں کی فکر نہیں ہوئی تھی، وہ اپنی فکر کا عملی ثبوت بھی دے رہی تھیں۔ پچھلے سنڈے اس کے یہاں آنے پر انہوں نے اسے خود اپنے ہاتھوں سے بنا کر کئی طرح کے ماسکس دیئے تھے جو اس کے لئے پہلے سے تیار کر کے رکھے گئے تھے۔ یہ بادام کا ماسک ہے، یہ ملتانی مٹی کا، یہ کینوؤں کے چھلکوں کا، کسی کو دودھ میں پیسٹ بنا کر چہرے پر لگانا تھا، کسی کو عرق گلاب اور کسی کو پانی میں کسی کو کتنی دیر لگانا تھا اور کتنی دیر بعد منہ دھو لینا تھا، یہ بھی اسے تفصیل سے سمجھایا گیا تھا۔

اس نے ہنستے ہوئے وہ سب چیزیں ان سے لے لی تھیں۔ آج وہ اس کے بالوں کی حالت سدھارنے کے موڈ میں تھیں۔ انہوں نے اپنی ملازمہ کو آواز دے کر اس سے تیل کی شیشی منگوائی تھی۔

''ہفتے میں ایک بار تیل ضرور لگانا چاہئے۔ دیکھو کیسے روکھے روکھے بال ہو رہے ہیں۔'' وہ اس کے سر میں ناریل کے تیل کی مالش کر رہی تھیں۔ وہ صوفے پر بیٹھی تھیں اور وہ نیچے کارپٹ پر۔ اس کے ہاتھ میں چپس کا ایک بڑا سا جمبو سائز پیکٹ تھا، پاس کوک کا کین تھا۔ یہ اشیائے خورد و نوش یہاں اس کے لئے لا کر رکھی گئی تھیں اور ان سے فیض یاب بھی وہی ہوتی تھی۔ چپس کھاتے، کوک کے سپ لیتے وہ سر پہ تیل کی چمپی کروا رہی تھی۔

سامنے ٹی وی کھلا ہوا تھا اور وہ اس پر Animal planet لگائے کیوٹ کیوٹ سے ہاتھی کے بچوں کو دیکھ رہی تھی۔ عذیر فاروق لاؤنج میں داخل ہوئے تو وہاں موجود منظر کو دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ ہاجرہ کے پیروں کے پاس ان سے سر پر تیل لگواتی ہنیا جو دھڑا دھڑ چپس کا پیکٹ خالی کرنے میں مصروف تھی، نگاہیں ٹی وی پر تھیں۔ کچھ دھیان ٹی وی پہ تھا، کچھ چپس اور کوک پہ اور کچھ ہاجرہ پہ۔ جو اس کے سر پہ تیل کی مالش کرتے اسے مسلسل بالوں کی اچھی نگہداشت کرنے کے طریقے اور افادیت اسے سمجھا رہی تھیں۔

''سر آ گئے۔'' وہ انہیں دیکھتے ہی عادتاً فوراً کھڑی ہوئی۔

''بیٹھو بھئی، بیٹھو۔ اتنا ضروری کام کروا رہی ہو۔ جاری رکھئے آپ لوگ اپنا کام۔'' وہ دائیں جانب رکھے سنگل صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ مسکراتی نظریں ان دونوں ہی مرکوز تھیں۔

''میں نے سنا ہے ہنیا سجاد عنقریب دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی بننے والی ہیں۔'' وہ ہاجرہ کے اس کے لئے تیار کردہ۔ بیوٹی پلان پہ ہنس رہے تھے۔

''ہنیا سجاد دنیا کی سب سے خوبصورت لڑکی ہے۔'' اس کے بجائے یہ جواب ہاجرہ نے دیا تھا۔ وہ کچھ فخریہ سے انداز میں مسکرائی تھی۔

''سر! چپس بہت مزے کے ہیں، تھینکس۔'' اس شکریہ کے ذریعہ گویا اس نے انہیں یہ جتانا چاہا کہ وہ جانتی ہے اس کے لئے یہ سب چیزیں وہ خود گھر پہ لا کر رکھتے ہیں۔ مزے کی سچویشن تھی، ایک بندہ جو آپ سے پیار کرنے لگا ہو اور اس پیار کو ظاہر بھی نہ کرنا چاہتا ہو۔ وہ ان کے بے نیازانہ انداز کو انجوائے کر رہی تھی۔ اس کی بات پہ لاپروائی سے سر ہلاتے وہ ہاجرہ سے کھانے کے متعلق پوچھنے لگے تھے۔

''کھانے میں کتنی دیر ہے؟''

''بس دس منٹ لگیں گے۔'' ہاجرہ نے اس کے سر میں آہستہ آہستہ مساج کرتے جواب دیا تھا۔

''بس کریں اس بے چاری کی اچھی بھلی شکل آپ نے بگاڑ کر رکھ دی ہے۔'' انہیں جیسے اس پر رحم آ رہا تھا۔ جو اتنے سکون سے سر پہ ڈھیر سارا تیل چپڑوا رہی تھی۔ ہاجرہ نے ان کے کہنے پر نہیں بلکہ جب وہ تیل کا مساج اچھی طرح کر کے مطمئن ہو گئیں تب ہی وہاں سے اٹھیں اور وہ اسی تیل چپڑی حالت میں بالوں کو کیچر میں جکڑے کھانے کی میز پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔

شمسہ اور فیاض کے کینیڈا جانے کا ارادہ ہو رہا تھا۔ وہاں اس کی کزن کے ہاں پہلے بچے کی ولادت ہونے والی تھی۔ پہلی دو بار کے مس کیرج کے بعد شمسہ اور فیاض اس بار بیٹی کے پاس خود کینیڈا جانا چاہتے تھے۔ ابھی ان لوگوں کے جانے میں تقریباً ایک مہینہ تھا اور وہ اس وقت کھانے کے دوران اس بات کا ہاجرہ سے ذکر کرتی، ان کی غیر موجودگی میں اپنے اکیلے رہنے کے مسئلے پر بات کر رہی تھی۔

''میں نے کہا آپ لوگ جائیں ممانی! میں گھر پہ آرام سے رہ لوں گی۔ آخر میں نیویارک میں بھی اکیلی رہ رہی تھی۔''

''نیویارک اور پاکستان میں بہت فرق ہے بنیا! وہاں عورت تنہا رہ سکتی ہے، یہاں کسی بھی عمر کی عورت تنہا نہیں رہ سکتی۔'' ہاجرہ اس کی بات کے جواب میں سنجیدگی سے بولیں۔

''ہاں، ماموں، ممانی بھی یہ بات کہہ رہے ہیں۔ ممانی کہہ رہی ہیں، ہم ایک ڈیڑھ مہینے میں تو آ جائیں گے تم اتنے دن میری بہن کے ہاں رہ لو۔ مما کا تو یوں سارا میکہ ہے۔ مگر میرا دل نہیں چاہ رہا اس طرح کسی کے گھر رہنے کو۔ میری ممانی کی فیملی سے اتنی رسمی سی ملاقات ہے، میں ایک ڈیڑھ مہینہ اس طرح ممانی کے کسی بھائی یا بہن کے گھر نہیں رہ سکوں گی۔''

''ہاں جب تک دوستی نہ ہو، بے تکلفی نہ ہو اس طرح کسی کے گھر جا کر رہنا بہت آکورڈ لگتا ہے۔'' ہاجرہ نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔

''تم اتنے دن ہمارے پاس کیوں نہیں رہ جاتیں بنیا؟'' انہوں نے ایک دم ہی ایک حل اس کے سامنے رکھا۔

''آپ کے گھر؟ یہاں!'' اس نے انہیں دیکھا۔

''ہاں یہاں...... کیوں عذیر! ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں؟ تمہارے ماموں، ممانی سے میں بات کر لوں گی اور انہیں یقیناً کوئی اعتراض بھی نہیں ہوگا۔ تمہیں کوئی اعتراض ہے تو تم بتاؤ؟'' انہوں نے عذیر فاروق کے جواب کا انتظار کیے بغیر سب کچھ خود طے کر لینے والے انداز میں اس سے پوچھا۔

''مجھے کیوں برا لگے گا، میری تو اتنے دن کہیں رہنے کی پرابلم سولو ہو جائے گی۔ ممانی کے کسی بھائی یا بہن کے گھر تو میں بالکل نہیں رہنا چاہ رہی تھی۔''

''بس پھر اب باقی کی فکر تم مجھ پر چھوڑ دو۔ تمہارے ماموں، ممانی سے میں بات کر لوں گی۔ میں اس طرح بات کروں گی کہ تمہاری ممانی کو یہ بات بری بھی نہیں لگے گی کہ تم ان کی بہن کے گھر پر ہمارے گھر رہنے کو ترجیح دے رہی ہو۔''

عذیر فاروق اس ساری گفتگو کے دوران بالکل خاموش رہے تھے۔ بنیا کے ماموں، ممانی کی عدم موجودگی میں اس کے کراچی تنہا رہنے کے معاملے کو طے کرتی اسے اپنے گھر قیام کی دعوت دیتی، ہاجرہ کو انہوں نے بالکل نہیں ٹوکا تھا۔

☆

وہ گھر واپس آنے کے بعد بہت خوش تھی۔ وہ اب ان کے گھر ان دونوں کے ساتھ رہ سکے گی۔ شمسہ اور فیاض کے کینیڈا چلے جانے سے اسے عذیر فاروق کے گھر قیام کا ایک معقول بہانہ مل رہا تھا۔ اگر ان دونوں کے کینیڈا جانے کا پروگرام نہ ہوتا تب بھی وہ کچھ نہ کچھ تو بہر حال کرتی کہ یہ طے تھا اب اس کا اگلا قدم، اگلی منزل ان کے گھر پہ رہنا ہے۔ اب اس کے پاس اپنے وہاں قیام کا ایک معقول جواز اور ٹھوس وجہ موجود تھی۔ اس نے ہاجرہ کے سامنے ماموں، ممانی کے کینیڈا جانے کا وہ ذکر قصداً کیا ہی اسی لئے تھا، اسے امید تھی وہ اسے پہلی فرصت میں اپنے ہاں قیام کی دعوت دیں گی۔

ہاجرہ نے اس کے ماموں، ممانی سے خود بات کر کے ان سے اس بات کی اجازت لی تھی کہ ان کی کراچی ایک ڈیڑھ ماہ کی عدم موجودگی کے دوران ہنیا ان کے ہاں رہ سکے۔ وہ ہاجرہ کے اجازت لینے سے قبل ہی اپنے ماموں، ممانی کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر چکی تھی۔ اور اس کا یہ فیصلہ تو فیاض اور شمسہ اس روز سے جانتے تھے جب اس نے انہیں یہ بتایا تھا کہ وہ عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر، عباد کے والدین ہیں۔ وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر کے نزدیک سے نزدیک تر ہوتی جا رہی تھی اور فیاض اور شمسہ جانتے تھے ہنیا کا اگلا قدم ان کے گھر تک رسائی ہی ہونا تھا۔



وہ اس گھر میں آ گئی تھی۔ اپنا ڈھیر سارا سامان، سوٹ کیس اور بیگز لئے وہ اس گھر میں داخل ہوئی تو مارے خوشی کے اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔

گیٹ سے اندر داخل ہوتے وقت اس نے اپنے موبائل پر تیز رفتاری سے ایک میسج ٹائپ کر کے Send کر دیا تھا۔ ''میں اس وقت گھر میں داخل ہو رہی ہوں۔ میں اپنے گھر آ گئی ہوں۔''

فرید اس کا سامان اٹھائے اس سے چند قدم پیچھے چل رہا تھا۔ وہ چند قدم مزید آگے بڑھی تو رہائشی حصے کے مرکزی دروازے کے باہر اسے ہاجرہ منتظر کھڑی نظر آئیں۔ شمسہ اور فیاض کی آج رات کی فلائٹ تھی اور وہ شام کے وقت یہاں آ گئی تھی۔ ہاجرہ گرم جوشی سے اسے ساتھ لئے اندر آ گئی تھیں۔ انہوں نے اپنے گھر کا گیسٹ روم اس کے لئے تیار کروا رکھا تھا۔ اس بہترین انداز میں سجے سجائے گیسٹ روم کو انہوں نے اس کے لئے نئے سرے سے ٹھیک کروایا تھا۔ وہاں اس کی ضرورت کے لحاظ سے کافی چیزیں رکھوائی تھیں۔ ان کے گھر کا یہ گیسٹ روم نیچے ہی تھا۔ عذیر فاروق کی اسٹڈی سے کچھ ہٹ کر وہ گیسٹ روم گھر کا حصہ بھی تھا اور کچن، لاؤنج، ڈائننگ روم وغیرہ سے قدرے فاصلے پر بھی تھا۔ گیسٹ روم کے سامنے کشادہ سا پیسج تھا اسے عبور کر کے سامنے ایک طرف لاؤنج کا دروازہ اور دوسری طرف فرسٹ فلور پر جانے کے لئے گول چکر دار زینہ تھا۔

اس گیسٹ روم میں عذیر فاروق کے بیرون ملک سے آنے والے کاروباری دوست اور رفقاء ٹھہرا کرتے تھے۔ یہ گیسٹ روم بنایا ہی اسی حساب سے اور اسی ضرورت کو مدنظر رکھ کر گیا تھا۔ وہ یہاں خود کو گیسٹ سمجھ کر آئی ہی نہیں تھی مگر گیسٹ روم تک ہی سہی، مہمان بن کر کچھ عرصہ قیام کرنے کے لئے ہی سہی، وہ اس گھر میں رہنے کے لئے آ گئی تھی۔ یہی اس کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ فی الحال اس سے زیادہ وہ کچھ اور چاہ بھی نہیں سکتی تھی۔

عذیر فاروق نے خوش اخلاقی سے چہرے پر مسکراہٹ سجائے اس کا اسی انداز میں استقبال کیا تھا جیسے اپنے گھر آنے والے کسی مہمان کا کیا جاتا ہے۔ اسے اپنے ہاں قیام کی دعوت ہاجرہ نے دی تھی اور ہنیا اب تک جتنا ان دونوں سے ملی تھی اور جتنا انہیں جانا تھا یہ اندازہ لگا چکی تھی کہ عذیر

فاروق، ہاجرہ کو کسی بھی بات سے روکتے نہیں تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے اپنی کسی زیادتی کے ازالے کے لئے اب وہ عمر بھر آنکھیں بند کر کے ان کی ہر بات ماننا چاہتے تھے۔

جہاں تک آفس میں اس کے کولیگز کا تعلق تھا تو اسے اس بات کی مطلق پروا نہ تھی کہ اس کے عذیر فاروق کے گھر قیام پذیر ہونے پر کون کیا سوچتا ہے۔ اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ باس کی اور ان کی بیگم کی چاپلوسی اور چمچہ گیری کرتی ان کے گھر جا پہنچی ہے تو شوق سے سمجھتا رہے۔ اسے آفس کے لوگوں کے کسی ردعمل اور چہ مگوئیوں کی کوئی پروا نہ تھی۔ وہ پاکستان فاروق ایسوسی ایٹس میں بطور انجینئر اپنا کیریئر بنانے نہیں آئی تھی۔ وہ عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر کے گھر، ان کے دل اور ان کی زندگی میں اپنی جگہ بنانے آئی تھی۔ باقی لوگوں سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔



اگلے روز صبح سویرے کمرے سے نکل آئی۔ ابھی کچن، لاؤنج اور ڈائننگ روم سب ویران پڑے تھے۔ صبح کے ساڑھے چھ بجے تھے۔ ابھی ناشتے کی تیاری کا ٹائم بھی شروع نہیں ہوا تھا اس لئے کوئی ملازم نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ کچن میں آئی۔ اس نے ایک کپ چائے بنائی اور ٹرے میں کپ رکھ کے سیڑھیوں کی طرف آ گئی۔ اس کا رخ ہاجرہ اور عذیر فاروق کے کمرے کی جانب تھا۔ اتنے دنوں سے ہاجرہ اور عذیر فاروق سے اس کا اتنا قریبی تعلق تھا تو ان دونوں کے تمام تر معمولات سے بھی وہ آگاہ تھی۔ اسے پتہ تھا عذیر فاروق فجر کی نماز کے لئے مسجد گئے ہوئے ہیں۔ وہ فجر کی نماز کے بعد کافی دیر سے گھر واپس آتے ہیں۔ اور ہاجرہ اس وقت اپنے کمرے میں عبادات میں مشغول ہیں۔ ان دونوں کے کمرے کی طرف جاتے وہ ٹھٹک کر ایک پل کے لئے عباد کے کمرے کے سامنے رکی۔ اس نے اس کمرے کے بند دروازے کو دیکھا۔

امریکہ میں اس کا اپارٹمنٹ، اس کا کمرہ جسے وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی وہاں سے زیادہ عباد کا گہرا تعلق اس کمرے کے ساتھ تھا، یہ کمرہ اس کے لئے بھی بہت خاص تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اس کمرے کے اندر جا نہیں سکتی تھی کہ ابھی وہ یہاں صرف ایک مہمان تھی، اس گھر کی فرد نہیں کہ منہ اٹھا کر جہاں جی چاہے گھس جائے پھر بھی باہر کھڑے کھڑے بھی اسے یوں لگا جیسے وہ کمرہ عباد کے بنا بہت سونا، بہت اداس تھا۔ وہ کمرہ عباد کو یاد کر رہا تھا، وہ کمرہ اپنے مالک کو بہت یاد کر رہا تھا۔

چند سیکنڈز اس کمرے کے سامنے کھڑے رہنے کے بعد وہ ہاجرہ اور عذیر فاروق کے کمرے کی طرف آ گئی۔ دروازہ ناک کر کے وہ اندر آئی تو جائے نماز بچھائے ہاجرہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اسے دیکھ کر انہوں نے آنسو صاف کئے، اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا اور دوبارہ نظریں قرآن پاک پر مرکوز کر دیں۔ رکوع پورا کر کے انہوں نے قرآن پاک چوم کے بند کر دیا۔



''السلام علیکم۔'' اس نے کہا تھا۔

اسے اشارے سے اپنے قریب بلا کر انہوں نے پہلے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھ کر اس پر دم کیا اس کے بعد ''وعلیکم السلام۔'' کہا۔

''میں آپ کے لئے چائے لائی ہوں مما۔'' اس نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھایا۔

''جیتی رہو۔لیکن بیٹا! تمہیں صبح صبح اس جھنجھٹ میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔''

انہوں نے اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے لیا اور جائے نماز پر سے کھڑی ہو گئیں۔ وہ دوسرے ہاتھ سے جھک کر جائے نماز اٹھا لینا چاہتی تھیں مگر اس نے ان سے پہلے جھک کر ان کی جائے نماز اٹھائی اور اسے تہ کر کے صوفے کے ساتھ رکھی چھوٹی میز پر رکھ دیا۔

''میرا دل چاہ رہا تھا میں آپ کو اپنے ہاتھ سے چائے بنا کر پلاؤں۔'' وہ صوفے پر ان کے برابر میں بیٹھ گئی۔

''سر ابھی نماز پڑھ کر نہیں آئے؟''

''نہیں، آنے والے ہوں گے۔'' انہوں نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''رات نیند ٹھیک سے آ گئی تھی؟''

اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''کمرے میں کسی چیز کی کمی تو نہیں؟ تمہیں کسی اور بھی چیز کی اگر وہاں ضرورت محسوس ہو رہی ہے تو بغیر تکلف کے مجھے بتاؤ۔''

''آپ فکر مت کریں، وہاں سب کچھ ہے اور مجھے اگر کچھ چاہئے ہو گا تو میں آپ سے کہہ دوں گی۔''

وہ چائے پی چکیں تو وہ ان سے خالی کپ لے کر اٹھ گئی تھی۔

عذیر فاروق سے اس کی ملاقات ناشتے کی میز پر ہوئی تھی۔ وہ ناشتے کے لئے ڈائننگ روم میں آئی تو ہاجرہ اور عذیر فاروق پہلے سے میز پر موجود تھے۔ اس نے انہیں سلام کیا، انہوں نے سلام کا جواب دیتے اس کی خیریت دریافت کی۔ وہ بھی شاید میز پر ابھی ابھی آ کے بیٹھے تھے۔ ان کے آگے میز پر رول ہوا آج کا اخبار رکھا تھا اور اس کے برابر پیالے میں پورج رکھا تھا، جسے ابھی انہوں نے کھانا شروع نہیں کیا تھا۔ وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

عذیر فاروق اخبار کھول چکے تھے۔

اخبار کا مین صفحہ انہوں نے اپنے سامنے کیا، ساتھ نظریں ادھر ادھر دوڑا کر اپنا چشمہ تلاش کیا۔ فرید اخبار کے ساتھ ان کا چشمہ رکھنا بھول گیا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ فرید کو آواز دیتے وہی جلدی سے اٹھی۔

''گلاس میں لے آتی ہوں۔ اسٹڈی میں ہوں گے ناں؟'' اس کے خیال سے انہوں نے رات لکھنے پڑھنے کا آخری کام اپنی اسٹڈی میں کیا تھا اور گلاسز وہیں ہونے چاہئے تھے۔

وہ اسے منع کرتے کرتے رک گئے۔ وہ ایک منٹ میں ان کے گلاسز لے بھی آئی تھی۔ ہاجرہ اس کی آمد سے بہت زیادہ خوش نظر آ رہی تھیں۔

روزانہ ناشتے میں وہ آدھا پون گلاس دودھ کے علاوہ کچھ بھی نہ لیتی تھیں، حالانکہ ڈاکٹر نے انہیں ناشتہ ٹھیک سے کرنے اور اپنی خوراک کا خیال رکھنے کی کس قدر تاکید کی ہوئی تھی مگر ان سے کھایا پیا ہی نہیں جاتا تھا تو زبردستی کیسے کھاتیں پر آج انہوں نے دودھ کے ساتھ ابلے انڈے کی سفیدی بھی لے لی تھی، آدھا ٹوسٹ بھی لے لیا تھا۔

یہ چیزیں ہنیا نے باتیں کرتے کرتے ان کی پلیٹ میں رکھی تھیں اور وہ اس سے اتنی محبت کرنے لگی تھیں کہ اسے انکار نہیں کر سکتی تھیں۔ اس

نے ابلا انڈا انہیں دیا، انہوں نے صرف اس کی سفیدی کھائی، زردی اپنی پلیٹ میں ایسے ہی چھوڑ دی تو زردی ان کی پلیٹ سے اٹھا کر اس نے کھالی۔ انہوں نے پلیٹ میں توڑ کر جو آدھا توسٹ رکھا تھا، اس نے وہ اٹھا کر اس پر مکھن اور جیم لگا کر اسے کھالیا۔

''تم کیا صرف میرا بچا کھچا ہی کھاؤ گی؟'' انہوں نے قدرے خفگی سے اسے گھورا، جوان کے ناشتے کی فکر کرتی خود تو ٹھیک سے کچھ کھا ہی نہیں رہی تھی۔

''میں کھا رہی ہوں مما! آپ فکر مت کریں۔'' اس نے کیٹل میں سے چائے نکال کر انہیں اور عذیر فاروق کو دی۔ پھر اپنے لئے چائے نکالی اور ہاجرہ کا دل خوش کرنے کے لئے آملیٹ کھانا شروع کر دیا۔

''میں تمہارے لئے لنچ بھجواؤں گی، آفس میں باہر سے کچھ الٹا سیدھا منگوا کر مت کھانا۔'' اس نے انکار میں لب کھولنا چاہے، مگر پھر ان کے چہرے پر موجود تاثر کو دیکھ کر چپ ہوگئی۔ وہ اسے اپنے ہاتھ کا پکا ہوا کھلا کے خوش ہوتی تھیں اور وہ اس ماں سے یہ بے ضرر سی خوشی چھیننا نہیں چاہتی تھی اگرچہ کہ ان سے اپنے لئے کچھ پکوانا اسے اچھا بھی نہیں لگ رہا تھا۔

''چلئے جناب، آج ہنیا سجاد کی بدولت ہمیں بھی مسز ہاجرہ عذیر کے ہاتھوں کا پکا کھانا نصیب ہو جائے گا۔''

گلاسز آنکھوں سے اتار کر میز پر رکھتے عذیر فاروق کافی دیر بعد گفتگو میں شریک ہوئے۔ وہ اتنی دیر سے اخبار کی سرخیوں پر نظریں دوڑا رہے تھے۔ ہاجرہ کو اللہ حافظ کہتے اور دوا لینے کی تاکید کر کے وہ ڈائننگ روم سے باہر نکلے۔ گاڑی کی چابی اور بریف کیس انہوں نے ہاتھوں میں پکڑا ہوا تھا، لاؤنج سے وہ فرید کو آواز دیتے ہوئے باہر نکلے تھے۔

''فرید! یہ ڈرائنگز اور فائلز لے آؤ۔''

وہ پورچ میں نکل چکے تھے۔ اور اپنی گاڑی کا لاک کھول رہے تھے۔ انہیں فرید کے بجائے اپنی پشت پر ہنیا کی موجودگی کا احساس ہوا، انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ فائلز اور ڈرائنگز ہاتھوں میں اٹھائے کھڑی تھی۔ ان کے لبوں پر بے اختیار ایک گہری مسکراہٹ ابھری۔

''لڑکی! تم نے یہ دل موہ لینے کی ادائیں کہاں سے سیکھی ہیں؟''

وہ ان سے کہہ نہ پائی کہ ''آپ کے بیٹے سے۔ اس نے مجھے دلوں کو موہ لینے اور اپنی محبت دوسروں کے دلوں میں پیدا کروا لینے کے گن سکھائے ہیں۔ اس نے مجھے سکھایا ہے کہ محبت، محبت ہی سے جیتی جاتی ہے۔''

وہ جواب میں صرف مسکرائی۔ وہ گاڑی کا لاک چونکہ کھول چکے تھے سو اس نے خود پچھلی طرف کا دروازہ کھول کر اس میں ڈرائنگز اور فائلز رکھ دیں۔ وہ دروازہ واپس بند کر کے سیدھی ہوئی تو وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے۔ یہ نہیں کہ ہنیا یہ کام نہ کرتی تو کوئی کر ہی نہیں سکتا تھا، ان کے گھر میں ملازمین میں کوئی کمی نہ تھی۔ مگر وہ ان کے تنخواہ دار افراد تھے، وہ ان کا خیال محبت میں نہیں بلکہ اپنی ڈیوٹی پوری کرنے کے لئے کیا کرتے تھے۔ محبت اور ملازمت میں کتنا فرق ہے۔ وہ ایک ٹک اپنے سامنے کھڑی اس لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔ وہ انہیں اتنی عزیز کیوں ہوگئی تھی، وہ انہیں اتنی پیاری کیوں لگتی تھی۔ اسے دیکھ کر دل میں ہر بار محبت یوں موجزن ہوتی تھی جیسے وہ اپنی بیٹی کو دیکھ رہے ہوں۔ ان کے دل میں اپنی یہ محبت ہنیا سجاد نے خود پیدا کروائی تھی۔

اس کی من موہ لینے والی ادائیں، اس کی پیار بھری باتیں ایسی ہوتی نہ تھیں کہ انہیں نظرانداز کیا جا سکے۔

وہ اس سے محبت کرتے تھے، اس کی پروا کرتے تھے، وہ ہر سنڈے ان کے گھر آیا کرتی تو پورا ہفتہ بے چینی سے سنڈے کا انتظار کیا کرتے تھے، وہ آتی تو ان کے گھر میں رونق در آتی تھی، خوشی آتی تھی، ہنسی آتی تھی، زندگی آتی تھی۔ مگر اس محبت کا وہ ہاجرہ کی طرح اظہار نہ کر پاتے تھے۔

وہ اس کے لئے اپنے کچن میں اس کی پسند کا سامان لا کر بھر سکتے تھے مگر اس سے یہ کہہ نہیں سکتے تھے کہ یہ سب چیزیں وہ اس کے لئے لے کر آتے ہیں۔ مگر اس پل جیسے وہ خود کو محبت کے اظہار سے روک نہیں پائے تھے۔ وہ اسے ڈرائنگز اور فائلز اٹھائے اور پھر انہیں گاڑی میں رکھتا دیکھتے رہے اور جیسے ہی وہ دوبارہ سیدھی ہو کر ان کے سامنے کھڑی ہوئی انہوں نے بے ساختہ اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا۔

''خوش رہو بیٹا۔'' اس کی آنکھوں میں ایک دم ہی نمی سے جھلکنے لگی تھی۔

''ارے یہ کیا؟'' انہوں نے حیرت سے اس کی آنکھوں میں دیکھا، وہ اس وقت ان کے اتنے قریب کھڑی تھی کہ اس کی آنکھوں میں جھلملاتے وہ آنسو ان کی نگاہوں سے چھپے نہیں رہ سکتے تھے۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلا کر پلکیں زور زور سے جھپکائیں۔

''آپ نے مجھے بیٹا کہا ناں، مجھے بہت اچھا لگا۔''

''چلو آفس، میرے ساتھ ہی چلو۔'' انہوں نے خود کو اس جذباتی کیفیت سے باہر نکالنے کی کوشش کی۔

''نہیں میں خود آجاؤں گی۔'' وہ گاڑی میں بیٹھ گئے، وہ وہیں کھڑی ہوئی تھی۔ وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے لگے وہ کھڑکی میں ان کی طرف جھکی۔

''میں آپ کو انکل کہہ سکتی ہوں؟ آفس میں نہیں صرف گھر پہ؟''

انہوں نے لمحہ بھر کی تاخیر کے بغیر نفی میں سر ہلایا۔ اس کے چہرے پر پھیلے مایوسی اور دکھ بھرے تاثر کو انہوں نے مسکرا کر دیکھا۔ وہ ان کے ایک دم اور اتنے صاف انکار پر خاصی افسردہ سی ہوگئی تھی۔

''ہاجرہ ممی ہیں اور میں انکل؟ لڑکی انصاف کرنا سیکھو۔ وہ مما ہو سکتی ہیں تو میں پاپا کیوں نہیں؟''

وہ اس کی ناک ہلکے سے کھینچتے متبسم انداز میں بولے۔

کھڑکی میں ان کی طرف جھکی ایک پل کے لئے تو وہ جیسے ان کی بات سمجھ ہی نہ پائی۔ مگر جیسے ہی بات سمجھنے کے قابل ہوئی وہ خوشی سے اچھل پڑی۔

''واقعی؟ میں آپ کو پاپا کہہ سکتی ہوں؟'' وہ اتنی خوش نظر آ رہی تھی جیسے اسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔ انہوں نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔

''تھینک یو سو مچ پاپا۔ مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے آپ کو پاپا کہہ کر۔ کیونکہ مجھے دل سے ہمیشہ یہی لگتا رہا ہے کہ آپ میرے پاپا ہیں۔''

''اور مجھے بھی بہت اچھا لگ رہا ہے، اپنے لئے یہ نام آپ کے منہ سے سن کے۔ کیونکہ مجھے بھی دل سے ہمیشہ یہی لگتا رہا ہے کہ آپ میری بیٹی ہیں۔ اور میری کوئی بیٹی اگر ہوتی تو شاید آپ جیسی ہی ہوتی۔'' انہوں نے اس کی آنکھ سے نکلتے اس ایک آنسو کو اپنی انگلی سے صاف کر دیا تھا۔

☆

ایک کلائنٹ کے آجانے اور بلگرامی صاحب کے ساتھ اس میٹنگ میں شریک ہونے کے سبب اسے آفس سے واپسی میں قدرے تاخیر ہو گئی تھی۔ ہاجرہ نے آفس کے لئے خود اپنے ہاتھوں سے لنچ بنا کر ڈرائیور کے ہاتھ بھجوایا تھا۔

اس نے شام پانچ بجے انہیں کال کر کے بتا دیا تھا کہ ایک میٹنگ کی وجہ سے اسے گھر واپسی میں تاخیر ہو جائے گی مگر انہیں اس کی ایسی فکر تھی کہ ابھی جب وہ راستے میں تھی تب ان کی کال آگئی تھی۔

''میں راستے میں ہوں مما! تھوڑی دیر میں پہنچنے والی ہوں۔'' وہ اس کی گھر واپسی کی شدت سے منتظر تھیں۔

پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے دوڑتی ہوئی یوں اندر داخل ہوئی جیسے دن بھر کا تھکا ہارا کوئی انسان اپنے گھر کے پرسکون اور آسودہ ماحول میں خوشی خوشی قدم رکھتا ہے۔ لاؤنج کا دروازہ دھماکے سے کھولتی وہ باہر ہی سے شور مچاتی اندر آئی۔

''میں آگئی مما۔'' عذیر فاروق اور ہاجرہ دونوں لاؤنج میں ایک دوسرے کے برابر بیٹھے ہوئے تھے مگر بالکل خاموش۔ اس کی آمد سے قبل وہاں مکمل خاموشی تھی۔ اس کے آنے سے پہلے وہاں سناٹا اور ویرانی تھی۔ اسے دیکھ کر ان دونوں کے لبوں پر مسکراہٹ آئی تھی۔

اس کا دل چاہا وہ ان دونوں کی ساری تھکن، ساری اداسی اپنے اندر سمیٹ لے۔ اس کا شور مچاتا انداز وہاں زندگی کو لایا تھا سو وہ اسی طرح شور مچاتی ہی ہاجرہ کے قریب آگئی۔ سلام وہ دور ہی سے ان دونوں کو کر چکی تھی، اب ہاجرہ کی طرف جھکی ان سے پیار کروا رہی تھی۔

انہوں نے والہانہ انداز میں اس کی پیشانی چومی تھی۔ اور اب اس سے اس کی خیریت اور دن بھر کی مصروفیات کا حال پوچھ رہی تھیں۔ عذیر فاروق مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے گھر کا سناٹا ٹوٹ گیا تھا، خاموشی ان کے گھر سے رخصت ہو گئی تھی۔

''افسوس کا مقام ہے، ہم سے کوئی ملنا ہی نہیں چاہتا، ہم کسی کو نظر ہی نہیں آ رہے۔'' وہ ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

''آئم سوری پاپا! آپ کیسے ہیں؟''

''کیسا نظر آ رہا ہوں؟''

''ہمیشہ کی طرح بہت ہینڈسم۔'' وہ ان دونوں کے عین سامنے کارپٹ پر رکھے فلور کشن پر بیٹھ گئی۔

''ہنیا! پہلے فریش ہو آؤ بیٹا! لنچ کر لیا تھا؟''

''جی، اتنا مزے کا کھانا کون نہیں کھائے گا۔ تھا بھی اتنا سارا میں نے اپنے ساتھ شیریں اور جویریہ کو بھی لنچ کی دعوت دے دی تھی۔ آج میرے ساتھ ان دونوں کے بھی مزے آگئے، اتنا مزے کا کھانا، ہاتھ ہی نہیں رک رہا تھا ہم تینوں کا۔'' ہاجرہ اس کی تعریفوں پر مسکرائیں۔

''رات کے کھانے میں کیا بنا ہے؟'' اس نے اسی طرح پوچھا جیسے گھر کا کوئی فرد گھر آتے ہی ''کھانے میں کیا ہے'' کا نعرہ بلند کرتا ہے۔

''تمہاری پسند کی چیزیں بنائی ہیں، فریش ہو آؤ پھر میں کھانا لگواتی ہوں۔''

کھانے کے بعد وہ ان دونوں کے ساتھ لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ ٹی وی پر نیوز چینل لگا تھا، خبریں بھی دیکھی جا رہی تھیں باتیں بھی ہو رہی تھیں۔ اس نے ہاجرہ اور عذیر فاروق کے لئے گرین ٹی بنائی تھی۔ وہ دونوں گرین ٹی پی رہے تھے جبکہ وہ خود Dew کا کین ہاتھوں میں لئے بیٹھی تھی۔

''تمہارے آنے سے اتنا اچھا لگ رہا ہے ہنیا! میں سوچ رہی ہوں تمہارے ماموں، ممانی واپس آجائیں گے، تم واپس چلی جاؤ گی تو میرا گھر میں دل کیسے لگے گا؟''

''تو میں جاتی ہی نہیں، یہیں رہ جاتی ہوں۔'' وہ ان کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے یوں بولی جیسے مذاق کر رہی ہو۔

وہ دونوں صوفے پر اور وہ فلور کشن پر بیٹھی تھی، ہاجرہ کے پیروں کے قریب۔ اس نے اپنا کین خالی کر کے رکھا تو خود بخود ہی ان کے گھٹنے پر اپنا سر رکھ دیا۔ وہ اس کے بالوں میں آہستہ آہستہ انگلیاں چلا رہی تھیں۔ ٹی وی پر نظریں مرکوز کیے کیے اسے نیند آنے لگی تھی۔ ان کی انگلیوں کا محبت بھرا لمس ہی ایسا تھا کہ پرسکون ہو کر سو جانے کو جی چاہے۔ اس پر غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ ہاجرہ اور عذیر فاروق دونوں خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے جو بالکل سو جانے کے قریب تھی عذیر فاروق اسے چھیڑنے کے لئے کہنا چاہتے تھے کہ اتنے بڑے بچوں کو اٹھا کر ان کے کمرے تک پہنچانے کا ہمارے پاس کوئی انتظام نہیں مگر ان کے لب کھولنے سے پہلے ہاجرہ نے لبوں پر انگلی رکھ کے انہیں کچھ بھی بولنے سے روک دیا تھا۔ وہ اگر سو رہی تھی، تو وہ اس کی نیند ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی تھیں اور وہ واقعی سو گئی تھی، حالانکہ ابھی صرف گیارہ بجے تھے۔

مگر وہ شاید پانچ یا چھ منٹ ہی سوئی ہو گی کہ یکدم ہی یوں بیدار ہوئی جیسے کہیں کوئی شور، کوئی آواز پیدا ہوئی ہو حالانکہ ان کے گھر میں جہاں ویسے ہی بہت خاموشی رہا کرتی تھی وہاں اس کی خاطر تو اس وقت ہاجرہ نے پن ڈراپ سائلنس والا ماحول پیدا کروایا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور ایک پل بھی یونہی بیٹھے رہنے کے بجائے وہ فوراً ہی ان کے گھٹنے پر سے سر اٹھا کر فلور کشن پر سے کھڑی ہو گئی۔

''مجھے نیند آ رہی ہے، میں سونے جاؤں مما۔''

وہ جتنی تہذیب اور مروت والی تھی، ان سے جانے کی اجازت اسی لئے لے رہی تھی ورنہ اس کے چہرے پر موجود عجلت بھرا تاثر دیکھ کر عذیر فاروق یہ بات بتا سکتے تھے کہ اسے اپنے کمرے میں فوراً جانے کی بہت جلدی ہے۔ وہ سوتے میں جس طرح یک دم اٹھی تھی جس طرح اس نے گھڑی دیکھی اور فوراً کھڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر انہیں لگ رہا تھا کہ شاید اس وقت اسے کوئی ضروری کام، کوئی ضروری مصروفیت ہے۔ ممکن ہے اس کا کوئی فون آنے والا ہو، ممکن ہے اسے کسی کو فون کرنا ہو، ممکن ہے یہ وقت اس کا نیٹ پہ اپنے فرینڈز کے ساتھ چیٹنگ کرنے کا ہو، امریکہ میں اس کے فرینڈز اسی وقت آن لائن ہوتے ہوں گے۔ یہاں وہ ابھی تک اپنے کوئی دوست نہیں بنا سکی، مگر امریکہ میں تو اس کے دوست ہوں گے ناں۔

ہنیا ان دونوں کو شب بخیر کہہ کر فوراً اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

☆

وہ روزانہ کی طرح صبح نماز پڑھ کے کافی دیر سے واپس آئے تو سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے ہنیا کو دیکھ کر رک گئے۔ وہ ہاتھوں میں چائے کی ٹرے لئے عباد کے کمرے کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ اس کے کمرے کے دروازے کے عین سامنے کھڑی تھی، کچھ سوچتے ہوئے، اس دروازے کو بغور دیکھتے ہوئے، اسے ان کے سیڑھیاں چڑھنے کا فوراً پتہ بھی نہیں چل سکا تھا۔ مگر اب جب سیڑھیاں چڑھ چکنے کے بعد وہ رک کر حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔ تب اسے ان کی موجودگی کا احساس ہوا، وہ فوراً مڑی۔

''السلام علیکم پاپا!'' انہیں دیکھ کر وہ مسکرائی۔ وہ اس سے چند قدم پیچھے کھڑے تھے۔

''وعلیکم السلام، صبح صبح چائے کہاں لے جائی جا رہی ہے؟'' وہ اس کمرے کے سامنے اس طرح کیوں کھڑی ہے، اس سے یہ پوچھنے کے بجائے انہوں نے چائے کے بارے میں پوچھا۔

''مما کے لئے۔ آپ کے لئے بھی لاؤں؟ آپ پئیں گے؟''

''نہیں رہنے دو، خواہش نہیں ہے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے انکار کیا۔ وہ ان کے ساتھ چلتے ان کے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔

''آپ تھکے ہوئے لگ رہے ہیں۔ لگ رہا ہے کل رات بھی آپ کو نیند نہیں آئی؟''

نیند؟ عرصہ ہو گیا تھا انہیں نیند کو اپنے قریب دیکھے وہ پوری پوری رات جاگا کرتے تھے۔ اب تو خواب آور ادویات بھی اپنا اثر چھوڑتی جا رہی تھیں۔ ان کے سہارے تھوڑی بہت نیند اگر آ بھی جاتی تو گھبرا کر، بے چین ہو کر وہ فوراً اٹھ بیٹھتے تھے۔ ''پاپا'' کی صدائیں انہیں اٹھا کر بٹھا دیا کرتی تھیں۔ وہ پھر آدھی رات کو اپنے گھر کے ہر کونے میں یوں پھرتے جیسے وہ آواز دینے والا یہیں کہیں تو موجود تھا۔ جب ان کی یہ بے چینی، بے کلی حد سے بڑھ جاتی تو پھر وہ خود کو کاموں میں بری طرح مصروف کر لیتے۔

وہ پوری پوری رات اسٹڈی میں کام کرتے ہوئے گزار دیتے۔ کوئی نیا پروجیکٹ ڈیزائن کرتے، کسی ادھورے پروجیکٹ کا کوئی کام مکمل کرتے۔ وہ خود کو کاموں میں غرق کر لینے کی کوشش کرتے، تاکہ کسی اور طرف ان کا دھیان نہ جائے، کچھ اور انہیں یاد نہ آئے مگر وہ کاموں میں غرق ہوں یا فارغ ہوں ''پاپا'' کی صدائیں ہر لمحہ ان کے ساتھ رہتی تھیں۔

''تھکی ہوئی تو نہیں لگ رہیں لیکن نیند پوری نہیں لی۔ یہ تو تمہارے چہرے سے بھی لگ رہا ہے۔''

وہ فریش، چاق و چوبند، ہنستی مسکراتی ان کے سامنے کھڑی تھی، وہ خوش بھی لگ رہی تھی مگر اس کی آنکھوں سے پتہ چل رہا تھا وہ رات پوری نیند نہیں سوئی۔ شاید وہ رات گئے تک نیٹ پر یا فون پر مصروف رہی تھی۔

''خیر تمہاری جنریشن کے لوگوں کو راتوں کو جاگنے کی بیماری ہے ہی، تمہیں بھی ہو گی اور میرا مسئلہ تو یہ ہے کہ بڑھاپے میں زندگی بھر کئے اعمال کی فکر نیند اڑا دیتی ہے سو میری نیند بھی اب بڑھاپے کی نیند ہے۔''

مسکراتے ہوئے انہوں نے اس کے لئے اپنے کمرے کا دروازہ کھول دیا تھا، جہاں ہاجرہ کل ہی کی طرح کلام پاک کی تلاوت کر رہی تھیں، ان کی آنکھوں سے کل ہی کی طرح آنسو رواں تھے۔

☆

رات ان کے کچھ مہمان کھانے پہ مدعو تھے۔ یہ ایک چائنز فرم کے سینئر ایگزیکٹو تھے۔ ان کی فرم کے ساتھ عذیر فاروق کی فرم نے یہاں کچھ پروجیکٹس مشترکہ طور پر کئے تھے۔ وہ اور ان کی بیگم دونوں آئے ہوئے تھے۔ ہنیا مہمانوں سے بڑی خوش اخلاقی سے اور اچھی طرح ملی تھی۔ وہ ہاجرہ کے ساتھ مل کر میزبانی کے فرائض اسی طرح انجام دے رہی تھی جیسے گھر آئے مہماوں کی خاطر مدارات بیٹیاں ماؤں کے ساتھ مل کر کرتی ہیں۔

وہ چائنز ایگزیکٹو آج ہنیا سے آفس میں مل چکے تھے۔ وہاں اس کا پروفیشنل انداز دیکھ چکے تھے، اب یہاں اس کا گھریلو اور سادہ انداز دیکھ رہے تھے۔ عذیر فاروق نے ہنیا کا تعارف ان سے یہ کہہ کر کروایا تھا کہ یہ میری سگی بیٹی تو نہیں، مگر مجھے اور میری بیوی کو سگی بیٹیوں ہی کی طرح پیاری ہیں۔ خوش اخلاقی سے مہمانوں کی آؤ بھگت کرتی ہنیا گھڑی گھڑی سب سے نظر بچا کر گھڑی کی طرف بھی دیکھتی جا رہی تھی۔

گیارہ بجنے والے تھے، صرف ایک منٹ باقی تھا۔ وہ بے چین نظر آ رہی تھی، عذیر فاروق اسے بغور Obsereve کر رہے تھے۔ اسے نہیں پتا تھا کہ وہ اسے دیکھ رہے ہیں۔ وہ مجبوراً اخلاقیات نبھانے کو وہاں رکی ہوئی تھی ورنہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ یہاں سے فوراً چلی جائے۔

یہ آج مسلسل آٹھویں رات تھی جب وہ اسے گیارہ بجے یوں بے چین و بے قرار ہوتا دیکھ رہے تھے۔ گیارہ بجے کے ساتھ اس کی یہ بے چینی جیسے ہی گیارہ بجنے میں چند سیکنڈز باقی بچے ہوتے انہیں یوں لگتا جیسے ہنیا کچھ بدلی بدلی سی لگنے لگتی ہے۔ جیسے وہ ہنیا سجاد نہیں بلکہ سنڈریلا ہے، بارہ کے بجائے اس کے تبدیل ہونے کا موقع گیارہ بجے مقرر ہے۔ ٹھیک 11 بجے کسی کی فون کال اس کے پاس آنی ہوتی تھی یا کسی کو اسے فون کرنا ہوتا تھا یا کسی سے اسے نیٹ پہ چیٹنگ کرنی ہوتی تھی اور وہ بھی پھر ساری رات؟ صبح وہ فریش نظر آتی تھی، بلکہ صبح صبح وہ دن بھر سے بھی زیادہ خوش نظر آ رہی ہوتی تھی مگر ہر صبح اس کی طرف دیکھ کے وہ یہ بات بتا سکتے تھے کہ وہ رات شاید تھوڑی سی دیر ہی سوئی ہے۔ گیارہ بجنے میں ایک سیکنڈ باقی بچا تھا۔ ہنیا کی بے چینی ان سے دیکھی نہیں جا سکتی تھی۔

"ہنیا! بیٹا جاؤ جا کے اپنے کمرے میں آرام کرو۔ ہم تو ابھی کافی دیر تک باتیں کریں گے۔"

ان کے مہمانوں کو ابھی ایک آدھ گھنٹہ مزید بیٹھنا تھا، انہوں نے ہنیا کو وہاں سے جانے کی اجازت دی تو وہ یوں مسکرائی جیسے کب سے اس اجازت کی منتظر تھی۔ وہ ان کے مہمانوں سے اجازت لے کے، اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

☆

وہ آفس میں بجھے دل سے بیٹھی تھی۔ آج اس کا وہاں بالکل دل نہیں لگ رہا تھا، آج اس کا کہیں بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس پر یہ اداسی، یہ پژمردگی پچھلے کئی دنوں سے طاری تھی مگر آج یہ اداسی بھری کیفیت پچھلے دنوں سے کچھ سوا تھی۔ صبح وہ گھر پر ہاجرہ کی خاطر زبردستی ہنستی مسکراتی رہی تھی۔ دل نہ چاہنے پر بھی اس نے ان کی خوشی کی خاطر ناشتہ کیا تھا۔

انہوں نے اتنے پیار سے اس کے لئے اپنے ہاتھوں سے پراٹھا بنایا تھا، وہ کھانے سے انکار کر ہی نہیں سکتی تھی۔ اسے پراٹھا اور جیم اس قدر شوق سے کھاتے دیکھ کر انہوں نے آج اس کے لئے ایپل جیم بھر کے پراٹھا بنایا تھا۔ عذیر فاروق اس پراٹھے کو دیکھ کر ہنسے تھے۔

"اچھا، جیسے آلو کا، قیمے کا، مولی اور دال کا پراٹھا ہوتا ہے ویسے ہی جیم کا پراٹھا بھی ہوتا ہے، ہمیں معلوم نہیں تھا۔"

انہوں نے پیار سے اسے وہ پراٹھا کھلایا تھا اور اس نے اسے کھا بھی لیا تھا۔ پر اس وقت وہ آفس میں بے دلی سے بیٹھی تھی۔ یہاں اسے کسی کی خاطر جبراً مسکرانے کی ضرورت نہیں تھی، اس کی آنکھوں کے سامنے کمپیوٹر پر ایک ڈرائنگ کھلی ہوئی تو تھی پر وہ اس پر کام کچھ نہیں کر رہی تھی۔

"سر آپ کو بلا رہے ہیں۔" شوکت سلطان نے اسے انٹر کام پر اطلاع دی۔ وہ عذیر فاروق کے آفس میں آئی تو وہ اسی وقت اپنے مین

آفس کا دروازہ کھول کے باہر اپنے Outer آفس میں شوکت سلطان سے کچھ بات کرنے آئے تھے۔ انہوں نے اسے دیکھا تو مسکرا کر اس سے بولے۔

''آؤ ہنیا! ہماری فیملی کے ایک خاص چاہنے والے آئے ہیں، تمہیں ان سے ملوانے بلایا ہے۔ تم اندر جا کر بیٹھو میں بس دو منٹ میں آ رہا ہوں۔''

وہ سر اثبات میں ہلاتے ان کے آفس کی طرف بڑھ گئی۔ وہ پیچھے کمپیوٹر پر کچھ دیکھتے شوکت سلطان کو کچھ سمجھا رہے تھے۔ اس نے ان کے آفس کے اندر قدم رکھا۔ ان کی میز کے سامنے کرسی پر بیٹھے شخص نے دروازہ کھلنے کی آواز پر مڑ کر دیکھا۔

اور اس پل زمین ہنیا سجاد کے پیروں کے نیچے سے نکل گئی تھی۔ وہ دروازے کے ساتھ ہی رکی یوں کھڑی تھی جیسے زمین نے اس کے پیروں کو جکڑ لیا ہو۔

''ہنیا! تم یہاں؟'' وہ بے یقینی اور حیرت میں گھرا اپنی کرسی پر سے کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ اسے یہاں دیکھ کر بالکل ساکت رہ گیا تھا۔



یوں لگتا تھا اداسیوں نے ان کے گرد ڈیرا جما لیا تھا، خوشی کی کوئی خبر کہیں سے آ ہی نہیں رہی تھی۔ عباد کے پاپا بدستور اس سے شدید ناراض تھے، اس کی کوئی بھی بات سننے پر ہرگز آمادہ نہ تھے۔ انہیں شکاگو سے آئے کافی دن ہو گئے تھے اور ماما جانی ہنوز شدید بیمار تھیں۔ ان کی طبیعت بجائے سنبھلنے کے مسلسل خراب ہوتی چلی جا رہی تھی۔

وہ انہیں یوں بستر پر پڑا دیکھ کر بری طرح گھبرا رہی تھی۔ اس نے یمینہ، جنید اور معاذ کو ماما جانی کی بیماری کی اطلاع دی مگر وہ تینوں اپنی اپنی زندگیوں میں اتنے مصروف تھے کہ سوائے ایک آدھ مرتبہ فون پر ماما جانی کی خیریت معلوم کرنے کے ان میں سے کسی نے پلٹ کر کچھ نہ پوچھا تھا جبکہ معاذ فون پر خیریت معلوم کرنے کی فرصت بھی نہیں نکال پایا تھا۔ وہ بہن بھائیوں کے رویے پر شاکی ہوتی ماما جانی سے ان کی لاتعلقی پر غم و غصے کا اظہار کرنے لگی تو وہ درد بھرے انداز میں مسکرا کر اسے سمجھانے لگیں۔

''ان کا قصور نہیں ہنیا! قصور اس مٹی کی تاثیر کا ہے اور ہمارا ہے۔ میں اور تمہارے دادا جی۔ ہم نے اس مٹی کو اپنا وطن بنایا تھا، اپنے بچوں کے پیدا ہونے اور پلنے بڑھنے کے لئے اس مٹی کو منتخب کیا تھا۔ پھر اگر آج وہ اس مٹی کی خود غرضی اور مادہ پرستی کی تاثیر قبول کر چکے ہیں تو ہم ان سے یہ توقع کیسے رکھ سکتے ہیں کہ وہ یہاں پیدا ہوتے، بڑھتے، رہتے، سہتے ہمارے اس وطن کی مٹی کی تاثیر خود میں رکھیں گے جسے ہم برسوں پہلے چھوڑ آئے تھے۔''

وہ بستر پر نڈھال سی لیٹی تھیں۔ تھوڑے ہی دنوں کی بیماری نے انہیں بہت کمزور کر دیا تھا۔

''ہاں تم ٹھیک سوچ رہی ہو، تم بھی تو یہیں پیدا ہوئی ہو مگر تم ایسی نہیں ہو۔ تربیت تو ان تینوں کی بھی میں نے ہی کی تھی۔ پتہ ہے ہنیا! تمہارا مختلف ہونا مجھے ہمیشہ اچھا بھی لگتا رہا مگر کبھی کبھار مجھے ڈر بھی لگتا تھا۔ جب تک عباد تمہاری زندگی میں نہیں آیا تھا میں ڈرتی رہتی تھی کہ نجانے تمہارے نصیب میں کیا لکھا ہے۔ میں اللہ سے بہت دعائیں مانگا کرتی تھی کہ ''اللہ میری یہ بچی بہت مختلف ہے۔ یہ یمینہ نہیں کہ خالد جیسے کسی جذبات اور احساسات سے عاری بزعم خود ریشنل اور پریکٹیکل شخص کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزارے۔ یہ تو جذبات اور احساسات کو ہر چیز پر مقدم رکھتی ہے۔ اس کے لئے کہیں سے کوئی اس جیسا حساس اور پیارا سا شخص بھیج دے میرے اللہ۔'' اور دیکھو اللہ نے میری دعائیں سن لیں۔ عباد ہر لحاظ سے تمہارے

لئے بہترین ہے۔ مجھے یقین ہے تم اس کے ساتھ بہت خوش رہو گی۔ تمہیں یہ بات پتا ہے! محبت کی اگر کوئی انتہا ہوتی ہے تو وہ ان انتہاؤں تک تم سے محبت کرتا ہے۔''

''مجھے پتا ہے ماما جانی۔ بالکل پتہ ہے۔'' وہ جواب میں مسکرائی۔

''عباد کے پیرنٹس کب آرہے ہیں نیویارک؟''

''جلد ہی، میرا خیال ہے ایک آدھ مہینے میں وہ یہاں آجائیں گے۔''

ماما جانی کے لئے ان کی بیماری کی ٹینشن کافی تھی، وہ انہیں اپنے حوالے سے مزید کوئی نئی ٹینشن فی الحال ہرگز نہیں دینا چاہتی تھی۔

عباد تقریباً روز ہی آرہا تھا۔ اپنی تمام Tensions وہ اس گھر کے دروازے کے باہر ہی چھوڑ کر یہاں ہمیشہ ہنستا مسکراتا ہوا آتا تھا۔

''کیسی ہیں میری گرل فرینڈ؟'' وہ ہنیا کے ساتھ ہنستا مسکراتا ان کے کمرے میں داخل ہوا۔

وہ اپنی ہلکی پھلکی باتوں سے انہیں خوش رہنے پر آمادہ کرتا۔

''جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔ ذرا بتائیں کتنے دن ہو گئے ہم نے مسز یوسف کی چغلیاں بھی نہیں کیں اور مسز فاروقی کو ڈسکس کیے تو ہمیں کتنے دن ہو گئے۔''

وہ مزے سے ان کی سہیلیوں کے نام گنوانے لگا۔

ہنستے ہوئے انہوں نے اسے گھورا تھا۔

''بدتمیز نہ ہو تو۔ میں کب کسی کی چغلیاں اور برائیاں کرتی ہوں۔''

وہ ہمیشہ کی طرح ان سے گہری اور پکی سہیلیوں کی طرح باتیں کر رہا تھا۔ وہ اب انہیں یہ یاد دلا رہا تھا کہ یوں بیمار پڑ کر انہوں نے اپنی اسکن کا کتنا خراب حال کر لیا ہے۔ انہیں جلدی سے ٹھیک ہو کر کسی اچھے سیلون سے فیشل کروا کر آنا چاہئے۔ وہ ہنستے ہوئے اس کی باتیں سن رہی تھیں۔

کافی دیر ان کے ساتھ بیٹھ کر جب ان کے سونے کا ٹائم ہونے لگا تب وہ ان کے کمرے سے اٹھ گیا تھا۔ وہ ہنیا کے ساتھ ان کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ وہ دونوں بالکونی میں آگئے تھے۔ نیویارک کی چمک دمک، بلند و بالا عمارتیں اور East River سب کچھ وہاں سے نظر آرہا تھا۔

وہ ان کی بیماری کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان تھی اور اس کے پاس عباد کے سوا ایسا کوئی شخص نہیں تھا جس سے وہ اپنی یہ پرابلم شیئر کر سکتی۔

''پریشان مت ہو یار! اب کل تم جا تو رہی ہو ڈاکٹر اسٹیو کے پاس۔ انشاء اللہ ماما جانی جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔''

ماما جانی کے کچھ Tests کی رپورٹس دیکھ کر ان کے ڈاکٹر نے انہیں ایک دوسرے اسپیشلسٹ کے پاس جانے کے لئے کہا تھا اور ہنیا نے ان سے کل کا اپائنٹمنٹ لے رکھا تھا۔ عباد کافی دیر تک اسے تسلی دیتا رہا تھا۔ اس کی تسلی آمیز باتوں سے اس کے دل کو کچھ حوصلہ ہوا تھا۔

''میں نے ماما جانی کو ابھی کچھ نہیں بتایا عابی!'' عباد کو اس سے پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ کس بارے میں بات کر رہی ہے۔

''بہت اچھا کیا ہنی! بلاوجہ وہ پریشان ہوں گی۔ اس وقت ان کے لئے کسی بھی طرح کی ٹینشن لینا اچھا نہیں۔'' وہ دور کسی غیر مرئی نقطے کو

دیکھتا اس کی بات کے جواب میں بولا۔

''تمہاری اپنے پاپا سے بات ہوئی عابی؟'' جواب اسے پتہ تھا مگر پھر بھی اس نے پوچھا تھا۔ اگر اس کی بات ہو چکی ہوتی تو کیا اس کا چہرہ اتنا افسردہ نظر آ رہا ہوتا؟

عباد نے نفی میں سر ہلایا۔ ''پاپا مجھ سے بات کرنے کے لئے تیار نہیں، وہ میری کوئی کال ریسیو نہیں کر رہے، وہ مجھ سے سخت ناراض ہیں۔ مما سے کل رات میری بات ہوئی تھی۔ وہ وہی بات پھر دُہرا رہی تھیں کہ پاپا کو مجھ سے منگنی سے قبل پوچھ لینا چاہئے تھا مگر اب پاپا میری منگنی کر چکے ہیں تو اب مجھے پاپا کے فیصلے کا مان رکھ لینا چاہئے۔ مما کو لگتا ہے کہ اب میرا کچھ کہنا یا اس فیصلے کے مخالف جانا صرف پاپا ہی کو نہیں بلکہ انکل طارق اور ان کی پوری فیملی خصوصاً انوشہ کو بہت زیادہ دکھ دے گا۔ میں نے مما سے پوچھا ''مما! وہ اپنی منگنی ٹوٹ جانے پر زیادہ ہرٹ ہوگی یا اگر یہ شادی ہو گئی تو اس سچائی کو جان کر کہ جس سے اس کی شادی ہوئی ہے وہ اس سے نہیں کسی اور اسے محبت کرتا ہے؟'' اس میں کسی چیز کی کمی ہے جو اسے زبردستی کسی ایسے شخص کے ساتھ باندھا جا رہا ہے جو اس سے سرے سے محبت کرتا ہی نہیں ہے۔ منگنی ٹوٹ جانا اتنا بڑا دکھ نہیں جتنا زندگی بھر کی نارسائی اور محبت سے محرومی بڑا دکھ ہے۔''

وہ بولتے بولتے ایک پل کے لئے چپ ہوا، پھر اسی دھیمے لہجے میں دوبارہ گویا ہوا۔

''مجھے لگتا ہے دل سے مما میری باتوں سے قائل ہو رہی تھی۔ انہوں نے مجھ سے ایسا کچھ کہا نہیں مگر مجھے لگتا ہے وہ میری Feelings کو سمجھ رہی ہیں۔ مگر وہ ابھی کشمکش میں ہیں۔ انہیں خدشہ ہے کہ اب اگر اس رشتے کو توڑنے کی بات بھی کی گئی تو ایک طرف تو پاپا کا غصہ اور ناراضی نہ ختم ہونے والی حد پر پہنچ جائے گی، دوسری طرف انکل طارق کی فیملی کے ساتھ ہمارے تعلقات ختم ہو جائیں گے۔ پاپا اور ان کے بھائی میں تعلقات بگڑ جائیں، بدگمانیاں اور ناراضگیاں پیدا ہو جائیں اس سے مما خفا ہیں۔''

وہ چپ چاپ سوالیہ نگاہوں سے عباد کو دیکھ رہی تھی، جیسے پوچھ رہی ہو پھر اب وہ کیا کرے گا۔

''میں اس معاملے پر براہ راست انوشہ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ وہ میری کزن ہے؟ دوست ہے، بہت اچھی پڑھی لکھی اور باشعور لڑکی ہے۔ میں اسے تفصیل سے ساری بات بتاؤں گا کہ یہ منگنی کسی غلط فہمی اور مس انڈرسٹینڈنگ کی بنا پر ہو گئی ہے تو مجھے یقین ہے وہ میری بات سمجھ جائے گی۔ وہ اسے اپنی انسلٹ نہیں سمجھے گی۔

میں اپنے ساتھ ساتھ پاپا کی پوزیشن بھی اس کے سامنے کلیئر کرنے کی کوشش کروں گا۔ مما کو جو خدشات ہیں کہ ہماری فیملیز کے بیچ تعلقات خراب یا ختم ہو جائیں گے تو انشاء اللہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ مگر میں مما کی اجازت کے بغیر انوشہ سے بات نہیں کر سکتا۔ کل رات میں نے مما کے سامنے یہ ذکر کیا ہی تھا کہ وہ قسمیں دے دے کر مجھے انوشہ سے ایسی کوئی بات کرنے سے منع کرنے لگی تھیں۔ انجانے میں کسی کا دل میری وجہ سے دکھا ہو تو کہہ نہیں سکتا، جانتے بوجھتے تو میں نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا اور اس وقت میرے دل پر پاپا کی ناراضی کے ساتھ انوشہ کا دل دکھا دینے کا بھی بوجھ ہے۔ جب تک انوشہ کو سب سچ سچ بتا نہ دوں میری روح پر سے یہ بوجھ اترے گا نہیں۔ دعا کرو مما میری بات سمجھ جائیں۔ میں مما، پاپا کو رشتہ

توڑنے کی ہر شرمندگی سے بچا کر سارا الزام اپنے سر لینے کے لئے تیار ہوں مگر میں کسی ایسے رشتے کا بوجھ اٹھانے کے لئے تیار نہیں جسے میرے دل نے نہ آج تسلیم کیا ہے نہ مرتے دم تک کبھی کر سکتا ہے۔''

وہ کتنا دکھی، کتنا آزردہ لگ رہا تھا۔ کتنے دن ہو گئے تھے اسے عباد کے چہرے پر، اس کی وہ زندگی سے بھرپور اور سچی مسکراہٹ دیکھے اس کی آنکھوں کی چمک دیکھے۔ ان دنوں تو اس کی آنکھیں ہر پل بجھی بجھی ہی رہا کرتی تھیں۔ ہنستا تھا تو آنکھیں ساتھ مسکرا نہ پاتی تھیں۔ وہ انجان لوگوں کے لئے پریشان ہو جانے والا، ان کی فکر میں مبتلا رہنے والا کیا باپ کی ناراضی کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار سکتا تھا؟'' اس سے پوچھے بنا ایک لڑکی کو اس کے ساتھ منسوب کر دیا گیا تھا، وہ کوئی اور ہوتا تو کہتا مجھ سے پوچھ کر یہ رشتہ جوڑا گیا ہے جو میں اس لڑکی سے شرمندہ ہوں مگر وہ کوئی اور نہیں وہ عباد عذیر تھا ایک ایسی بات پر شرمندہ اور نادم تھا، جس بات میں اس کا سرے سے کوئی قصور ہی نہ تھا۔ بہت اچھا ہونا بھی کبھی کبھی انسان کو کتنا دکھی اور تنہا کر دیتا ہے۔ وہ اب عباد کے پاپا کے لئے کچھ منفی نہیں سوچتی تھی مگر عباد کے لئے اس کا دل اب بھی ہر پل کڑھا کرتا تھا۔

''تم انجانے میں بھی کبھی کسی کا دل نہیں دکھا سکتے عابی! یوں گلٹی فیل مت کو، جب میں یہ بات جانتی ہوں تو تمہارے مما اور پاپا بھی ضرور جانتے ہوں گے اور انوشہ...... وہ بھی تو تمہیں بچپن سے جانتی ہے وہ بھی ضرور تمہاری نیچر کو سمجھتی ہوگی۔ کوئی تم سے بدگمان نہیں ہو سکتا۔ تم تو اتنے اچھے ہو جتنا اچھا ہونا نہیں چاہئے۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا، ایک اداسی بھری مسکراہٹ۔

''ہمیشہ میرے بارے میں اسی طرح سوچو گی؟ کبھی تم تو مجھ سے بدگمان نہیں ہو گی ناں؟''

''ہرگز نہیں، مرتے دم تک نہیں۔'' اس کے لہجے میں شدتیں اور سچائیاں تھیں۔

''جس طرح مجھ سے بدگمان نہیں ایسے ہی مما، پاپا سے بھی کبھی بدگمان مت ہونا۔ پلیز ہنی! مما، پاپا سے ناراض اور بدگمان مت ہونا۔ میرے مما، پاپا بہت اچھے ہیں ہنی۔ ابھی تمہارے سامنے ان کا جیسا امیج بن رہا ہے اس سے قطعاً مختلف۔'' وہ جن تین افراد سے والہانہ محبت کرتا تھا چاہتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو بھی اسی طرح چاہیں جیسے وہ انہیں چاہتا ہے۔

''مجھے پتا ہے وہ بہت اچھے ہیں؟ آخر وہ عباد عذیر کے مما، پاپا ہیں۔'' وہ ہلکا سا مسکراتے ہوئے بولی۔ عباد اس کے جواب پر مسکرایا تھا۔

''میں مما، پاپا سے بالکل ناراض نہیں عابی! وہ صرف تمہارے نہیں میرے بھی مما، پاپا ہیں اور مجھے یقین ہے۔ آج نہیں تو کل میں ان کے دلوں میں جگہ بنانے اور ان کی محبت جیت لینے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گی، میرا وکیل بھی تو کوئی ایسا ویسا نہیں، عباد عذیر ہے۔''

وہ اس بار دل سے مسکرایا تھا، اس کی آنکھوں میں چمک آئی تھی، اس کا چہرہ بھرپور انداز میں جگمگایا تھا اسے یوں مسکراتا دیکھ کر وہ خوشی سے سرشاری ہوتی اس کے ڈمپل کو دیکھ رہی تھی۔

''تم نے مما، پاپا کو مما، پاپا کہا ناں ہنی! تو بہت اچھا لگا۔'' وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

''مجھے اس دن کا شدت سے انتظار ہے ہنی! جب میں، تم، مما اور پاپا ہم سب ایک ساتھ ہمارے کراچی والے گھر میں رہیں گے۔''

''مجھے بھی اس دن کا بہت انتظار ہے عابی! اور میں اس دن کا انتظار اپنی تمام عمر بھی اگر کرنا پڑے تو کر سکتی ہوں۔''

وہ اسے ہر ٹینشن ہر فکر سے دور نہیں کر سکتی، مگر کم از کم اپنی جانب سے یہ یقین دہانی تو وقتاً فوقتاً کرا سکتی تھی نا...... یہ کہ وہ اس کے ساتھ ہے اور وہ ہمیشہ اس کے ساتھ ہی ہوگی۔ محبت اور اعتبار چاہے جتنا بھی ہو، اسے دُہرایا جانا، اس کا اعادہ کیا جانا تو ہر بار اچھا ہی لگا کرتا ہے۔

چند لمحے وہ دونوں یونہی خاموش رہے تھے۔ پھر کچھ خیال آنے پر عباد اس سے اس کی جاب کے متعلق پوچھنے لگا تھا۔ اس نے پچھلے سال جس فرم میں انٹرن شپ کی تھی، وہاں اپنے ایگزیمز ختم ہونے کے ساتھ ہی جاب کے لئے اپلائی کر دیا تھا۔

انٹرن شپ کے دوران چونکہ اس نے اپنے کام اور محنتی انداز سے وہاں کے سینئر انجینئرز کو کافی متاثر کیا تھا سو اسے وہاں سے جاب کی آفر آ گئی تھی۔ اس کے ایگزیمز تو مماجانی کی شکاگو میں موجودگی کے دوران ہی ختم ہو چکے تھے۔

چند روز ہوئے اس کا B.S کا رزلٹ آ چکا تھا مگر وہ اپنے رزلٹ سے قبل ہی اس انجینئرنگ فرم میں اپنی جاب شروع کر چکی تھی۔ فرم اچھی تھی اور وہ اپنی جاب سے مطمئن بھی تھی مگر مماجانی کی طبیعت جو ہر گزرتے دن کے ساتھ خراب سے خراب تر ہوتی چلی جارہی تھی ایسے میں اس کے لئے اپنی جاب اور کام پر توجہ مرکوز رکھنا خاصا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ آفس میں ہوتی مگر اس کا دل سارا وقت ماماجانی ہی میں پڑا رہتا۔

''ماماجانی کی طبیعت کو خدانخواستہ کچھ نہیں ہو رہا۔ تم زیادہ پریشان مت ہو۔'' عباد اسے رسانیت سے سمجھانے لگا۔

''جب تمہارا اتنا دل تھا وہاں جاب کرنے کا، اتنے شوق سے اپلائی کیا تھا تو اب اپنی جاب کو انجوائے کرو احمق لڑکی! ماماجانی جلدی ٹھیک ہو جائیں گی انشاء اللہ، بلاوجہ ٹینشن مت لو۔ دیکھو پتا نہیں نیویارک میں تمہارا مزید کتنے مہینے قیام ہے، اس تھوڑے سے وقت میں یہاں رہتے جو کچھ کرنا چاہتی ہو ضرور کر ڈالو۔ ویسے میں تمہیں شادی کے بعد بھی جاب کرنے سے کبھی نہیں روکوں گا، یہ بھی نہیں کہوں گا کہ تم ہماری ہی فرم میں جاب کرو، تمہارا جہاں دل چاہے تم کراچی میں وہاں جاب کرنا۔''

''ارے واہ! میں کہیں اور کیوں جاب کروں گی۔ میں تو جناب آفس میں بھی سارا وقت آپ کے سر پر سوار رہا کروں گی۔ کم از کم اس طرح مجھے خبر تو رہے گی کہ کہیں میرے شوہر صاحب آفس میں دوسری لڑکیوں کے ساتھ فلرٹ تو نہیں فرما رہے۔''

آنے والے کل کی یہ منظر کشی۔ یہ سب سوچنا، بولنا کتنا اچھا، کتنا خوش کن لگ رہا تھا۔ مستقبل کے یہ منظر کتنے خوشگوار، کس قدر خوبصورت تھے۔



ماما جانی کی رپورٹس ٹھیک نہیں آئی تھیں۔ ڈاکٹرز جن خدشات کا اظہار کر رہے تھے وہ دل دہلا دینے والے تھے۔ وہ اچھی بھلی بالکل صحت مند اور تندرست شگفتہ گوئی تھیں اور محض دو ڈھائی مہینوں ہی میں کیا سے کیا ہو گیا تھا۔ ان کے اندر کیا بیماری پل رہی ہے نہ انہیں کبھی پتا چلا نہ اسے اور اب جب بیماری ظاہر ہوئی تو اس شدت کے ساتھ کہ وہ محض بستر ہی کی ہو کر رہ گئی تھیں۔ ابھی ان کے چند ٹیسٹ مزید ہونے تھے۔

آناً فاناً ہر طرف سے اس طرح مشکلیں آنا شروع ہوئی تھیں کہ وہ بری طرح ڈر گئی تھی۔ عباد ہر قدم پر اس کے ساتھ تھا۔ وہ ان دنوں پاکستان جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اس کی ہزار کوششوں کے باوجود بھی اس کے پاپا فون پر اس سے بات نہیں کر رہے تھے۔ وہ اس کی فون کالز ریسیو نہیں کرتے تھے۔ وہ کسی دوسرے نمبر سے ٹرائی کرتا اور وہ ریسیو کر لیتے تو اس کی آواز سنتے ہی لائن کاٹ دیا کرتے تھے اور اس کی مما اسے انوشہ یا انکل طارق سے بات کرنے کی اجازت نہیں دے رہی تھیں، اب اس کے پاس پاکستان جانے اور اپنے پاپا کو ان کے روبرو جا کر منانے اور ان کی ناراضی دور کرنے کی کوشش کرنے کے سوا کوئی آپشن نہیں بچا تھا۔ اگرچہ کہ اس کے امتحان بالکل نزدیک تھے، اس کا تھیسس بھی ایسے مرحلے میں تھا کہ اس کا یہاں سے تھوڑے سے دنوں کے لئے بھی چلے جانا اس کی اتنے عرصے کی ساری محنت کو برباد کر سکتا تھا مگر اس کے پاپا اس سے ناراض تھے اور انہیں خود سے ناراض رہتے وہ مزید نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ ماما جانی کی بیماری کے اس مشکل ترین مرحلے پر ہنیا کو یہاں تنہا چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ ہنیا کے بہن بھائیوں کو اس سے یا ماما جانی سے کوئی خاص لگاؤ یا ان کی پروا نہیں۔ وہ تینوں اپنی اپنی زندگیوں میں مگن ہیں۔ چند ایک بار فون پر ماما جانی کی خیریت پوچھنے کے سوا ان میں سے کسی نے اخلاقاً بھی نیویارک آ کر ان کی عیادت کرنے کا ذکر تک نہ کیا تھا۔ ایسے میں وہ ماما جانی اور ان سے بھی بڑھ کر ہنیا کے لئے فکر مند تھا۔ اس کا پاکستان جانا ضروری نہ ہوتا تو وہ ہنیا کو اس مشکل مرحلے پر تنہا چھوڑ کر کبھی نہ جاتا۔ وہ آنے والے اگلے ہفتے میں پاکستان جانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ ماما جانی کے اس روز چند Test ہو گئے تھے، ایک Test کل صبح ہونا تھا۔ ان Tests کی رپورٹس آ جانے کے بعد پھر ساری صورت حال واضح ہونا تھی۔ وہ ماما جانی کے ساتھ سارا وقت ہاسپٹل میں تھی اور عباد بھی شام کے بعد اس کے پاس آ گیا تھا۔

ماما جانی ادویات کے زیر اثر جلد سو گئی تھی اور عباد اسے لے کر باہر ہسپتال کے گارڈن میں آ گیا تھا۔

رات کے بارہ بج رہے تھے، گارڈن میں اس وقت سناٹا اور خاموشی تھی۔ وہ دونوں ایک بینچ پر بیٹھ گئے تھے۔ وہ آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھ رہی تھی۔ ابھی محض دو، ڈھائی مہینے قبل ان کی زندگیاں کتنی خوشیوں بھری، کتنی پرسکون تھیں اور آج، ہر سمت خوف، خدشے، اندیشے۔

''کیا ہوا، اتنی چپ کیوں ہو ہنی؟'' عباد نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا، پھر اس کی نگاہوں کے تعاقب میں اسی ستارے کو دیکھنے لگا جسے وہ ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی۔

''عابی! یوں لگتا ہے اداسیوں نے ہمارے گھر کا رستہ دیکھ لیا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے خوشیاں ہمارے گھر سے رخصت ہونے کو ہیں، جیسے کوئی حادثہ، کوئی انہونی ہمارے تعاقب میں ہے۔''

''اوں ہوں ہنی! یہ کیا مایوسیوں بھری باتیں کر رہی ہو۔ اچھی امید، اچھے گمان رکھو۔'' عباد نے اسے فوراً ٹوکا۔ اس نے اس چمکتے ستارے سے نگاہیں ہٹا کر عباد کو دیکھا، اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

''عابی! مجھے ڈر لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی ہے جو ماما جانی کو مجھ سے دور لے جا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی ہے جو تمہیں مجھ سے دور لے جا رہا ہے۔ مجھے آج کل اتنے ڈراؤنے خواب آتے ہیں عابی! میں تنہا ہوتی ہوں، تم میرے ساتھ نہیں ہوتے۔''

آنسو یک دم ہی اس کے رخساروں پر گرنے لگے تھے۔ وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگی تھی۔

''خواب میں تمہارے ساتھ نہیں ہوتا تو کیا ہوا۔ حقیقت میں تو تمہارے ساتھ ہوں ناں۔ پاگل لڑکی خوابوں پر اتنا یقین ہے اور حقیقت پر ذرا بھروسہ نہیں؟ تم تنہا نہیں ہو۔ میں تمہیں کبھی تنہا ہونے بھی نہیں دوں گا۔''

اس نے ہنیا کا سر اپنے شانے پر سے اٹھایا اور آہستگی سے اس کے رخساروں پر پھیلتے آنسوؤں کو صاف کرنے لگا۔

''عابی! میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ پلیز مجھے کبھی اکیلا مت چھوڑنا۔ کبھی مجھ سے دور مت جانا'' وہ بجائے چپ ہونے کے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تھی۔

''میں آج بھی تمہارے ساتھ ہوں، میں کل بھی تمہارے ساتھ ہوں گا، میں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا، بس اب یہ رونا دھونا بند کرو، پہلے بھی تمہیں بتا چکا ہوں اس طرح روتی تم بالکل اچھی نہیں لگتیں۔''

وہ اسے ہنسانے کے جتن کرتا بظاہر مسکرا کر بولا، مگر اندر سے وہ بہت بے چین ہوا تھا۔ ہنیا کے آنسو اس سے دیکھے نہیں جا رہے تھے۔ اس کا بس چلتا تو وہ اس کی آنکھ میں کبھی ایک آنسو نہ آنے دیتا۔ تاروں بھری یہ رات بہت خوبصورت تھی مگر وہ دونوں ہی اس رات کی خوبصورتی کو محسوس کرنے سے قاصر تھے۔ اسے یوں بکھر کر روتا دیکھ کر یکبارگی اس کے دل میں یہ وہم آیا تھا کہ کیا واقعی اداسیوں نے ان کے گھر کا رستہ دیکھ لیا ہے؟



اس کے بدترین خوف اور اندیشے درست ثابت ہو رہے تھے۔ ماما جانی کی بیماری سے متعلق وہ بات جو وہ ڈاکٹرز کے اندیشوں کے باوجود بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی، وہ یکدم ہی حقیقت بن کر سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ ماما جانی کی حالت تشویشناک تھی، ان کی زندگی خطرے میں تھی، ان کا فوری آپریشن کیا جانا انتہائی ضروری تھا۔ ان کی بیماری جس سٹیج پر تھی اور پھر ان کی جو عمر تھی، ان دونوں Factors نے مل کر آپریشن میں رسک بہت بڑھا دیا تھا۔

کامیابی کا اگر 50 فیصد امکان تھا تو ناکامی کا بھی 50 فیصد ہی امکان تھا۔ مگر یہ آپریشن ہی اب ان کی زندگی بچانے کی آخری امید تھا۔

اب تک ڈاکٹرز نے بھی اور اس نے بھی ماما جانی کو ان کی بیماری کی شدت اور نوعیت سے مکمل طور پر آگاہ نہیں کیا تھا، مگر جس کے جسم کو وہ روگ لگا تھا، وہ کسی ڈاکٹر کے بتائے بغیر بھی اپنی بیماری کی شدت کو سمجھ سکتی تھیں۔ تب ہی تو جب ان کے ڈاکٹر نے امید بھرے انداز میں انہیں ان کی بیماری اور اس کے ممکنہ علاج کے بارے میں بتانا شروع کیا تو وہ چہرے پہ ایسے تاثرات لئے ڈاکٹر کو دیکھتی رہیں جیسے کہہ رہی ہوں ''میں یہ بات پہلے سے جانتی ہوں۔''

اس آپریشن میں جتنے رسکس تھے، انہیں سن کر ہنیا آپریشن کے لئے حامی بھرتے ڈر رہی تھی مگر ماما جانی نے کمال ہمت اور بہادری کا ثبوت

دیتے اپنے آپریشن کے لئے رضامندی اور اجازت دے دی تھی۔

آپریشن فوری ہونا تھا، اس میں دیر کا سوال ہی نہیں تھا اور ماما جانی خود کو ذہنی اور جذباتی طور پر اس کے لئے تیار کر چکی تھیں۔ وہ خود کو ہر نتیجے اور ہر صورتحال کے لئے تیار کر چکی تھیں۔ وہ ان دنوں بستر پر لیٹے لیٹے جس طرح اور جتنا ممکن ہو پاتا نماز پڑھتیں چاہے اشاروں ہی سے، ان کے اس انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ خود کو مکمل طور پر اللہ کی رضا پر چھوڑ چکی ہیں۔ وہ انہیں زندگی دیتا ہے یا موت وہ اس کے ہر فیصلے کو قبول کرتی ہیں۔

وہ صبح کا وقت تھا، اگلی صبح ان کا آپریشن تھا۔ گویا آپریشن سے قبل یہ زندگی اور موت کے بیچ ان کے آخری 24 گھنٹے تھے۔ وہ خود تلاوت نہیں کر پاتی تھیں۔ اس لئے آج کل اس سے قرآن پاک سنا کرتی تھیں۔ وہ اس وقت اس سے سورہ یٰسین سن رہی تھیں۔ اپنے ایک ہاتھ میں انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا، ان کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ عباد اسی وقت وہاں آیا تھا۔ اس نے ایک نظر پنج سورہ ہاتھ میں پکڑے، کانپتی آواز میں سورہ یٰسین پڑھتی ہنیا کو دیکھا، پھر اسے دیکھ کر آنسو بہاتی، اس کی انگلیوں سے ان کی کمزور انگلیاں پیوست کیے ماما جانی کو دیکھا۔

صرف دس دن پہلے اسی ہسپتال کے گارڈن میں ہنیا اپنے جن خدشات اور خوف کا اس سے اظہار کر رہی تھی اور وہ اسے امید اور حوصلہ دلا رہا تھا وہ تمام خوف کس طرح حقیقت بن کر سامنے آ گئے تھے۔ ماما جانی نے ہنیا سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا، انہوں نے اسے آنکھوں کے اشارے سے اپنے قریب آنے کے لئے کہا تھا۔ وہ چلتا ہوا ان کے پاس آ گیا تھا۔ ہنیا ان کے بیڈ کے ساتھ کرسی رکھ کر بیٹھی تھی۔ وہ اسی کرسی کے ہتھے پر بیٹھ کر ان کی طرف جھکا تھا۔ وہ خود اتنے حوصلے اور ہمت کا ثبوت دے رہی تھیں کہ وہ سوائے چہرے پر ایک امید بھری مسکراہٹ لانے کے ان سے کوئی بات نہ کہہ سکا۔ انہوں نے ہنیا کا ہاتھ چھوڑ کر عباد کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ عباد کے مضبوط ہاتھ میں ان کے بوڑھے ہاتھ بری طرح لرز رہے تھے۔ ہنیا نے جیسے ہی سورہ یٰسین ختم کی، وہ ایک دم ہی عباد سے بولیں۔

''عباد! تم سے ایک بات کہوں؟'' عباد نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''عباد! ہنیا سے شادی کر لو۔'' عباد کے ساتھ وہ بھی سناٹے میں رہ گئی تھی، ماما جانی سے ایسی کسی بات کی اسے دور دور تک امید نہ تھی۔

''ماما جانی آپ.....'' اس نے انہیں ٹوکنے کے لئے فوراً کہنا چاہا مگر وہ اس وقت اس کی طرف نہیں عباد کی طرف متوجہ تھیں، وہ آنکھوں میں امید اور آس لئے دیکھ رہی تھیں۔

''ہنیا سے آج نکاح کر لو عباد؟ اس آپریشن کا جو بھی نتیجہ نکلتا ہے میں نے خود کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے، مجھے اب اپنی کوئی فکر نہیں مگر مجھے ہنیا کی فکر ہے۔ مجھے یہ ایک آخری خوشی دے دو عباد! پتہ نہیں آج کے بعد میں تم دونوں سے کبھی مل پاؤں گی کہ نہیں۔ ہنیا کی زندگی ہمیشہ کے لئے تم سے وابستہ ہو گئی پھر اگر میں مر بھی گئی ناں تو مجھے کوئی فکر نہیں۔ ہنیا تنہا نہیں، زندگی اور موت کے بیچ جس باریک لکیر پر کل میں سفر کرنے نکلوں گی مجھے اس سفر پر جانے سے پہلے یہ ایک اطمینان دے دو۔''

وہ التجائیہ انداز میں کہہ رہی تھیں، ان کی آنکھوں سے بڑی تیزی سے آنسو گر رہے تھے، وہ امید اور ناامیدی میں گھری عباد کو دیکھ رہی تھیں۔ عباد ابھی کچھ نہیں بولا تھا، مگر اس کے کچھ بولنے سے قبل وہ ماما جانی کی بات مکمل ہوتے ہی بے قراری سے بول پڑی تھی۔

''ماما جانی! یہ ممکن نہیں آپ کو نہیں پتا عابی کے پاپا......'' جو بات ان کی بیماری کے دوران انہیں Tenstion نہ دینے کے خیال سے اب تک بتائی نہیں تھی، وہ اب بتانے پر مجبور ہو گئی تھی مگر عباد نے اس کے بازو کو سختی سے پکڑ کر اسے آگے کچھ بولنے نہیں دیا تھا۔ وہ ہنیا کی طرف نہیں دیکھ رہی تھیں، عباد بدستور ماما جانی ہی کو دیکھ رہا تھا جو امید و بیم کی کیفیت میں آنسو بہاتی ٹکٹکی باندھے اسی کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ عباد کو ہنیا کا بازو پکڑتے نہیں دیکھ پائی تھیں، وہ عباد کے جواب کی منتظر صرف اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔ ہنیا کے ہاتھ پر عباد کی گرفت بدستور بہت سخت تھی،

وہ اسے کچھ بھی بولنے سے شدت سے روک رہا تھا اس کی سخت گرفت میں یہ تنبیہ تھی کہ وہ آگے کچھ بھی نہ بولے۔

''ٹھیک ہے ماما جانی مجھے کوئی اعتراض نہیں۔''

پھر وہ ماما جانی سے مختصر لفظوں میں نکاح کے متعلق بات کر کے وہاں سے اٹھا تھا۔ وہ غالباً اسلامک سینٹر جا رہا تھا۔ وہ ماما جانی کے پاس سے اٹھ کر اس کے پیچھے کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔

''عابی!'' وہ اسے دیکھ کر رک گیا تھا۔

''تم نے ماما جانی کو منع کیوں نہیں کیا عابی؟ مجھے بولنے کیوں نہیں دیا؟''

''میں ایک مرتے ہوئے انسان کی آخری خواہش رد نہیں کر سکتا ہنی! وہ جس طرح بول رہی تھیں اگر میں منع کر دیتا تو عمر بھر خود کو بھی معاف نہ کر پاتا پھر ہماری شادی چاہے جب بھی ہوتی میں احساس جرم میں مبتلا ہو کر یہی سوچتا کہ تم سے شادی کرنی ہی تھی تو آج کیوں! تب کیوں نہیں جب ایک مرتی ہوئی بوڑھی بیمار دادی مجھ سے یہ آخری خوشی مانگ رہی تھیں۔''

وہ ٹھہر ٹھہر کر آہستگی سے مگر مضبوط لہجے میں بولا۔ وہ اس کا اضطراب اس کی بے چینی سمجھ رہا تھا۔

''اور پاپا! عابی! تمہارے پاپا تم سے اور ناراض ہو جائیں گے۔ تم نے ان کی اجازت کے بغیر شادی کر لی تو وہ تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گے۔'' وہ رو پڑی تھی۔

''میں ان سے اجازت لے لوں گا ہنی! اگر انہوں نے میری کال ریسیو نہ کی تو مما سے بات کروں گا، انہیں ساری بات بتاؤں گا مما، پاپا میں، تم ہم سب ابھی اس دنیا میں موجود ہیں۔ ہم سب کے پاس ابھی ایک دوسرے سے روٹھنے، منانے، گلے شکوے کرنے کے لئے بہت وقت ہے مگر ماما جانی کے پاس وقت نہیں۔ پاپا اتنے سخت دل نہیں، جب وہ ساری بات سنیں گے کہ، کس موقع پر اور کیوں مجھے ایسا فیصلہ کرنا پڑا تو مجھے یقین ہے، وہ فخر سے مجھے اپنے گلے سے لگا کر کہیں گے کہ تم نے وہی کام کیا جو میرے بیٹے کو کرنا چاہئے تھا۔''

وہ مستحکم لہجے میں کہتے اسے تسلی دیتے ہوئے وہاں سے چلا گیا تھا، جبکہ وہ اسی اضطراب اور بے چینی میں مبتلا تھی۔

☆

چند ہی گھنٹوں بعد ہسپتال کے اندر ہی جس طرح آناً فاناً ان کا نکاح ہوا تھا ایسے میں اسے عباد سے یہ بات پوچھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا تھا کہ اس نے اپنے مما، پاپا کو فون کیا؟ کیا اس کی اپنے پاپا یا مما سے بات ہوئی؟ انہوں نے کیا کہا؟ نکاح کے بعد ماما جانی نے اپنے سامنے ہنیا سے فون

کروا کر اس کے بہن، بھائیوں کو اس نکاح کی اطلاع کروائی تھی۔ وہ یکدم ہی بہت پرسکون، بہت مطمئن نظر آنے لگی تھیں۔ ان کے آپریشن میں چند گھنٹے باقی تھے مگر اب وہ جیسے ہر صورتحال کا سامنا کرنے کے لئے تیار تھیں۔

"مجھے تم پر بہت بھروسہ ہے عباد! میں تم سے یہ نہیں کہوں گی کہ ہنیا کا ہمیشہ خیال رکھنا، اس لئے کہ مجھے پتہ ہے تم نے ہمیشہ اس کا بہت خیال رکھنا ہے۔ میں خوش ہوں کہ ہنیا کی زندگی میں تم ہو، وہ میرے بعد تنہا نہیں ہوگی تم اس کے ساتھ ہوگے۔"

یہ ہوش وحواس کے عالم میں ان کی آخری گفتگو تھی۔



اور ماما جانی چلی گئی تھیں۔ ان کا آپریشن کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ وہ آپریشن تھیٹر لے جائی گئیں تو زندہ تھیں، وہاں سے لائی گئیں تو ڈیڈ باڈی کہلائی جا رہی تھیں۔ یمینہ اطلاع ملتے ہی آ گئی تھی۔ تدفین اسی روز تھی اور بمشکل اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر جنید اور ان کی بیوی بھی تدفین کے وقت آ گئے تھے۔ معاذ نہیں آیا تھا۔ اس نے فون پر ہنیا سے اس طرح تعزیت کی تھی جیسے مرنے والی صرف ہنیا کی دادی تھیں اس کی کچھ لگتی ہی نہ تھیں۔

سب تدفین کے بعد آگے پیچھے رخصت ہو گئے تھے۔ جانے والی تو چلی گئی تھیں ان کا تو کیا غم ہوتا ان میں سے کسی کو تنہا رہ جانے والی اپنی بہن تک کی فکر نہ تھی۔ ماما جانی نے جس شخص کے ساتھ اس کی زندگی وابستہ کی ہے، وہ کیسا ہے، کون ہے؟ کسی کو کوئی دلچسپی نہیں۔ ان تینوں کے حساب سے ہنیا ایک عاقل، بالغ، باشعور لڑکی تھی، اپنا اچھا برا خود سوچ سمجھ سکتی تھی۔ جس شخص کو اس نے اپنی زندگی کا ساتھی بنایا تھا یقیناً کچھ سوچ سمجھ کر ہی بنایا ہوگا۔

وہ اپنے اپارٹمنٹ میں تنہا کھڑی ٹکر ٹکر اپنے بہن بھائی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک ایک کر کے اس سے اظہار تعزیت کرتے اور عباد کو اور اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دیتے وہاں سے رخصت ہو رہے تھے۔

"شادی تو تم لوگوں کی ماما جانی کی وجہ سے عجیب ہی طرح ہوئی ہے، اب ایسا کر لو کہیں ہنی مون پہ چلے جاؤ وہاں سے پھر میرے پاس شکاگو بھی ضرور آنا۔ خالد اور بچے تم دونوں کے آنے سے بہت خوش ہوں گے۔"

اس کے گھر سے رخصت ہونے والی آخری مہمان یمینہ اس سے اور عباد سے کہہ رہی تھیں۔ وہ لیونگ روم میں اکیلی کھڑی تھی۔ عباد، یمینہ کو دروازے تک خدا حافظ کہنے گیا تھا۔ وہ خونی رشتوں کے ہوتے بھی تنہا کھڑی تھی، وہ زندگی میں پہلی بار اس خود غرض اور مادہ پرست معاشرے سے شدید نفرت کر رہی تھی۔

وہ نجانے یونہی کتنی دیر تنہا کھڑی رہتی کہ اسے لیونگ روم میں داخل ہوتا عباد نظر آیا۔ وہ ایک ایک قدم اٹھاتا اس کی طرف آ رہا تھا۔ تنہا؟ کس نے کہا وہ تنہا ہے۔ جب وہ اس کے ساتھ ہے پھر بھلا وہ خود کو تنہا سوچ بھی کس طرح سکتی ہے اس کے دل کا بوجھ یک دم ہی اتر سا گیا تھا، وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگی۔ وہ اس کے قریب آ گیا تھا، اس کے قریب آتے ہی اس نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ سوائے خاموشی سے آنسو بہانے کے وہ اب تک ایک بار بھی اس طرح سے نہیں روئی تھی۔ جیسے رونا چاہتی تھی۔ وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر بلک بلک کر رو پڑی تھی۔

"عابی! اگر تم نہیں ہوتے میں کیا کرتی۔ ماما جانی کے بعد اب تمہارے علاوہ تو میرے پاس کوئی رشتہ ہی نہیں ہے، وہ آہستہ آہستہ اس کے

بالوں پہ ہاتھ پھیر رہا تھا، اس نے اسے ماما جانی کی جدائی کے غم میں کھل کر رونے دیا تھا، جیسے یہ چاہتا ہو کہ وہ اپنا سارا غم آنسوؤں کی صورت باہر نکال دے۔ نجانے وہ کتنی دیر روتی رہی تھی۔ اسے خود خبر نہیں تھی۔ وہ روتے ہوئے بس یہ دیکھتی رہی تھی کہ وہ اس کا ہاتھ تھامے اس کا اپارٹمنٹ لاک کر رہا تھا، وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے اپنی گاڑی تک لے آیا تھا، وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے اپنے اپارٹمنٹ لے آیا تھا۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے اسے اپنے کچن میں لے آیا تھا، اسے کرسی پر بٹھا دیا تھا۔ وہ چائے کا کپ لے کر اس کے پاس آیا۔ آنسو بہاتے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''تھوڑی سی پی لو، صرف آدھا کپ۔'' وہ اپنے ہاتھوں سے اس کے ماتھے پر بکھرے بالوں کو سنوارتے ہوئے بولا۔ اس نے کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور چائے کے گھونٹ لینے لگی۔

''تم نہیں پیو گے؟'' ایک ہاتھ سے آنسوؤں کو صاف کرتے اس نے پوچھا۔

''جو تم بچاؤ گی میں وہ پی لوں گا، مجھے پتہ ہے میرے کہنے کے باوجود بھی تم پورا کپ تو ہرگز نہیں پیو گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

وہ دکھی بھی تھا، وہ بہت تھک بھی گیا تھا مگر پھر بھی اس کی خاطر مسکرا رہا تھا۔ آج ماما جانی کی آخری رسومات سے لے کر ان کے دور اور قریب کے تمام ملنے جلنے والوں کو ان کے انتقال کی اطلاع دینے اور پھر ان کی تدفین وغیرہ کے تمام انتظامات تنہا خود انجام دیتے وہ جسمانی طور پر تھکا تھا یا نہیں مگر ذہنی اور جذباتی طور پر بہت زیادہ تھک گیا تھا۔

اس نے واقعی چائے کے چند گھونٹ لے کر کپ واپس میز پر رکھ دیا تھا۔ اب اس کی بچائی ہوئی چائے وہ پی رہا تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں چائے کا کپ تھا اور دوسرے ہاتھ میں اس نے ہنیا کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

اچانک فون کی بیل بجی تھی۔ عباد نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھا لیا۔ اس نے جس ہاتھ میں ہنیا کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا، اسی سے ریسیور اٹھایا تھا اور ریسیور اٹھانے کے بعد بھی اس نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ وہ عباد کے پاپا کی کال تھی۔ عباد نے اُن کی آواز سن کر بے پناہ خوشی اور سرشاری سے۔

''پاپا آپ! السلام علیکم پاپا۔'' کہا تھا۔

دوسری جانب انہوں نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔ وہ فون پر چلا رہے تھے۔ شدید غیض و غضب کے عالم میں وہ اتنی زور سے بول رہے تھے کہ عباد کے برابر بیٹھی وہ بھی ان کا ایک ایک لفظ بالکل واضح سن سکتی تھی۔

''میں نے تم سے صرف یہ کہنے کے لئے فون کیا ہے کہ آج کے بعد کبھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا، کبھی میرے سامنے مت آنا۔ جس سے شادی کی ہے اور جہاں رہ رہے ہو ہمیشہ وہیں رہنا۔''

کپ عباد کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا تھا۔ اس میں موجود گرم چائے کچھ عباد کے پاؤں پر گری تھی اور کچھ فرش پر۔

''پاپا! میری بات سنیں پلیز۔ پاپا اس کی دادی، پاپا ان کی ڈ۔تھ.....'' عباد نے یکدم ہی اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ گڑگڑاتے التجائیہ انداز میں باپ سے کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر ان کی چلاتی، دوٹوک آواز نے اسے اس کی بات مکمل نہ کرنے دی تھی۔

''پتا نہیں لوگ اولاد کی تمنا کیوں کرتے ہیں۔ ایسی اولاد سے تو بے اولاد ہونا اچھا ہے۔''

وہ خوف سے کانپتی عباد کی طرف دیکھ رہی تھی، جس کی آنکھوں میں اسے بے بسی اور نمی نظر آ رہی تھی۔

''پاپا! میری بات سن لیں پلیز۔'' وہ روہانسی آواز میں ان سے کہہ رہا تھا۔ اس کا لہجہ بھرایا ہوا اور آنکھیں پرنم تھیں۔

''عباد عذیر! میں آج تم سے اپنا ہر رشتہ ختم کر رہا ہوں۔ مجھے تم جیسے بیٹے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نہیں ہے کوئی ضرورت مجھے تم جیسے بیٹے کی۔''

اس کی بات سنے بغیر انہوں نے سختی سے اور شدت لئے فیصلہ کن انداز میں بات ختم کر کے ریسیور پٹخ دیا تھا۔ ان کے ریسیور پٹخنے کی آواز عباد کے ساتھ ساتھ اس نے بھی سنی تھی۔ وہ دھک دھک کرتے دل سے عباد کی طرف دیکھ رہی تھی، جو ریسیور کان سے لگائے ابھی بھی اسی طرح بیٹھا تھا۔ اس نے دیکھا اس کے ہونٹ ابھی بھی بے آواز ہل رہے تھے۔ وہ بغیر کوئی آواز نکالے صرف لبوں سے پاپا، پاپا کی گردان کر رہا تھا۔ اسے عباد کی آنکھوں میں آنسو نظر آ رہے تھے۔ وہ سر جھکائے اپنے آنسوؤں کو ضبط کر رہا تھا۔

''عابی!'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں اسے پکارا، مضبوطی سے اس کا وہ ہاتھ پھر تھام لیا جو ابھی فون پر بات کرتے اس سے چھوٹ گیا تھا۔ عباد نے چونک کر اسے دیکھا، ایسے جیسے پچھلے چند لمحوں کے دوران اپنے قریب اس کی موجودگی کو فراموش کر گیا تھا۔

''عابی! آئم سوری۔ میری وجہ سے تمہیں۔ کاش ماما جانی تمہیں اس مصیبت میں نہ ڈالتیں، کاش وہ تمہیں اس نکاح کے لئے مجبور نہ کرتیں۔ میری اور ماما جانی کی وجہ سے پاپا تم سے ناراض ہو گئے ہیں۔ عابی! تم نے ہمارے لئے خود کو اس مشکل میں کیوں ڈال لیا؟'' وہ پھر رو پڑی تھی۔

''اس طرح مت بولو ہنی! سوری کس بات پر کہہ رہی ہو مجھ سے؟''

''ماما جانی میری وجہ سے تمہیں اس مشکل میں ڈال گئیں۔'' وہ عباد سے انتہا سے زیادہ شرمندہ تھی۔ ابھی جو کچھ اس کے پاپا نے اسے کہا وہ سب اس نے حرف بہ حرف سنا تھا۔

''تم مجھ سے الگ نہیں ہو ہنی! ہمارا رشتہ سوری بولنے، معافی مانگنے اور معذرت کرنے کا غیریت بھرا رشتہ نہیں ہے اور پھر بھی اگر تمہیں لگتا ہے کہ سوری کہنا بہت ضروری ہے تو ہم دونوں میں سے اس وقت مجھے تم سے سوری کہنا چاہئے۔ آج کے اس دن، ابھی جبکہ ماما جانی کو دینا سے رخصت ہوئے چند ہی گھنٹے ہوئے ہیں تمہیں ان کی جدائی کے غم کے ساتھ دوسری بھی دل دکھانے والی باتیں سننا پڑی ہیں۔ تم پاپا کی باتوں سے ہرٹ ہوئی ہو، میں تم سے شرمندہ ہوں ہنی۔''

باپ کی باتوں نے اس کے دل کو کیسا گھاؤ، کیسا زخم لگایا تھا وہ اسے فراموش کئے اس کی دل جوئی کر رہا تھا۔ وہ اپنے بالکل نزدیک بیٹھے عباد عذیر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے دل کو یکدم ہی انجانے وسوسوں نے گھیر لیا تھا۔ یہ واحد، یہ انمول، یہ سچا ایک رشتہ تھا اس کے پاس اور لگ رہا تھا جیسے کوئی اسے اس سے دور لے جا رہا تھا۔ اس کا دل اس خوف سے کانپ رہا تھا کہ کہیں عباد کے پاپا، عباد کو اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دور نہ کر دیں، کہیں وہ عباد کو اس سے چھین نہ لیں۔ وہ اس کے بنا کیسے جی پائے گی؟

''تم نے پاپا کو فون کیا تھا؟'' اس نے آہستگی سے رندھی آواز میں عباد سے پوچھا۔ وہ جب اسلامک سینٹر جانے کے لئے اٹھا تھا جب وہاں جانے سے قبل اس نے یقیناً اپنے مما، پاپا کو فون کیا تھا اور اس سے اسی بابت پوچھ رہی تھی۔

''ہاں جب میں ماما جانی سے نکاح کے لئے حامی بھر کر اٹھا تھا تو کسی بھی دوسری جگہ جانے سے پہلے میں نے پاپا کو کال کی تھی۔ میرے کئی بار کوشش کرنے پر بھی انہوں نے میری کال ریسیو نہیں کی تھی۔ پھر میں نے مما کو فون کیا تھا۔ میں نے انہیں ساری بات بتائی تھی۔ میں نے ان سے اجازت مانگی تھی، ان کی رضامندی چاہی تھی، میں پاپا سے بھی اجازت لینا چاہتا ہوں مگر وہ میری کال ریسیو نہیں کر رہے، انہیں یہ بتایا تھا۔'' وہ بھی جواباً آہستگی سے ہی بولا تھا۔

''وہ کیا بولی تھیں عابی؟''

''مجھے یہ نکاح کن حالات میں کرنا پڑ رہا ہے، میری ساری بات سننے کے بعد مما نے مجھے اپنی اجازت اور رضامندی دے دی تھی ہنی! میں ان کے اور پاپا کے بغیر اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کر رہا ہوں اتنا بڑا اقدام اٹھا رہا ہوں، وہ اس پر مجھ سے بالکل بھی خفا نہیں انہوں نے مجھے یقین دلایا تھا۔''

کم از کم اس کی ماں اس سے ناراض نہیں، کم از کم اس کی ماں اسے غلط نہیں سمجھ رہی۔ اس نے پل دو پل کے لئے عباد کے چہرے پر ایک سکون پھیلتا دیکھا تھا۔ مگر اس کے پاپا؟ اس کے دل کا سکون پل بھر میں ہی رخصت ہونے لگا تھا۔ ابھی جو کچھ انہوں نے عباد سے کہا وہ اس کے کانوں میں گونجنے لگا۔ وہ عباد کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی جیسے پوچھ رہی ہو ''وہ اب کیا کرے گا۔'' اسے مزید کوئی سوال کرنے کا موقع دیئے بغیر وہ فوراً ہی کرسی پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''تم بہت تھک گئی ہو ہنی! اب تمہیں کچھ دیر سو جانا چاہیے۔''

رات کے دو بج رہے تھے، مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ رو رو کر وہ تھک چکی تھی، اس کی تھکی ہوئی آنکھیں اور نڈھال وجود شاید اب آرام چاہتا تھا مگر وہ سونا نہیں چاہتی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا وہ سو کر اٹھے تو ماما جانی کے ساتھ ساتھ عباد بھی اس کے پاس نہیں ہوگا۔

''مجھے سونا نہیں ہے عابی۔''

''اچھا صرف آنکھیں بند کر کے لیٹ جاؤ، تھوڑا آرام کر لو۔ تم بہت زیادہ تھک چکی ہو۔'' وہ اسے ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے آیا تھا۔ اس نے اسے ہاتھ پکڑ کر بیڈ پر بٹھایا ہی نہیں بلکہ شانوں سے پکڑ کر اسے بیڈ پر لٹا بھی دیا تھا۔

''عابی! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''ڈر کس بات کا؟'' وہ بیڈ پر اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

''اگر میں سو گئی تو تم کہیں چلے جاؤ گے۔''

وہ اتنی کمزور، اتنی بزدل نہیں تھی مگر ابھی چند گھنٹے پہلے اس نے اپنی ماں جیسی دادی کھوئی تھیں، وہ رشتوں کے بچھڑ جانے کے خوف کا شکار تھی۔

''میں کہیں نہیں جا رہا، میں یہیں ہوں، تمہارے بالکل پاس۔ تم کتنی بھی دیر سوتی رہو، میں تمہارے پاس سے کہیں نہیں جاؤں گا۔ شاباش اب آنکھیں بند کرو۔''

وہ اسے اس طرح پیار سے بہلا رہا تھا جیسے وہ کوئی چھوٹی سی بچی تھی۔ وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے اس کے قریب نیم دراز تھا۔ وہ ہولے

ہولے اس کے بالوں میں انگلیاں چلا رہا تھا۔ وہ آنکھیں بند کئے اس کا اپنے قریب ہونا محسوس کر رہی تھی۔ اس نے بہت مضبوطی سے عباد کا دوسرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ اسے نیند آنے لگی تھی مگر اس نے عباد کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا کر اس نے اس کی طرف کروٹ لی ہوئی تھی۔ وہ اسی طرح اس کے بالوں میں انگلیاں چلا رہا تھا۔ وہ سو گئی تھی مگر بہت بے چینی والی نیند۔ گھڑی گھڑی اس کی آنکھ کھل رہی تھی۔ جتنی بار بھی اس کی آنکھ کھلتی، وہ آنکھیں کھول کر دیکھتی تو اسے اپنے بالکل نزدیک پاتی۔ اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے چلاتے وہ اس کے پاس لیٹ گیا تھا۔ مگر وہ جاگا ہوا تھا۔ اس نے عباد کی آنکھیں ایک بار بھی بند نہیں دیکھی تھیں۔

وہ گہری نیند سو بھی نہیں رہی تھی۔ پھر بھی اس کبھی سونے اور کبھی جاگ جانے والی کیفیت کے دوران اس نے ایک بہت ڈراؤنا خواب دیکھا تھا۔ وہ سوتے میں "عابی، عابی" پکار رہی تھی۔ وہ سوتے میں رو رہی تھی۔

"ہنی۔" وہ اس کا چہرہ تھپتھپا کر، اسے جگا رہا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر عباد کو دیکھا۔ وہ اس کی طرف جھکا تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا وہ اس ٹھنڈے موسم میں پوری کی پوری پسینے میں بھیگی ہوئی تھی۔

"عابی! ایک بہت ویران جگہ تھی شاید کوئی جنگل، وہاں بہت اندھیرا تھا، میں وہاں بالکل اکیلی تھی، میں تمہیں بہت آواز دے رہی تھی، تم وہاں نہیں تھے عابی۔"

روتے ہوئے اس نے اس کے سینے پر سر رکھ دیا تھا۔ عباد نے اسے اپنے اور نزدیک کر لیا تھا۔ کمبل اسے اور اچھی طرح اوڑھا کر اس نے اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا تھا۔ اس کے سر اور اس کی پشت پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرتے وہ اس کے خوف کو دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جبکہ وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر بہت دیر تک روتی رہی تھی۔

"اب مجھے سونے کے لئے مت کہنا، میں سوتی ہوں تو مجھے ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔ میں نہیں سوؤں گی عابی۔

"مت سوؤ ہنی! جیسا تمہیں اچھا لگ رہا ہے ویسا ہی کرو۔" وہ اس کے بالوں پہ انگلیاں پھیرتے آہستگی سے بولا۔ اس کی کچھ دیر بعد پھر آنکھ لگ گئی تھی۔ گھبرا کر کچھ ہی دیر میں اس کی آنکھ کھلی تو اس نے خود کو اس کے مضبوط بازوؤں کے حصار میں پایا۔ وہ اسی طرح اس کے قریب تھا، وہ اسی طرح جاگا ہوا لیٹا تھا۔ وہ اس کے اتنے پاس تھا، پھر ڈر کس بات کا ہے؟ اس نے اپنی آنکھیں مضبوطی سے بند کر لی تھیں، وہ سونا چاہتی تھی۔

اس بار اس کی آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔ صبح کے نو بجنے والے تھے۔ کمرے کے پردے بند تھے، پھر بھی باہر دن نکل چکا ہے پتا چل رہا تھا۔ وہ جس طرح سوئی تھی، اس طرح بیدار بھی ہوئی تھی، اس کے سینے پر سر رکھے، اس کے بازوؤں کے حصار میں۔ اس نے اپنا سر اٹھا کر عباد کو دیکھا۔ وہ جاگا ہوا تھا۔ وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔

"اٹھ گئیں۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"دیکھ لو، میں کہیں بھی نہیں گیا، یہیں ہوں۔" اپنا رات کا خوف اب اسے بچکانہ اور احمقانہ لگ رہا تھا۔ وہ کچھ خفت سی محسوس کرتے قصداً مسکرائی تھی۔

''اب تم اٹھ کر منہ ہاتھ دھولو، میں ناشتہ بناتا ہوں۔''

اس کے اٹھنے کے ساتھ ہی وہ بھی فوراً بیڈ پر سے اٹھ گیا تھا جیسے بہت دیر سے اس کے اٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ منہ ہاتھ دھو کر کچن میں آئی وہ جلدی جلدی ناشتہ بنا رہا تھا فرائنگ پین میں آملیٹ بن رہا تھا، ٹوسٹر میں سلائس ڈالے ہوئے تھے، دوسرے برنر پر چائے کا پانی رکھا تھا۔ وہ اس کی مدد کرانے کے ارادے سے آگے بڑھی تھی۔

''میں کرلوں گا، تم بیٹھو۔'' اس نے اسے کام کرنے سے منع کر دیا تھا، اس نے خود اسے ہاتھ پکڑ کر لا کر کرسی پر بٹھا دیا تھا۔

''عابی! رات کو میں نے اس طرح...... بچوں جیسا Behave کیا۔'' کرسی پر بیٹھنے کے بعد اس نے بات شروع کی تھی۔ مگر وہ آملیٹ پلیٹ میں نکالتا اس کی بات بے ساختہ کاٹ گیا تھا۔

''اس کی بھی سوری بولوگی؟'' وہ ایک پلیٹ میں آملیٹ اور دوسرے میں ٹوسٹ رکھ کر اس کے پاس آگیا تھا۔ اس نے دونوں پلیٹیں میز پر اس کے سامنے رکھ دی تھیں۔

''یہ سوری کا لفظ تمہارا تکیہ کلام نہیں بنتا جا رہا ہنیا سجاد؟''

''پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا ہے عابی! میں اتنی ڈرپوک تو کبھی بھی نہیں تھی۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''تم ابھی بھی ڈرپوک نہیں ہو۔ ابھی ماما جانی کی جدائی کے شاک میں ہو، اس لئے اس طرح فیل کر رہی ہو۔ تھوڑے دنوں بعد سب کچھ نارمل ہو جائے گا۔'' وہ دو مگوں میں چائے بھی نکال کر لے آیا تھا۔ وہ اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

''اگر تم نہیں ہوتے عابی! میں کیا کرتی۔''

''لیکن میں کیوں نہیں ہوتا؟ ہنیا سجاد کی زندگی میں عباد عذیر نے صرف آج یا ابھی نہیں بلکہ ہمیشہ رہنا ہے۔'' اس نے اس کی توجہ ناشتے کی جانب مبذول کروائی تھی۔

اس نے پچھلے دو دنوں سے کچھ نہیں کھایا تھا مگر اس وقت اس کے ساتھ بیٹھ کر وہ اس کے بنائے ہوئے آملیٹ کو کھانے لگی تھی۔ وہ بھی اس کی پلیٹ میں سے آملیٹ کھا رہا تھا۔ اس نے اسے ٹوسٹ پر مکھن لگا کر دیا تو اس نے اس کے ہاتھ سے وہ بھی لے لیا تھا۔

''اب مجھے ایک کام سے جانا ہے، چلا جاؤں؟'' اپنی چائے کا آخری گھونٹ لینے کے بعد خالی مگ میز پر رکھتے ہوئے عباد نے اس سے پوچھا۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''میرے پیچھے مگر تم کیا کرو گی؟''

''میں؟'' وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں کچھ بھی نہ کہہ پائی، اپنے لئے کوئی بھی مصروفیت سوچ نہ پائی۔ وہ اس کی کیفیت کو دیکھ رہا تھا، سمجھ رہا تھا تب ہی تو اس نے اس کے ہاتھ تھام کر آہستہ آہستہ محبت بھرے لہجے میں اسے یہ سمجھانا شروع کیا تھا کہ ماما جانی کی زندگی کے آخری ڈھائی تین مہینوں کو نکال دو تو باقی ساری عمر انہوں نے بہت بھرپور اور بہت شاندار گزاری تھی۔ بہت ایکٹو، بہت خوش باش رہتے۔ وہ زندگی سے خوش تھیں، انہوں نے

اپنے بچوں کی تمام خوشیاں دیکھی تھیں۔ یہاں تک کہ جاتے جاتے جو ایک ان کی آخری خواہش تھی اس کی شادی کی، وہ بھی پوری ہوگئی تھی۔ وہ کوئی تشنگی، کوئی دکھ لئے دنیا سے رخصت نہیں ہوئی تھیں۔ اب اگر وہ ان کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہے تو بجائے رونے کے ان کے ایصال ثواب کے لئے کچھ پڑھے، اللہ سے ان کی مغفرت کی دعا مانگے، یہ دعا مانگے کہ جیسی خوشیوں بھری اور آسودہ زندگی انہوں نے اس دنیا میں پائی تھی، ویسی ہی اس جہان میں اپنی دائمی زندگی میں بھی پائیں۔

''آئی ہے کچھ بات سمجھ میں؟'' کافی دیر تک اسے سمجھاتے رہنے کے بعد عباد نے اس سے پوچھا تھا۔ اس نے سر اقرار میں ہلایا تو وہ اس کی فرمانبرداری سے سر ہلانے پر مسکراتے ہوئے بولا۔

''پھر اب میرے جانے کے بعد کا کیا پروگرام ہے۔ رونا ہے یا جو میں نے کہا وہ کرنا ہے؟''

''جو تم نے کہا ہے وہ کروں گی۔''

وہ کرسی پر سے کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ اس طرف جھکا، اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ ''مت رونا ہنی! پلیز میرے لئے تم روتی ہو تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔''

وہ چلا گیا تھا۔ وہ اپارٹمنٹ میں اب تنہا تھی۔ شاید یوں تنہا ہونے پر وہ پھر رو پڑتی مگر اس سے کیا وعدہ اسے رونے نہیں دے رہا تھا۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی اس لئے کہ عباد عذیر ایسا چاہتا تھا۔ وہ وضو کر کے قرآن پاک لے کر بیٹھ گئی۔ وہ ماما جانی کے ایصال ثواب کے لئے کچھ پڑھنا چاہتی تھی۔

☆

''عباد عذیر! میں آج تم سے اپنا ہر رشتہ ختم کر رہا ہوں۔ مجھے تم جیسے بیٹے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

پوری رات یہ ایک جملہ اس کے کانوں میں گونجتا رہا تھا۔ وہ پوری رات جسمانی طور پر ہنیا کے ساتھ رہا تھا مگر وہ ذہنی طور پر وہاں بالکل بھی موجود نہیں تھا۔

''مجھے تم جیسے بیٹے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' پوری رات اس کا دل ان لفظوں پر بلک بلک کر روتا رہا تھا۔ کسی تیز دھار خنجر سے جیسے کوئی اس کے دل کے ٹکڑے کرتا رہا تھا۔ کیا وہ واقعی اتنا برا بیٹا تھا کہ اس کے پاپا اس سے ہر رشتہ توڑ دینے کی بات کر رہے تھے؟ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ننھے بچوں کی طرح بلک بلک کر روئے۔ وہ رات بھر اور اب صبح جتنی دیر ہنیا کے ساتھ رہا، خود کو سنبھالے رہا تھا۔

وہ پیدل بے سمت چل رہا تھا۔ اس کی آنکھیں پرنم تھیں۔ وہ بار بار آنکھیں رگڑ کر خود کو رونے سے روک رہا تھا۔ وہ گھر سے باہر اس لئے نکلا تھا کہ کچھ سوچ سکے، اسے اب کیا کرنا ہے یہ فیصلہ کر سکے۔ ماما جانی نے جب اچانک ہی اس سے نکاح کی بات کہی تھی وہ ذہنی طور پر ہرگز بھی ایسی کسی بات کے لئے تیار نہیں تھا۔ مگر ان کی بوڑھی آنکھوں کی وہ التجا، وہ ان کے کانپتے لبوں کی درخواست، وہ موت سے چند قدموں کی دوری پر کھڑے ان کی شاید آخری خواہش، وہ اس مرتی ہوئی بوڑھی بیمار عورت کو ''ناں'' نہیں کہہ پایا تھا۔ اگر ناں کہہ دیتا تو وہ اور سب کچھ ہو سکتا تھا مگر عباد عذیر نہیں۔

وہ اپنے ماما، پاپا کی اجازت، ان کی موجودگی کے بغیر اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ ہرگز نہیں کرنا چاہتا تھا مگر موت کی طرف لحظہ بہ لحظہ قدم

بڑھاتی اس بوڑھی عورت کے پاس وقت ختم ہو رہا تھا۔ اہسپتال سے نکل کر نکاح کے کسی بھی انتظام سے قبل اس نے سب سے پہلے اپنے پاپا کو فون کیا تھا، ایک بار نہیں نجانے کتنی بار۔ ایک بار کے بعد انہوں نے اپنا سیل آف کر دیا تھا، گھر کے فون پر اس سے بات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے پھر اپنی ماما کو فون کیا تھا۔ شکر تھا انہوں نے اس کی ساری بات بہت تحمل سے سنی تھی۔ اس نے تفصیل سے انہیں ساری صورتحال بتائی تھی اور انہوں نے بغیر اسے ٹوکے خاموشی سے اس کی پوری بات سنی تھی۔ وہ اس کی بات سننے کے بعد بھی خاموش تھیں۔

''جو میں کر رہا ہوں وہ ٹھیک ہے مما؟'' وہ ان کی خاموشی سے بے چین ہوا تھا۔ وہ ماں تھیں اور اتنی دوری درمیان میں حائل ہونے کے باوجود بھی صرف آواز سے بیٹے کی پریشانی اور اس کا اضطراب جان گئی تھیں۔ وہ نرم لہجے میں اس سے کہہ رہی تھیں۔

''میں اس لڑکی کو نہیں جانتی، میں اس کی فیملی کو بھی نہیں جانتی، مگر میں اپنے بیٹے کو جانتی ہوں۔ اگر وہ ہمارے بغیر کسی سے نکاح کرنے جا رہا ہے تو یقیناً اس کے پاس ایسا کرنے کی بہت ٹھوس وجوہات ہوں گی۔ مجھے اپنے بیٹے پر یقین ہے کہ وہ کبھی کوئی غلط قدم نہیں اٹھا سکتا۔''

باپ کی پیہم بے اعتباری اور بدگمانیوں سے زخم زخم ہوئے اس کے وجود پر جیسے ماں کے ان الفاظ نے مرہم رکھ دیا تھا۔ ماں کو اس پر بھروسہ ہے، اعتبار ہے، یقین ہے، وہ خود کو کہیں آسمانوں پر اڑتا محسوس کرنے لگا تھا۔ اس میں یکدم ہی بہت حوصلہ، بہت ہمت اور بہت جرأت پیدا ہو گئی تھی۔

''آپ مجھے اس نکاح کی اجازت دے رہی ہیں مما؟'' اس نے ان سے پوچھا تھا اور انہوں نے جواب میں اسے ہاں کہاں تھا۔

''آپ مجھ سے ناراض تو نہیں؟''

''نہیں عابی! مما کی جان۔ مما تم سے کیسے ناراض ہو سکتی ہیں بیٹا؟'' انہوں نے بڑی نرمی اور بے پناہ محبت سے اسے جواب دیا تھا۔

''عابی! مما جان۔'' انہیں جب بھی اس پر زیادہ پیار آ رہا ہوتا وہ اسے یونہی مخاطب کرتی تھیں اور ان کا ایسا کہنا اسے بچپن سے ہی بہت اچھا لگا کرتا تھا۔

''میں آپ سے بہت پیار کرتا ہوں مما۔''

''مجھے پتہ ہے بیٹا۔''

''میں پاپا سے بھی بہت پیار کرتا ہوں۔'' انہیں یہ بات بھی پتہ تھی، مگر اس بار وہ جواب میں چپ رہی تھیں۔

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولیں تو ان کا لہجہ ان کی پریشانی کی چغلی کھا رہا تھا۔ اپنی فکر اور پریشانی کا اس سے اظہار کیے بغیر وہ اسے اس بات کا یقین دلا رہی تھیں کہ وہ پاپا کو سمجھانے، قائل کرنے اور ان کی اس سے ناراضی دور کروانے کی پوری کوشش کریں گی۔

اپنی مما سے بات کر کے اس نے بے تحاشا سکون اور اطمینان محسوس کیا تھا۔

انہوں نے ''مگر میں اپنے بیٹے کو جانتی ہوں، مجھے یقین ہے وہ کبھی کوئی غلط کام نہیں کر سکتا۔'' کہہ کر اس کا مان بڑھایا تھا۔ اسے اس کی اپنی نگاہوں میں معتبر کیا تھا۔ اپنی مما کی طرف سے اعتبار اور اعتماد پا لینے کے باوجود اسے اپنے پاپا کی فکر تھی جو اس سے پچھلے کئی ماہ سے بات کرنے سے انکاری تھے۔ ہار مان کر اس نے پاپا کو E-mail کی تھی۔ ایک بہت طویل E-mail جس میں پوری تفصیل سے اس نے یہ سب لکھا تھا کہ اسے کن

حالات کے تحت ان کے بغیر عجلت میں ایسا فیصلہ کرنا پڑ رہا تھا۔

''پاپا! میں آپ کے اور مما کے بغیر زندگی کا ایسا کوئی فیصلہ کرنے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ آپ کی اجازت، آپ کی رضامندی اور سب سے بڑھ کر اس موقع پر آپ کی موجودگی تو میرے لئے انتہا سے زیادہ ضروری تھی، اہم تھی۔ مگر میں کیا کروں پاپا؟ ایک مرتی بوڑھی عورت مجھ سے ایک التجا کر رہی ہے، میں انہیں ناں کیسے کہوں؟ جس لمحے وہ مجھ سے روتے ہوئے اس نکاح کے لئے التجا کر رہی تھیں اگر آپ وہاں موجود ہوتے تو کہتے کہ ''عابی! تم وہ فیصلہ کرو جو میرے بیٹے کو کرنا چاہئے۔'' پاپا! میرا یقین کریں میں نے اس مشکل ترین صورت حال میں وہی فیصلہ کیا ہے جو آپ کے بیٹے کو کرنا چاہئے تھا۔ میں، آپ، مما ہنی ہم سب تو یہاں رہیں گے پاپا! مگر کل شاید وہ عورت اس دنیا سے چلی جائے گی۔ اس بوڑھی عورت کے پاس اس دنیا میں شاید چند گھنٹے ہی اور ہیں، اگر میں نے ان کی التجا کو رد کر دیا اور وہ دنیا سے نامراد رخصت ہو گئیں تو میں عمر بھر احساس جرم میں مبتلا رہوں گا۔ پاپا۔ پاپا! پلیز مجھ سے ناراض مت ہوں۔ پلیز...... پاپا! میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں، میرا یقین کریں، میری محبت کا یقین کریں۔ میں بدلا نہیں ہوں پاپا، میں آپ کا وہی عابی ہوں۔

کاش آپ فون پر مجھ سے بات کر لیتے، کاش آپ فون پر میری بات سن لیتے۔ میں آپ کے پاس جلدی آؤں گا پاپا۔ بہت جلدی۔ آپ چاہے جتنے بھی ناراض ہوں میں آپ کو منا لوں گا۔ میں آپ کو خود سے ناراض تو ہرگز نہیں رہنے دوں گا۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ یہ ای میل پڑھنے کے بعد آپ ساری صورتحال سمجھ جائیں، آپ مجھ سے ناراض ہوں ہی نہیں۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو...... پاپا! آپ کا عابی آپ سے بہت، بہت پیار کرتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ پاپا بھی اسے بہت، بہت، بہت پیار کرتے ہیں اور وہ اپنے عابی سے زیادہ دیر خفا رہ ہی نہیں سکتے۔

''آپ کو بے حساب پیار کرنے والا آپ کا عابی۔''

مگر اس کے گمان غلط ثابت ہو گئے تھے۔ پاپا ای میل پڑھنے کے بعد اس سے شدید ترین انداز میں ناراض ہو گئے تھے۔ مما ان کے ممکنہ ردعمل اور غصے سے خائف تھیں، پتہ نہیں اس کے نکاح کی بات مما نے انہیں بتائی تھی یا انہوں نے اس کی ای میل میں پڑھی تھی۔ وہ پچھلے تین ماہ میں انہیں ان گنت ای میلز کرتا رہا تھا، ان کی ناراضی ختم کرنے کے لئے، انہیں منانے کے لئے۔ مگر اس کی کسی میل کا وہاں سے کبھی کوئی جواب نہ آیا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ آیا پاپا اس کی E-mail پڑھتے بھی ہیں یا پڑھے بغیر محض اس کا نام دیکھ کر انہیں Delete کر دیتے ہیں۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا اس کی یہ آخری E-mail پڑھ کر بھی وہ اس سے اس طرح ناراض ہو سکتے تھے۔ اس میں تو اس نے اپنا دل نکال کر ان کے سامنے رکھ دیا تھا۔

وہ اس E-mail کو ٹائپ کرتے، پاپا کو اپنی محبت کا یقین دلاتے حقیقتاً رویا تھا۔ ایسا کس طرح ممکن تھا کہ جو لفظ اس نے اس طرح روتے ہوئے لکھے تھے وہ پاپا کے دل کو چھوئے بنا گزر گئے تھے؟ اسے لگ رہا تھا کہ شاید پچھلی تمام میلز کی طرح انہوں نے اس کی یہ E-mail بھی نہیں پڑھی تھی۔ شاید انہیں مما ہی نے اس کے نکاح کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کے جان سے عزیز پاپا اس سے ناراض تھے، وہ اس سے اپنا ہر رشتہ، ہر تعلق ختم کرنے کی بات کر رہے تھے؟ اسے دنیا کی کوئی چیز اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

وہ رات بھر جاگتا رہا تھا، وہ ایک پل کے لئے بھی پلکیں جھپکا نہیں سکا تھا۔ وہ بے سمت سڑکوں پر چلے جا رہا تھا۔

''آج کے بعد کبھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا، کبھی میرے سامنے مت آنا۔''

''پاپا! اپنے عابی سے یوں خفا مت ہوں پاپا! اس طرح مت بولیں پاپا۔''

منہ ہی منہ میں ان لفظوں کی تکرار کرتا وہ پتہ نہیں چلتے چلتے کتنی دور نکل آیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اڑ کر اپنے پاپا کے پاس پہنچ جائے۔ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دے، ان کے سینے سے لگ جائے، ان سے اپنی ہر غلطی کی معافی مانگ لے۔ مگر کیا وہ اس کی کوئی بات اب سنیں گے؟ رات پاپا کی باتوں سے، ان کے لہجے کی سختی اور قطعی انداز سے اس نے سمجھ لیا تھا کہ اب وہ اس کے معافی مانگنے، منانے یا مما کے سمجھانے سے بھی نہیں مانیں گے۔ انہیں غصہ کم آتا تھا، وہ اپنے غصے کا اس طرح اظہار، جیسے انہوں نے رات کو کیا تھا بہت کم کرتے تھے مگر جب انہیں غصہ آتا، جب کسی بات پر وہ اس طرح ردعمل ظاہر کرتے تو پھر انہیں منانا آسان نہ ہوتا تھا۔ اس سے وہ اس طرح پہلی بار ناراض ہوئے تھے اور وہ انہیں سمجھتا تھا۔

اسے اچھی طرح پتا تھا اب اگر وہ کراچی جا کر ان کے پاؤں پکڑ کر بھی ان سے معافی مانگے وہ اسے ہرگز معاف نہیں کریں گے۔ اس بات کو سوچتے اسے انکل طارق کا خیال آیا تھا، اسے انوشہ کا خیال آیا تھا۔ اس کے تایا، اس کی کزن، وہ اس معاملے میں فریق تھے۔ اگر وہ بجائے کراچی جانے کے پہلے دبئی انکل طارق کے پاس چلا جائے؟

اب اسے انکل طارق اور انوشہ کو ساری بات بتانی ہی ہوگی۔ اس کی اپنے تایا کے ساتھ بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ تھی وہ اسے اپنا بیٹا کہتے تھے، وہ اسے بہت چاہتے تھے۔ اسے پوری امید تھی وہ اس کی وضاحت ضرور سنیں گے اور اس کا ساتھ بھی دیں گے۔ وہ اس کے پاپا کے بڑے بھائی ہیں، بڑے بھائی بھی وہ، جن کا پاپا حد سے زیادہ احترام کرتے ہیں، پاپا اسے یا مما کو ڈانٹ کر ان کی بات سننے سے انکاری ہو سکتے ہیں مگر اپنے بڑے بھائی کی نہیں۔ جس بھائی اور بھتیجی کے سامنے ممکنہ شرمندگی کے خیال سے پاپا اتنے برہم ہیں جب وہ ان کے بھائی کو اپنے ساتھ لے کر کراچی اپنے گھر پاپا کے سامنے پہنچے گا تو صورتحال بہت مختلف ہوگی۔ پھر پاپا کو اس کی بات سننی پڑے گی۔

پھر پاپا کو انکل طارق کی بات سننی پڑے گی۔

اگر وہ اس کے ساتھ کراچی پاپا کے پاس چلنے کے لئے تیار ہو گئے تو سارا مسئلہ حل ہو سکتا تھا۔

پاپا اس کی اور مما کی سنتے یا نہیں مگر انکل طارق اور انوشہ کی ضرور سنتے۔ اب اس کی آخری امید انکل طارق اور انوشہ تھے۔ بس وہی دونوں تھے جو پاپا کی اس سے ناراضی ختم کرا سکتے تھے۔ فیصلہ ہو گیا تھا۔ اسے انکل طارق اور انوشہ سے ملنے دبئی جانا تھا اور فوراً جانا تھا۔ اس کے بے سمت قدموں نے ایک سمت کا تعین کر لیا تھا اب وہ سب وے اسٹیشن کی طرف بڑھ رہا تھا۔

☆

اس نے نیویارک سے دبئی جانے کے لئے ٹکٹ خرید لیا تھا۔ اس کا ارادہ وہاں ایک یا دو روز قیام کرنے کا تھا۔ مگر یہ صورتحال پر منحصر تھا۔ انکل طارق اور انوشہ اس ساری بات پر کس ردعمل کا مظاہرہ کریں گے اس پر منحصر تھا۔ ابھی اسے خود معلوم نہیں تھا، وہ دبئی میں کتنے روز قیام کرے گا۔ اگر انکل طارق اس کی بات سمجھ گئے، انہوں نے بڑے ظرف اور بڑے دل کا ثبوت دیتے اسے اور پاپا دونوں کو معاف بھی کر دیا اور اس کی درخواست پر اس کے

ساتھ کراچی چلنے کے لئے تیار ہو گئے تب تو معاملہ بہت جلد حل ہو جانا تھا۔لیکن اگر اس کی توقعات، خواہشات اور امیدوں کے مطابق ایسا نہ ہو پاتا تب بھی اسے کراچی مما، پاپا کے پاس ہر حال میں جانا ہی تھا۔

اسی لئے اس نے دبئی سے کراچی جانے کے لئے بھی ایک ٹکٹ خرید لیا تھا، سیٹ ابھی بک نہیں کرائی تھی۔مگر نیویارک سے دبئی تک کے لئے تو اسے ابھی سیٹ کنفرم کرانی تھی، اس نے جس ایئر لائن سے نیویارک سے دبئی تک کے لئے ٹکٹ خریدا تھا، اسے خرید اہی اس شیڈول کو جان لینے کے بعد تھا کہ اس کی ہفتے میں تین فلائٹس ہوتی ہیں نیویارک سے دبئی کے لئے۔وہ جلد سے جلد دبئی پہنچ جانا چاہتا تھا۔

آج پیر کا دن تھا، اس میں تو اسے سیٹ ملنے کا امکان ہی نہ تھا۔دوسری دو دن بعد تھی اور تیسری ہفتے کے آخری دن اتوار کی رات کو۔ان دونوں فلائٹس میں اسے سیٹ مل رہی تھی۔وہ جلد سے جلد دبئی پہنچ جانا چاہتا تھا، مگر نجانے کیوں یکدم ہی ہنیا کی خوفزدہ اور سہمی ہوئی آوازیں اس کانوں میں گونجی تھی۔

''عابی! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔اگر میں سو گئی تو تم کہیں چلے جاؤ گے۔''

بہت دیر کے بعد اچانک ہی اسے ہنیا یاد آئی تھی، وہ اسے گھر پر اکیلا چھوڑ کر آیا ہوا ہے یہ یاد آیا تھا، وہ اسے اکیلا چھوڑ کر چلے جانے والا ہے یہ یاد آیا تھا۔

''مجھے آج کل اتنے ڈراؤنے خواب آتے ہیں عابی۔''میں تنہا ہوتی ہوں، تم میرے ساتھ نہیں ہوتے۔''اس کے کانوں میں یک بارگی اس کی روتی ہوئی آواز گونجنے لگی تھی۔

''عابی! ایک بہت ویران جگہ تھی شاید کوئی جنگل۔وہاں بہت اندھیرا تھا۔میں وہاں بالکل اکیلی تھی۔میں تمہیں بہت آوازیں دے رہی تھی۔تم وہاں نہیں تھے عابی۔''وہ اسے یہاں تنہا چھوڑ کر جا رہا تھا نجانے کتنے دنوں کے لئے۔اسے خود معلوم نہیں تھا وہ کب واپس آئے گا۔اتنا طے تھا اب وہ پاپا کو منائے بغیر یہاں واپس نہیں آتا۔وہ کب واپس آئے گا۔چاہے اس کام میں اسے کتنے دن، کتنے ہفتے یا کتنے مہینے ہی کیوں نہ لگ جائیں، اب پاپا کی ناراضی ساتھ لئے وہ نیویارک کی سرزمین پر ہرگز قدم نہیں رکھے گا۔کل ہنیا کی ماں جیسی دادی اسے چھوڑ گئی تھیں اور آج سے دو دن بعد وہ بھی اسے تنہا چھوڑ جائے؟ نجانے کتنے سارے دنوں کے لئے، وہ بھی اس وقت جب وہ جذباتی طور پر اتنی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔خود کو اتنا تنہا اور کمزور محسوس کر رہی ہے؟ فوراً جانے کی شدید ترین خواہش رکھنے کے باوجود وہ خود کو صرف دو دن بعد ہنیا کو اکیلا چھوڑ جانے کے لئے آمادہ نہ کر پایا۔

وہ ہنیا کو اس حالت میں، اتنی جلدی اس طرح اکیلا چھوڑ کر کس طرح جا پائے گا۔اس کے پیچھے تنہا رو رو کر وہ تو خود کو بیمار کر ڈالے گی۔ایک ہفتہ بھی گو قلیل ہی مدت تھی مگر وہ کوشش کرے گا کہ ان سات دنوں میں ہنیا خود کو سنبھال لے، اس کے جانے کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لے۔وہ شاید بہت سارے دنوں کے لئے اس سے دور جانے والا تھا، چاہتا تھا وہ خود کو اس کے جانے کے لئے پوری طرح تیار کر لے، اس کے جانے کے بعد تنہا رہنے کے لئے اپنے آپ کو پوری طرح آمادہ کر لے۔اس نے اتوار کی رات کی سیٹ کنفرم کرالی تھی۔

وہ گھر واپس آیا تو کیتھی اور مائیک ہنیا کے پاس آئے بیٹھے تھے۔وہ کل رات ہنیا کو یہاں لاتے وقت اس کی آنسرنگ مشین پر بھی ہنیا کی

اپنے گھر موجودگی کا پیغام معہ اپنے گھر کے پتے اور فون نمبر کے چھوڑ آیا تھا اور ہنیا کی بلڈنگ کے کیئر ٹیکر کے پاس بھی یہ تمام اطلاعات دے آیا تھا۔ سو ہنیا اور ماما جانی کے وہ تمام جاننے والے جنہیں ان کی وفات کا آج پتہ چلا تھا وہ عباد کے اپارٹمنٹ ہنیا سے تعزیت کرنے آ رہے تھے۔

آمد و رفت اور فون پر تعزیت کا یہ سلسلہ تقریباً پورا دن چلتا رہا تھا۔ رات کے وقت کہیں جا کر وہ ہنیا کے ساتھ اکیلے بیٹھ پایا تھا۔ وہ اسے بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس لیے سب کے چلے جانے کے بعد وہ اسے کمرے میں لے آیا تھا۔



رات وہ جس صدماتی کیفیت میں تھی، جس جذباتی شکست وریخت کا شکار تھی ایسے میں اس کا دھیان ہی نہیں گیا تھا اس کمرے کی کسی بھی چیز پر۔ یہ عباد کا بیڈروم تھا۔ وہ کل رات اسی کمرے میں سوئی تھی مگر اس نے کمرے کی کسی بھی چیز پر غور نہیں کیا تھا۔ وہ عباد کے اپارٹمنٹ بہت آتی رہتی تھی مگر اس کے بیڈروم میں کبھی نہیں آئی تھی۔ پتہ نہیں اس نے اپنے کمرے میں یہ تصویریں کب لگائی تھیں، کمرے میں داخل ہونے پر اپنی اور عباد کی مشترکہ تصویر کو اس کی بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھا دیکھ کر اس نے سوچا تھا۔ بیڈ کی دائیں طرف والی میز پر عباد کے مما، پاپا کی مشترکہ تصویر تھی، بہت خوبصورت بڑی اچھی سی تصویر، خوبصورت سے فریم میں لگی ہوئی اور بائیں طرف والی میز پر ان دونوں کی تصویر لگی تھی۔

کرسمس ایو پر کیتھی کے گھر پر پارٹی سے واپس آتے انہوں نے اس اسٹور کے اندر کھڑے ہو کر وہاں کے اٹالین کیشئر سے جو اپنی مشترکہ تصویر کھنچوائی تھی، وہ والی تصویر جس کے بیک گراؤنڈ میں برف باری ہوتی نظر آرہی تھی، وہ منک کوٹ اور ہیٹ پہنے کھلکھلا کر ہنس رہی تھی اور عباد بلیک اوورکوٹ اور مفلر کے ساتھ نک سک سے سجا سنورا بے پناہ ہینڈسم لگ رہا تھا۔

وہ تصویر واقعی بہت اچھی آئی تھی۔ اس میں وہ دونوں بہت خوش اور بہت اچھے لگ رہے تھے۔ کیتھی کے گھر پارٹی میں اور پارٹی کے بعد راستے میں کھینچی تمام تصاویر عباد نے اسے بعد میں دکھائی تھیں مگر اسی اسٹور میں جو اس کی اکیلے ایک تصویر عباد نے خود کھینچی تھی وہ اس کے بہت اصرار پر بھی اس نے اسے کبھی نہیں دکھائی تھی۔ نجانے کس خفیہ مقام پر اس نے اسے چھپا رکھا تھا۔ بیڈ کے بالکل سامنے والی دیوار پر اس نے ایک اور مزے دار سی حرکت کر رکھی تھی۔ اس نے دیوار پر انلارج کروا کر اپنے مما، پاپا کی، ہنیا کی اور اپنی ایک مشترکہ تصویر لگا رکھی تھی۔

خوبصورت سے گولڈن فریم میں لگی بڑی تصویر، جس کے دائیں جانب والے کونے پر گولڈن ہی کلر کے ابھرے ہوئے حروف میں My Family کے الفاظ کندہ کرائے گئے تھے۔ جو یہ بات جانتا نہ ہو کہ ہنیا اپنی زندگی میں آج تک کبھی عباد کے والدین سے ملی نہیں ہے، وہ اس تصویر کو دیکھ کر ایک لمحے کے لئے بھی یہ شک نہیں کر سکتا تھا کہ یہ ایک تصویر نہیں بلکہ دو الگ الگ تصاویر ہیں اور انہیں جدید کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی مدد سے ایک بنا گیا ہے۔ ان دونوں کی وہ تصویر کیتھی کے گھر کی تھی جو انہوں نے کیتھی ہی سے کھنچوائی تھی۔ وہ فل میک اپ کیے، بلیک ویلوٹ کے سوٹ میں، عباد بلیک ڈنر سوٹ میں۔ پتا نہیں ان دونوں کے کپڑوں کا رنگ اس نے تبدیل کیا تھا یا جو تصویر اس نے اپنے مما، پاپا کی منتخب کی تھی اس میں انہوں نے اسی رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔

بیک گراؤنڈ پورا پلین تھا، مرون کلر کا۔ جبکہ اس کی اور عباد کی جو حقیقی تصویر تھی اس میں اس کے اور عباد کے پیچھے بیک گراؤنڈ میں پارٹی میں شریک چند افراد نظر آرہے تھے۔

ایسا لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ کسی کمپیوٹر سافٹ ویئر کا کرشمہ ہے، وہ تصویر حقیقتاً ایک ہی تصویر لگ رہی تھی۔ تصویر تو اچھی لگی ہی تھی، مگر اس سے بھی زیادہ اچھے My Family کے الفاظ لگے تھے۔ عباد نے اسے نہیں بتایا تھا، نہیں دکھایا تھا مگر شاید اس نے یہ تصاویر کرسمس ایو کے بعد دسمبر کے آخری دنوں ہی سے یہاں لگا رکھی تھی۔

عباد کے بیڈروم میں اپنی تصویروں کو دیکھ کر اسے یوں لگا جیسے وہ یہاں آئی تو اب ہے مگر یہاں پر موجود بہت پہلے سے تھی۔ عباد بیڈ پر بیٹھ

چکا تھا، اس نے اسے بھی اپنے برابر بٹھا لیا تھا۔ وہ اس وقت کافی پرسکون اور مطمئن نظر آ رہا تھا۔ وہ کل رات یا آج صبح کی طرح Tensed نہیں تھا۔ وہ اس کی طرف بغور دیکھ رہی تھی۔ وہ صبح کہاں گیا تھا، اس نے ابھی تک ہنیا کو بتایا نہیں تھا۔ بتانے کی مہلت ہی نہ ملی تھی۔ وہ اس کے چہرے پر کچھ کھوج رہی تھی۔ ''کیا دیکھ رہی ہو؟''

''تمہارے چہرے پر پھیلا اطمینان۔ ایسا لگ رہا ہے تم کوئی فیصلہ کر چکے ہو اور اس پر بہت مطمئن ہو۔''

''میرا چہرہ کب سے پڑھنا شروع کیا؟'' وہ اس کے درست اندازے پہ مسکرایا۔

''جب سے تم سے محبت کرتی ہوں تب سے عباد عذیر۔''

''اوہ تو گویا یہ سلسلہ خاصا قدیم ہے۔ کیونکہ تمہیں تو مجھ سے محبت تب سے ہے جب۔''

''جب ابھی یہ دنیا ہی بھی نہیں تھی۔'' عباد کا جملہ اس نے مکمل کر دیا تھا۔

''بہت دنوں کے بعد ایسی باتیں کر رہی ہو اس لئے بہت اچھی لگ رہی ہو۔''

''تمہارا حوصلہ ہے ورنہ اس حلیئے میں، میں کسی ہوش مند آدمی کو اچھی لگ نہیں سکتی۔''

وہ رو رو کر اسے بہت پریشان کر چکی تھی، اگر اس وقت وہ کسی بھی وجہ سے کچھ مطمئن اور پرسکون تھا تو وہ اس اطمینان کو قائم دیکھنا چاہتی تھی۔ کتنے دنوں بعد اس نے اس طرح ہلکے پھلکے انداز میں اس سے بات کی تھی۔

عباد اسے اتنے بہت سارے دنوں بعد اس کے پرانے انداز میں بولتا دیکھ کر طمانیت اور سرشاری سے مسکرایا۔ اس نے اسے اب بغور دیکھا۔ وہ اسے بہت تھکی ہوئی نڈھال اور کمزور لگ رہی تھی۔ اس نے پرسوں ہسپتال میں جو لباس پہنا ہوا تھا، وہی لباس اس وقت بھی پہنا ہوا تھا۔ کل اسے اس کے گھر سے لاتے وقت اسے یہ دھیان ہی نہیں رہا تھا کہ ہنیا سے کہتا کہ وہ اپنے چند جوڑے ساتھ لے لے۔ آج دن میں بھی اسے ایک بار بھی اس بات کا خیال نہیں آیا تھا اور نہ اس کے گھر جا کر اس کے کچھ کپڑے اور ضرورت کا دوسرا سامان اسے لا دیتا۔ اسے خود پر افسوس ہوا۔

''مجھے خیال نہیں رہا، میں گھر سے تمہارے کچھ کپڑے لے آتا۔''

''ہاں کپڑے نہیں تھے اس لئے صبح نہا کر مجھے دوبارہ یہی کپڑے پہننے پڑ گئے۔ اس وقت اتنی تھکن ہو رہی ہے، نہانے کا دل چاہ رہا ہے، مگر نہا کر دوبارہ یہ کپڑے پہنتے تو اب خود گھن آ رہی ہے۔ ایسا لگ رہا ہے اس وقت تو کوئی مجھے اپنے ساتھ بٹھانا بھی پسند نہیں کرے گا۔''

وہ اس کی بات پر ہنسا تھا۔

''خیر، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے ہنیا سجاد۔ آپ میرے برابر میں بیٹھی ہیں اور مجھے آپ کا اپنے پاس بیٹھنا بہت اچھا لگ رہا ہے۔''

''تمہاری بات الگ ہے۔ تم پاگل ہو۔ میں دوسرے نارمل لوگوں کی بات کر رہی ہوں۔''

''واہ یہ اچھا ہے۔ جو تم سے محبت کرے گا وہ پاگل کہلائے گا۔''

وہ مصنوعی ناراضی سے بیڈ پر سے اٹھا اور اپنی وارڈروب کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے اس میں سے اپنی ایک ٹی شرٹ اور ایک ٹریک سوٹ کا

ٹراؤزر نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

''اس وقت اس سے کام چلا لو۔''

''تمہارے کپڑے؟ پتہ ہے کتنے بڑے ہوں گے یہ مجھے۔ کارٹون لگوں گی میں ان میں۔'' اس نے متامل سے انداز میں اسے دیکھا۔

''سوواٹ؟ یہاں ہم دونوں کے علاوہ کون ہے جسے تم بقول تمہارے کارٹون لگو گی۔ جبکہ مجھے تو تم ابھی ابھی پاگل ڈکلیئر کر ہی چکی ہو تو مجھ پاگل کو تو تم یقیناً اپنے کپڑوں میں بھی بہت اچھی بہت حسین ہی لگو گی۔''

وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ اس نے عباد کے ہاتھ سے کپڑے لے لئے تھے۔ وہ واقعی اس وقت نہا کر تازہ دم ہونا چاہتی تھی۔ اس کا شیمپو اور اس کا صابن استعمال کرنے کے بعد اس نے اس کے کپڑے پہن لئے۔ اس ڈھیلے ڈھالے اور اپنے سائز سے کہیں بڑے لباس میں وہ خود کو کارٹون ہی لگ رہی تھی۔ بہر حال تولئے میں اپنے بالوں کو لپیٹے اس کی گرے ٹی شرٹ اور بلیک ٹراؤزر پہنے وہ باتھ روم سے نکل آئی تھی۔

وہ بیڈ پر نیم دراز کچھ سوچ رہا تھا، اس کی نگاہیں سامنے دیوار پر لگی تصویر کی طرف تھیں۔ باتھ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اسے یکدم ہی اس بات کا پہلی بار دھیان آیا تھا کہ اب وہ صرف اس کا محبوب نہیں اس کا شوہر بھی ہے۔ وہ اس کے ساتھ مضبوط، اتنے اٹوٹ رشتے میں بندھ چکی۔ ایک پل کے لئے خود غرض ہو کر سوچے تو اب عباد کے پاپا بھی انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے، ان کے رشتے کو ختم نہیں کروا سکتے۔

اس پل دل میں ابھرتا یہ خیال دل کو وہ خوشی، وہ اطمینان اور وہ سکون دے گیا تھا جو اس سے پہلے اس نے کبھی محسوس کیا ہی نہیں تھا۔ اسے اس پل ماما جانی پر پیار آیا تھا۔ وہ انہیں ایسا کرنے سے روک رہی تھی۔ لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتیں، اگر وہ عباد سے ان کے نکاح کی بات نہ کرتیں، پھر نجانے کیا ہوتا۔

زندگی جتنی بھی ڈراؤنی کہانیاں سنا رہی تھی، آنے والے کل کے جتنے بھی اندیشوں کو جگا رہی تھی پر اس لمحے کی سچائی تو ان کے بیچ یہ مضبوط یہ اٹوٹ رشتہ تھا۔ وہ پتا نہیں اس پل کیا سوچ رہا تھا مگر وہ مسکرا کر اسے دیکھ ضرور رہا تھا۔ وہ آنکھوں میں محبت بھری چمک لئے صرف اور صرف اسے دیکھ رہا تھا۔

وہ دوسری طرف گھوم کر بیڈ کے دوسرے کنارے پر جانا چاہتی تھی مگر عباد نے بیڈ پر کچھ دور کھسکتے اس کے لئے اپنے برابر میں جگہ بنا دی تھی۔ وہ فوراً ہی اس کی اپنے لئے بنائی جگہ پر آ گئی تھی۔ اس کا شیمپو استعمال کر کے، اس کے کپڑے پہنے اسے پہلے ہی اس کی خوشبو اپنے وجود میں پھیلتی محسوس ہو رہی تھی اور اس وقت اس کی بانہوں کے حصار میں آئی تو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے دل، دماغ اس کے سارے وجود یہاں تک کہ اس کی روح تک کو بھی اس کی خوشبو نے اپنے گھیرے میں لے لیا ہے۔ اس وقت صرف یہی ایک خوشبو اس کے گرد تھی۔ اس کے سوا وہ کچھ بھی محسوس کر نہیں سکتی تھی۔ اس کے وجود کے اندر، اس کے وجود کے باہر، اس کے گرد ہر طرف بس صرف وہی ایک خوشبو تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ دنیا میں صرف وہ ہے، عباد حذیر ہے، ان کی محبت ہے، اس کے سوا دنیا میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کی دنیا اس ایک شخص سے شروع ہوتی تھی، اس کی دنیا اس ایک شخص پر

ہی جا کر ختم ہوتی تھی۔ سونے سے پہلے عباد نے اسے کیا کہا تھا۔

''ہنی! یہ رات میری زندگی کی سب سے خوبصورت رات ہے۔ میں دعا کرتا ہوں ہماری زندگی کی ہر رات اتنی ہی حسین ہو۔''

رات...... اسے بھی وہ رات بہت حسین، بہت خوبصورت لگی تھی۔ اپنی محبت کی تکمیل، اپنی محبت کی معراج لگی تھی۔ یوں لگا تھا آج وہ حقیقی معنوں میں پوری کی پوری اس کی ہوگئی تھی۔ وہ اس کی بانہوں کے حصار میں لبوں پر مسکراہٹ لئے بہت پرسکون، بہت گہری نیند سوگئی تھی۔ مگر صبح اٹھنے پر ایسا نہ تھا۔



صبح اس کی آنکھ پھولوں کی بھینی بھینی خوشبوؤں سے کھلی تھی۔ اسے سوتے میں عباد کا اپنے پاس سے اٹھنا، چلے جانا، پھر آنا اور کچھ سرہانے رکھنا سب محسوس ہوا تھا مگر وہ اتنی گہری، پرسکون نیند سو رہی تھی کہ اٹھنے کو جی ہی نہیں چاہا تھا۔ وہ اب نیند پوری کر کے دس بجے اٹھی تھی۔ اس کے سرہانے سرخ گلابوں کا ایک بہت خوبصورت گلدستہ رکھا تھا، اپنے قریب مہکتے ان گلابوں کی خوشبو ہی نے اسے اٹھنے پر مجبور کیا تھا۔ اس نے لیٹے لیٹے اس بوکے کو اٹھایا۔ اس پر لگے چھوٹے سے کارڈ پر Honey! I Love You لکھا ہوا تھا۔ وہ اس کارڈ کو پڑھ کر مسکرائی تھی۔ وہ اس کی لکھائی کو محبت سے دیکھ رہی تھی، وہ اس کی محبتوں سے مہکتے ان گلابوں کی خوشبو اپنے اندر اتار رہی تھی۔ مگر عباد کی محبتوں پر سرشار ہوتے، اس کی محبتوں کی پھوار میں بھیگتے اسے یکدم ہی یہ احساس ہوا کہ رات جو ہوا وہ ٹھیک نہیں ہوا۔ وہ ابھی نہیں ہونا چاہئے تھا۔

وہ اپنے شوہر کی من چاہی ہے مگر اس کے ساس سسر؟ انہوں نے تو ابھی اسے قبول نہیں کیا۔ ان کے اسے اپنی بہو تسلیم کر لینے سے قبل کل کی رات نہیں آنی چاہئے تھی۔

کاش اُن کے اسے قبول کر لینے کے بعد یہ رات آئی پھر اس حسین رات کی صبح وہ شرمندہ اور پشیمان تو نہ ہو رہی ہوتی۔ رات ایسا کچھ نہ لگا تھا مگر اب اٹھتے کے ساتھ ہی اسے شرمندگی اور ندامت نے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ ایسا لگ تھا جیسے کل رات اس نے عباد کے مما، پاپا سے ان کے بیٹے کو چھین لینے کی کوشش کی تھی۔

اپنی زندگی کی سب سے حسین رات کی صبح یوں پشیمانیوں سے ہونے پر اسے خود پر رونا آ رہا تھا، ترس آ رہا تھا۔

زندگی اچانک ہی اتنی مشکل کیوں ہوگئی تھی محبتوں اور خوشیوں کا اختتام بھی دکھوں ہی پر جا کر کیوں ہو رہا تھا؟

''گڈ مارننگ مسز ہنیا عباد'' وہ ناشتے کی ٹرے ہاتھ میں لئے ہنستا مسکراتا کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہ ابھی چند سیکنڈ ہوئے نہا کر باہر نکلی تھی مگر بجائے کمرے سے باہر جانے کہ وہ دوبارہ بیڈ پر ہی بیٹھ گئی تھی۔

اس نے سر اٹھا کر افسردگی سے عباد کو دیکھا۔ وہ ہنستا، مسکراتا بہت ہشاش بشاش اور بے تحاشا خوش اس کے سامنے کھڑا تھا۔ خوشی اور سرشاری اس کے ہر ہر انداز سے ہویدا تھی۔

''اصولی طور پر اب آپ کا یہی کام ہونا چاہیے۔'' ٹرے بیڈ پر رکھ کر وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ وہ مسلسل مسکرا رہا تھا۔ اس کے چہرے

پر اتنی بھرپور مسکراہٹ نجانے وہ کتنے عرصے بعد دیکھ رہی تھی۔

''تمہارے لئے صبح سے لگا ہوا ہوں، بہت اسپیشل ناشتہ بنایا ہے میں نے تمہارے لئے۔ یہ پین کیک، یہ چیز اور مشروم والا آملیٹ، یہ فروٹ ڈیلائٹ اور یہ رول۔ ویسے یہ رول میں نے نہیں بنائے مگر تمہارے لئے خاص طور پر بہت دور سے جا کر لایا ہوں۔ وہ بھی صبح صبح۔ دراصل اس بیکری کے یہ رول بہت ہی اچھے ہوتے ہیں اور اس کافی کو بھی کوئی عام سی روزانہ جیسی کافی مت سمجھنا۔ میں نے بڑی محنت سے بنائی ہے۔ میں تمہارے جاگنے کا انتظار کر رہا تھا تھوڑی دیر پہلے میں نے آ کر دیکھا تم نہا رہی تھیں میں نے کہا چلو جناب خاتون اٹھ گئی ہیں، جلدی جلدی سب چیزیں ٹرے میں لگائیں تا کہ ناشتہ آپ کی خدمت میں حاضر کیا جا سکے۔ اب تم کھا کر بتاؤ کون سی چیز زیادہ مزے کی ہے۔ ویسے کوئی چیز کم مزے کی بھی لگے تو یہ سوچ کر کھا لینا کہ ذائقہ نہ سہی پر اس میں میری ڈھیر ساری محبت تو شامل ہے۔''

وہ ہنستے ہوئے شوخ سے لہجے میں بول رہا تھا۔ وہ جواباً پھیکے سے انداز میں بدقت مسکرائی۔

''کیا ہوا یہ منہ اس طرح سے لٹکا ہوا کیوں ہے، پھول پسند نہیں آئے یا ناشتہ اچھا نہیں لگا؟''

وہ ابھی بھی کچھ غیر سنجیدہ ہی تھا، اسے ہنسانا چاہ رہا تھا۔ مگر وہ کوشش کے باوجود بھی اس کے موڈ کا ساتھ نہ دے سکی۔

''ہنی! کیا ہوا ہے؟'' وہ سنجیدہ ہوا تھا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ جو سوچ رہی تھی، جو محسوس کر رہی تھی، اسے کہنے کے لئے اسے لفظ نہیں مل رہے تھے۔

''اس طرح سے اداس کیوں ہو، کیا ہوا ہے؟'' وہ سنجیدہ نگاہوں سے اسے بغور دیکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں کو پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''کچھ نہیں ہوا عابی! بس شاید'' وہ اس سے نگاہیں تراتی کوئی جھوٹ بول کر اسے مطمئن کرنا چاہ رہی تھی مگر اس نے یکدم ہی اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھام کر اسے اپنی طرف دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھامے وہ سیدھا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

''مجھ سے جھوٹ مت بولو، اس لئے کہ تمہارے جھوٹ کا میں یقین نہیں کروں گا۔ سچ بولو کیا ہوا ہے؟'' وہ لبوں کو دانتوں سے کچلتی آنکھوں میں امڈ آنے والے آنسوؤں کو واپس پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرنے لگی۔

''عابی! کل رات۔'' وہ بولتے بولتے خاموش ہوئی۔ ''ابھی پاپا نے ہمارے رشتے کو قبول نہیں کیا۔ مجھے بہت۔'' وہ آگے جو بھی کہنا چاہتی تھی مگر عباد نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر اسے آگے کچھ بولنے نہیں دیا تھا۔

''یہ ہرگز مت کہنا ہنی! کہ تم گلٹی فیل کر رہی ہو۔ کل کی رات میری زندگی کی سب سے حسین رات تھی۔ میں اسے اپنی آخری سانسوں تک یاد رکھوں گا اور میں یہ سننے کے لئے ہرگز تیار نہیں کہ جو رات میری لئے اتنی خوبصورت اور اتنی یادگار تھی وہ تمہارے لئے ایک پچھتاوا ہے؟ میں تمہاری خوشی اور تمہارے دکھ دونوں کو پہچان سکتا ہوں اور کل رات میں نے تمہیں بہت خوش پایا تھا۔ تم سو گئی تھیں تمہارے چہرے پر مجھے تب بھی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی، تم پرسوں رات کی طرح بار بار ڈر کر اٹھی بھی نہیں تھیں۔''

''میں خوش تھی عابی لیکن۔'' عباد نے پھر اسے روک دیا تھا۔

''خوش تھیں، ہو نہیں؟''

''میں خوش ہوں، لیکن۔''

''یہ گھوم پھر کر ہر جملے کا اختتام لیکن پہ کیوں ہو رہا ہے۔ تم خوش ہو یا نہیں، کسی لیکن، اگر اور مگر کے بغیر جواب دو'' وہ اس بار جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

''میں بہت خوش ہوں عابی'' زبان دانتوں تلے دبا کر وہ لیکن بولتے بولتے خاموش ہوگئی تھی۔ وہ بہت دیر کے بعد مسکرایا تھا۔ وہ اس کے کہے بغیر بھی اس کی بات کا مفہوم سمجھ گیا تھا۔ جو وہ کہنا چاہ رہی تھی اور کہہ نہیں پا رہی تھی وہ اسے مکمل طور پر سمجھ چکا تھا۔ اس نے ناشتے کی ٹرے ان دونوں کے بیچ میں سے ہٹا کر کچھ دور رکھی تا کہ اس کے اور نزدیک ہو سکے۔

''ہنی! میں تم سے کچھ مانگوں مجھے دو گی؟'' اس نے اس کا چہرہ پھر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

''مجھے آج سے لے کر اتوار تک اپنی زندگی کے یہ چھ دن پورے کے پورے دے دو۔ میں اتوار کی رات دبئی جا رہا ہوں ہنی! انکل طارق کے پاس وہ پاپا کو منانے میں میری مدد کریں وہ مان جاتے ہیں تو بھی اور نہیں مانتے تو بھی وہاں سے پھر مجھے کراچی چلے جانا ہے۔ مجھے خود نہیں معلوم، میں وہاں کتنے دنوں کے لیے جا رہا ہوں مگر اتنا طے ہے ہنی! میں پاپا کو منائے بغیر وہاں سے واپس ہرگز نہیں آؤں گا۔ تمہیں وہ سارے دن میرے بغیر یہاں اکیلے گزارنے ہوں گے۔ تو اس سے پہلے کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ چھ دن جو ہمارے پاس ہیں ہم ان کے ہر ہر لمحے کو بھرپور انداز میں گزاریں۔ ان چھ دنوں میں ہم دنیا کی ہر ٹینشن بھلا دیں۔ کسی ایسی جگہ چلیں جہاں صرف تم ہو، میں ہوں۔ میں تمہیں اپنی زندگی کے چھ دن پورے کے پورے دے رہا ہوں۔ ان چھ دنوں میں میں تمہارے، علاوہ کسی کو نہیں سوچوں گا، کسی کو اپنے قریب دیکھنا نہیں چاہوں گا۔ تم بتاؤ کیا تم مجھے اپنی زندگی کے یہ چھ دن پورے کے پورے دے رہی ہو؟ دیکھو سوچ سمجھ کر وعدہ کرنا۔ وعدہ کر لینے کے بعد اگر ان چھ دنوں میں تم مجھے ایک بار بھی روتی ہوئی نظر آئیں، آج کی صبح کی طرح منہ لٹکا کر اداسی سے بیٹھی نظر آئیں تو میں تم سے سخت ناراض ہو جاؤں گا۔ بولو منظور ہے؟''

وہ چھ دن بعد جا رہا تھا، اس کا دل یک بارگی بہت زور سے دھڑکا تھا، وہ خوف سے کانپ سی گئی تھی۔

''میں تمہاری ہاں یا ناں کا انتظار کر رہا ہوں ہنی یا عباد! کیونکہ ان چھ دنوں کا آغاز آج کی صبح کے ساتھ ہو چکا ہے۔''

وہ اسے چھ دن بعد کیا ہوگا، سوچنے کا موقع نہیں دے رہا تھا، وہ تو فی الحال آج کی اور ابھی کی بات کر رہا تھا۔

''ہاں، ہاں ہاں۔'' اس کے سینے پر سر رکھ کر اس نے ہاں کی گردان کی۔

''صرف چھ دن نہیں، میں نے تمہیں اپنی پوری کی پوری زندگی دے دی ہے۔ اپنی زندگی کی ہر صبح، ہر شام اور ہر رات دے دی ہے۔''

''چلو ہنی! نیویارک سے باہر چلتے ہیں۔'' وہ اسے اپنے مضبوط بازوؤں کے حصار میں لے کر بولا۔

''کہاں؟'' اس کے سینے پر سر رکھے رکھے ہی اس نے پوچھا۔

''کسی خاموش اور پرسکون سی جگہ پر۔ جہاں فطری حسن ہو، ساحل ہو۔ میں ہوں، تم ہو اور ہمیں جاننے والا کوئی بھی شخص وہاں نہ ہو۔''

اس نے عباد کی بات مان لی تھی۔ واقعی، حقیقت تو آج کا دن اور یہ لمحات ہیں جن میں وہ جی رہے ہیں۔ کل تو ان دیکھا ہے، ابھی بہت دور اور ان سے چھپا ہے۔

ناشتے کے فوراً بعد وہ دونوں اٹھ گئے تھے۔ گھر سے اپنے کپڑے اور ضرورت کا کچھ سامان ساتھ لے کر عباد اسے اس کے اپارٹمنٹ لے آیا تھا تاکہ وہ وہاں سے اپنے کپڑے لے سکے۔ سوائے ڈاکٹر اینڈریو کے کسی کو بھی بتائے بغیر کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور کب واپس آئیں گے وہ دونوں ایئر پورٹ آ گئے تھے۔

وہ Carmel کے خوبصورت ساحلی شہر جا رہے تھے۔ عباد وقت ضائع کیے بغیر وہاں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ فوری طور پر انہیں ایک نجی ایئر لائن کی San Francisco جانے والی فلائٹ میں سیٹس مل رہی تھیں۔ عباد نے دو ٹکٹس خرید لئے تھے۔ تقریباً چھ گھنٹے کی فلائٹ کے بعد وہ San Francisco پہنچ گئے تھے۔ گھومنے پھرنے کے لئے یہاں پر بھی بہت کچھ تھا مگر چونکہ یہ ان کی منزل نہیں تھی۔ اس لئے وہاں سے ایک کار رینٹ کر کے اب وہ بائی روڈ Carmel جا رہے تھے۔ San Francisco سے بائی روڈ Carmel جانے کا اپنا ہی حسن تھا۔ راستہ خوبصورت سرسبز و شاداب اور آب و ہوا شاندار۔ جہاز کے سفر سے زیادہ ان دونوں کے لئے یہ سفر خوبصورت اور بھرپور تھا۔ عباد گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا، وہ دونوں میوزک سن رہے تھے، ساتھ بے تحاشا باتیں کرتے مسلسل چپس کے پیکٹس اور کوک کے کین خالی کیے جا رہے تھے۔ زندگی کی ہر الجھن، ہر اندیشہ، ہر پریشانی اور ہر خوف وہ نیویارک میں بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔

جگنوؤں سے بھر لیں آنچل

بیت جائے کہیں نہ یہ پل

کل جو ہو گا دیکھ لیں گے کل

عباد نے راستے میں نجانے کتنی بے شمار بار یہ گانا لگایا تھا۔ دو گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ Carmel پہنچ گئے تھے۔ San Francisco سے دو گھنٹے کی ڈرائیو پر Carmel، کیلی فورنیا کے مضافاتی علاقے میں ایک چھوٹا سا بے پناہ خوبصورت ساحلی شہر تھا۔ بڑے شہروں کے ہنگاموں اور شور شرابے سے وہ دور بقول عباد کے بنیا سجاد جیسی رومانٹک لڑکی کو لے جانے کے لئے پرفیکٹ جگہ تھی۔ Carmel اپنے خوبصورت ساحلوں، اپنی ہسٹری اور اپنے آرکیٹیکچر کی وجہ سے ہمیشہ سے ان Tourists کی فیورٹ Destination رہا تھا جو سکون اور خاموشی پسند کرتے تھے، اپنے گرد خوبصورت ساحل، صدیوں پرانی تاریخ کے واضح آثار وہاں کے آرکیٹیکچر کی صورت دیکھنا چاہتے تھے، یہ جگہ Artists کے لئے، رائٹرز کے لئے، میوزیشنز کے لئے بہترین رومانٹک جگہ تھی۔ 100 سال سے بھی قبل ابتدائی طور پر ساحل کے ساتھ جو کالونی آباد ہوئی وہ کہلاتی ہی Artists Colony تھی۔

یہاں آرٹ گیلریز بے شمار تھیں اور بہت خوبصورت تھیں اور یہاں پروفیشنل اور شوقیہ دونوں طرح کے مصور جا بجا مصوری کرتے دیکھے جا

سکتے تھے۔ آرٹ، آرٹسٹ اور آرکیٹکچر سب کچھ بے مثال تھا مگر Carmel کی سب سے بڑی خوبصورت بلاشبہ اس کے وائٹ (Beaches) بیچز تھے۔ حد نگاہ تک پھیلا سمندر، طویل اور خوبصورت ساحل جس کی ریت سفید اور بہت نرم و ملائم تھی دور سے شیشے کی طرح چمکتی Sand (White) ہوئی لگتی تھی۔ یہاں کی ایک اور خوبصورتی ساحل سے کچھ فاصلے پر درختوں کے پیچھے پیچھے اونچائی پر بنے Cottages تھے۔ جو کئی کئی سو سال قدیم اور بے حد خوبصورت آرکیٹکچر رکھتے تھے۔ ان میں کچھ Cottages ان لوگوں کی ذاتی ملکیت تھے جو شہر کے ہنگاموں سے گھبرا کر یہاں آنا پسند کیا کرتے تھے اور کچھ ان مقامی افراد کی، جو ان کاٹیج کو ٹورسٹ کو کرائے پر دیا کرتے تھے۔

ان کاٹیجز میں ایک کاٹیج ڈاکٹر اینڈریو کا اپنا تھا۔ نیویارک کے ہنگاموں سے دور یہاں وہ پرسکون ماحول کی تلاش میں چھٹیاں گزارنے آیا کرتے تھے۔

سال کے ان دو، تین چکروں کے علاوہ ان کا وہ کاٹیج خالی ہی رہا کرتا تھا۔ ہفتے میں ایک بار ایک مقامی عورت جسے انہوں نے وہاں کی چابی دے رکھی تھی اس کی صفائی کر جاتی تھی۔ عباد ایک پروجیکٹ کے سلسلے میں ان کے ساتھ لاس اینجلس آیا تھا اور وہاں اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ اسے اپنے ساتھ Carmel لے آئے تھے اور تب اسے فطری حسن میں گھرے، خوبصورت ترین اس چھوٹے سے فرنچ اسٹائل کاٹیج نے اپنا اسیر بنا لیا تھا۔ اونچے اونچے گھنے درختوں کے جھنڈ میں چھپا وہ کاٹیج دوسرے کاٹیج کی طرح ہی سمندر اور ساحل سے بالکل نظر نہیں آتا تھا مگر اونچائی پر بنے کاٹیج کے ہر حصے سے سمندر اور ساحل واضح نظر آتے تھے۔ اس گھر کی تعمیر میں لکڑی کا استعمال زیادہ تھا۔ وہ قدیم فرنچ آرکیٹکچر کا حسین شاہکار تھا۔ ایسے جیسے کسی اسٹوری بک میں موجود کس فیری ٹیل Fairy Tale میں ذکر ہوا کاٹیج۔

نیچے ایک کمرہ اور کچن تھا۔ کمرے میں آتش دان اور فرنیچر سب قدیم طرز کا تھا، اس کمرے کو لیونگ روم کہہ لیں یا ڈرائنگ روم اور اسی کمرے سے اوپر جاتی لکڑی کی گول سیڑھیاں تھیں جو اوپر موجود واحد کمرے پر جا کر ختم ہوتی تھیں۔ اوپر بس وہی ایک کمرہ تھا اور وہی بیڈ روم تھا۔ وہاں پر موجود بیڈ، الماری، کرسیاں سب قدیم وضع کی تھیں۔ اس کمرے کے باہر ایک بڑی سی بالکونی تھی، اس بالکونی کا دروازہ اس کمرے ہی سے کھلتا تھا۔ اس بالکونی کے سامنے دائیں، بائیں اطراف میں ہر طرف سرسبز و شاداب اونچے اونچے درخت ہی نظر آتے تھے اور ان درختوں کے پیچھے سے جھانکتا تا حد نگاہ پھیلا وسیع ساحل اور سمندر دیکھنے والے کو مبہوت کر دیا کرتے تھے۔ ڈاکٹر اینڈریو کے Cottage کے آس پاس دوسرے تمام Cottage بھی اسی طرح قدیم انداز تعمیر کے حامل اور بہت خوبصورت تھے اور ان کے مکین بھی یقیناً ڈاکٹر اینڈریو ہی کی طرح فطری حسن کے عاشق ہی تھے۔

سب سے اچھی بات یہ تھی کہ وہ تمام چھوٹے بڑے Cottages ایک دوسرے سے ہٹ کر، فاصلے پر تھے، Carmel کے ہوٹلز بھی کم خوبصورت نہ تھے مگر عباد کسی ہوٹل میں چاہے وہ کتنا ہی Luxurious کیوں نہ ہو، ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا۔ ہوٹل میں اس کی وہ خواہش کہ صرف ہم دونوں ہوں اور کوئی بھی نہیں۔ پوری نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ ہنیا کے ساتھ جس طرح بالکل تنہا یہ 6 دن گزارنا چاہتا تھا اس کے لئے یہ Cottage، یہ جگہ آئیڈیل تھی، بے انتہا رومانٹک تھی۔ یہاں خاموشی اور سکون تھا، مکمل پرائیویسی تھی۔ عباد نے Carmel آنے کا فیصلہ کیا ہی صرف ڈاکٹر اینڈریو کے اس Cottage کی وجہ سے تھا ورنہ جانے کو تو وہ دونوں کہیں اور بھی جا سکتے تھے۔ Carmel آنے کا طے کرنے کے ساتھ ہی عباد نے ڈاکٹر اینڈریو کو

فون کیا تھا۔ ڈاکٹر اینڈریو نے عباد کو اس کی شادی کی مبارکباد دیتے، بخوشی اسے اپنے کاٹیج کی چابیاں دے دی تھیں کہ وہ جب تک چاہے ان کے Cottage میں قیام کرلے۔ وہ راستے بھر بنیا کو اس Cottage کی خوبصورتی کے بارے میں بتاتا رہا تھا۔

''ممکن ہے وہ کاٹیج تمہیں کسی فائیو سٹار ہوٹل جیسا لگژریز نہ لگے، مگر مجھے وہاں کا سکون اور خاموشی بہت اپیل کرتی ہے۔ ہوٹلز کی بھیڑ بھا، شور شرابہ اس میں بھی بھلا کوئی سکون ہے، مزا ہے؟'' وہ اب اس سڑک پر پہنچ گئے تھے جس کے دونوں اطراف قطار در قطار اونچے اونچے درختوں کے جھنڈ اور ایک دوسرے سے تھوڑے فاصلے پر ایک ہی طرح کے قدیم آرکیٹکچر والے کاٹیجز موجود تھے۔ ان کاٹیجز کے مین گیٹ سڑک پر تھے، سمندر یقیناً پچھلی طرف تھا۔ اس چھوٹے سے Cottage کو باہر سے دیکھ کر ہی وہ اس پہ عاشق ہوگئی تھی، وہ واقعی کسی اسٹوری بک میں سے نکل کر اس کے سامنے آگیا تھا۔ یوں جیسے وہ آج اکیسویں صدی میں نہیں ہیں بلکہ سولہویں، سترہویں صدی میں کہیں جا پہنچے ہوں۔ مرکزی دروازہ بھی انتہائی مضبوط لکڑی ہی کا تھا اور اپنے انتہائی قدیم ہونے کی داستان سنا رہا تھا۔ گاڑی اس Cottage کے چھوٹے سے پورچ نما حصے میں کھڑی کر کے وہ دونوں اندر آگئے تھے۔

سمندر کا شور سنائی تو دے رہا تھا پر سمندر دکھائی ہیں دے رہا تھا۔ وہ اندر آکر اس ڈرائنگ روم لگتے چھوٹے سے کمرے کی کھڑکی پہ آکر کھڑی ہوئی تو پردے ہٹانے کے سات ہی اس کی خوشی سے بھری چیخ نکلی۔

پردے ہٹاتے ہی اسے درختوں کے پیچھے ٹھاٹھیں مارتا وسیع سمندر نظر آیا تھا۔ اس کا نیلگوں پانی جورات کے دھندلکوں میں ڈوب رہا تھا حسین تر لگ رہا تھا۔ یہ تمام Cottage جو اونچائی پر بنائے گئے تھے۔ ان کی پچھلی طرف سے باہر نکلتے تو درختوں کے بیچ ڈھلوانی راستے پر پتھروں کو تراش کر سیڑھیاں سی بنائی گئی تھیں، ان سیڑھیوں سے اتر کر اونچے نیچے سرسبز راستے پر دس، پندرہ منٹ چلتے تو ساحل پہ پہنچ جاتے۔ وہ مبہوت سی کھڑکی سے اس پار سمندر کو دیکھ رہی تھی، وہ مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے آکر کھڑا ہوگیا تھا۔

''خوبصورت ہے نا یہ جگہ؟''

''بہت زیادہ، تم جتنی تعریف کر رہے تھے اس سے بھی زیادہ۔ یہ سمندر یہ ساحل یہ خوبصورت Cottage یہ سمندر اور Cottage کے بیچ کا حسین راستہ یہ پتھر سے بنی سیڑھیاں، اس سے پرفیکٹ رومانٹک (Setting) سیٹنگ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔''

''چلو ساحل پہ چلتے ہیں۔''

''اس وقت؟'' اس نے گردن موڑ کر اپنی پشت پر کھڑے عباد کو دیکھا۔ وہ اس کے شانوں کے گرد بازو پھیلائے کھڑا تھا۔

''رات ہو رہی ہے۔'' 6 گھنٹے سے اوپر کی فلائٹ اور قریباً دو گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد انہیں یہاں پہنچتے رات ہو چکی تھی۔ کیلی فورنیا کا مقامی وقت نیویارک سے 3 گھنٹے پیچھے ہے، چنانچہ اس وقت جب نیویارک میں رات کے 11 بجے ہوئے تھے یہاں 8 بج رہے تھے۔

''رات کے وقت ساحل پر جانا منع نہیں ہوتا۔ کچھ دیر واک کریں گے، پھر کہیں پر ڈنر کر کے واپس آئیں گے۔''

اس کھڑکی سے کچھ ہٹ کر جو دروازہ تھا وہ دونوں اس دروازے سے باہر نکل آئے تھے۔ یہ Cottage کا پچھلا دروازہ تھا جو باہر اس

ڈھلوانی راستے کی طرف کھلتا تھا۔ وہ دونوں پتھروں کی خوبصورت تراش خراش کر کے بنائی گئی سیڑھیوں سے اتر کر نیچے آ گئے تھے۔ اونچی نیچی ناہموار گھاس پر سے ہوتے ہوئے ساحل کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ساحل تک پہنچ کر انہوں نے اپنے جوتے اور سینڈل اتار کر ایک طرف رکھ دیئے تھے اور ننگے پاؤں چلتے ساحل کی نرم، چکنی اور گیلی مٹی کا مزہ لینے لگے تھے۔ یہاں نیویارک جیسی سردی نہیں تھی۔ ایک آدھ سویٹر سے کام چلایا جا سکتا تھا۔ عباد نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لئے ساحل پر چہل قدمی کرنا چاہتا تھا۔ سمندر کا تلاطم، آتی جاتی لہروں کا شور، ساحل کی ٹھنڈی ہوائیں، یہ ٹورسٹ سیزن تھا مگر اس وقت چونکہ اندھیرا اچھل چکا تھا اس لئے ساحل پر ان کے علاوہ چند ہی افراد نظر آ رہے تھے۔ اسی وجہ سے وہاں خاموشی اور سکون بہت زیادہ تھا۔

''سردی تو نہیں لگ رہی؟'' کچھ دیر چلنے کے بعد عباد نے اس سے پوچھا تھا۔ اس کا اشارہ اس کے پیروں کی طرف تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

اسے ساحل کی نرم نرم گیلی ریت پہ چلنا اس پل بے انتہا اچھا لگ رہا تھا۔ وہ دونوں بہت دیر تک ساحل پر اسی طرح چہل قدمی کرتے رہے تھے۔ وہاں سے عباد اسے ڈنر کرانے ایک ریسٹورنٹ لے آیا تھا۔ ساحل سے ہٹ کر وہ سڑکوں پر آئے تو وہاں خوب رونق اور گہما گہمی تھی۔ ریسٹورنٹس، ہوٹلز اور آس پاس کی جگمگاتی دکانوں پر ٹورسٹس اور مقامی افراد کافی تعداد میں نظر آ رہے تھے۔ وہ بڑا خوبصورت سا ریسٹورنٹ تھا جہاں عباد اسے کینڈل لائٹ ڈنر کرانے لایا تھا۔ ان کا آرڈر کردہ کھانا انہیں سرو کر دیا گیا تب عباد نے اپنے سامنے رکھی خالی پلیٹ دور ہٹا کر اس کی پلیٹ میں اس کے ساتھ کھانا کھانا شروع کر دیا تھا۔ وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کے بجائے اس کے برابر والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔

دوسری میزوں پر بیٹھے افراد بغور عباد کو اور اسے دیکھنے لگے تھے۔ کچھ دلچسپی سے دیکھ رہے تھے، کچھ مسکرا کر عباد سب کی نگاہوں سے بے نیاز سکون اور اطمینان سے کھانا کھانے میں مصروف تھا، وہ کٹلری کا استعمال کم اور اپنے ہاتھوں کا استعمال زیادہ کر رہا تھا، جو چیز اس کا دل چاہتا کہ وہ ہاتھ سے کھائے وہ اسے چھری، کانٹے یا چمچ کی مدد کے بغیر یونہی اٹھا کر منہ میں ڈال لیتا۔

اس نے بیک ہوئے آلو کا ایک قتلہ اس کی طرف بڑھایا تھا، وہ پہلے ہی شرمندہ ہو رہی تھی اس حرکت پر مزید شرمندہ ہوئی۔

''عابی! سب لوگ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔''

''ہاں دیکھ رہے ہوں گے کہ ایک نیولی میرڈ کپل ہے جو ہنی مون پہ آیا ہوا ہے اور جس میں بڑی محبت ہے۔''

اس نے تو اس کے ہاتھ سے وہ بیک کیا ہوا آلو کھانے کے لئے منہ کھولا نہیں تھا، لہٰذا اس نے آلو کا وہ ٹکڑا اپنے منہ میں ڈال لیا تھا۔

''ہنی مون؟'' اس نے اچنبھے سے عباد کو دیکھا۔

''اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو؟ شادی کے فوراً بعد میاں بیوی ساتھ کہیں گھومنے پھرنے جاتے ہیں اسی کو ہنی مون کہا جاتا ہے۔ ہنی مون کے سر پر کوئی خاص قسم کے سینگ نہیں اگے ہوتے۔''

''واہ واہ! بڑے سستے میں جان چھڑا رہے ہیں آپ عباد عذیر! نیویارک سے Carmel تک آ گئے اور ہنی مون ہو گیا؟'' اس نے لڑاکا

عورتوں کی طرح ہاتھ ہلائے۔

''پھر آپ ہنی مون کیسے تسلیم کریں گی؟'' وہ اس کی طرف دیکھ کر متبسم لہجے میں بولا۔

''جب تم مجھے وینس لے کر جاؤ گے۔ پانیوں میں گھرا خوابوں جیسا شہر، وہاں کی Gondola Ride اُف کس قدر رومانٹک ہے Venice جانے کا خیال ہی۔''

''چلو تو ہم دوسرا ہنی مون Venice میں منالیں گے۔ جب تم پاکستان آجاؤ گی، مما پاپا سے مل لوگی اور پاپا ہماری شادی کی خوشی میں ایک شاندار سا ولیمہ بھی کر چکے ہوں گے اس کے بعد اپنے دوسرے اور آفیشل ہنی مون کے لیے ہم اٹلی چلے جائیں گے۔''

وہ اس آرام اور اطمینان سے بولا جیسے یہ سب کچھ چٹکی بجاتے ہو جانا تھا۔ یہ کب، کیسے اور کس طرح ہو پائے گا، اس نے عباد سے کوئی سوال نہیں پوچھا۔ وہ اس سے وعدہ کر کے آئی تھی کہ یہاں ان 6 دنوں کے دوران وہ دونوں کوئی فکر اور پریشانی میں مبتلا کرتی بات نہیں کریں گے۔

وہ عباد کی بات کے جواب میں یوں مسکرائی تھی جیسے اسے یقین تھا کہ یہ سب کچھ بہت جلدی اسی طرح ہو بھی جائے گا جیسا وہ کہہ رہا تھا۔

کھانے کے بعد سڑکوں پر رونقیں اور جگمگاہٹیں دیکھتے وہ دونوں پیدل چلتے ڈاکٹر اینڈریو کے اس پرسکون سے Cottage میں واپس آ گئے تھے۔ وہ دونوں سیدھے اوپر بیڈ روم میں آ گئے اور آتے کے ساتھ اپنا سارا سامان یونہی چھوڑ کر وہ دونوں ساحل پر چلے گئے تھے۔ سو بیگز میں سے نکال کر کپڑے الماری میں رکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ عباد اب بیگز میں سے کپڑے نکال کر الماری میں رکھ رہا تھا وہ اپنے اور ہنیا دونوں کے کپڑے الماری میں رکھ رہا تھا۔

وہ اس کی مدد کرانے کے لئے اس کے پاس آئی تو اس نے اسے فوراً منع کر دیا۔

''رہنے دو، تم تھک گئی ہو، میں رکھ دوں گا۔''

اس نے یونہی تذکرتاً ہی کھانا کھاتے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ ساحل پر واک شاید کچھ زیادہ ہو گئی ہے تو اب اسی حوالے سے وہ اس کے تھک جانے کا ذکر کر رہا تھا۔ یہ ٹھیک تھا کہ انہوں نے ساحل پر کئی گھنٹے واک کی تھی مگر وہ ایسی نازک اندام بھی نہ تھی۔ وہ ہنستے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی جو اپنے ساتھ ساتھ اس کے کپڑے بھی الماری میں رکھ رہا تھا۔

''تم بلاوجہ میرے نخرے اٹھا اٹھا کر مجھے کیا بنانا چاہتے ہو عباد عذیر؟''

''جو تم چاہو بن جاؤ اور اب یہاں کھڑے ہو کر باتیں کرنے کے بجائے کپڑے بدل لو، لیٹ جاؤ۔''

مشورہ اچھا تھا، وہ الماری کے پاس ہی تو کھڑی تھی سو اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے فوراً ہی الماری میں سے ابھی ابھی رکھے گئے کپڑوں میں سے عباد کی ایک ٹی شرٹ اور ایک ٹراؤزر اس نے کھینچ کر نکال لیا۔ گھر سے اپنے کپڑے لیتے وقت اس نے جینز، کرتے، ٹراؤزر شرٹس، سوئٹرز وغیرہ سب کچھ رکھا تھا مگر اپنا کوئی سلیپنگ ڈریس، کوئی نائٹی کچھ نہیں رکھی تھی۔ کل رات عباد کے کپڑے پہن کر سونا اسے اتنا اچھا اتنا پیارا لگا تھا کہ تب ہی دل میں طے کر لیا تھا سوتے وقت تو وہ اسی کے ڈھیلے ڈھالے، اپنے سے ڈبل سائز والے کپڑے ہی پہنے گی۔

عباد نے اپنے کپڑے نکالتے پر اسے مسکرا کر دیکھا ضرور تھا پر کہا کچھ نہیں۔ وہ ساحل پر گھنٹوں کی واک کی تھکن اتارنے، نہانے کے لئے

گھس گئی تھی۔ کل وہ اس کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر کو پہنتی متامل تھی جبکہ آج مسکراتے ہوئے، دل میں بہت ساری خوشی محسوس کرتے ہوئے اس نے وہ کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس کے کپڑے پہن کر سونا اسے بہت اچھوتی، بہت سچی خوشی دیتا تھا، وہ خود کو اس کے اور بھی زیادہ نزدیک محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ باہر آئی تو وہ اپنے اور اس کے کپڑے الماری میں رکھ کر فارغ ہو چکا تھا اور اب لیٹنے کی تیاری کر رکھا تھا۔

''کھڑکی ابھی مت بند کرو ناں عابی! کچھ دیر میں اگر سردی لگی پھر بند کر دیں گے۔''

اس نے سمندر کے رخ پر کھلنے والی کھڑکی کو پھر کھول دیا کچھ پل وہیں کھڑے ہو کر اس نے اپنے قریب سمندر کو دیکھنا اور محسوس کرنا چاہا۔ اس وقت اردگرد گہری خاموشی اور تاریکی تھی۔ اس گہری خاموشی اور سکوت کو توڑتا سمندر کا شور اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ بیڈ پر اوندھا لیٹا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ واپس پلٹی تو وہ اپنا چہرہ ہاتھوں پر ٹکائے شعر گنگنا رہا تھا۔

کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں، کب ہاتھ میں تیرا ہاتھ نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں اب ہجر کی کوئی رات نہیں

وہ بے چاری جس کا اردو شعر و ادب سے دور دور کا بھی واسطہ نہ تھا اردو اشعار جو اس کے سر کے کئی فٹ اوپر سے گزر جایا کرتے تھے، اس شعر کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''نہیں آیا ناں سمجھ میں؟'' وہ اس کی شکل دیکھ کر ہنسا تھا۔

''کچھ کچھ سمجھ میں آیا ہے۔ ہجر کس کو کہتے ہیں؟'' وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

''ہائے ہائے فیض صاحب! آپ کے اشعار کی یہ بے قدری۔ شکر ہے تمہاری شادی کسی ادبی ذوق رکھنے والے بندے سے نہیں ہوئی۔ وہ بے چارہ تمہارے حسن کی شان میں یا تم سے محبت کے اظہار میں خوب لمبی لمبی غزلیں سناتا اور تم آخر میں اسی طرح معصومیت سے کسی لفظ کا مطلب پوچھ کر اس کے سارے رومانٹک موڈ پر اوس گرا دیا کرتیں۔ سچ ہے، بندہ کسی جاہل سے شادی نہ کرے۔''

خود کو جاہل کہلائے جانے پر اس نے بیڈ پر رکھے، دو، تین کشن اور تکیے اس کے اوپر پھینکے تھے، جنہیں بصد اطمینان اس نے کیچ کر لیا تھا۔

''ارے ارے میں انجینئر ہنیا عباد کو جاہل کہنے کی گستاخی کر سکتا ہوں۔ اچھا ادھر تو آؤ میں تمہیں ہجر کے معنی بتاتا ہوں۔''

وہ مصنوعی ناراضی سے منہ پھلائے اس کے پاس آ گئی تھی۔

☆

صبح سویرے وہ اس کے پاس سے اٹھ کر گیا، اسے پتا چل گیا تھا۔ کافی دیر بعد وہ واپس آیا۔ اور اس کے سرہانے اس نے پھول لا کر رکھے اسے تب بھی پتا چل گیا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''گڈ مارننگ۔'' وہ پھول رکھنے کے لئے اس کی طرف جھک کر کھڑا تھا۔ ہنیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اسے جاگتا دیکھ کر اس کا منہ بن گیا تھا۔

''ایک تو تم اس طرح اٹھ کر سارا مزہ ختم کر دیتی ہو۔ میرا دل چاہتا ہے تم سو کر اٹھو اور پھر ان پھولوں کو دیکھو مگر کتنی بھی خاموشی سے آؤں

تمہیں پتا چل جاتا ہے۔کل بھی تم اٹھ گئی تھیں ناں؟''

''ہاں۔'' وہ مسکرائی تھی۔

''تمہاری نیند بہت چوکس ہے یا صرف میرے آنے ہی کا اس طرح پتا چل جاتا ہے۔''

''صرف تمہارے آنے کا پتہ چلتا ہے، تم سے محبت بہت زیادہ ہے ناں۔'' اس نے جواب تو شرارتی لہجے میں دیا تھا، مگر تھا تو یہ سچ ہی ناں۔ وہ کتنی بھی گہری نیند سو رہی ہوتی وہ اس کے پاس سے اٹھتا یا اس کے پاس آتا اسے فوراً پتہ چل جاتا تھا۔ اس کی اپنے قریب موجودگی کا تعلق شاید اس کے دل کے کسی ایسے خاص گوشے سے تھا جو بڑا احساس اور برق رفتار تھا، وہ اسے عباد کی اپنے قریب موجودگی کی فوراً خبر دے دیا کرتا تھا۔ اس نے اپنے قریب رکھے ان پھولوں کو دیکھا، پھر گھڑی کو جو پونے سات بجا رہی تھی اور پھر اس کو۔ پتا نہیں اتنی صبح صبح وہ یہ پھول کہاں سے خرید کر لایا تھا۔ آج سرخ گلاب نہیں تھے کچھ اور پھول تھے مگر تھے بہت خوبصورت۔ اس نے انہیں گلدستے کی شکل تو دلوائی تھی مگر انہیں کسی پلاسٹک میں نہیں بندھوایا تھا۔ وہ ان پھولوں کو ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگی تھی۔

''ادھر ہو، تھوڑی سی جگہ مجھے بھی دو۔'' مسکرا کر پھولوں کو دیکھتے اس نے تھوڑا سا سرک کر اس کے لیے جگہ بنا دی تھی۔ وہ اس کے تکیے پر سر رکھ کر اس کے پاس لیٹ گیا تھا۔

''تم پھول کیوں لاتے ہو عابی؟'' پھولوں کو اپنے سینے پر رکھتے ہوئے اس نے اس کی طرف دیکھا۔

''اس لئے کہ میرے نصیب میں اللہ نے جو لڑکی لکھی ہے وہ ذرا رومانٹک ٹائپ کی ہے۔ اسے میں قیمتی سے قیمتی جیولری تحفے میں دوں وہ اس سے اس طرح خوش نہیں ہوگی جس طرح ان پھولوں سے ہوتی ہے۔''

وہ ہنس کر بولا۔ تو وہ ہنستے وقت نمایاں ہوتے اس کے ڈمپل کو دیکھنے لگی۔ اس نے بے ساختہ اس کے ڈمپل پر اپنی انگلی رکھی۔

''مجھے ایسا لگ رہا ہے عابی! میں جنت میں ہوں۔ وہ جگہ جہاں کوئی غم نہ ہو، کوئی فکر نہ ہو۔ صرف خوشی ہی خوشی وہ جگہ تو صرف جنت ہی ہوتی ہے ناں؟''

عباد نے اپنے ڈمپل پر رکھی اس کی انگلی پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے انگلی وہاں سے اٹھالینے سے روکا تھا۔ ہنیا کی یہ بے ساختہ ادا اسے بہت پیاری لگی تھی۔ اپنے Features میں اس نے اس ڈمپل کو کبھی پسند نہیں کیا تھا ڈمپل تو صرف لڑکیوں کے چہرے پر اچھا لگتا ہے، مگر وہ جب بھی اس کے ڈمپل کو اس طرح دیکھ رہی ہوتی اسے بے اختیار اپنے چہرے کے تمام نقوش میں سب سے پیارا وہ ڈمپل ہی لگنے لگتا تھا۔ اسے انگلی ہٹانے سے روکنے کے بعد اس نے اپنا ہاتھ واپس ہٹا لیا تھا۔

''تم چاہو تو اسے ایک مصنوعی اور دنیاوی جنت سمجھ لو، کیونکہ اصلی جنت تو اس سے بہت بڑھ کر اچھی ہوگی۔ وہاں یہاں سے بھی زیادہ خوشیاں ہوں گی۔ وہاں صبح صبح تمہارے لئے پھول ڈھونڈنے مجھے سڑکوں کی خاک تو نہیں چھانی پڑے گی، بس اپنے عالیشان محل کے باغات میں نکلا اور وہاں سے جو پھول اور جتنے دل چاہا تمہارے لئے لے آیا۔'' اس نے سنجیدگی سے اسے فرق سمجھایا۔ اس کی آنکھیں بھرپور انداز میں مسکرا رہی تھیں۔

''آپ نے جنت کا کوئی خوشگوار تصور پیش نہیں کیا ہے عباد عذیر۔ وہاں پر بھی میرے ہی لئے پھول لایا کرو گے؟ دنیا میں نیک اعمال کرو، سیدھے راستے پر چلتے زندگی گزارو اور اتنی مشقت کے بعد جنت میں ملے پھر وہی ہنیا سجاد، چہ چہ۔ زیادہ نہ سہی جنت میں اپنے لئے کم از کم انجلینا جولی، ماریا شیراپوایا، ایشوریا رائے جیسی کسی حسینہ کا ساتھ مانگو۔ میں اتنی متقی بن کر زندگی گزاروں کہ جنت کی حقدار قرار پاسکوں تو بریڈ پٹ، ڈیوڈ بیکہم یا راجر فیڈرر جیسے کسی ہینڈسم بندے کی امید تو ضرور رکھوں گی۔ نیکیوں کا صلہ بندے کو کچھ ایسا تو ملے جو دنیا میں ناقابل رسائی لگتا رہا ہو۔'' وہ ہنستے ہوئے مزے سے بولی۔

''پھر میں آپ پر افسوس ہی کر سکتا ہوں ہنیا عباد! آپ کی محبت ابھی میری محبت جتنی شدید اور پکی نہیں ہوئی ہے کیونکہ مجھے تو اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی، اس زندگی میں بھی اور اس زندگی میں بھی صرف ہنیا عباد چاہئے اور کوئی بھی نہیں۔''

بولتے بولتے وہ یکدم ہی بالکل سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''مجھے ہر دنیا اور ہر زندگی میں صرف تمہارا ساتھ چاہئے۔ اگر واقعی میرا نامہ اعمال مجھے جنت میں لے جا سکا تو میں تو اس وقت تک وہاں قدم نہیں رکھوں گا جب تک تم وہاں نہیں ہو گی۔'' شدت جذبات سے بولتے اس نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ ''جنت خوشی کی جگہ ہے ناں، وہاں ہماری ہر خوشی ہر خواہش پوری ہو گی تو میں تو اللہ سے کہو گا ''یہ لڑکی جس کے اعمال چاہے جنت میں جانے والے نہیں ہیں مگر چونکہ میں اس کے بغیر خوش رہ نہیں سکتا اس لئے اسے میرے طفیل میرے لئے جنت میں جانے کی اجازت دے دیجئے۔''

اس نے سر اٹھا کر اسے گھور کر دیکھا۔ پل بھر کے لئے در آئی سنجیدگی اس کے لہجے سے رخصت ہو چکی تھی، وہ شرارت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''عباد عذیر تم انتہائی برے آدمی ہو۔''

کچھ اور ہاتھ نہیں آسکا تھا تو اس نے وہ پھول ہی اس کے اوپر پھینکے تھے۔



ناشتے کے بعد وہ دونوں پر ساحل پر آ گئے تھے۔ ناشتہ عباد نے بنایا تھا۔ تمام سہولیات کے ساتھ Cottage میں کچن تو موجود تھا ہی، ناشتے کا سارا سامان عباد جا کر خرید لایا تھا اور پھر خود بنا کر اسے ناشتہ کرایا تھا۔ ہر چند کہ اس نے ناشتہ بنانا چاہا تھا کہ ہمیشہ وہی اسے پکا کر کھلاتا ہے، کبھی وہ بھی تو اسے کچھ بنا کر کھلائے مگر اس کے بہت کہنے پر بھی عباد نے اسے ناشتہ نہیں بنانے دیا تھا۔

''بہت زندگی پڑی ہے تم سے خدمت لینے کے لئے۔ بے فکر رہو، اتنا اچھا نہیں ہوں، یہ ہنی مون پیریڈ ختم ہو گا تو تم سے اپنی خوب خدمتیں کرواؤں گا۔ ابھی چند دن تم عیش کر لو۔''

''جب وہ وقت آئے گا تب تک تم میرے غیر ضروری ناز و نخرے اٹھا اٹھا کر مجھے اتنا بگاڑ چکے ہو گے کہ پھر میں کسی کام کے قابل نہیں رہوں گی۔ خیر سے ابھی سے اتنی بری بری عادتیں پڑنا شروع ہو گئی ہیں۔ ڈر ہے کچھ دنوں بعد میں تمہیں بیٹھے بیٹھے آرڈر نہ دینے لگوں۔ ''عابی! میرے لئے ایک کپ کافی تو بنا لاؤ۔'' وہ خوف سے جھرجھری لے کر کانپی۔

''ہائے اللہ عابی! اگر ایسا ہوا تو کیا ہو گا۔ مما تو پہلی ملاقات میں مجھے فوراً بدتمیز قرار دے کر Reject کر دیں گے۔ سب تمہارا قصور ہے تم

مجھے، اچھی بھلی نیک بچی کو بگاڑنے پر تلے ہوئے ہو۔"

وہ اس مستقبل کے منظر نامے پر ہنستا اس کے لئے ناشتہ بنا تا رہا تھا۔

ناشتے کے بعد وہ دونوں بس اتنی دیر Cottage میں رکے تھے جتنی دیر انہیں تیار ہونے میں لگی تھی۔ اب اس وقت وہ دونوں کل ہی کی طرح ہاتھ تھامے ساحل پر چہل قدمی کر رہے تھے۔ دن کی روشنی میں ساحل کی چکنی سفید ریت واقعی شیشے ہی کی مانند چمک رہی تھی۔ کل رات کے برخلاف اس وقت ساحل پر بہت گہما گہمی تھی۔ زیادہ تعداد ٹورسٹس کی ہی تھی جو ساحل اور سمندر پر اپنی اپنی من پسند سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ بچے کھیل رہے تھے، کچھ لوگ تیراکی کر رہے تھے، کچھ چھتری تان کر کرسی پر نیم دراز بیچ پر کوئی کتاب پڑھ رہے تھے، کچھ سن باتھ لیتے اپنی جلد کو براؤن کرنے پر کمر بستہ تھے۔ ابھی سورج نکلا ہوا تھا، اس لئے سردی نہیں تھی، ہاں جیسے جیسے دن ڈھلتا ٹھنڈ ہو جاتی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے انتہائی مختصر سوئمنگ کاسٹیوم میں ملبوس حسین لڑکیوں سے نظریں ہٹائے اس کے ساتھ چل رہا تھا۔ وہ اسے چھیڑے بغیر کیسے رہ سکتی تھی۔

"تم پچھتا رہے ہو گے اس وقت مجھے اپنے ساتھ یہاں لا کر۔ دل میں سوچ رہے ہو گی کاش اس وقت تم یہاں اکیلے ہوتے۔"

"ہاں سوچ تو یہی رہا ہوں۔" اس نے ہنس کر اس کی تائید کی۔

"اگر کہو تو میں گھر چلی جاتی ہوں، تم کچھ دیر یہاں اکیلے انجوائے کر لو۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔

"نہیں، یہ زحمت مت کرو۔ جب کبھی میں کسی ایسے انجوائے منٹ کے موڈ میں ہوا کروں گا تو تمہیں ساتھ لایا ہی نہیں کروں گا۔ تم بیویاں تو ویسے بھی بڑی معصوم ہوتی ہو، میٹنگ ہے، آفیشل کام ہے، ہزار جھوٹ ہیں جن کا فوراً یقین بھی کر لیا جاتا ہے۔"

"تم میرے ساتھ جھوٹ بولا کرو گے؟"

"ہمیشہ نہیں کبھی کبھی مصلحتاً ایسی ہی کسی ایکٹیویٹی اور انجوائے منٹ کے لئے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"تم میرے علاوہ کسی اور کو دیکھ کر تو دیکھو۔"

وہ زور سے چلائی تھی۔ کچھ نوعمر، نوجوان لڑکے تھے 17,16 سال کے، جو وہاں فٹ بال کھیل رہے تھے، ان کی فٹ بال ان کے قریب آ کر گری تو حسب عادت وہ بجائے بال انہیں اچھال کر واپس کرنے کے بال کو پیروں سے کک مارتا ان کے ساتھ کھیلنے لگا تھا۔ شروع میں ان لڑکوں نے اپنے کھیل میں زبردست مداخلت کرتے اس شخص کو ناپسندیدگی سے دیکھا، مگر جب وہ ان سے بھی زیادہ پھرتی سے دوڑا اور بال ان میں سے کسی کو بھی اپنے پاس سے چھیننے ہی نہ دی تو خود بخود ہی مقابلے پر آمادہ ہوتے وہ سب لڑکے اس سے بال چھین لینے کی دھن میں اس کے ساتھ کھیلنے لگے تھے۔ وہ کافی دیر تک ان کے ساتھ کھیلتا رہا تھا۔ وہ کھیل ختم کر کے واپس ہنیا کے پاس آ رہا تھا جو ساحل پر ایک طرف بیٹھی اسے کھیلتا ہوا دیکھ رہی تھی اور وہ سب لڑکے اس سے مزید کھیلنے کے لئے اصرار کر رہے تھے۔ کھیل ختم کرنے کے بعد اس کا ان سب سے باقاعدہ تعارف ہوا تھا اور پھر کل یہیں ان کے ساتھ کھیلنے کا وعدہ کر کے وہ واپس اس کے پاس آ رہا تھا۔ کس طرح منٹوں میں اس کی سب سے دوستی ہو جاتی تھی۔ اپنے چہرے پر سے پسینہ پونچھتا وہ اس کے پاس آ گیا تھا۔

''ڈیوڈ بیکہم جتنا اچھا نہیں ہوں مگر اتنا برا بھی نہیں ہوں۔'' وہ اس کے صبح گنوائے گئے ناموں کا حوالے دے رہا تھا۔

''اوہ تو یہ کوشش مجھے امپریس کرنے کے لئے کی جا رہی تھی؟'' وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

''اب اس کے بعد کیا مجھے متاثر کرنے کے لئے ٹینس بھی کھیل کر دکھاؤ گے تاکہ آئندہ میں راجر فیڈرر کا نام نہ لوں؟''

''ٹینس میں اچھا نہیں ہوں ورنہ شاید کھیل کر دکھا ہی دیتا۔'' وہ دوبارہ اس کے ساتھ چلنے لگا تھا۔

''ویسے عابی! یہ راجر فیڈرر واقعی کتنا ہینڈسم لگتا ہے ناں۔ اتنی پیاری سی شکل ہے اس کی۔''

''ہنیا۔'' اس نے دانت پیستے ہوئے اسے گھورا تھا اور اس نے ہنستے ہوئے فوراً ہاتھ جوڑ کر ''راجر فیڈرر، ڈیوڈ بیکہم، بریڈ پٹ ان سب سے زیادہ ہینڈسم تم ہو۔'' کہا پھر زیرِ لب ٹکڑا جوڑا۔

''ان میں سے کسی کے ملنے کا امکان نہیں ہے اس لئے کیا کریں تمہیں کو ہینڈسم قرار دینا پڑے گا۔'' وہ باز نہیں آئی تھی۔

لنچ تک وہ دونوں ساحل پر رہے تھے۔ لنچ کے لئے اس نے عباد کو کوئی ہائی فائی فینسی ریسٹورنٹ یا ہوٹل منتخب نہیں کرنے دیا تھا۔ جس طرح کی حرکتیں وہ کل ڈنر پر کرتا رہا تھا اس کے بعد مناسب یہی تھا کہ وہ کسی عام سے ریسٹورنٹ یا فاسٹ فوڈ آؤٹ لیٹ پر کھانا کھالیں۔ وہ بیچ پر بنے ایک چھوٹے سے ریسٹورنٹ میں آ گئے تھے۔ جہاں اندر بیٹھنے کے ساتھ باہر چھتریوں تلے بھی میزیں، کرسیاں موجود تھیں کہ جو کھلے آسمان تلے سمندر کی لہروں کا نظارہ کرتے کھانا کھانا چاہے تو شوق سے تناول فرمالے۔

وہ دونوں بھی باہر ہی چھتری تلے ایک میز پر بیٹھے تھے۔ حسبِ سابق عباد اس کی پلیٹ میں کھانا کھا رہا تھا، چھری، چمچ کانٹے سے زیادہ اپنے ہاتھ کا بے تکلفانہ استعمال کر رہا تھا، اپنے ہاتھوں سے نوالے اس کے منہ میں ڈال رہا تھا، مگر کم از کم یہ اتنی فارمل جگہ نہ تھی اور یہاں ایسا کرنا آکورڈ نہیں لگ رہا تھا۔

کھانے کے بعد وہ دونوں Carmel کی شاپس اور اسٹورز Explore کرنے نکلے تھے۔ چونکہ یہ جگہ سارا سال ٹورسٹس سے بھری رہتی تھی چنانچہ یہاں کے اسٹورز، بوتیکس دکانیں سب بڑی شاندار اور نفیس تھیں کہ سیاح اپنی ساری جیب خالی کر کے ہی Carmel سے واپس لوٹیں۔ اس نے کیتھی اور مائیک کو تحفے میں دینے کے لئے چند Sourvenirs خریدے تھے۔ عباد نے اپنے مما، پاپا کے لئے کئی تحفے خریدے تھے۔ اس نے اپنے پاپا کے لئے ایک سویٹر، شرٹ اور کچھ ٹائیاں خریدی تھیں اور اپنی مما جنہیں وہ کہتا تھا سجنے سنورنے کا بہت شوق ہے ان کے لئے جیولری، کاسمیٹکس۔ اس نے ہنیا کے اور اپنے لئے ایک جیسی دو ٹی شرٹس خریدی تھیں۔ آسمانی رنگ کی جن کے سامنے I' m crazy about u بہت نمایاں لکھا ہوا تھا۔ دونوں ٹی شرٹس بالکل ایک جیسی تھیں، فرق صرف ان کے Sizes میں تھا۔ عباد نے اسے Straws والا Beach پر پہننے والا ایک بڑا سا ہیٹ بھی خرید کر دیا تھا۔

انہیں شاپنگ کرتے کرتے شام ڈھلنے لگی تھی۔ شاپنگ کے بعد رات کھانے تک کا وقت انہوں نے وہاں کی ایک آرٹ گیلری میں گزارا تھا۔ پینٹنگز میں انہیں دلچسپی ہو نہ ہو مگر اس آرٹ گیلری کا شاندار آرکیٹکچر ان دونوں سول انجینئرز کے لئے بے حد دلچسپی کا باعث تھا۔



اگلی صبح کا آغاز بھی گزشتہ روز ہی کی طرح ہوا تھا۔ وہ ویسے ہی صبح سویرے اس کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا تھا، ویسے ہی پھول لے کر اس کے پاس آیا تھا، اور وہ ویسے ہی اس کے پھول رکھنے کے ساتھ ہی اسے آنکھیں کھول کر دیکھنے لگی تھی۔

''لڑکی! کبھی تو ایسا ہو کہ میں پھول رکھوں اور تم سوتی رہو۔'' وہ اس کے ساتھ اسی کے تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔

''تم کب اٹھے تھے؟''

''کیوں آج میرے اٹھنے سے تمہاری آنکھ نہیں کھلی تھی؟'' وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

''کھلی تھی پر میں نے گھڑی میں وقت نہیں دیکھا تھا۔'' اس نے ان پھولوں کو اپنے سینے پر رکھ لیا تھا۔

''آنکھ کھل جاتی ہے تو اٹھ بھی جایا کرو۔ پتا ہے کل بھی اور آج بھی میں نے ساحل پر کھڑے ہو کر سورج طلوع ہونے کا منظر دیکھا ہے۔ اینڈ بلیو می ہنی! اس سے خوبصورت منظر میں نے آج تک اور کوئی نہیں دیکھا۔''

''طلوع ہوتا ہوا نہیں دیکھا تو چلو غروب ہوتا ہوا دیکھ لیں گے۔'' وہ تکیے سے سر ہٹا کر اس کے بازو پر سر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔

''نہیں غروب ہوتا ہوا نہیں۔ غروب ہوتا ہوا سورج مجھے اچھا نہیں لگتا۔ بلاوجہ ہی دل اداس سا ہو جاتا ہے۔ اس وقت۔''

''اچھا تو ہم کل طلوع ہوتا ہوا سورج ساتھ دیکھ لیں گے۔'' وہ ان پھولوں کی خوشبو سونگھتے ہوئے بولی۔

''عابی! تم اتنی صبح صبح یہ پھول کہاں سے لاتے ہو؟'' وہ اس کے سوال پر شرارتی سے انداز میں مسکرایا، جواباً بولا کچھ نہیں۔

''اتنی صبح صبح تو کوئی فلاور شاپ بھی نہیں کھلی ہوئی ہوگی۔'' اس کی شرارتی مسکراہٹ کو دیکھتے وہ بول رہی تھی تب اچانک ہی اس کے لبوں سے چیخ نما انداز میں بولا۔

''مائی گاڈ عابی! تم یہ پھول کہیں سے چرا کر لاتے ہو؟''

''اپنے معزز اور محترم شوہر کے متعلق اتنے برے گمان؟ خرید کر نہیں لاؤں گا تو کیا صرف چرا کر ہی لا سکتا ہوں؟ جن کے یہ پھول ہیں کیا ان کی اجازت سے توڑ کر نہیں لا سکتا؟''

اس کی حیرت کو انجوائے کرتا وہ اسے ہنستے ہوئے بتا رہا تھا کہ یہاں ان کے کاٹیج کے ساتھ ساتھ چلتے جو سب سے آخری کاٹیج ہے، وہاں ایک امریکی کپل رہتا ہے، جو سال کا بیشتر حصہ یہیں گزرتا ہے۔ کل عباد صبح سویرے اس کے لئے پھولوں کی تلاش میں نکلا تو اس Cottage کے اندر اور باہر ہوئی گارڈننگ نے اسے اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ اتفاق کی بات کہ اسی وقت اس کی ملاقات اس کاٹیج کے مالک سے ہوگئی جو ساحل کی طرف جاگنگ کے لئے جا رہا تھا۔ آگے کی کہانی عباد کے بتانے سے قبل ہی اسے معلوم تھی۔ حسب عادت عباد کی فوراً ہی اس امریکن سے دوستی ہوگئی ہوگی اور عین ممکن ہے کہ اس امریکی بندے نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے کاٹیج میں لگے پھول توڑ کر اور ان کا گلدستہ بنا کر عباد کو دیئے ہوں۔

''میں نے اسے یہ بتایا کہ یہ پھول مجھے اپنی نئی نویلی دلہن کو دینے ہیں تو اس نے بخوشی مجھے یہ اجازت دی کہ میں روز صبح بلکہ جس وقت بھی میرا دل چاہے اس کے کاٹیج سے آ کر پھول توڑ سکتا ہوں۔''

''تمہاری اتنی جلدی سب سے اتنی اچھی دوستی کیسے ہو جاتی ہے، عابی؟'' اس نے ہنستے ہوئے لاپروائی سے شانے اچکائے تھے جیسے وہ خود اس کی وجہ نہیں جانتا تھا۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ دونوں کل ہی کی طرح پورا دن گھومنے پھرنے کے ارادے سے باہر نکلے تو ان دونوں نے وہ ایک سی ٹی شرٹس، بلیو کلر کی جینز کے ساتھ پہن رکھی تھیں۔ آج کل یہاں دن کے وقت موسم ایسا رہتا تھا کہ کبھی سوئٹر کی ضرورت ہوتی، کبھی بالکل نہ ہوتی۔ لہٰذا انہوں نے سوئٹرز پہنا نہیں تھا، البتہ ساتھ ضرور لیا تھا۔ وہ اب عموماً جینز، ٹی شرٹس، پینٹ شرٹ یا لانگ اسکرٹس نہیں پہنتی تھی جب سے عباد نے اسے وہ سبز سوٹ تحفے میں دیا تھا اور اسے یہ پتہ چلا تھا کہ وہ اسے پاکستانی لباس میں زیادہ اچھی لگتی ہے تب سے وہ اسی طرح کے ملبوسات زیادہ پہنا کرتی تھی۔ وہ جینز یا پینٹس پہنتی بھی تو کرتوں کے ساتھ۔ پاکستانی اور انڈین لڑکیوں میں مقبول عام کڑھے ہوئے اونچے کرتے جن کے ساتھ وہ ہم رنگ سکارف لے لیا کرتی تھی۔ مگر اب عباد نے وہ ٹی شرٹس خریدی تھیں اور وہ چاہتا تھا کہ وہ دونوں اسے ایک ساتھ پہن کر باہر جائیں تب اس نے کرتے کی جگہ وہ ٹی شرٹ پہن لی تھی، ہاں گلے میں ریڈ اور بلیو پھولوں والا پرنٹڈ سکارف ڈالنا نہیں بھولی تھی۔

اس نے اپنے بال عباد کی خواہش پر کھلے رکھے ہوئے تھے اور سر پر Straw ہیٹ پہن لیا تھا۔ وہ منگل کے روز یہاں آئے تھے، آج جمعرات تھی۔

عباد کے ساتھ ساحل پر چہل قدمی کرتے وہ بلاوجہ دنوں کو گننے لگی۔ جمعہ، ہفتہ، اتوار، سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ مگر چونکہ ہلکی ہلکی سی ٹھنڈ تو اس وقت بھی تھی اس لئے دھوپ بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ ساحل پر آج بھی سیاحوں کا رش تھا۔ وہ غول کی صورت اڑتے آبی پرندوں Sea Gulls کو دیکھ رہی تھی۔

جمعہ، ہفتہ، اتوار تین دن۔ عباد اس کا ہاتھ تھامے اسے یہ بتا رہا تھا کہ آس پاس موجود لوگ ان کے ایک جیسے لباس کو پسند کر رہے ہیں، انہیں شاندار کپل قرار دیتے دل ہی دل میں Admire کر رہے ہیں، ان کی ٹی شرٹس پر لکھا I am crazy about بھی لوگوں کی توجہ کھینچ رہا ہے۔ وہ اس کی باتیں بے دھیانی سے سنتی دنوں کے بعد گھنٹوں کو گننے لگنے لگی تھی۔ عباد چلتے چلتے رک گیا، اس نے بغور اسے دیکھا۔

''تم میری بات نہیں سن رہیں، کہیں اور پہنچی ہوئی ہو اس وقت۔''

''نہیں عابی! میں سن رہی ہوں۔''

''اچھا بتاؤ میں کیا کہہ رہا تھا؟'' وہ گھنٹوں اور دنوں کی گنتی بھلا کر مسکرائی۔

''8th گریڈ میں میرے Maths کے ٹیچر کو اگر یہ شک ہوتا کہ ہم ان کی بات توجہ سے نہیں سن رہے تو بالکل اسی طرح بولا کرتے تھے۔''

''بات مت بدلو۔ بتاؤ مجھے، میں کیا کہہ رہا تھا۔ پتہ تو چلے تم میری بات کتنی توجہ سے سن رہی تھیں۔'' وہ ناراضی سے اسے گھورنے لگا۔

''تم مجھ سے یہ کہہ رہے تھے کہ تم مجھ سے بہت محبت کرتے ہو۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''خیر کہہ تو میں اس وقت کچھ اور رہا تھا مگر بہر حال یہ بات بھی سچ ہے۔'' وہ ہنس کر بولا۔

''تمہیں پتا ہے ہنیا عباد میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں؟''

''کتنی؟''

''تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں انی۔کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے میں چیخ چیخ کر ساری دنیا کے سامنے کہوں کہ میں تم سے، بہت محبت کرتا ہوں۔''

''تو کہونا، تمہیں روکا کس نے ہے۔''

وہ دونوں ایک جگہ کھڑے تھے۔ کنارے پر آئی لہریں ان کے قدموں سے ٹکرا کر لوٹ رہی تھیں۔

''تمہیں لگ رہا ہے میں نہیں کہہ سکتا؟'' وہ اس کے مذاق اڑاتے انداز پر قدرے خفگی سے بولا۔ وہ اس کے برابر سے ہٹ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا، اس سے ایک قدم کے فاصلے پر اور پھر قبل اس کے کہ وہ اس کا ارادہ جان پاتی وہ اپنی پوری قوت سے، بہت زور سے چلایا۔

''ہنی!'' ساحل پر موجود لوگوں کے ہجوم نے اس پکار کو سنا تھا، کئی لوگوں نے گھوم کر ان دونوں کو دیکھا تھا، جبکہ کئی ابھی گردن، ادھر اُدھر گھما کر اس پکار کا مرکز تلاش کر رہے تھے۔

"I Love You" اس کے لفظوں کی بازگشت ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ اس نے پھر انہیں چار لفظوں کو اس طرح چلا کر دُہرایا۔

"Honey! I Love Yo"

مانا کہ وہ امریکہ میں تھے، وہاں اس Beach پر اس وقت جیسے جیسے نظارے دیکھنے کو مل رہے تھے ان کے آگے عباد کی یہ حرکت تو انتہائی بے ضرر اور معصومانہ سی تھی پھر بھی وہ بری طرح جھینپ گئی تھی، اس کا چہرہ حقیقتاً سرخ ہو رہا تھا۔

''عابی! بس کرو۔'' شرم سے سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ اس نے اسے مزید تکرار سے روکا۔

وہ اپنے گردو پیش تمام لوگوں کی توجہ خود پر اور عباد پر محسوس کر رہی تھی۔ ساحل پر ان کے آس پاس موجود تمام ہی افراد بغور انتہائی دلچسپی سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

ان کے پیچھے بیٹھی ایک فیملی جس میں ہر عمر کے مرد، خواتین اور بچے شامل تھے ان میں سے سب سے عمر رسیدہ خاتون کو غالباً عباد کی جی داری اور بہادری نے بے تحاشا متاثر کیا تھا، انہوں نے اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر باقاعدہ تالیاں بجا کر عباد کو شاباش دی تھی، ان کی دیکھا دیکھی ان کی فیملی کے باقی افراد نے بھی تالیاں بجا کر عباد کو شاباش دی۔

وہ اپنی تعریف پر خوشی سے پھولا نہ سما رہا تھا جبکہ وہ اسے وہاں سے کہیں اور چلنے کے لئے گھسیٹ رہی تھی۔ بڑی مشکلوں سے وہ اسے وہاں سے لا پائی تھی۔ وہ اس کی خفت زدہ شکل دیکھ کر ہنس رہا تھا۔

''فضول لگ رہے ہو اس طرح ہنستے ہوئے۔ اپنی بچکانہ حرکت پر خوش ایسے ہو رہے ہو جیسے کوئی کارنامہ کیا ہے۔''

وہ اس کے ہنسنے پر جھنجھلا کر بولی۔

''کارنامہ تو ہے سویٹ ہارٹ! تم بول کر دکھا دو، اتنے سارے لوگوں کے بیچ یہ بات۔''

''مجھے کیا پڑی ہے ایسی احمقانہ حرکت کرنے کی۔'' وہ اس کی شکل دیکھتا ہنس رہا تھا۔

''تمہیں لگ رہا تھا میں نہیں بول سکوں گا، ہے ناں؟''

اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

''جو بندہ کچھ عرصے پہلے تک Publicaly میرا ہاتھ پکڑ لینے تک سے جھجکتا تھا، اس سے میں ایسی بولڈنیس کی امید رکھ بھی کیسے سکتی تھی۔''

وہ چاہتے ہوئے بھی عباد سے وجہ نہ پوچھ پائی مگر آج کل وہ لوگوں کے بیچ ہجوم کے درمیان اس کی کمر کے گرد ہاتھ پھیلا لیتا، اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر اسے اپنے بالکل نزدیک کر لیتا، ایسے جیسے وہ لوگوں کے درمیان نہیں، بلکہ تنہا ہیں، وہ اسے اپنے اتنے نزدیک رکھ کر چلتا، بیٹھتا۔ امریکہ میں چاہے یہ کوئی حیرانی اور تعجب کی بات نہ تھی مگر عباد کی شخصیت کے لحاظ سے محبت کا اتنا واضح اور کھلا اظہار بہت زیادہ مختلف چیز تھی۔ اس کی محبت میں آج کل ہنیا کے لئے بے انتہا شدتیں تھیں اور وہ ان شدتوں کو اکیلے میں بھی اور لوگوں کے سامنے بھی ہر طرح ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ پتا نہیں کیوں؟ وہ وہی عباد تھا مگر پھر بھی مختلف سا ہو رہا تھا ان دنوں، نجانے کیوں رات ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے کے بعد کافی پیتے ہوئے اس کے بالوں کے قدرتی کرلز کی تعریف کرتا اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا تھا، اس کے اوپر سے سلکی بال جو نیچے آ کر قدرتی طور پر کرلی سے ہو جاتے تھے ان کرلز کو باتیں کرتے اپنی انگلیوں کے گرد لپیٹنے لگا تھا۔

وہ اتنے لوگوں کے بیچ اس کی اس حرکت پر بلش کر رہی تھی۔ مگر وہ اتنا مطمئن تھا جیسے ریسٹورنٹ میں ان دونوں کے علاوہ کوئی موجود ہی نہیں ہے۔

''دنوں کی گنتی ابھی سے مت شروع کرو۔ ابھی ہمارے پاس جمعہ اور ہفتہ کا پورا دن اور پوری رات باقی ہے۔'' رات جب وہ اس کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر جسے اب وہ اپنا مستقل سلیپنگ ڈریس بنا چکی تھی پہن کر اس کے برابر آ کر لیٹی تب اس کے بالوں میں چہرہ چھپاتا وہ اس سے آہستگی سے بولا۔ وہ ایک پل کے لئے بالکل چپ رہ گئی تھی۔ پورا دن غیر سنجیدگی سے گزار کے، اب وہ اس کے بالوں پہ چہرہ رکھے اسے یہ بتا رہا تھا کہ وہ دوپہر سے اس کی سوچ سے آگاہ تھا۔ وہ دل میں دنوں اور گھنٹوں کو گن رہی تھی اور وہ اس گنتی کو اس کی آنکھوں سے پڑھ رہا تھا۔



پوری رات وہ دونوں جاگے تھے۔ بیچ بیچ میں کئی بار یہ بات ہوئی تھی کہ بہت دیر ہوگئی ہے اب سو جانا چاہیے مگر سونے کا دل دونوں میں کسی کا بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ یوں صبح ہوتے کہیں وہ دونوں سوئے تھے۔ اتنی دیر سے سونے کا نتیجہ لازمی یہی نکلنا تھا کہ پھر دن چڑھے تک وہ دونوں سوتے رہے تھے۔ سو کر اٹھے تو معزز لوگوں کے ناشتے کا وقت ختم ہو چکا تھا لوگ اب اپنے لنچ کی تیاریوں میں مصروف تھے سو فیصلہ یہاں بھی یہی ہوا تھا کہ لنچ ہی کر لیا جائے۔

وہ لنچ کی تیاری کے لیے کچن میں جا رہا تھا، ہنیا بھی اس کے ساتھ کچن میں جانا چاہتی تھی۔ ''تم لیٹی رہو۔''

''لیکن میں تمہاری ہیلپ کرانا چاہتی ہوں۔''

''لیکن میں تمہاری ہیلپ لینا نہیں چاہتا۔'' وہ اس کے لہجے کی نقل اتارتا ہوا بولا۔

''عباد عذیر! یہ جو لاڈ پیار میں تم مجھے بگاڑ کر میرا ستیاناس کر رہے ہو اس پر بعد میں سر پکڑ کر پچھتاؤ گے۔ مگر تب تک میں اتنی بگڑ چکی ہوں گی کہ سدھرنے کے کوئی امکان نہیں رہ گئے ہوں گے۔'' اس نے اسے وارننگ دی۔

''کوئی بات نہیں، میرے لیے ہنیا عباد بگڑی ہوئی بھی چلے گی۔'' وہ اسے واپس لیٹنے پر مجبور کر کے خود کچن میں چلا گیا تھا۔

گھنٹے بعد وہ کھانا ٹرے میں لگا کر کمرے ہی میں لے آیا تھا۔ وہ اس کے حکم کے مطابق بستر پر کمبل میں گھسی لیٹی تھی۔ انتہائی سستی اور کاہلی کے ساتھ۔

''پاستا بنا لیا میں نے، میں نے کہا یہ جھٹ پٹ بن جائے گا، تم Vegetarian کی وجہ سے صرف سبزیاں، چیز اور مشرومز ہی ڈالے ہیں اس میں، اور کچھ نہیں۔'' وہ ٹرے لے کر بیڈ پر اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

''اٹھو اب، پاستا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔''

''لیکن میرا تو اٹھنے کا دل نہیں چاہ رہا۔ اتنی تھکن ہو رہی ہے عابی! مجھے کھانا تم کھلاؤ ناں؟''

وہ ناک چڑھا کر بہت نخرے سے بولی۔ ایسے جیسے وہ اس کی بات کا چھپا مفہوم اور طنز سمجھا ہی نہ ہو، اس نے فورک میں بہت سارا پاستا بھر کر نوالہ اس کے منہ کی طرف بڑھایا۔ اس نے منہ کھول کر پاستا منہ میں ڈالنے کے بعد نوالے کو چبانا شروع کیا۔

''اُف عابی۔'' اس نے پھر بہت تھکی ہوئی اور بیزار شکل بنائی تھی۔

''مجھے تو نوالہ چباتے ہوئے بھی اتنی تھکن ہو رہی ہے۔''

''اڑا لو میرا مذاق۔ ایسا محبت کرنے والا ڈھونڈو گی تو پوری دنیا میں میرے علاوہ کوئی نہیں ملے گا۔''

''محبت کرنے والا یا محبت میں سوا ستیاناس کرنے والا۔ اللہ میرے حال پر رحم کرے مما، پاپا کے سامنے پہنچنے سے پہلے میں کم از کم وہ نکمی، ناکارہ اور نخریلی ہرگز نہ بنوں، جو سر توڑ کوشش کر کے تم مجھے بنانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

وہ ہنستے ہوئے اس کے منہ میں دوسرا نوالہ ڈالنے لگا تھا۔ اس نے صرف طنز کرنے کے لیے لیٹے لیٹے اس کے ہاتھ سے کھانے کی فرمائش

کی تھی جبکہ اس کے بعد اس نے حقیقتاً اسے اپنے ہاتھ سے ہی کھانا کھلایا تھا۔

وہ اٹھ کر بیٹھ ضرور گئی تھی مگر اسے پاسٹا کھلا وہ رہا تھا۔ ایک نوالہ اس کے منہ میں ڈالتا، پھر ایک اپنے منہ میں۔ یوں وہ پاسٹا کھایا گیا تھا۔ نمکین کے بعد بطور سویٹ ڈش وہ ایک بڑے سے پیالے میں چاکلیٹ آئس کریم کے کئی اسکوپس بھر کر لے آیا تھا۔ چاکلیٹ آئس کریم کو مزید مزے دار بنانے کے لئے وہ اس پر ایک پوری کٹ کیٹ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں توڑ کر ڈال لایا تھا۔

جیسے اس نے کھانا اسے اپنے ہاتھ سے کھلایا تھا ایسے ہی وہ اسے آئس کریم بھی اپنے ہاتھ سے کھلا رہا تھا۔ ایک چمچ اسے کھلاتا، پھر ایک خود کھاتا۔ وہ اس کے ہاتھ سے آئس کریم کھاتے ہوئے مسکرا رہی تھی، اس کی محبت کے یہ مظاہرے لوگوں میں اگر شرمندہ کر دیا کرتے تھے تو اکیلے میں بے تحاشا اچھے لگا کرتے تھے۔ شام ہونے تک وہ دونوں یونہی سستی سے بیڈ پر لیٹے رہے تھے۔ آج صبح سے شام تک کا سارا وقت ان دونوں نے گھر پر ہی گزار دیا تھا۔ پھر عباد ہی نے کہیں باہر چلنے کے لئے کہا تھا۔

آج باہر نکل کر ساحل پر چہل قدمی کے بجائے وہ دونوں دوسری جگہوں پر نکل آئے تھے۔ ایک مقامی اوپن ایئر تھیٹر میں شیکسپیر کا رومانٹک، کامیڈی ڈرامہ اے میڈسمر نائٹس ڈریم ان دنوں پیش کیا جا رہا تھا۔ عباد نے شو کے دو ٹکٹس خرید لئے۔ ڈرامہ دیکھ کر باہر نکلے تو رات ہو گئی تھی۔ کھانے کا وقت ہو چلا تھا۔ پزا کھا کے وہ دونوں ساحل پر آئے تھے، جہاں اب اکا دکا ہی لوگ نظر آ رہے تھے۔ اپنے جوتے اتار کر ساحل پر چلتے وہ دونوں کافی دور آ گئے تھے۔

''سمندر بھی ہے، چاندنی رات بھی ہے، آسمان پر ستارے بھی چمک رہے ہیں تم جیسی رومانٹک کے لئے تو یہ ایک پرفیکٹ رومانٹک نائٹ ہو گی۔''

وہ اسے اس کی بہت پہلے کہی بات کا حوالہ دے رہا تھا۔ کیمپس کی سیڑھیوں پر بیٹھے اس نے عباد کو یہی بتایا تھا نا کہ اسے چاندنی راتیں، سمندر کے کنارے واک کرنا اور آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھنا پسند ہے۔ قدرتی طور پر ایسی پرفیکٹ رومانٹک سیٹنگ ہوئی تھی کہ اس کی کہی تمام چیزیں اس وقت یکجا تھیں اور اپنے حسن سے اسے مبہوت کر رہی تھیں۔ پورے چاند کی یہ رات کس قدر حسین تھی۔ دور دور تک رات کی خاموشی تھی، مگر چاندنی رات تھی سو اندھیرا گہرا نہیں تھا۔

''ہاں ساحل پر یہ چاندنی رات، بہت رومانٹک لگ رہی ہے۔ لیکن اگر تم ساتھ ہو تو میرے لئے تیز دھوپ اور طوفانی بارش بھی رومانٹک ہی ہے۔'' وہ اس کی بات سن کر مسکرایا تھا۔

''آوچ......!'' اس کے پیر کے انگوٹھے میں کوئی چیز چبھی تھی۔

''کیا ہوا؟'' عباد نے تشویش سے اسے دیکھا۔

''شاید پیر میں کچھ چبھ گیا۔'' وہ اپنا پیر اوپر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ ایک چھوٹا سا نوکیلا پتھر تھا، جس کا ایک نوکیلا کونا اس کے انگوٹھے میں چبھا تھا۔ اس کے انگوٹھے سے خون نکلتا دیکھ کر عباد گھبرا گیا تھا۔

''ہمیں اس وقت ننگے پیر نہیں چلنا چاہئے تھا۔تم یہاں بیٹھو۔'' وہ گھبرائے ہوئے انداز میں اس کے انگوٹھے سے نکلتے خون کو دیکھ رہا تھا، اس نے اسے ہاتھ پکڑ کر نیچے بٹھایا اور خود اپنی جیب سے فوراً رومال نکال کر اس کے زخم پر مضبوطی سے باندھنے لگا۔

''تم گھر تک چل لوگی؟'' اسے اس قدر پریشان ہوتا دیکھ کر وہ اپنی تکلیف بھول کر اسے تسلی دینے لگی۔

''عابی! میں ٹھیک ہوں۔معمولی سی چوٹ ہے،ٹھیک ہوجائے گی۔چلو گھر چلتے ہیں۔''

''تم چلوگی کیسے؟''

''اب خدا کے لئے یہ مت کہنا کہ تم مجھے فلمی ہیروز کی طرح اٹھا کر گھر تک لے کر جاؤ گے۔میں چل لوں گی،ایسی کوئی خطرناک چوٹ نہیں ہے۔''

مگر وہ اسے یوں سنبھالے گھر تک لایا تھا جیسے نجانے وہ کتنی زخمی ہوگئی ہے۔گھر آ کر روئی سے زخم صاف کرنے کے بعد اس نے خود بڑی احتیاط سے اس کے انگوٹھے پر بینڈ یج کی تھی۔

''تم اتنے پریشان کیوں ہوجاتے ہو عابی!تمہارے خوف سے تو بندہ ڈر کے مارے کبھی بیمار بھی نہ پڑے۔''

وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر لیٹی بول رہی تھی۔

''ہاں تو مت پڑنا ناں کبھی بیمار۔'' وہ آہستگی سے بولا تھا۔

''ہنی! مما، پاپا اور تم ،بس تم تین ہی تو لوگ ہو میری زندگی میں۔تم میں سے کسی کو بھی کوئی تکلیف پہنچتے میں نہیں دیکھ سکتا۔میری خواہش ہے،میری دعا ہے کہ مما، پاپا اور تم ہمیشہ خوش رہو،تم لوگوں کو کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچے۔اتنی چھوٹی سی میری فیملی ہے، میں اللہ سے دعا کرتا ہوں میری فیملی کے یہ تینوں افراد ہمیشہ ہمیشہ ،بہت خوش رہیں۔''

وہ اپنے دل کی تمام تر شدتوں کے ساتھ بولا تھا۔

☆

''اپنے لئے یہ دنیاوی جنت جہاں دکھ،غم ،فکر،اندیشے کچھ نہ تھے انہوں نے تلاش کی تھی،اس میں ان کے قیام کی یہ آخری رات تھی۔کل اتوار کا دن تھا اور کل صبح انہیں یہاں سے روانہ ہوجانا تھا۔ ہفتے کی اس رات کو ان دونوں نے جاگ کر گزارا تھا۔ان دونوں میں سے کوئی بھی سونا نہیں چاہتا تھا۔کل کی رات عباد کی جہاز میں گزرنا تھی اور پتہ نہیں پھر کتنی راتوں بعد وہ رات آنی تھی جب وہ دونوں ساتھ ہوتے۔انہیں کتنی طویل جدائی پیش آنے والی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی۔وہ جدائیوں کے ان دنوں کے مختصر سے مختصر ترین ہونے کی دعا کر رہی تھی مگر ان دعاؤں کے ساتھ وہ ہجر کی ان راتوں اور ان دنوں سے گھبرا بھی رہی تھی، ڈر بھی رہی تھی۔وہ عباد کے بغیر ان تمام دنوں اور راتوں میں کیسے رہ پائے گی؟ وہ ابھی اپنی جنت ہی میں تھی مگر اب وہ آنے والے کل کو سوچتی مضطرب اور بے قرار تھی۔

عباد کے سینے پر سر رکھ کر لیٹی،اس کی اپنے قریب موجودگی کو پوری طرح محسوس کرتی وہ یہ سوچ رہی تھی کہ ایسی ہی رات اب ان کی

زندگی میں کتنے دنوں بعد آئے گی۔ وہ ہو، عباد ہو اور ایسی ہی چاندنی رات ہو۔ بالکونی کے کھلے دروازے سے وہ چاند کو، چاند کے ہالے کو، اس کے نور کو اپنا اور عباد کا حصار کیے محسوس کر رہی تھی۔ عباد نے اسے وارفتگی سے اپنی بانہوں کے حلقے میں لے رکھا تھا۔ وہ اس کی خاموشی اور اداسی کو سمجھ رہا تھا مگر کچھ کہہ نہیں رہا تھا۔

☆

صبح اس نے ویسے ہی اس کے سرہانے پھول لا کر رکھے تھے جیسے گزشتہ تمام دنوں میں لا کر رکھتا رہا تھا۔ وہ اس کے اپنے قریب آنے سے جاگ چکی تھی مگر قصداً آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔ وہ کہتا تھا ناں، وہ جاگ کر اس کے پھول رکھنے کا رومینس کم کر دیتی ہے۔

''جاگی ہوئی ہو تو آنکھیں بھی کھول لو۔''

اس کی طرف جھک کر اس نے اس کی دونوں آنکھوں کو چوما۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا، وہ اس کی طرف جھکے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

''غلط کہہ رہا تھا کہ میں تمہیں جاگ جانے سے میرے پھول رکھنے کا رومینس کم ہو جاتا ہے۔ تم جاگ جاتی ہو تب تو زیادہ رومانٹک لگتا ہے کہ یہ لڑکی میری آہٹوں کو سوتے میں بھی پہچان جاتی ہے۔''

وہ اس کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا تھا، روز کی طرح اس کے تکیے پر سر رکھ کر اس کے ساتھ لیٹا نہیں تھا۔

''سورج طلوع ہونے والا ہے، چلو ساحل پر چلتے ہیں۔ ایک ساتھ سورج طلوع ہوتا ہوا دیکھیں گے۔ ناشتہ بھی وہیں کریں گے۔''

وہ اس کے بکھرے بالوں کو سنوارتے ہوئے بولا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تم منہ ہاتھ دھو کے نیچے آ جاؤ۔'' وہ اس سے کہتے ہوئے نیچے چلا گیا تھا۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر نیچے آئی تو ان کے ناشتے کا سارا سامان اور ایک چادر لے کر کھڑا ہوا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ ناشتے میں سب بازار کی چیزیں تھیں جو کل کسی وقت اس نے لا کر کچن اور فریج میں رکھ دی تھیں، خود گھر پر اس نے صرف انڈے ابالے تھے اور چائے بنائی تھی۔ ابھی سورج طلوع نہیں ہوا تھا، ہر طرف ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلا ہوا تھا، ساحل پر اتنے منہ اندھیرے ان دونوں کو سوا اور کوئی بھی نہیں تھا۔

چادر بچھا کر اس پر ناشتے کا سارا سامان سجا کر وہ دونوں چادر پر سمندر کی طرف رخ کر کے بیٹھے تھے۔ وہ روز اس سے کہتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ چلے۔ ساحل پر طلوع ہوتے ہوئے سورج کو دیکھے مگر اتنی صبح سویرے بستر چھوڑنے کے خیال سے ہی اس پر سستی اور کاہلی طاری ہونے لگتی، آج وہ پہلی بار اس کے ساتھ یہاں بیٹھی سمندر کے دوسرے کونے سے اوپر اٹھتے ہوئے سورج کو دیکھ رہی تھی اور اسے لگ رہا تھا اس سے حسین منظر اس نے اپنی اب تک کی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ وہ دن کے جس وقت بھی سمندر پر آتے انہیں کسی وقت کم اور کسی وقت زیادہ رش ملتا تھا جبکہ اس وقت یہاں پر ان دونوں کے سوا اور کوئی بھی نہیں تھا۔

ناشتہ جلدی سے کر کے وہ اٹھ کر سمندر کے قریب آ گئے۔ وہ سمندر کے ٹھنڈے یخ پانی سے اپنے پیروں کو بھگو رہی تھی۔ آتی جاتی لہروں کا اپنے قدموں سے آ کر ٹکرانا اسے اچھا لگ رہا تھا۔ اسے ایک سیپی کیا ملی، اس نے لہروں میں اپنے پیروں کو بھگوتے وہاں سیپیاں ڈھونڈنا شروع کر

دیں۔ عباد بھی اٹھ کر اس کے پاس آ گیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ سیپیاں ڈھونڈوانے لگا تھا۔

یہ کل رات ہی طے ہو چکا تھا کہ انہیں یہاں سے صبح سویرے نکل جانا ہے مگر اب ساتھ سیپیاں ڈھونڈتے جیسے وہ دونوں اپنی واپسی بھول چکے تھے۔ عباد کافی دور تک جا کے اس سے زیادہ سیپیاں جمع کر چکا تھا، وہ دونوں ہاتھوں میں بہت پیاری پیاری سی سیپیاں جمع کیے اس کے پاس آ گیا۔ ہنیا کے پاس جو تھیلی تھی اس میں وہ سیپیاں ڈالنے کے بعد وہ اس سے آہستگی سے بولا۔

''چلیں؟'' جانا تو تھا، یہ جنت تو چند روزہ تھی، ہمیشہ کے لئے تو نہیں ملی تھی۔ اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ اس نے عباد کے ساتھ مل کر ناشتے کا سارا سامان سمیٹا، عباد نے ریت پر سے چادر اٹھا کر تہہ کر لی، تب وہ دونوں واپس کاٹیج کی طرف جانے لگے۔

''تم نہا کر تیار ہو جاؤ، میں اتنی دیر میں دونوں کا سامان سمیٹ لیتا ہوں۔'' ساحل پیچھے رہ گیا تھا، وہ اب درختوں کے جھنڈ میں سے گزر رہے تھے۔

''عابی! ہم یہاں پھر کب آئیں گے؟''

''جب تم کہو گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے رسانیت سے بولا۔

''عابی! مجھے یہاں پر پھر لے کر آنا، بہت سارے دنوں کے لئے۔ میں Venice کی فرمائش واپس لے رہی ہوں مجھے تمہارے ساتھ دوبارہ بھی یہیں پر آنا ہے۔''

''لگتا ہے مجھے سستے میں جان چھڑانے کے طعنے دیتے دیتے یہ جگہ کچھ زیادہ ہی پسند آ گئی ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔

''ہاں بہت زیادہ۔ یہاں میں نے اپنی اب تک کی زندگی کے سب سے بہترین اور یادگار دن گزارے ہیں۔''

''صرف تم نے نہیں، میں نے بھی۔ زندگی کی الجھنوں، حالات کی سختیوں اور آنے والے کل کے اندیشوں سے جو یہ کچھ دن، کچھ پل ہم نے چرائے ہیں ناں یہ بہت انمول ہیں، بہت خاص اور بہت یادگار۔ ہم دونوں ان دنوں کو عمر بھر یاد رکھیں گے کبھی بہت بڑھاپے میں ہم دونوں ان دنوں کو یاد کر کے مسکرایا کریں گے۔'' وہ چلتے چلتے یک لخت ہی ایک درخت کے سامنے رک گیا تھا، وہ پتا نہیں اس درخت کو اتنے غور سے کیوں دیکھ رہا تھا۔



''عدیل تم؟'' وہ عدیل سفیان کو اپنے سامنے پا کر بری طرح پریشان ہو گئی تھی۔ اس نے مڑ کر اپنے پیچھے بند دروازے کی طرف دیکھا، پھر اپنے سامنے حیرت زدہ کھڑے عدیل کو دیکھا۔ عذیر فاروق کسی بھی لمحہ اپنے آفس میں واپس آنے والے تھے۔ صورتحال کو اپنے موافق رکھنے کے لئے اسے فوری طور پر کچھ کرنا تھا۔ اس کے ذہن نے بہت تیز رفتاری سے کام کیا، وہ تقریباً بھاگنے والے انداز میں عدیل کے قریب آئی۔ عدیل جو اسے عباد کے پاپا کے آفس میں دیکھ کر بالکل ہکا بکا اور ساکت رہ گیا تھا۔

''ہنیا تم؟ یہاں؟ انکل کے پاس؟''

اس نے اسے بات مکمل نہ کرنے دی۔

''عدیل! پلیز ابھی کچھ مت پوچھو۔ میں تمہیں بعد میں ساری بات بتا دوں گی۔ ابھی پلیز، پلیز تم عابی کے پاپا کے سامنے یہ ہرگز مت ظاہر کرنا کہ تم مجھے جانتے ہو۔ ایسے شو کرنا جیسے تم مجھ سے آج پہلی بار مل رہے ہو۔ وجہ میں تمہیں بعد میں بتا دوں گی۔ پلیز عدیل! میں تمہیں بھی نہیں جانتی، میں عابی کو بھی نہیں جانتی، میں آج تم سے زندگی میں پہلی بار مل رہی ہوں۔''

وہ التجائیہ انداز میں ایک سیکنڈ کا توقف کیے بغیر تیز تیز بول رہی تھی۔ وہ سخت گھبرائی ہوئی تھی۔

عدیل اور اس کی فیملی کے عباد کی فیملی کے ساتھ بہت اچھے گھریلو مراسم ہیں، یہ وہ جانتی تھی مگر یہ اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ عدیل سفیان اس طرح اسے کبھی عذیر فاروق کے آفس یا ان کے گھر پر بھی ٹکرا سکتا ہے۔ ابھی حیرت میں گھرا عدیل اس کی بات کے جواب میں کچھ پوچھ بھی نہ پایا تھا، کہ آفس کا دروازہ کھلا۔ ان دونوں نے گردن گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔

عذیر فاروق دروازے میں کھڑے تھے۔ کیا انہوں نے اس کی بات سن لی تھی یا جب وہ بات مکمل کر چکی تھی تب دروازے پر آئے تھے؟ وہ ان کے چہرے کو بغور دیکھتی، دھک دھک کرتے دل کے ساتھ یہ جاننے کی کوشش کر رہی تھی کہ انہوں نے اس کی عدیل سے کہی جانے والی بات سن لی ہے یا نہیں؟



عباد نے اس بہت مضبوط اور تناور درخت پر بہت بڑا بڑا ان دونوں کا نام کھود کر لکھا تھا، ساتھ آج کی تاریخ اور دن بھی لکھا تھا۔ وہ خاموشی سے اسے ایسا کرتے دیکھتی رہی تھی۔

''یہاں کوئی اور ہمیں یاد رکھے نہ رکھے مگر Carmel میں یہ درخت اب ہم دونوں کو ہمیشہ یاد رکھے گا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

وہ دونوں کاٹیج واپس آ گئے تھے۔ جتنی دیر میں وہ نہا کر تیار ہوئی، عباد نے سارا سامان سمیٹ کر گاڑی میں رکھ دیا۔ اس گھر کا ایک ایک گوشہ ان چند دنوں میں اسے بے حد عزیز ہو گیا تھا، وہ وہاں کے ہر ہر کونے کو حسرتوں سے دیکھتی عباد کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ اس نے کاٹیج کے پچھلی طرف کے دروازے پر آ کر آخری مرتبہ سمندر کو دیکھا۔ اس سمندر، اس ساحل، اس کاٹیج اور اس ساحلی شہر کے ساتھ کتنی ساری انمول یادیں سمیٹ کر وہ یہاں سے جا رہی تھی۔

''ہم یہاں پھر آئیں گے نبی!'' اس کے شانوں کے گرد ہاتھ پھیلائے عباد اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ یہ چھ دن تو عباد کے سنگ اس نے جیسے جنت ہی میں گزارے تھے۔ مگر اب انہیں اپنی اس جنت سے نکلنا تھا۔ حقیقت کی دنیا میں لوٹنا تھا۔ آج رات عباد اس سے دور جانے والا تھا۔ پتا نہیں اسے اپنے پاپا کو منانے میں کتنے دن لگنا تھے اور پتا نہیں عباد کے پاپا نے ان کے رشتے کو کبھی ماننا بھی تھا کہ نہیں؟

کل ساری رات عباد کے ساتھ اس کی بانہوں کے حصار میں جاگ کر گزارتے وہ ہر لمحہ یہی سوچتی رہی تھی وہ دونوں ہی چپ تھے۔ گاڑی ڈرائیو کرتا عباد کیا سوچ رہا وہ نہیں جانتی تھی۔ یونہی خاموش، اپنی اپنی سوچوں میں غلطاں Carmel سے سان فرانسسکو اور سان فرانسسکو سے بذریعہ جہاز وہ دونوں نیویارک لوٹ آئے تھے۔ پیر کے روز اپنی جہاز کی سیٹ بک کرا کے آنے کے بعد وہ جانے کی کوئی تیاری کیے بغیر منگل کی صبح اس کے

ساتھ ماسوائے ڈاکٹر اینڈریو کے کسی کو بھی کچھ بتائے بغیر اپنا اتا پتا دیئے بغیر یہاں سے غائب ہو گیا تھا۔اب اسے اپنی روانگی کی تیاری بھی کرنا تھی اور چند دیگر اہم کام بھی کرنے تھے۔لفٹ میں ان کی عبداللہ سے ملاقات ہوئی۔عباد کو دیکھتے ہی ان کی خوشی والہانہ تھی۔

عباد نے انہیں اپنی اور ہنیا کی شادی کا بتایا اور ساتھ یہ کہ دونوں کیلی فورنیا اپنے ہنی مون کے لئے گئے ہوئے تھے اور اس وقت وہیں سے لوٹے ہیں تب بے پناہ گرم جوشی اور مسرت کا اظہار کرتے عبداللہ نے ان دونوں کو شادی کی مبارک باد دی۔

''تم بہت خوش قسمت ہو، یہ لڑکا بہت پیارا ہے عبداللہ ہنیا سے بولے۔

''میں بہت خوش قسمت ہوں، یہ لڑکی بہت پیاری ہے۔'' عباد کے بے ساختہ جواب پر عبداللہ قہقہہ لگا کر ہنسے تھے۔ہر تشویش فکر اور اداسی کے باوجود وہ بھی عباد کی بے ساختگی پر مسکرائی تھی۔

اپنے اپارٹمنٹ میں آتے کے ساتھ ہی عباد سب سے پہلے اپنے لئے ان تمام دنوں میں آئے ٹیلی فونک پیغامات سننے لگا، جن کے جواب دیئے جانے ضروری تھے وہاں کالز کرنے لگا۔ جیف، نک ہیروشی سمیت اپنے کچھ اور قریبی دوستوں، ڈاکٹر اینڈریو اور چند ایک اور اساتذہ کو وہ خود رابطہ کر کے انہیں اپنے پاکستان جانے کی اطلاع دے رہا تھا۔تمام ضروری فون کالز سے فارغ ہونے کے بعد وہ جانے کی تیاری کرنے لگا تھا۔

وہ نیو یارک شام میں پہنچے تھے، اس کی رات میں فلائٹ تھی۔وقت کم تھا زیادہ سامان کی پیکنگ کا اس کے پاس وقت نہ تھا۔اس لئے وہ صرف اپنا خاص اور ضروری سامان پیک کر رہا تھا۔

وہ پیکنگ میں اس کی مدد کروا رہی تھی اگر چہ اس نے اسے ''تم بیٹھو ہنی! میں کرلوں گا'' کہہ کر منع کیا تھا مگر وہ اس کے ساتھ لگی اس کا سارا سامان سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی۔وہ الماری سے جو جو چیزیں نکال رہا تھا، وہ انہیں سلیقے سے سوٹ کیس میں رکھتی جا رہی تھی۔

عباد اس وقت بھی بالکل خاموش تھا۔بے انتہا سنجیدہ اور بالکل خاموش۔

''ہنی! یہ چیک کل تم اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرا لینا۔''

الماری کے ایک خانے سے اپنی چیک بک نکال کر اس پر تیز رفتاری سے قلم چلانے کے بعد اس نے اس میں سے ایک چیک کاٹ کر اس کی طرف بڑھایا تھا۔اس نے اس چیک کی طرف دیکھا، اس نے عباد عذیر کی طرف دیکھا۔یہاں اس کے بینک اکاؤنٹ میں کتنا پیسہ تھا وہ اسے باتوں باتوں میں کئی بار بتا چکا تھا اور اس وقت وہ اس چیک پر اپنے نام کے ساتھ درج شدہ رقم کو دیکھ رہی تھی۔وہ اپنے اکاؤنٹ میں موجود تقریباً سارے کا سارا پیسہ اس کے اکاؤنٹ میں منتقل کروا رہا تھا۔

''تمہیں جب بھی پیسوں کی ضرورت ہو ہنی! ان ہی پیسوں کو استعمال کرنا۔''

اس نے یہ کہنے کے لئے لب کھولنا چاہئے کہ اسے پیسوں کی ضرورت نہیں، اس کے پیچھے یہاں اسے پیسوں کا ہرگز کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔مگر وہ اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی اس کی بات کا مطلب سمجھ کر آہستگی سے بولا۔

''مجھے پتا ہے تمہیں پیسوں کی ضرورت نہیں۔مگر ہنی! پلیز تم میرے پیچھے اپنے پاپا کے نہیں، میرے پیسوں کو استعمال کرنا۔یہ میرے پاپا

کے نہیں میرے اپنے کمائے ہوئے پیسے ہیں اور تم انہیں استعمال کرو گی تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔ مجھے اگر کراچی میں زیادہ دن لگے تو میں تمہیں وہاں سے اور پیسے بھجوا دوں گا۔ تمہارا پینٹ ہاؤس بے شک میرے اپارٹمنٹ سے زیادہ لگژریس (Luxurious) اور شاندار ہے مگر پھر بھی میرے پیچھے تم یہیں رہنا۔''

وہ رسانیت سے کہہ رہا تھا۔

''تمہیں یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں عابی! تم نہ بھی کہتے تب بھی میں یہیں رہتی۔ ہماری شادی ہوئی ہے عابی! اور شادی کے بعد لڑکیاں اپنے شوہر کے گھر میں رہتی ہیں۔ جب تم پاپا کو منا کر مجھے اپنے ساتھ کراچی لے جانے کے لئے نیویارک واپس آؤ گے تو میں تمہیں یہیں اسی گھر میں ملوں گی، چاہے تم کتنے بھی دنوں بعد آؤ۔'' عباد نے بغور اسے دیکھا، وہ یکدم اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

''مجھے معاف کرو ہنی! مجھے تمہیں اس طرح تنہا چھوڑ کر جانا پڑ رہا ہے۔ ماما جانی کو دنیا سے رخصت ہوئے ابھی صرف آٹھ دن ہوئے ہیں اور اتنی جلدی میں تمہیں یہاں اکیلا چھوڑ کر جا رہا ہوں۔'' وہ ہنیا کے لئے بے حد پریشان تھا۔

''جیسے ہی میں نے پاپا کو منا لیا میں ایک دن کی بھی تاخیر نہیں کروں گا، میں فوراً تمہیں لینے آجاؤں گا۔ تم اتنے دن میرے بغیر رہ لو گی ناں ہنی؟''

وہ اسے اتنا فکرمند اور اداس دیکھ نہیں سکتی تھی، اس کے لئے قصداً مسکرائی۔

''کم آن عابی! اس طرح پریشان ہو کر تم پہلے ہی ہمت ہار رہے ہو۔ میری فکر مت کرو، میں یہاں بالکل ٹھیک رہوں گی۔'' وہ خاموشی سے اس کی سمت دیکھتا رہا، اس کی آنکھوں کو پڑھتا رہا۔

''تم میری فکر مت کرو عابی! میں تمہارے واپس آنے کا انتظار کرتے یہ تمام دن مزے میں گزار لوں گی۔ میں جاب میں مصروف ہو جاؤں گی پھر تو تمہیں میرے اکیلے ہونے کی فکر نہیں ہو گی ناں؟ سارا دن آفس میں اور شامیں دوستوں کے ساتھ گزار لیا کروں گی اور رات میں اتنی دیر سے گھر واپس آؤں گی کہ آتے ہی لیٹ کر سو جانے کے سوا مجھے کس چیز کا ہوش تک نہیں ہو گا۔''

وہ اس کے پیچھے کیا معمولات اختیار کرے گی، یہ اسے بتا کر وہ اپنی جانب سے اسے اطمینان دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ماما جانی کی بیماری کے ابتدائی دنوں میں وہ جاب کرتی رہی تھی، مگر پھر جب ان کی حالت زیادہ خراب ہونے لگی، ان کے ٹیسٹس کی رپورٹیں مایوس کن آنے لگیں تب اس نے آفس سے چھٹیاں لے لی تھیں۔ اب اس کی چھٹیاں ختم ہو گئی تھیں۔ عباد اس کی جاب دوبارہ جوائن کرنے کی بات سن کر بہت خوش ہوا تھا۔

''ہاں یہ اچھا ہے ہنی! تم بزی ہو جاؤ گی۔''

''جی جناب! میں مصروف ہو جاؤں گی اور میں بہت مزے میں بھی رہوں گی۔ اب خدا کے لئے تم اپنی اس غمگین شکل کو بالکل ٹھیک کر لو۔''

اس نے عباد کے شانے پر اپنا سر ٹکا دیا۔

''عابی! تمہاری ہنی اتنی کمزور اور بزدل نہیں۔'' وہ آہستگی سے بولی تھی۔

''ہاں مجھے پتا ہے۔ مگر شاید میں کمزور اور بزدل ہوں۔ تمہارے معاملے میں، میں بہت کمزور اور بہت بزدل ہوں ہنی۔'' عباد نے اسے

کھینچ کر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

''ہنی! میرے پیچھے اپنا خیال رکھنا۔ تم خود سے بہت لاپرواہ رہتی ہو۔'' اس کی محبتوں کی شدت اس کی آنکھوں میں آنسو لانے لگی تھی، مگر وہ رونا نہیں چاہتی تھی، وہ خود پر ضبط قائم رکھے ہوئے تھی۔

''مجھے تمہاری نصیحت یاد ہے عباد عذیر! مجھے تمہارے لئے اپنی پروا کرنی ہے، اپنا خیال رکھنا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی تھی۔

عباد جواباً مسکرایا تھا۔ ''ہاں میرے لئے اپنی پروا کرنا۔ استری کرتے وقت، کھانا پکاتے وقت ہاتھ مت جلانا۔ وقت پر کھانا کھانا۔ ماما جانی کی طرح روزرات میں کلینزنگ کرنا۔ میں واپس آؤں تو مجھے ہنیا عباد ایسی ہی ملنی چاہئے جیسی آج ہے، بہت خوبصورت اور بے انتہا حسین۔''

وہ اس کے بالوں کی لٹوں کو سنوارتے ہوئے بولا۔ وہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

''صرف کلینزنگ نہیں کروں گی، پابندی سے بیوٹی سیلون بھی جایا کروں گی۔ انشاء اللہ مجھے جلد ہی اپنے ساس سسر سے ملنا ہے، ان سے ملنے سے پہلے مجھے خود کو ایسا تو بنانا ہی ہے کہ صرف ان کے بیٹے ہی کو نہیں بلکہ انہیں بھی بہت خوبصورت اور حسین نظر آسکوں۔''

عباد نے اس کی ہنسی کا ساتھ دیا تھا، مگر ہنستے ہنستے وہ یک لخت ہی دوبارہ سنجیدہ ہوا تھا۔

''ہنی! پلیز اپنا خیال رکھنا۔ پریشان مت ہونا۔ مجھ سے وعدہ کرو تم میرے جانے کے بعد روؤ گی نہیں۔ رونے کا دل چاہ رہا ہے تو ابھی میرے سامنے رولو، جتنا رونا چاہتی ہو رولو۔ مگر میرے پیچھے مت رونا۔ پتا ہے تم یہاں روؤ گی نا تو وہاں میں بہت بے چین رہوں گا۔''

''میں نہیں روؤں گی عابی! رونے کی خدانخواستہ بات کیا ہے؟ تم مما، پاپا کو منانے جارہے ہو، تمہیں کتنے بھی دن لگیں مگر بالآخر تو انشاء اللہ سب ٹھیک ہو ہی جائے گا ناں؟ یہ پریشانیاں اور یہ جدائی تو عارضی ہے عابی!''

''بس اسی طرح خود کو مضبوط رکھو ہنی! دیکھو ہوسکتا ہے مجھے وہاں زیادہ دن لگ جائیں اور میں تمہیں وہاں سے بہت زیادہ فون نہ کرسکوں۔ میں تمہیں وہاں سے فون کیا کروں گا ہنی! مگر شاید ہم روزانہ بہت طویل بات نہیں کر پائیں گے۔''

''تمہیں جب سہولت ہو تب فون کیا کرنا۔ میں نہ پریشان ہورہی ہوں نہ بدگمان۔ میں خود تمہیں فون نہیں کیا کروں گی۔ پتا نہیں میں تمہیں فون کروں وہاں اس وقت تمہارے ساتھ کون ہو، کیا ماحول کیا پچوئشن ہو، کیا گفتگو ہو رہی ہو۔''

طمانیت بھرے انداز میں مسکراتے عباد نے بے ساختہ اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے چوما تھا۔

''تمہیں پتہ ہے ہنیا عباد! میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں؟''

''مجھے پتا ہے اور تمہاری محبت ہی میری سب سے بڑی طاقت ہے عابی! تم ساتھ ہو تمہاری محبت میرے ساتھ ہے تو میں زندگی کی بڑی سے بڑی مشکل کا بھی ہنستے کھیلتے سامنا کرسکتی ہوں۔''

''ہنی! دعا کرنا میں پاپا کو منا لینے میں کامیاب ہو جاؤں۔ ان کی مجھ سے ناراضی دور ہو جائے۔ دعا کرنا انکل طارق اور انوشہ میری بات سمجھ جائیں۔ اگر انکل طارق نے میرا ساتھ دیا، اگر انہوں نے میرے کہنے پر پاپا سے بات کرلی تب تو سمجھو، سارا مسئلہ فوراً ہی حل ہو جائے گا۔''

''میں دعا کروں گی عابی!''اس دعا ہی میں تو اس کی زندگی کی تمام تر خوشیاں پوشیدہ تھیں۔

''ہنی! یہ بھی کرنا کہ جدائیوں کے یہ دن مختصر ہوں۔ بہت جلد میں اور میری ساری فیملی اکٹھی ہو۔ میں، تم، مما، پاپا ہم چاروں۔ پھر میں اپنی فیملی کی ایک ایسی ہی تصویر کھینچوں گا۔ وہ تصویر حقیقی ہوگی ہنی! اس میں، میں نے کسی ٹیکنالوجی کا استعمال سے تمہیں، مما، پاپا خود کو یکجا نہیں کیا ہوگا بلکہ ہم سب حقیقت میں اس طرح ایک ساتھ کھڑے ہوں گے۔''

اس کے لبوں سے بے ساختہ ''انشاء اللہ'' نکلا تھا۔ عباد ابھی بھی اس کے چہرے کو ہاتھوں میں تھام کر بیٹھا تھا۔

''آج کیا ہم صرف باتیں کرتے رہیں گے؟ کچھ کھائیں گے نہیں؟''

عباد کو یکدم ہی وقت کا احساس ہوا تھا۔ شام ڈھل چکی تھی، رات ہو رہی تھی۔ اس کے جانے کا وقت نزدیک آ رہا تھا۔ اپنی فلائٹ کے ٹائم سے تین گھنٹے قبل اسے ایئر پورٹ پہنچنا تھا۔ 9/11 کے بعد امریکہ کے مسافروں کو کم از کم تین گھنٹے پہلے ایئر پورٹ پہنچنا ہوتا تھا۔ وہ کارمل سے ناشتہ کر کے چلے تھے، پھر اب تک انہوں نے دوران سفر کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ اس کا کچھ کھانے کا ابھی بھی دل نہیں چاہ رہا تھا مگر وہ جانتی تھی عباد اسے اپنے سامنے اپنے موجودگی میں کھانا کھلانا چاہتا ہے اس لئے بنا کچھ کہے وہ خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ کچن میں آ گئی۔ وہ اس کے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتی تھی مگر اس نے ہاتھ پکڑ کر اسے کرسی پر بیٹھا دیا تھا۔

''میرے پیچھے خود ہی پکا کر کھاؤ گی، آج ایک دن اور میرے ہاتھ کا پکا کھانا کھا لو۔''

''تم اتنا مزے کا کھانا بناتے ہو عابی! میں سمجھتی تھی اچھا کھانا پکانا صرف لڑکیوں ہی کا پلس پوائنٹ ہوتا ہے مگر اب احساس ہو رہا ہے کہ مردوں خاص طور پر شوہروں کا اچھا کک ہونا بھی کتنا زبردست ہوتا ہے۔''

عباد نے فرائی کی ہوئی مچھلی کا ایک ٹکڑا کانٹے کی مدد سے اس کے منہ میں ڈالا تھا اور وہ اس نوالے کو چباتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔ جیسے وہ اسے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلا رہا تھا، ایسے ہی وہ بھی اسے اپنے ہاتھ سے کھانا کھلا رہی تھی۔ ایک ہی پلیٹ میں سے وہ اسے کھلا رہی تھی اور عباد اسے۔

''کل صبح ناشتہ ٹھیک سے اور وقت پر کرنا اور میری مانو تو کل ہی سے اپنا آفس جوائن کر لو۔ آفس کے بعد کیتھی اور مائیک کے ساتھ کہیں باہر گھومنے اور کھانا کھانے کا پروگرام بنا لینا۔''

''کل تو نہیں، ہاں پرسوں سے آفس جوائن کر لوں گی۔ اتنے دن ہو گئے گھر گئے۔ کل وہاں جا کر وہاں کی صفائی وغیرہ کروں گی، پھر اپنا سارا سامان یہاں لاؤں گی، اس سامان کو پھر یہاں سلیقے سے رکھوں گی، پھر یہاں کی بھی تھوڑی صفائی وغیرہ کروں گی۔ کل کا دن تو اسی مصروفیت میں گزر جائے گا۔''

گھڑی یہ اعلان کر رہی تھی کہ اب عباد کو تیار ہونے کے لئے کھڑا ہو جانا چاہئے، ورنہ وہ ایئر پورٹ پہنچنے کے لئے لیٹ ہو جائے گا۔ ایک دوسرے سے کچھ بھی کہے بنا وہ دونوں ایک ساتھ، ایک ہی وقت میں میز پر سے اٹھے۔ وہ دونوں ایک ساتھ کمرے میں آ گئے تھے۔ عباد نے الماری میں سے اپنے کپڑے نکالے بلیک پینٹ کے ساتھ پہننے کے لئے اس نے وہی بلیو شرٹ نکالی جو ہنیا نے اسے گفٹ کی تھی۔ وہ باتھ روم میں آ گیا۔ وہ باتھ

روم میں کھڑا شیو بنا رہا تھا اور وہ باتھ روم کے کھلے دروازے سے ٹیک لگائے اسے شیو بناتا دیکھ رہی تھی۔

''پتہ ہے عابی! تم بہت ہینڈسم ہو۔''

ریزر ہاتھ میں اٹھاتے ہوئے وہ ہنسا۔ وہ اسے شیو کرتا دیکھتی رہی۔ اس نے شیو کیا، منہ دھویا، چہرے کو تولیے سے خشک کیا، وہ باتھ روم سے باہر نکلا تب وہ بھی اس کے ساتھ ہی باہر آئی۔ وہ لباس تبدیل کر رہا تھا۔ پتا نہیں اسے کیا ہوا تھا، ایسا اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں کیا تھا جیسے ہی عباد نے شرٹ پہننے کے لئے ہینگر سے نکالی اس نے وہ شرٹ عباد کے ہاتھ سے لے لی۔ وہ اسے اپنے ہاتھ سے شرٹ پہنانے لگی تھی۔

اس نے فقط خاموشی سے ایک ایک کر کے اپنے ہاتھ اوپر اٹھائے تھے تاکہ قمیص کی آستینوں میں اس کے ہاتھ جا سکیں۔ وہ اب ایک ایک کر کے اس کی شرٹ کے تمام بٹن لگا رہی تھی۔ تمام بٹن لگ چکے تب اس نے قمیص کا کالر اپنے ہاتھوں سے سیدھا کیا، کف بند کیا۔ عباد اسے خاموشی سے یہ سب کرتے دیکھتا رہا۔

وہ اسے شرٹ پہنا چکی تب عباد نے شرٹ پینٹ کے اندر گھسا کر بیلٹ لگالی۔ وہ پیچھے ہینگر سے اس کا کوٹ اور اوور کوٹ نکال کر لے آئی تھی۔ اب وہ اسے اپنے ہاتھ سے کوٹ پہنا رہی تھی۔

''مجھ سے تو کہہ رہے ہو کہ میں اپنا خیال رکھوں، مگر خود اپنا خیال رکھنا مت بھولنا۔'' اس کی آواز بھرانے لگی تو وہ جلدی سے اس کے سامنے سے ہٹی۔ وہ مڑ کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف گئی اور وہاں سے ہیئر برش اٹھا کر اسے پکڑایا۔ ''برش بھی تم ہی کر دو۔'' وہ اپنے ہاتھوں سے اس کے بالوں کو سنوارنے لگی، وہ اس کے بالکل نزدیک کھڑا اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا۔ اس نے اس کی کلائی پر گھڑی بھی خود باندھی پھر خود ہی اسے اس کے من پسند کولون کی خوشبو سے مہکایا۔ وہ اس کے جوتے اٹھا کر لے آئی تھی۔ عباد نے جوتے اس کے ہاتھ سے لے کر اسے صوفے پر اپنے برابر میں بٹھا لیا تھا، وہ جھک کر جوتے پہن رہا تھا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ جوتے پہن کر سیدھا ہوا اور مسکرا کر اسے دیکھا۔ وہ تیار ہو چکا تھا۔ وہ صوفے سے اٹھ کر اپنا سوٹ کیس اور بیگ اٹھانے لگا۔ وہ اپنا سامان اپارٹمنٹ کے مین دروازے تک پہنچا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر رہی تھیں، وہ عباد کو سامان رکھتا دیکھتی فوراً کمرے سے نکل کر باہر بالکونی میں آگئی تھی۔

وہ خود کو صبر اور ضبط کی تلقین کر رہی تھی۔ اسے رونا نہیں ہے، اسے عابی کو پریشان نہیں کرنا۔ اپنا سامان دروازے پر رکھ کر وہ ایک منٹ بعد ہی اس کے پاس بالکونی میں چلا آیا تھا۔ وہ ریلنگ پر بازو جمائے کھڑے تھی، اس کی آہٹ سن کر مڑی۔

''چلیں؟'' اس نے مسکرا کر عباد سے پوچھا۔ وہ کتنی دقتوں سے مسکرائی تھی، یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔

''ابھی کچھ دیر باقی ہے۔'' وہ اس کے پاس آگیا تھا۔ اسے اپنے ساتھ لگائے اس کے شانوں کے گرد ہاتھ پھیلا کر وہ آسمان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ چاند نے گھٹنا شروع کر دیا تھا، مگر ابھی اس کا نور اور چمک ماند پڑنا شروع نہیں ہوئی تھی۔

''مجھے ائیر پورٹ چھوڑ کر واپس آؤ گی تو کیا کرو گی؟'' عباد نے آہستگی سے پوچھا، اس کی نگاہیں بدستور آسمان پر مرکوز تھیں۔

''اوں۔ میرا خیال ہے لیٹ کر سو جاؤں گی، اتنی صبح کے اٹھے ہوئے ہیں ہم دونوں۔ میرا خیال ہے مجھے فوراً ہی نیند آجائے گی، لیکن اگر

نیند نہیں آئی تو ٹی وی دیکھ لوں گی۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''جھوٹ نہیں، سچ۔ روؤ گی؟''

وہ جواباً چپ رہی۔

''ہنی! مجھے یاد کر کے رونا مت۔ نہ آج رات نہ کسی اور رات۔ جب بھی میں بہت یاد آؤں، بس آسمان کی طرف دیکھنا، وہاں جو ستارہ سب سے زیادہ چمک رہا ہو، اسے دیکھنا، جب تم ایسا کرو گی ناں مجھے پتہ چل جائے گا۔''

''اچھا، وہ کیسے؟'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''اس لئے کہ ہمارا دل کا نہیں روح کا رشتہ ہے۔ ہم بظاہر کتنے بھی دنوں کے لئے ایک دوسرے سے کتنا بھی دور ہو رہے ہیں مگر روح کا رشتہ تو ملنے اور نظر آنے سے بھی زیادہ مضبوط رشتہ ہوتا ہے تم جس پل سے سچے دل سے، اپنی روح کی گہرائیوں سے مجھے پکارو گی، آنکھیں بند کر کے میرا نام لو گی۔ میں تمہارے پاس ہوں گا۔''

وہ اس کے بازوؤں کے حلقے میں اس کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی۔ وہ دونوں یک ٹک آسمان پر سب سے زیادہ چمکتے اس ستارے کو دیکھ رہے تھے۔ نجانے کتنے منٹ وہ دونوں یونہی کھڑے رہے تھے، عباد کی کلائی پر بندھی گھڑی بتا رہی تھی کہ اس کے گھر سے نکلنے کا وقت ہو چکا ہے۔

''چلیں ہنی؟'' اس کے شانے سے سر ہٹا کر وہ سیدھی ہوئی اور سر اثبات میں ہلایا اور اپارٹمنٹ سے باہر نکلے تو عباد مڑ کر ایک نظر اپنے گھر کو دیکھنے لگا۔ تب وہ اس سے بولی۔

''تمہارے پیچھے، میں تمہارے گھر کا اور اپنا دونوں کا خیال رکھوں گی۔ تم جب واپس آؤ گے ہم دونوں تمہیں ایسے ہی ملیں گے۔''

''میرا گھر؟'' عباد کا انداز سرزنش کرنے والا تھا۔

''ہاں تمہارا گھر۔ میرا گھر تو کراچی میں ہے، وہ گھر جہاں مما، پاپا رہتے ہیں۔ اگر تم سے پاپا کو منایا نہ جا رہا ہو تو مجھے بتا دینا۔ تمہیں یاد ہے تم نے مجھ سے کہا تھا میں اگر پاپا سے تمہارے حوالے کے بغیر جا کر ملوں تو وہ پہلی ملاقات میں مجھے پسند کرنے لگیں گے۔ تو اگر تم ناکام ہونے لگے تو میں کراچی آجاؤں گی۔''

عباد نے جواباً مسکراتے ہوئے سر اقرار میں ہلا دیا تھا۔

وہ دونوں گاڑی میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔ گاڑی ہنیا ڈرائیو کر رہی تھی۔ عباد اس کے برابر والی نشست پر خاموش بیٹھا تھا۔ وہ دونوں ایئر پورٹ پہنچ گئے تھے۔

عباد کو ٹرمنل چار کے باہر اتار کر وہ گاڑی پارک کرنے چلی گئی تھی۔ عباد سوٹ کیس اور بیگ ٹرالی میں رکھ کر Teminal کے اندر آ گیا تھا۔

وہ عباد کو رخصت کرنے آئی تھی، اسے الوداع کہنے آئی تھی اور اسے پورا ایئر پورٹ سوگوار لگ رہا تھا باوجود وہاں بے تحاشا شور، رش اور افراتفری کے۔ عباد نے اس کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے وہ دونوں یونہی خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے کی آنکھوں

میں دیکھنے کے بجائے وہ دونوں اپنے اطراف موجود لوگوں کو دیکھ رہے تھے۔

''تم جب دبئی پہنچ جاؤ گے، میں تمہیں تمہارے سیل پر فون کروں گی۔''

عباد نے اثبات میں سر ہلایا۔ اب اسے ہنیا کو خدا حافظ کہہ کر پہلے سکیورٹی چیک پوائنٹ کی طرف چلے جانا چاہئے تھا۔

''ہنی!'' عابی!'' ان دونوں نے ایک ہی وقت میں ایک دوسرے کو پکارا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''اپنا خیال رکھنا ہنی۔'' عباد نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے تھے۔ اس نے گردن اقرار میں ہلائی، اس سے کچھ بولا نہیں جا رہا تھا۔ وہ یک ٹک اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ عباد کے ہاتھوں سے اپنا دایاں ہاتھ نکال کر اب وہ اسے اس کے رخسار پر اس کے ڈمپل پڑنے والی جگہ پر رکھ رہی تھی۔

''عابی! ہنس کر دکھاؤ، مجھے تمہارا ڈمپل دیکھنا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں دو آنسو باوجود کوشش کے بہہ نکلے تھے۔ وہ اس کے کہنے پر مسکرایا تھا۔ وہ اس کے ڈمپل پر انگلی رکھ کر کھڑی تھی۔ عباد نے اس کے آنسو صاف کئے۔

''خدا حافظ ہنی۔''

''خدا حافظ عابی!'' عباد نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ اپنا ٹکٹ، پاسپورٹ، بورڈنگ کارڈ اور Carry-on بیگ ہاتھ میں لئے وہ اس سے دور جا رہا تھا۔ وہ پہلے سکیورٹی چیک پوائنٹ کی طرف جا رہا تھا۔ مڑ مڑ کر اسے دیکھتا وہ اس سے دور جا رہا تھا۔ اس کے سامنے ایئرپورٹ کا وہ سکیورٹی آفیسر کھڑا تھا جو یہاں سے آگے بڑھنے سے پہلے ہر مسافر کا بورڈنگ کارڈ چیک کرتا انہیں آگے سکیورٹی چیک کے لئے لگی لمبی قطار میں جانے کی اجازت دے رہا تھا۔

نجانے ایک دم ہی اسے کیا ہوا تھا بجائے قدم آگے بڑھانے کے وہ الٹے قدموں واپس مڑا تھا۔ وہ بھاگتا ہوا واپس اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ جو اسے الوداع کہنے کے لئے ہاتھ اٹھائے کھڑی تھی اسے بھاگ کر اپنی سمت آتا دیکھ رہی تھی۔ وہ اتنی تیز رفتار سے بھاگ رہا تھا کہ اس کی سانس پھول گئی تھی۔ اس کے قریب آتے ہی اس نے کھینچ کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

''ہنی! میں تم سے بہت بہت محبت کرتا ہوں۔'' اس کے سینے سے لگ کر وہ خود پر ضبط قائم نہیں رکھ پائی تھی، اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ عباد نے اس کا سر اپنے سینے سے اٹھایا، اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھامے اردگرد کی کوئی پروا کئے بغیر وہ اس کی پیشانی چوم رہا تھا، اس کی آنکھوں، اس کی پلکوں، اس کے رخساروں، اس کے لبوں کو چوم رہا تھا۔ وہ اس کے چہرے کے ایک ایک نقش کو چوم رہا تھا۔ ایسا تو اس نے Carmel میں بھی نہ کیا تھا۔

یہ نیویارک تھا، یہاں کوئی انہیں مڑ کر یا رک کر نہیں دیکھ رہا تھا مگر عباد کی محبت کا یہ والہانہ اظہار اس کی اپنی شخصیت کے بالکل برخلاف تھا۔ اس نے دیکھا، عباد کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

''عابی! جلدی آنا میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' اس کی بھیگی پلکوں کو چومتے ہوئے عباد نے سر اقرار میں ہلایا۔ کئی منٹ وہ یونہی اسے

اپنی بانہوں کے حصار میں لئے کھڑا رہا تھا۔ پھر اس نے سر اوپر اٹھایا، دوبارہ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں تھاما۔

''اپنا خیال رکھنا۔ رونا نہیں، میں جلدی آؤں گا۔'' وہ اس کے رخساروں پر پھیلے آنسوؤں کو اپنے لبوں سے خشک کر رہا تھا۔

''میں اپنا خیال رکھوں گی عابی! تم میرے لئے پریشان مت ہونا۔'' اس کے ہونٹوں کا لمس اپنے بھیگے رخساروں اور لبوں پر محسوس کر کے اس کی آنکھوں سے آنسو اور تیزی سے بہنے لگے تھے۔

''جلدی آنا عابی! میں تمہارا انتظار کروں گی۔'' سر اقرار میں ہلاتا وہ اس کے چہرے پر بہتے آنسوؤں کو اپنے لبوں سے خشک کرتا رہا تھا۔

''عابی! تمہیں دیر ہو رہی ہے۔'' خود کو ضبط اور حوصلے کی تلقین کرتے اس نے اسے یاد دلایا۔ اس کے احساس دلانے پر وہ چونک کر سیدھا ہوا۔ اس نے اس کے چہرے کو ہنوز اپنے ہاتھوں میں تھاما ہوا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر عباد کے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر سے ہٹایا۔ وہ ایک قدم پیچھے بھی ہٹ گئی تھی۔ وہ اپنے آنسوؤں پر بھی بند باندھ چکی تھی۔ وہ عباد کے لئے اس روانگی کو مشکل نہیں بنانا چاہتی تھی۔

''خدا حافظ عابی!'' وہ اس سے ایک قدم مزید دور ہٹ گئی تھی۔

''اپنا خیال رکھنا عابی! میرے لئے بہت پریشان مت ہونا اور یہ بھی یاد رکھنا کہ جیسے تم مجھ سے بہت محبت کرتے ہو ایسے ہی میں بھی تم سے بہت، بہت، بہت محبت کرتی ہوں۔''

ہاتھ ہلاتے ہوئے اس نے دور جاتے عباد عذیر سے بلند آواز میں کہا تھا۔

ان کے بیچ اب بہت سارا فاصلہ تھا۔ وہ اسے نظر آ رہا تھا، مگر وہ کیا کہہ رہا ہے، اتنے شور اور مسلسل ہوتی مختلف فلائٹس کے Departure اور بورڈنگ کے اعلانات میں وہ اس کے لبوں کی محض جنبش دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے I Love You Honey کہہ رہا تھا۔ وہ ان لفظوں کی بازگشت میں گھری کھڑی تھی اور وہ اندر جا چکا تھا، وہ اسے نظر آنا بند ہو چکا تھا۔

☆

اس کا دل چاہا تھا۔ وہ ایک بار پھر بھاگ کر اس کے پاس جائے، ایک بار پھر اسے اپنے گلے سے لگالے۔ مگر خود پر ضبط کے پہرے بٹھاتے اس بار وہ واپس مڑا نہیں تھا۔ ہنیا کو دیکھتے اسے یوں کیوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ اسے آخری مرتبہ دیکھ رہا تھا، جیسے آج کے بعد وہ اسے کبھی نظر نہیں آئے گی۔ کیوں پیدا ہو رہا تھا یہ دل دہلاتا مایوس کن احساس اس کے اندر؟

اس سے رخصت ہوتے ان لمحوں میں اس کے دل میں یہ ہراساں کرتا سوال کیوں پیدا ہو رہا ہے کہ اب وہ ہنیا سے کب اور کہاں ملے گا؟ حالات کس رخ پر جائیں گے، زندگی کا کیا رخ متعین ہوگا؟ اگر پاپا نے اسے معاف کرنے اور اس سے راضی ہونے کی شرط یہ رکھی کہ وہ ہنیا کو چھوڑ دے، تب وہ کیا کرے گا۔ اگر اسے معاف کرنے کے لئے انہوں نے یہ شرط رکھ دی کہ وہ ہنیا سے الگ ہو جائے، اگر والدین اور ہنیا میں سے اسے کسی ایک کا انتخاب کرنے کو کہا گیا پھر وہ کیا کرے گا؟ وہ محبتوں کی اس درجہ بندی اور تقسیم سے خائف ہو رہا تھا۔ نہیں، اس کا دل محبت کی اس درجہ بندی اور تقسیم کو نہیں مانتا۔ وہ جن تین لوگوں کو اپنی زندگی میں سے بھی بڑھ کر چاہتا ہے۔ تینوں اسے ایک ساتھ چاہئیں، وہ ان سب میں سے کسی سے بھی دستبردار ہونے کو تیار نہیں۔

اسے ماں کی گود میں سر رکھنا تھا، باپ کے گلے لگنا تھا۔ لگتا تھا صدیاں گزر گئیں اسے اپنے مما، پاپا سے ملے بغیر، انہیں دیکھے بغیر۔ وہ تیز قدموں سے چلتا اس لائن کا حصہ بن گیا۔ وہ جلد از جلد اپنے جہاز تک یوں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ جیسے یہ فلائٹ اسے جہاں پہنچائے گی وہاں مما، پاپا اس کے منتظر کھڑے ہوں گے، اس سفر کے اختتام پر وہ مما، پاپا کو اپنے روبرو دیکھے گا۔ کاش ایسا ہی ہوتا، کاش ایسا ہی ہوتا۔

وہ جہاز میں کھڑکی کے ساتھ والی نشست پر بیٹھا، اپنے پلین کو ٹیک آف کرتا دیکھ رہا تھا۔ وہ نیویارک سے دور جا رہا تھا۔ وہ ہنیا سے دور جا رہا تھا۔ وہ خود سے روٹھے ہر رشتے کو منانے جا رہا تھا۔ مما، پاپا، انکل طارق، انوشہ آج Carmel سے واپس آ کر اس نے بڑی امید اور آس سے اپنے لئے آئے ٹیلی فونک پیغامات سنے تھے، اس نے اپنی E-mails چیک کی تھیں۔ کیا پتا پاپا کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہو۔ اب انہوں نے اس کی وہ ای میل پڑھ لی ہو جو اس نے ہنیا سے نکاح سے قبل انہیں بھیجی تھی۔ اس کی وہ ای میل پڑھ لینے کے بعد پھر وہ اس سے ناراض رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ مگر اس کی آنسرنگ مشین میں ریکارڈ شدہ بے شمار پیغامات میں کوئی پیغام اس کے پاپا کا نہ تھا، اس کے لئے آئی بہت ساری E-mails میں کوئی E-mail اس کے پاپا کی نہ تھی۔ اس کی حسرت، حسرت ہی رہ گئی تھی۔

''یوں لگتا ہے ہنی! تمہارے علاوہ ہر کوئی مجھ سے خفا ہے، مجھے غلط سمجھ رہا ہے۔''

اس نے کوٹ کی جیب سے اپنا والٹ نکالا۔ اس والٹ میں پہلے صرف ماما اور پاپا کی تصویریں رہا کرتی تھیں، اب اس میں ہنیا کی بھی تصویر تھی۔ کرسمس ایو پر اس اسٹور میں کھینچی ہنیا کی وہ تصویر جس کے بیک گراؤنڈ میں برف باری اور روشنیاں تھیں۔ خوب اچھی طرح تیار ہوئی، بھرپور میک اپ کئے بے پناہ حسین لگتی ہنیا۔ ریڈ کلر کا منک کوٹ، منک ہیٹ، شانوں پر بکھرے بال اور خوب کھلکھلا کر ہنستی ہنیا۔ اس تصویر میں اس نے ہنیا کا کلوز اپ لیا تھا فوکس اس کے چہرے پر رکھا تھا۔ اس کے شانوں کی وہ تصویر تھی اور اس میں اس کے دلکش میک اپ سے سجے چہرے کا ایک ایک نقش نمایاں تھا۔

ہنیا کے شدید ترین اصرار پر بھی اس نے اس روز کی کھینچی تمام تصویروں میں سے اسے یہ تصویر نہیں دکھائی تھی۔ باقی تمام تصویریں اس نے

اسے دکھائی تھیں اور یہ ایک تصویر اسے دکھائے بغیر تب ہی سے اپنے والٹ میں رکھ لی تھی۔ ہنیا کی تصویر پر ایک مسکراتی نظر ڈالنے کے بعد وہ والٹ میں بجی مما اور پاپا کی تصویروں کو دیکھنے لگا تھا۔

''عابی! اٹھ جاؤ بیٹا۔'' وہ جہاز میں بیٹھے بیٹھے اپنے گھر پہنچ گیا تھا۔ مما اس کے کمرے میں آکر اسے یونیورسٹی جانے کے لئے اٹھا رہی تھیں۔ اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی، اس کی پیشانی چومتی۔

''ناشتے میں کیا کھاؤ گے؟'' ناشتے کا نام سنتے ہی اس نے فٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں۔

''اپنی مما کے ہاتھوں کا پکا پراٹھا۔''

ماں کے ہاتھوں کے پکے کھانوں کے لئے تو وہ آدھی رات کو بھی سوتے سے اٹھ کر بیٹھ سکتا تھا۔ وہ اس کے کس طرح لاڈ اٹھاتی تھیں۔ اسے اپنے ہاتھوں سے نوالے تک بنا کر کھلاتی تھیں۔ ان کے ہاتھ کا پکا پراٹھا ان ہی کے ہاتھ سے کھانے میں اتنا مزا آتا تھا کہ وہ قصداً اس وقت بالکل چھوٹے بچوں کی طرح بی ہیو کرنے لگتا تھا۔

''آپ کے ہاتھوں کا ذائقہ بہت یاد آرہا ہے مما! میں آؤں گا تو اپنے ہاتھوں سے پکا کر پراٹھا کھلائیں گی ناں؟''

ماں کی تصویر دیکھتے اس کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ وہ ماں کو بہت یاد کر رہا تھا۔ وہ اپنے پاپا کو بہت یاد کر رہا تھا، اپنی اب تک کی زندگی میں وہ اتنے سارے دنوں کے لئے کبھی بھی ان سے دور نہیں ہوا تھا۔ پاپا اس سے ملے بغیر، اس کے پاس نیویارک آئے بغیر دبئی سے واپس لوٹ گئے تھے تب وہ بہت ہرٹ ہوا تھا۔

وہ ان دونوں سے ملنے کے لئے کتنا بے قرار تھا۔ صرف اس لئے نہیں کہ وہ انہیں ہنیا سے ملوانا چاہتا تھا بلکہ اس لئے کہ اسے ان سے ملے بہت مہینے ہو گئے تھے، انہیں دیکھے بہت سارے دن ہو گئے تھے، وہ ان سے ملنے کے لئے شدید بے قرار تھا۔

ہنیا کے سامنے اس نے اپنے کسی دکھ کا اظہار نہیں کیا تھا گو یہ بھی جانتا تھا کہ وہ سب سمجھتی ہے، وہ جانتی ہے کہ وہ اپنے پاپا کی اس لاسٹ فون کال کے بعد سے ٹوٹ پھوٹ سا گیا ہے، بہت نڈھال اور کمزور محسوس کر رہا ہے خود کو۔ ''میں نے تم سے صرف یہ کہنے کے لئے فون کیا ہے کہ آج کے بعد کبھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا، کبھی میرے سامنے مت آنا۔'' وہ ان تمام دنوں میں ہنیا کے ساتھ جہاں بھی گیا، جو بھی کیا، ایک لمحے کے لئے بھی پاپا کی ناراضی سے بھرپور آواز نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔

''عباد عذیر! میں آج تم سے اپنا ہر رشتہ ختم کر رہا ہوں مجھے تم جیسے بیٹے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''پاپا ایسا مت کہیں۔ پلیز پاپا ایسا مت کہیں۔'' ان کی تصویر کو اپنے نگاہوں کے سامنے کیے، وہ ان سے بے آواز مخاطب تھا۔ اس کی آنکھوں سے چند آنسو بہے تھے، جنہیں اس نے بڑی سرعت سے فوراً ہی پونچھ ڈالا تھا۔

''کاش پاپا! میں آپ کو یہ بتا پاؤں کہ میں آپ سے کتنی محبت کرتا ہوں، اپنی زندگی سے بڑھ کر، اپنی جان سے بڑھ کر۔ آپ میرے پاپا ہیں، آپ میرے بہترین دوست ہیں۔ آپ تو مجھے یار کہہ کر رہے ہیں۔ آپ میرے دوست ہیں ناں تو اپنے دوست کو سمجھیں پاپا! ہنیا سے محبت کا یہ

مطلب تو نہیں کہ میرے دل میں آپ کی محبت کم ہوگئی؟ آپ اور مما تو میرے لئے دنیا کے ہر رشتے اور ہر فرد سے یہاں تک کہ میری اپنی ذات سے بھی زیادہ اہم ہیں۔''

وہ اپنے پاپا کو اچھی طرح جانتا تھا، ایک بار وہ اس کی بات سننے پر آمادہ ہو جائیں تو اس کی بات سمجھ بھی لیں گے۔ وہ ائیر ہوسٹس کو ہر طرح کی اشیاء خورد و نوش کے لئے منع کر چکا تھا۔ اس کا کچھ بھی کھانے پینے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ تو بس اپنے مما، پاپا کی تصویروں کو سامنے کئے ان سے باتیں کرنے میں مگن تھا۔ وہ اڑ کر پل کی چوتھائی میں ان کے سامنے پہنچ جانا چاہتا تھا۔ اسے خود اپنے آپ پر یہ سوچ کر حیرت ہو رہی تھی کہ مما، پاپا سے ملنے کی اتنی والہانہ بے تابی کے باوجود اس نے یہ گزشتہ 6 دن اتنے سکون سے امریکہ میں کس طرح گزار لئے۔ ماما جانی کے انتقال کے فوراً بعد وہ ہنیا کو تنہا چھوڑ کر جانا نہیں چاہتا تھا، وہ ہنیا کی خاطر یہ چھ دن مزید امریکہ میں رکا تھا۔ مگر نیویارک میں رکا رہنا اور بات تھی آخر وہ اسے لے کر Carmel کیوں چلا گیا تھا؟ ان دنوں کو اتنے گرمجوشی اور محبت سے بھرپور انداز میں ہنی مون کی طرح کیوں گزارا تھا؟ ہنیا کو تمام Tensions اور پریشانیوں سے نکالنے کے لئے؟ اس کی آب و ہوا اور ماحول چند دنوں کے لئے تبدیل کروانے کے لئے؟ ہاں یہ وجوہات بھی تھیں اسے لے کر Carmel چلے جانے کی، مگر یہ ثانوی وجوہات تھیں۔ اصل اور بنیادی وجہ ہنیا کو اپنے ساتھ کسی ایسی خوبصورت جگہ لے جانے کی جہاں ان دونوں کے سوا ان کا واقف کوئی بھی نہ ہو، صرف وہ دونوں ہوں اور ان کی ایک دوسرے کے ساتھ والہانہ محبت ہو اس کے دل کے کسی گوشے سے ابھرتی یہ آواز تھی کہ وہ ہنیا سے جیسی اور جتنی محبت کرتا ہے اس کا بھرپور اور مکمل انداز میں اظہار ان چھ دنوں میں کر ڈالے۔ پچھلے چھ سات دنوں میں اس نے جو کچھ بھی کیا اپنے دل کے کہنے پر کیا۔

کیسی ناقابل فہم سی بات تھی کہ جو کام اس نے بظاہر ہنیا کو ماما جانی کی جدائی کے غم اور مستقبل کے اندیشوں سے نکالنے کے لئے اس کی خاطر کیا تھا اس نے درحقیقت اسے بھی بہت خوشی دی تھی۔ وہ ان چھ دنوں میں بہت خوش رہا تھا، ان دنوں میں کئی بار ایسا ہوا جب خود کو خوش ہوتا محسوس کر کے اس کے اندر احساس ندامت جاگا، کیا وہ ایک خود غرض اور نافرمان بیٹا بن گیا تھا؟ اس کا باپ اس سے خفا ہے اور وہ تفریحات میں مگن ہے؟ مگر اس احساس ندامت کو یکسر مسترد کرتے اس کے دل سے فوراً ہی ہر بار یہ صدا آتی کہ وہ جو کر رہا ہے، بالکل ٹھیک کر رہا ہے۔

اس نے اپنے اور ہنیا کے رشتے کو مکمل بنایا مما، پاپا کی رضامندی سے قبل ان کے رشتے کی اس تکمیل پر ہنیا شرمندہ ہوئی تھی، پشیمان ہوئی تھی مگر وہ تو ایک پل کے لئے بھی شرمندہ نہ ہوا تھا۔

ہنیا اس کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہنے نظر آ رہی تھی۔ سوتے وقت اس کی ٹی شرٹ ور ٹراؤزر پہن کر وہ کتنی خوبصورت لگا کرتی تھی۔ اگر پاپا کو پتا چلے کہ پچھلے دنوں اس نے اس لڑکی کے ساتھ اپنی زندگی کے چھ بہترین، یادگار دن گزارے ہیں تو وہ کیا سوچیں گے؟ شاید وہ اس سے مزید بدگمان اور خفا ہو جائیں گے، اسے بہت خود غرض، بے حس اور نافرمان بیٹا سمجھیں گے۔ مگر ہنیا کو اپنی زندگی کے یہ چھ دن پورے کے پورے اور مکمل دے کر اسے ایسا کیوں لگ رہا کہ اس نے کچھ برا کیا ہے، کچھ غلط اور خود غرضانہ کیا ہے۔ وہ اپنے دل کی بہت سنتا تھا، دل کی بہت مانتا تھا اور اس کا دل ان گزرے دنوں میں اسے ہر پل یقین دلاتا رہا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ سب بالکل ٹھیک ہے۔ اس کا دل مطمئن تھا، وہ اسے بھی اطمینان دلا رہا تھا۔

اگر ہنیا کے ساتھ ان چھ دنوں میں وہ خوش رہا تو یہ خوشی خود غرضی نہیں، نافرمانی نہیں حق تھی۔ ان کے رشتے کا حق تھی۔ کون جانے اب وہ دونوں کب اور کہاں ملیں گے، کن حالات میں ملیں گے۔ ان چھ دنوں میں اس کا دل ہر پل اس سے یہ کہتا رہا تھا کہ وہ جتنی محبت ہنیا سے کرتا ہے اس کا آج اور ابھی کھل کر اور والہانہ اظہار کر ڈالے۔ اپنی محبت کی کسی بھی شدت کو ہنیا سے چھپا کر، آئندہ کے لئے بچا کر نہ رکھے۔

☆

عباد کو رخصت کر کے وہ گھر واپس آ چکی تھی۔ کچھ گھنٹے قبل یہاں وہ بھی تھا، یہاں ایسی خاموشی اور ویرانی نہ تھی۔

وہ کمرے میں آ کر بیٹھ گئی۔ وہ خود کو بار بار یہ یاد دلا رہی تھی کہ اسے رونا نہیں ہے، اسے خود کو مضبوط بنانا ہے۔ مگر اس کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔ بیڈ پر جس طرف وہ لیٹتا تھا، وہ اس طرف، اسی کے تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔ سامنے عباد کی لگائی My Faimly والی تصویر میں وہ ٹکٹکی باندھے عباد کو دیکھے چلی جا رہی تھی۔ وہ پچھلے سات دنوں میں 24 گھنٹے اس کے ساتھ رہا تھا، دن اور رات کا کوئی پل، کوئی لمحہ اس نے اس کے بغیر نہیں گزارا تھا اور اس وقت اس کمرے کی یہ خاموشی اور یہ سناٹا اسے سہما رہا تھا، خوفزدہ کر رہا تھا۔ اس سناٹے سے گھبرا کر وہ بالکونی میں آ گئی تھی۔

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھری ہوئی تھیں مگر وہ ان آنسوؤں کو بہا کر وعدہ خلافی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''عابی! جلدی آنا، تمہارے بغیر تو یہ ایک رات نہیں کٹ رہی، میں یہ تمام طویل دن کس طرح گزاروں گی؟''

وہ بالکونی میں رکھی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ اب راستے میں ہوگا، وہ نیویارک کی حدود سے باہر نکل چکا ہوگا جس ستارے کو اس پل وہ دیکھ رہی ہے پتا نہیں آسمان کی وسعتوں میں عباد کو وہ ستارہ دکھائی دے رہا ہوگا کہ نہیں؟

☆

اس کا سفر جاری تھا۔ جہاز میں اپنے اردگرد بیٹھے مسافروں سے لاتعلق وہ اپنے مما، پاپا کی تصویروں کو نگاہوں کے سامنے کئے بیٹھا تھا۔ اسے نہ کچھ کھانے کی خواہش تھی نہ کچھ پینے کی وہ اپنے گردوپیش سے یکسر بے نیاز تھا۔ وہ اپنی بہت پیاری مما کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنے بہت ہینڈسم پاپا کو دیکھ رہا تھا۔

''میں آپ کو منانے آ رہا ہوں پاپا! آپ ضدی ہیں تو میں آپ کا بیٹا آپ سے زیادہ ضدی ہوں۔ آپ مجھ سے ناراض رہنے کی اپنی ضد پر قائم رہیں میں آپ کو منا لینے کی اپنی ضد پر ڈٹا ہوا ہوں۔ میری ضد آپ کی ضد سے زیادہ مضبوط ہے، لہٰذا آپ کو تو میں ہر حال میں منا کر ہی رہوں گا۔ آپ نے مجھے معاف نہ کیا، مجھے گلے سے نہ لگایا تو عباد عذیر کی زندگی کس کام کی ہے؟'' باپ کی تصویر کو دیکھتا وہ ان سے سرگوشی کر رہا تھا۔

☆

انہیں ساری رات نیند نہیں آئی تھی۔ عباد انہیں بے طرح اور بے حساب یاد آ رہا تھا۔ وہ پریشان تو اس کے لئے اسی روز سے تھیں جب عذیر فاروق نے ان سے اس کے نکاح کی اطلاع پا کر سخت غصے کی حالت میں اسے فون کیا تھا۔ انہوں نے فون پر عباد کو جو کچھ کہا وہ ہاجرہ نے حرف بہ حرف سنا تھا، اپنی طرف سے انہوں نے بہت اچھے انداز اور اچھے ماحول میں عذیر فاروق کو عباد کے نکاح کی بات بتائی تھی، مگر ان کے تمام تر محتاط انداز کے

باوجود وہ یہ بات سنتے ہی غصے سے بپھر گئے تھے۔ انہوں نے اسی وقت ان کے سامنے ہی عباد کو فون کر کے اس سے قطع تعلق کا اعلان کیا تھا۔ اپنے اکلوتے، لاڈلے بیٹے کی شادی کا ان سے، ایک ماں سے بڑھ کر ارمان اور کس کو ہو سکتا تھا، عباد کا اس طرح کسی انجان لڑکی سے نکاح کر لینا، جسے انہوں نے دیکھا تک نہیں تھا، ان کے دل کو افسردہ کر گیا تھا مگر وہ ان کا بیٹا وہ ان کا عابی جس طرح آس ونراس میں گھرا بول رہا تھا۔

وہ اس کا امید بھرا التجائیہ انداز کہ ماں اسے ضرور سمجھ لے گی، اماں اس سے خفا نہ ہو گی، انہیں کسی بھی خفگی و ناراضی کا اظہار کرنے سے روکا گیا تھا۔ وہ عابی سے ناراض نہیں انہوں نے اسے یقین دلایا تھا مگر وہ اس کے پاپا کی ناراضی دور کرنے میں اس کی کوئی مدد نہیں کر پا رہی تھیں۔

عذیر فاروق عباد اس سے شدید ناراض تھے۔ وہ اس کا نام سننا بھی پسند نہیں کر رہے تھے۔ ان گزرے سات دنوں میں انہوں نے کئی بار شوہر سے بات کرنے کی کوشش کی۔ عباد سے ان کی ناراضی ختم کرانے کے جتن کیے، مگر وہ ان کی بات کیا سنتے، قائل کیا ہوتے، وہ عباد کا نام سنتے ہی انہیں آگے بات کرنے سے روک دیتے۔ یہ سات دن انہوں نے بڑی کشمکش اور پریشانی میں گزارے تھے۔ وہ کیا کریں۔ وہ حالات کو کس طرح ٹھیک کریں۔ انہیں نہ عباد کی فکر چین لینے دے رہی تھی نہ شوہر کی۔ وہ اپنے حساس بیٹے کے لئے بہت پریشان تھیں وہ اس سے بات کرنے کے لئے تڑپ رہی تھیں اور دوسری طرف عذیر فاروق تھے، ان کے شوہر، ان کی زندگی کے ساتھی جو عباد پر چیخنے چلانے اور ناراض ہونے کے بعد بالکل خاموش ہو گئے تھے۔ انہوں نے بولنا، کھانا پینا سب چھوڑ رکھا تھا۔ صبح وہ آفس جاتے شام میں وہاں سے گھر آ کر خاموشی سے اپنے کمرے میں چلے جاتے، نہ ہاجرہ سے کچھ کہتے نہ کچھ پوچھتے۔ ان سے چھ دنوں میں آفس اور گھر کے سوا وہ کسی تیسری جگہ نہیں گئے تھے ان کا یہ انداز وہ زندگی میں پہلی بار دیکھ رہی تھیں۔ وہ عباد سے بے تحاشا محبت کرتے تھے۔

انہوں نے زندگی بھر اس کی کوئی فرمائش، کوئی خواہش کبھی ٹالی نہیں تھی انہوں نے اسے والہانہ اور بے حساب چاہا تھا اور اب جب اس سے خفا ہوئے تھے تو اتنے شدید کہ لگتا تھا کبھی اس سے راضی ہوں گے ہی نہیں، ان دنوں ان کے گھر میں خاموشی اور افسردگی پھیلی ہوئی تھی۔ روز رات کو وہ دونوں ایک ہی کمرے میں ایک ہی بستر پر موجود ہوتے اور آپس میں کوئی بات نہ کرتے۔ مختلف پریشان کن سوچوں میں گھرے کبھی ہاجرہ کی آنکھ کھل جاتی، کبھی سوتے سوتے آنکھ کھل جاتی۔ یہ کیفیت گزشتہ کئی راتوں سے تھی مگر آج کی رات تو بڑی ہی بے کلی اور اضطراب میں گزر رہی تھی۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے عابی کا چہرہ تھا، ان کے کانوں میں اس کی مما پکارتی آوازیں تھیں۔ صرف وہی نہیں جاگ رہی تھیں، عذیر فاروق بھی جاگ رہے تھے، آنکھیں کھول کر چھت کو تکتے وہ بھی بے چین سے لگ رہے تھے۔

اس کے بغیر یہ گھر کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ عابی کے قہقہوں اور آوازوں کے بنا یہ گھر کتنا سونا ہو گیا تھا، مگر جب سے عذیر فاروق اس سے ملنے کے لئے دبئی سے نیویارک جانے کے بجائے انہیں لے کر واپس کراچی آ گئے تھے تب سے تو ان کی بے چینی حد سے سوا تھی۔ وہ انہیں حد سے زیادہ یاد آ رہا تھا۔ ان کا کسی کام، کسی چیز میں دل نہ لگتا تھا۔ انہوں نے عذیر فاروق سے کچھ نہ کہا تھا مگر یہ گزرے تمام ماہ جو دبئی سے آ کر انہوں نے اپنے گھر میں گزارے ان کے لئے کسی عذاب سے کم نہ تھے۔ ان کا دل اپنے عابی کو دیکھنے اسے پیار کرنے کو مچل رہا تھا۔ اس کا خیال کسی بھی پل ان کے ذہن و دل سے محو ہی نہ ہوتا تھا۔ آج کل صبح شام نجانے کب کب کی پرانی باتیں انہیں یاد آئے چلی جاتیں۔ اس وقت بھی آ رہی تھیں۔ اپنے

پیارے عابی کی باتیں، جو ماں کا دل ہر پل دُہراتا رہتا تھا۔ اس کے اے لیول کے بعد جب پہلے پہل عذیر فاروق نے اسے امریکہ پڑھنے کے لئے بھجوانے کی بات کی، وہ کس طرح بالکل چھوٹے بچوں کے سے انداز میں ان کی گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔

''مما! مجھے امریکہ نہیں جانا۔ مما! میں آپ کے اور پاپا کے بغیر نہیں رہ سکتا۔''

سترہ اٹھارہ سال کی لاابالی اور کھلنڈرے پن والی عمر میں وہ اپنے ہم عمر دوسرے لڑکوں سے کتنا مختلف تھا۔ عذیر فاروق اس کی ان باتوں پر کبھی اس پر ناراض ہوتے، کبھی اس کا مذاق اڑاتے، مگر وہ تو ایسا ہی تھا۔ وہ ان دونوں کی معمولی سی بیماری پر بھی اتنا پریشان ہو جاتا تھا کہ اس کی پریشانی کے خوف سے وہ اس سے اپنی بیماری چھپاتی تھیں۔ وہ امریکہ سے انہیں دن میں کئی بار فون کرتا، صرف ان کی آواز سے وہ ان کی طبیعت کی خرابی بھانپ لیتا تھا، وہ لاکھ چھپاتی رہیں، اسے ان کی آواز سے پتہ چل جاتا تھا کہ وہ بیمار ہیں، پھر اس کی بوکھلاہٹیں اور پریشانیاں ہوتیں، تشویش ہوتی۔ وہ اسے اس طرح پریشان ہونے اور بوکھلانے پر پیار سے سمجھانے کی کوشش کرتیں تو وہ ایسے جیسے یہ اس کے اختیار سے باہر کی بات ہے بے بسی سے کہتا۔

''میں کیا کروں مما! میں جان کر نہیں کرتا، بس میں آپ کو اور پاپا کو کسی بھی تکلیف میں دیکھ نہیں سکتا۔''

آج کل لڑکے کہاں ماں، باپ سے اس طرح اٹیچ ہوتے ہیں، کہاں اتنے زیادہ حساس ہوتے ہیں۔ پچھلی بار پاکستان آیا تھا اور خوبصورت لگ رہا تھا۔ امریکہ کی آب و ہوا اسے خوب راس آئی تھی۔ وہ انہیں پہلے سے بھی زیادہ ہینڈسم اور پیارا لگا تھا۔ وہ دل ہی دل میں اس پر نظر کی دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونکتی رہتی تھیں۔ ''اوپر سے بھرپور نوجوان اور اندر سے چھوٹا بچہ ہے۔''

عذیر فاروق ہنستے رہے تھے، مذاق اڑاتے رہے تھے اور وہ جتنے دن پاکستان میں رہا روز ان کے ہاتھوں سے ناشتہ کرتا۔ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے پراٹھا پکا کر، اپنے ہاتھوں ہی سے نوالے بنا بنا کر کھلایا کرتیں۔

''مما! وہ تو بولیں، عابی! مما کی جان۔'' ان کی محبت کا یہ والہانہ انداز، یہ پیار اور محبت کی شدتوں میں گندھا ان کا طرزِ تخاطب اسے کس قدر اچھا لگا کرتا تھا۔ اپنی شادی کے ذکر پر وہ کس طرح فوراً ان سے بولا تھا۔

''مما! ابھی تک آپ کے جیسی لڑکی ملی نہیں ہے۔ میں اس لڑکی سے شادی کروں گا جس میں ہاجرہ عذیر جیسی ہی نرمی اور محبت ہوگی۔ جو ہاجرہ عذیر ہی کی طرح خوبصورت ہوگی اور جو مجھ سے بالکل ویسی ہی محبت کرے گی جیسی ہاجرہ عذیر میرے پاپا سے کرتی ہیں!''

وہ اس کی ان باتوں پر کتنی دیر تک ہنستی رہی تھیں۔ اس کی ہر بات، ہر ادا ہی دل موہ لینے والی ہوتی۔ یہاں تھا تو ان کی اور عذیر فاروق کی سالگرہ کا دن وہ کس طرح اہتمام سے مناتا تھا۔ صبح سویرے اپنے ہاتھوں سے ناشتہ بنا کر ساتھ پھولوں کا گلدستہ اور کارڈ لئے وہ ان کے کمرے میں چلا آتا تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے ٹو مما۔'' ہیپی برتھ ڈے ٹو پاپا، گنگناتے ہوئے۔ اس کے امریکہ جانے کے بعد اب انہیں سالگرہ کا دن کس قدر پھیکا اور بے رونق لگتا تھا۔ حالانکہ عباد بار بار انہیں فون کر کر کے اور میسج کر کے کے Wish کر رہا ہوتا مگر وہ فون کالز اور میسجز اس کی موجودگی کا نعم البدل تو نہیں ہو سکتے تھے۔

''عابی! مما کو تم بہت یاد آ رہے ہو۔ کب آؤ گے بیٹا؟ ماں کا دل تمہارے لئے بہت اداس ہے۔'' بیٹے کی تصویر کو دیکھتے ان کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔



انہیں نیند نہیں آ رہی تھی، وہ بستر پر بالکل ساکت اور خاموش لیٹے تھے۔ ہاجرہ تھوڑی دیر بعد انہیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ ان کی نگاہیں اپنے چہرے پر محسوس کر رہے تھے مگر وہ ان نگاہوں کو نظر انداز کیے خاموش لیٹے تھے۔ ہاجرہ آج کل ہر پل انہیں التجائیہ نگاہوں سے دیکھتی رہتی تھیں۔ جب سے عباد کے متعلق کوئی بھی ذکر سننے سے انہوں نے انکار کیا تھا وہ تب سے اس کے متعلق کچھ کہتی تو نہ تھیں مگر ہر پل انہیں التجائیہ نگاہوں سے دیکھتی یہ ضرور کہہ رہی ہوتی تھیں کہ وہ ان کی خاطر عباد کو معاف کر دیں۔ انہوں نے اپنے بڑے بھائی طارق کو دبئی فون کر کے انہیں ساری بات بتا دی تھی۔ اب چھپانے کو رہ کیا گیا تھا، ان کا بیٹا امریکہ میں شادی کر چکا تھا۔ وہ بیٹا جس سے انہیں بہت امیدیں تھیں، اس نے انہیں بہت مایوس کیا تھا۔ ہاجرہ کی ملتجی نگاہوں کو ان تمام دنوں میں نظر انداز کرنے کے باوجود وہ ان سے بہت ڈسٹرب ہوتے تھے۔ وہ اس وقت بھی ڈسٹرب ہو رہے تھے اس لئے یک دم ہی بستر سے اٹھ کر وہ باہر بالکونی میں آ گئے تھے۔ ان کے کمرے کے برابر والا کمرہ عباد کا تھا اور ان کے کمرے سے نکلنے والی بالکونی سیدھی اس کے کمرے تک جاتی تھی۔ یعنی وہ بالکونی کے ذریعے بھی بالکونی والا دروازہ استعمال کر کے ایک دوسرے کے کمروں میں جا سکتے تھے۔ وہ اس بند دروازے کو دیکھنے لگے۔

ہاجرہ پابندی سے اس کمرے کی صفائی کرواتی تھیں۔ باہر سے بھی اس کی کھڑکیاں، دروازے سب چمکتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اسی بالکونی، اسی کمرے میں چھوٹا سا کھیلتا وہ بڑا ہوا تھا، برسوں پہلے ان کا ہاتھ تھام کر اس نے اپنی زندگی کا پہلا قدم اٹھایا تھا اور آج وہ اتنا بڑا ہو چکا تھا کہ اپنی زندگی کے تمام فیصلے ان کی مرضی اور منشا کے بغیر خود کر سکتا تھا۔ ان کی نگاہوں میں تو ابھی تک وہ چھوٹا سا پانچ چھ سال کا بچہ بسا تھا جو پاپا، پاپا پکارتا اسی بالکونی میں ان کے پیچھے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اسی لان میں ان سے سائیکل چلانا سیکھ رہا تھا۔ ایک تلخ مسکراہٹ لبوں پر لاتے وہ اس کا خیال اپنے ذہن سے جھٹک دینا چاہتے تھے۔ مگر وہ خود بخود ہی نگاہوں کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ برسوں پہلے کا منظر تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا، وہ ہاسپٹل کے بستر پر پٹیوں اور مختلف مشینوں میں جکڑے بری طرح زخمی پڑے تھے، وہ ان کے سرہانے سے ہٹتا نہیں تھا، وہ بچوں کی طرح روتا رہتا تھا۔

''میرے پاپا کب ٹھیک ہوں گے؟'' وہ روتے ہوئے ڈاکٹر سے پوچھتا رہتا تھا۔ اس نے یونیورسٹی جانا چھوڑ دیا تھا، وہ چوبیس گھنٹے ان کے پاس رہتا تھا۔ طبیعت کچھ ٹھیک ہوئی، زخم کچھ بہتر ہوئے تو وہ اسے اکثر ان رونے دھونے والی حرکتوں پر چھیڑتے، اس کا مذاق اڑاتے۔

''عباد عذیر! تم تو مجھ جیسے بہادر آدمی کے بیٹے لگتے ہی نہیں ہو۔''

وہ امریکہ جانے پر بھی ان سے چھپ چھپ کر ماں کی گود میں سر رکھ کر بہت رویا تھا۔ انہوں نے اسے بی ای پاکستان ہی سے کرنے دیا تھا، بلکہ اس کا اتنا رونا دھونا دیکھ کر انہوں نے اسے آگے بھی باہر پڑھنے کے لئے بھیجنے کی اپنی خواہش کو ختم کر ڈالا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا، تو وہ اس پر

زبردستی نہیں کر سکتے تھے۔ مگر B.E کے آخری سال میں اس نے ازخود M.S کرنے کے لئے امریکہ جانے کی بات کر کے انہیں حیران کر دیا تھا۔

''یہ حیرت انگیز تبدیلی کیسی؟ ہمارا ماما زبوائے مما کے بغیر وہاں رہ لے گا؟'' وہ اسے حسب عادت چھیڑ رہے تھے۔

''اپنے پاپا کے لئے وہاں جا رہا ہوں، تا کہ وہ مجھ پر ہمیشہ فخر کر سکیں، لہٰذا رہ بھی لوں گا۔'' وہ ان کے مذاق اڑاتے انداز کے جواب میں سنجیدگی اور بردباری سے بولا تھا۔ وہ ہاجرہ کی التجائیہ نگاہوں سے بچنے کے لئے باہر آئے تھے اور اب رات کے اس پہر خود بھی اسی کی باتیں یاد کر رہے تھے جس کے لئے وہ انہیں التجائیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔ رات کے اس پہر انہیں اس کی باتیں اس طرح کیوں یاد آ رہی ہیں وہ سمجھنے میں ناکام تھے۔ وہ تو اسے سوچنا نہیں چاہتے اس کا ذکر نہیں سننا چاہتے۔ وہ اسے یاد کرنا نہیں چاہتے، اس نے انہیں بہت مایوس کیا ہے، اس نے انہیں ان کے باپ جیسے بڑے بھائی کے آگے بری طرح شرمسار کروایا ہے، نہیں انہیں اسے نہیں سوچنا۔ وہ اپنی زندگی کا فیصلہ کر چکا۔ وہ باپ اور اس انجان لڑکی میں سے اس لڑکی کو چن چکا، اسے باپ پر ترجیح دے چکا۔

وہ چند مہینوں کی شناسا لڑکی اس کے لئے باپ کی پچیس سالوں کی محبت پر حاوی ہے، وہ بتا چکا۔ نہیں انہیں عباد عذیر کو نہیں سوچنا۔ ''سر! میں اندر آ سکتا ہوں۔'' وہ شرارتی مسکان لبوں پر سجائے ان کے آفس کا دروازہ کھولے اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔ وہ ان کے آفس آتا تو شرارتاً ہمیشہ انہیں ''سر'' کہا کرتا۔ وہ اپنے بی ای کے پہلے سال سے ان کے آفس آنے لگا تھا۔

''آپ کو پتہ ہے یہ عذیر فاروق صاحب آفس میں سارا وقت اتنی خوبصورت لڑکیوں کے بیچ رہتے ہیں۔ ذرا خود کو مین ٹین کر کے رکھیں۔''

وہ شرارتی انداز میں ماں کو سمجھاتا۔

آج جب وہ اس سے اتنے شدید ناراض ہیں، جب اس نے ان کا اتنا دل دکھایا ہے، انہیں اتنا مایوس کیا ہے تب کیوں وہ اس طرح یاد آ رہا ہے؟

وہ نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکل رہے ہیں، وہ ان کی جوتیاں ہاتھوں میں لئے کھڑا ہے، وہ جھک کر ان کی جوتیاں ان کے پیروں کے سامنے رکھ رہا ہے۔ جب بھی وہ ساتھ نماز پڑھنے جاتے وہ ایسا ہی کیا کرتا۔ وہ باپ بیٹا مسجد سے باہر نکلے تھے، پتا نہیں پھٹے پرانے کپڑوں میں میلا کچیلا سا کون شخص تھا اور کیا بے کار اور بے مقصد اپنی داستان سنا رہا تھا، وہ اسے نظر انداز کرتے آگے بڑھ گئے تھے اور عباد مروت اور لحاظ میں اس شخص کی ساری بات سن رہا تھا۔

وہ بیٹے کو سمجھانا چاہتے تھے کہ اس شخص کی جھوٹی غم زدہ داستان کا اختتام پیسے مانگنے پر ہوگا، مگر وہ ان کی آنکھ کا اشارہ سمجھ لینے کے باوجود بھی اپنے فطری لحاظ اور مروت کے ہاتھوں مجبور اس شخص کی بات تحمل سے سن رہا تھا۔ وہ ان کا بیٹا تھا، مگر ان سے بالکل مختلف عادات کا مالک تھا۔ وہ تو جہاں ضرورت ہوتی بد مزاج اور بد دماغ بھی بن سکتے تھے، پُر غرور انداز بھی اختیار کر سکتے تھے، لحاظ اور مروت کو پرے بھی دھکیل سکتے تھے۔

''ہر آدمی آپ کی اخلاقیات کا مستحق نہیں ہوتا۔'' وہ اسے سمجھایا کرتے تھے۔

''عباد عذیر! آثار بتا رہے ہیں تم میرے جمے جمائے کاروبار کو چند ہی سالوں میں بہت برے حالات تک پہنچا دو گے، تمہیں تو ہر کسی پر ترس اس قدر آتا ہے۔''

وہ بالکونی میں چلتے چلتے آہستگی سے دوروازہ کھول کر اس کمرے میں آ گئے تھے۔ وہاں اس کے بچپن، لڑکپن، نوجوانی سب بکھری پڑی تھیں۔ اسے کمرے میں تصویر لگانے کا بہت شوق تھا۔ اس نے کمرے میں ان کی اور ہاجرہ کی بھی اور اپنی بھی بہت ساری تصویریں لگا رکھی تھیں۔ ایک دیوار تو پوری اس نے چھوٹی بڑی فریم شدہ تصاویر سے بھر رکھی تھی۔ کسی تصویر میں وہ ہاجرہ کے ساتھ تھا، کسی میں ان کے ساتھ، کسی میں ان دونوں کے ساتھ، کسی میں وہ 5,4 سال کا بچہ تھا، کسی میں 19,18 سال کا نوجوان۔

اس کی ایک تصویر جس میں وہ 9,8 برس کا تھا، اسے دیکھتے انہیں بے وجہ ہی برسوں پہلے کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ برسوں پہلے کی ایک بات جب وہ یونہی اس کے کمرے میں آئے تھے۔ اسی طرح بالکونی والے دروازے سے، انہیں بات یاد نہیں تھی، عباد نے کیا شرارت کی تھی، ایسا کیا کیا تھا جس پر انہوں نے اسے بہت ڈانٹا تھا۔ وہ چپ چاپ سر جھکا کر ان کی ڈانٹ سنتا رہا تھا۔ وہ ایسے کام کرتا ہی بہت کم تھا کہ اسے ڈانٹ کھانی پڑے۔ اس لئے نہ وہ اور ہاجرہ اسے ڈانٹنے کے عادی تھے اور نہ ہی وہ ڈانٹ کھانے کا۔ یہی وجہ تھی کہ رات جب وہ سونے کے لئے لیٹ گئے تو انہیں بے چینی سے نیند نہیں آئی۔

وہ اپنی غلطی پر ان سے ڈانٹ کھا کر چپ چاپ اپنے کمرے میں سونے چلا گیا تھا اور اب انہیں اسے ڈانٹنے پر ملال سا ہو رہا تھا۔ اس کی غلطی بھی تھی تو کیا ہوا، وہ شرارتی بچہ نہ تھا، ایک آدھ بار کی غلطی تو قابل معافی ہوتی ہے، انہیں اسے اتنے سخت لفظوں میں نہیں ڈانٹنا چاہئے تھا۔ وہ بے چین ہو کر اپنے کمرے سے اٹھ گئے تھے۔ ''کبھی کبھار ڈانٹ ڈپٹ بھی بچوں کی بھلائی کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ اکلوتا بیٹا ہے، کہیں ضرورت سے زیادہ لاڈ پیار میں بگڑ ہی نہ جائے۔'' بالکونی میں ادھر سے ادھر چکر کاٹتے ان کا ذہن ان سے کہہ رہا تھا۔ مگر باپ کا دل ذہن کی ان نصیحتوں کو خاطر میں نہ لاتا آخر بیٹے کے کمرے میں آ ہی گیا تھا۔ وہ اندر اسی طرح جیسے ابھی آئے تھے بالکونی کے دروازے سے اسی کمرے میں آئے تھے، شاید رات کا ایسا ہی کوئی پہر تھا، یہیں اسی بیڈ پر وہ سو رہا تھا۔

وہ اس کے قریب آئے تھے، اس کے قریب آ کر انہوں نے اسے جھک کر دیکھا تو اس کے گالوں پر انہیں آنسوؤں کے نشان نظر آئے، آنسو سوکھ چکے تھے، مگر ان آنسوؤں کے نشان اس کے چہرے پر باقی تھے، وہ روتے روتے سو گیا تھا۔ ان کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا تھا۔ وہ بے اختیار جھکے تھے، انہوں نے اس کے دونوں گالوں کو والہانہ چوما تھا۔ ''عابی! آئم سوری بیٹا، پاپا کو تمہیں اس طرح نہیں ڈانٹنا چاہئے تھا۔'' وہ گہری نیند سو رہا تھا، وہ اٹھا نہیں تھا، ان کی آنکھیں بیٹے کے آنسوؤں کو دیکھ کر بھیگ سی گئی تھیں، وہ اس کے پاس ہی لیٹ گئے تھے۔ وہ دل میں ارادہ کر رہے تھے کہ اپنی اس ڈانٹ کے ازالے کے لئے وہ اسے کل کہیں گھمانے لے جائیں گے، اسے اس کی پسند کے بہت سارے کھلونے دلائیں گے، وہ ان سے خفا ہو کر روتے ہوئے سویا تھا، وہ اسے کل صبح ہی منا لینے کا ارادہ کر رہے تھے۔ مگر صبح ہونے پر جب ان سے پہلے عابی ان کے پاس آیا۔ وہ اسے منانے اور خوش کرنے کا پروگرام طے کر رہے تھے اور وہ آنکھوں میں آنسو لئے ان سے معافی مانگ رہا تھا۔

"I am sorry papa! It won`t happen again"

وہ نو سال کا بچہ رات اپنے بستر میں گھس کر روتے ہوئے اس لئے نہیں سویا تھا کہ پاپا نے اسے ڈانٹا تھا اور وہ ان سے ناراض تھا بلکہ اس

لئے رویا تھا کہ اس نے ایسا کام کیا کیوں، جس پر پاپا خفا ہوئے، وہ خود سے ناراض ہو کر روتے ہوئے سویا تھا۔

اپنے نو سال کے بیٹے کی اس حساسیت پر ان کے دل کی عجیب حالت ہوئی تھی، انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا، اسے والہانہ اور بہت پیار کیا تھا۔

ان کے ذہن کے رو بھٹکتی کہاں سے کہاں چلی گئی تھی، وہ عباد کے بیڈ پر بیٹھ گئے تھے۔

وہ رات کے اس پہر آخر اس بیٹے کو کیوں سوچ رہے ہیں جسے کل ضرور ان سے محبت تھی مگر آج نہیں، جسے کل ضرور ان کی پروا تھی مگر آج انہیں، جس کے لئے وہ کل ضرور اہم تھے مگر آج نہیں۔ آج تو اس کے لئے وہ لڑکی اہم ہے۔ اگر اس کے لئے آج ان کی کوئی اہمیت ہوتی تو بجائے انہیں موبائل پر میسج کرنے اور ای میل بھیجنے کے یہاں آ نہ چکا ہوتا؟ انہیں اپنے نکاح کی اطلاع دیتی ایک ای میل کر کے وہ امریکہ میں اس لڑکی کے ساتھ سکون سے تھا، مزے میں تھا۔ انہوں نے اس کی ای میل پڑھنا گزشتہ کئی ماہ سے ترک کر رکھا تھا۔ اس کی ای میلز ہوتیں یا موبائل پر ٹیکسٹ میسجز، وہ پڑھے بغیر انہیں ڈیلیٹ کر دیتے اس وقت ان کے۔ ان باکس میں عباد کی صرف ایک ہی میل تھی، وہ میل جو غالباً اس نے انہیں اپنے نکاح کی اطلاع دینے کے لئے کی تھی۔ اس ای میل کو انہوں نے پڑھا نہیں تھا، مگر اس ای میل کو پچھلی تمام میل کی طرح وہ ڈیلیٹ بھی نہ کر سکے تھے، نجانے کیوں؟



ایک بہت طویل اور بہت تھکا دینے والے سفر کے بعد بالآخر اس کا جہاز دبئی ایئر پورٹ پر لینڈ کرنے والا تھا۔ اس نے پورا سفر اپنے مما، پاپا کی تصویروں کو دیکھتے، ان سے باتیں کرتے گزارا تھا۔ وہ اب ان تصویروں کو واپس اپنے والٹ میں رکھ رہا تھا۔ حفاظتی بیلٹ باندھ لینے کے بعد آنکھیں بند کئے بیٹھا وہ جہاز کا زمین سے نزدیک سے نزدیک تر ہونا محسوس کر رہا تھا۔

وہ پاپا کو منا لینے کے اپنے طویل سفر کی پہلی منزل دبئی پہنچ چکا تھا۔ امیگریشن کے لئے یہاں بھی طویل قطاریں لگی ہوئی تھیں۔

اس کی فلائٹ کے مسافر اور کچھ دوسری فلائٹس جنہوں نے ان کے آگے پیچھے ہی دبئی ایئر پورٹ پر لینڈ کیا تھا ان کے مسافر مختلف قطاروں میں لگے امیگریشن کے لئے سکون سے اپنی اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ اس کی باری آئی تو عرب امیگریشن آفیسر نے دو، تین عمومی نوعیت کے سوالات کر کے اس کے پاسپورٹ پر سٹمپ لگا دی تھی۔

اسی اثناء میں Luggage Belt پر ان لوگوں کا سامان آنا شروع ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ تو کوئی خاص سامان نہیں تھا مگر اس کے ساتھ سفر کرتی وہ بوڑھی پاکستانی خاتون جو جہاز میں اس سے ایک نشست آگے بیٹھی ہوئی تھیں ان کے ساتھ خاصا وزنی سامان تھا۔ وہ خاصی ضعیف بھی تھیں اور تنہا سفر بھی کر رہی تھیں۔ اپنا سوٹ کیس بیلٹ پر سے اٹھا کر ٹرالی میں رکھتے اس کی ان خاتون پر نظر پڑی۔

وہ اپنا سوٹ کیس بیلٹ پر سے اٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں، مگر وزنی ہونے کے سبب وہ ان سے اٹھایا نہیں جا رہا تھا۔ وہ ان کے قریب آ گیا، اس نے ان کا وہ سوٹ کیس اٹھا کر ان کی ٹرالی میں رکھ دیا۔

''شکریہ بیٹا۔'' وہ اس کی شکر گزار ہوئی تھیں۔

''آپ کا اور بھی سامان ہے آنٹی؟'' اس نے ان سے پوچھا۔

''ہاں بلیک کلر کا ایک سوٹ کیس اور ہے۔'' وہ ان کے ساتھ کھڑا رہا۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ وہ اپنا سامان اٹھا چکا ہے اور اب صرف ان کی خاطر وہاں کھڑا ہے۔ بظاہر راستے بھر وہ کتنا لاتعلق سا لگا تھا، انہوں نے دیکھا تھا اس نے ائیر ہوسٹس کو بھی اپنے لئے کچھ کھانے پینے کے لئے لانے کو منع کر دیا تھا، وہ سارا راستہ گرد و پیش سے لاتعلق اپنے آپ میں مگن رہا تھا۔ مگر وہ شاید صرف لاتعلق نظر آ رہا تھا، تھا نہیں، تب ہی تو بغیر کسی واقفیت اور جان پہچان کے صرف انسانیت کے ناطے ان کے ساتھ کھڑا ان کے سامان کا انتظار کر رہا تھا۔ ان کا دوسرا سوٹ کیس کافی دیر بعد آیا تھا۔ اس نے ان کا دوسرا سوٹ کیس بھی اٹھا کر ان کی ٹرالی میں رکھا۔

''جیتے رہو۔ خوش رہو۔'' اس کا شکریہ ادا کرتے انہوں نے اسے دعائیں دیں۔

وہ ان کے شکریہ پر شرمندہ سا ہوتا یوں نظر آ رہا تھا جیسے کسی ایسی بات پر اس کا شکریہ ادا کیا جا رہا تھا جو انتہائی معمولی تھی۔ بڑھاپا بھی اور وہ زندگی میں پہلی بار تنہا سفر کر رہی تھیں اس لئے کچھ گھبراہٹ کا شکار تھیں، مگر اس انجان لڑکے کی اپنے ساتھ موجودگی سے انہیں بڑی ڈھارس، بڑی تقویت مل رہی تھی۔ وہ یہاں اپنی بیٹی سے ملنے آئی تھیں۔ ان کے داماد کو انہیں پک کرنے آنا تھا مگر وہ اب تک پہنچے نہیں تھے۔ انہیں گھبراہٹ شروع ہو گئی تھی کہ انجان جگہ پر تنہا وہ بیٹی کے گھر کیسے پہنچیں گی۔

''آپ فکر مت کریں آنٹی! تھوڑی دیر اور دیکھ لیں اگر آپ کو لینے کوئی نہیں آیا تو آپ کو جہاں جانا ہے وہاں میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔'' وہ ان کی وجہ سے ان کے ساتھ وہاں رکا ہوا تھا۔ انہوں نے اب اس سے اس کا نام پوچھا تھا۔ وہ انہیں کسی بہت اچھی فیملی کا لگا۔ نئی نسل کے لڑکوں میں یہ شائستگی، یہ اخلاقیات باقی ہیں، وہ تعجب سے سوچ رہی تھیں۔ کافی انتظار کے بعد ان کے داماد انہیں لینے آ گئے تھے۔ وہ اب اس سے رخصت ہو رہی تھیں۔

''آپ مجھے یہ دعا دیں آنٹی! کہ میرے مما، پاپا ہمیشہ خوش رہیں، مجھ سے راضی رہیں کبھی بھی مجھ سے ناراض نہ ہوں۔''

''اتنے پیارے بیٹے سے بھلا ماں، باپ کیوں راضی نہ رہیں گے۔''

انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے کہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں ان والدین کی خوش قسمتی پر رشک کر رہی تھیں جن کا وہ اتنا پیارا بیٹا تھا۔

ان بوڑھی خاتون کو ان کے داماد کے ساتھ رخصت کر کے اب وہ ٹیکسی میں بیٹھا انکل طارق کے گھر کی جانب رواں تھا۔ رات کے بارہ بج چکے تھے۔ روشنیوں اور بلند و بالا عمارتوں میں گھرے دبئی کی صاف ستھری سڑکوں پر بے توجہی سے نگاہیں دوڑاتے وہ اپنے مما اور پاپا کو سوچ رہا تھا۔ ابھی تو وہ دبئی پہنچا ہے۔ وہ کراچی کب جائے گا۔ وہ کسی چھوٹے سے بچے کی طرح ان دونوں کے سینے سے لگ جانے چاہتا تھا۔ وہ ان دونوں سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ وہ ان دونوں سے بہت پیار کرتا ہے، ساری دنیا میں سب سے زیادہ ان دونوں کو چاہتا ہے۔

''مما، پاپا کا اس وقت اس کے سامنے آ جانا ناممکن تھا، مگر اس کا ان سے محبت کا اظہار اور اعادہ تو ناممکن نہ تھا۔ پاپا اس کا میسج پڑھیں نہ

پڑھیں پھر بھی وہ انہیں میسج کرنا چاہتا تھا۔ وہ اس سے قطع تعلق کا اعلان کر چکے تھے، وہ اس سے اپنا ہر رشتہ ختم کرنے کا اعلان کر چکے تھے، پھر بھی وہ انہیں میسج کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنا موبائل نکالا۔

پہلے وہ مما کو ان کے موبائل پر میسج بھیج رہا تھا۔ سادہ سے چند لفظ تھے جو اس نے ٹائپ کئے تھے۔

"Mama! I Love You"

اور میسج سینڈ کر دیا تھا، اب وہ ایسا ہی ایک میسج اپنے پاپا کو سینڈ کر رہا تھا۔

"Papa! I Love You"

ایک ہی سیکنڈ کے اندر مما کا Reply آ گیا تھا۔

''آئی لو یو ٹو بیٹا۔''

مما کا جوابی میسج پڑھتے ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھری تھی۔ بہت خوبصورت، بڑی پیاری مسکراہٹ، وہ اس میسج کو جی بھر کر کئی بار پڑھنا چاہتا تھا، اپنی ماں کے پیار بھرے ان لفظوں کی چاشنی اور مٹھاس اپنے اندر اتارنا چاہتا تھا مگر ابھی وہ صرف دوسری بار ہی ماں کے لکھے ان خوبصورت لفظوں کو دیکھ پایا تھا کہ اس کے موبائل پر کال آنے لگی۔ ہنیا اسے کال کر رہی تھی۔ اس نے کہا تھا ناں وہ اسے اس کے دبئی پہنچنے کے بعد فون کرے گی یہ معلوم کرنے کے لئے وہ خیریت سے پہنچ گیا ہے۔ اس نے ہنیا کی کال ریسیو کی۔ ابھی وہ صرف کال ریسیو کر پایا تھا، ہیلو کہنے کے لئے لب وا کر رہا تھا کہ ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ سامنے سے آتی ایک تیز رفتار گاڑی سے ان کی ٹیکسی ٹکرائی تھی۔ غلطی کس کی تھی، کیا ہوا تھا، اسے کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ وہ بس اپنی ٹیکسی کو گویا سیکنڈ کے اندر کئی قلابازیاں کھاتے دیکھ رہا تھا، وہ ہوا میں کئی فٹ اوپر اچھلتی نجانے کہاں سے کہاں ٹکرائی، قلابازیاں کھاتی اب کہیں لڑھکتی چلی جا رہی تھی، ایسے جیسے کہیں نیچے کی طرف، کہیں کسی گہرائی کی طرف لڑھک رہی تھی، موبائل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ اس کے کانوں میں ہنیا کی چیختی ہوئی آواز آ رہی تھی۔ وہ ''عابی'' ''عابی'' پکار رہی تھی۔ ڈرائیور کس حال میں تھا، ان کی ٹیکسی کس حال میں تھی، اس کا موبائل کہاں تھا، اسے کس چیز سے چوٹ لگی تھی، اس کا سر کس چیز سے ٹکرایا، اس کے سر، کان اور ناک میں سے کیا چیز بہتی اس کے منہ پر آ رہی تھی اسے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ قلابازیاں کھاتی اور لڑھکتی ان کی ٹیکسی اب کہیں الٹی ہوئی پڑی تھی۔

وہ کسی سڑک پر الٹی ہوئی پڑی تھی یا کسی اور جگہ، اسے پتا نہیں چل رہا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر ٹیکسی سے اترنا چاہتا تھا، مگر اس کا ہاتھ پتا نہیں کس چیز کے نیچے دبا تھا کہ باوجود کوشش کہ اس سے ہاتھ اٹھایا نہ جا سکا۔ وہ درد کی شدید ترین ٹیسیں اپنے اندر سے اٹھتی محسوس ہوئیں وہ اس اذیت ناک درد کو برداشت کرنے کی کوشش کرتے، اپنی ول پاور کو استعمال کر کے گاڑی سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔ بایاں ہاتھ نہیں اٹھایا جا سکا تو اس نے دایاں اٹھانے کی کوشش کی، اس سے وہ بھی نہ اٹھایا جا سکا۔ وہ کسی چیز کے نیچے دبا نہیں تھا تو پھر اس کے ہاتھ کو کیا ہوا تھا، وہ اس سے اٹھائے کیوں نہیں جا رہے تھے، اپنے ہاتھوں کو دیکھنے کے لئے اس کی اپنے جسم پر نظر پڑی۔

وہ اوندھے منہ سیٹ سے نیچے گرا ہوا تھا، اس کے اردگرد چاروں طرف خون ہی خون پھیل رہا تھا۔ وہ اتنا ڈھیر سارا خون، جس میں وہ نہا رہا

تھا اس کے اپنے جسم سے بہہ رہا تھا۔ یہ خون اس کے جسم کے کس حصے سے بہہ رہا تھا اسے معلوم نہیں تھا۔ وہ تو بس بے بسی سے خود کو اپنے ہی خون میں نہاتا دیکھ رہا تھا۔ درد اس کی برداشت سے باہر ہو رہا تھا، اس کے گرد پھیلتے خون کی مقدار میں ہر لحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ ٹیکسی سے باہر نکلنے کی کوشش اس نے ترک کر دی تھی اس لئے کہ اس سے اپنے جسم کو جنبش تک نہ دی جا رہی تھی، وہ ٹیکسی کا دروازہ کہاں سے تلاشتا، اس تک خود کو کیسے پہنچاتا؟

وہ اب صرف اپنے موبائل تک پہنچنا چاہتا تھا۔ ہنیا نے یقیناً اس دھماکے کی آواز سنی تھی، وہ کتنی دیر اسے ''عابی'' ''عابی'' کہہ کر پکارتی رہی تھی۔ شاید ابھی بھی پکار رہی تھی مگر اب اسے اس کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ فون اٹھا کر ہنیا سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اس نے فون پر اس سے بات نہ کی تو وہ بہت بری طرح پریشان ہو جائے گی۔ وہ اسے فون پر تسلی دینا چاہتا تھا کہ اس کی گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے مگر وہ بالکل ٹھیک ہے اور اسے اپنے موبائل پر پاپا کا آیا Reply بھی تو پڑھنا ہے۔ کیا پتہ انہوں نے اسے Reply کر دیا ہو۔ مگر اس سے تو اپنے جسم کو ہلایا تک نہیں جا رہا۔ وہ اپنے ہی خون میں بھیگتا چلا جا رہا تھا۔ خون کہاں کہاں سے بہہ رہا ہے اور اسے کہاں کہاں درد ہو رہا ہے، اسے پتہ نہیں چل رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔

''عابی! مجھے ڈر لگتا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی ہے جو تمہیں مجھ سے دور لے جا رہا ہے۔ مجھے آج کل اتنے ڈراؤنے خواب آتے ہیں عابی۔ میں تنہا ہوتی ہوں، تم میرے ساتھ نہیں ہوتے۔''

اس نے بے اختیار اپنی آنکھیں کھولیں۔ وہ روتی ہوئی اسے اپنے بالکل سامنے نظر آ رہی تھی۔

''ہنی۔'' اس کے لبوں سے آواز نہیں نکل سکی تھی، مگر اس کے دل نے اسے پکارا تھا۔

''نہیں اللہ! ابھی نہیں، ابھی نہیں۔ ابھی میں تیار نہیں۔ ابھی تو مجھے اس دنیا میں بہت کام ہیں۔ ابھی بہت لوگوں کو میری ضرورت ہے۔ مما، پاپا، ہنی، مجھے پاپا کو منانا ہے۔ وہ مجھ سے خفا ہیں، ابھی نہیں۔''

اس کی وہ پرفیکٹ فیملی، اس کا وہ گھر جہاں مما، پاپا وہ اور ہنیا موجود تھے، ابھی ہر منظر ادھورا تھا۔ تکمیل کا منتظر تھا۔ ابھی تو زندگی کو اس کی بہت ضرورت تھی، ابھی تو دنیا میں بہت سے لوگوں کو اس کی بہت ضرورت تھی۔ مما، پاپا، ہنیا اس کے بنا جی نہیں سکیں گے۔ بے بسی کے عالم میں اس کے دل سے فریاد نکل رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے آگے پھر اندھیرا آ رہا تھا۔

''عباد عذیر! میں آج تم سے اپنا ہر رشتہ ختم کر رہا ہوں۔ مجھے تم جیسے بیٹے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''پاپا! میری بات سنیں۔'' آنکھوں کے آگے چھاتا اندھیرا اب اسے کچھ بھی دیکھنے نہیں دے رہا تھا۔ اب اسے اپنا خون نظر نہیں آ رہا تھا، اب اسے اپنا وجود الٹی پڑی وہ ٹیکسی جس میں وہ اوندھے منہ پڑا تھا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اب اسے کسی بھی طرح کا درد یا تکلیف بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اپنے جسم کو ہلا جلا نہیں سکتا تھا مگر اب اسے ذرا سی بھی تکلیف محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اب اگر وہ کچھ محسوس کر رہا تھا تو وہ، وہ اندھیرا تھا جو اس کی آنکھوں کے آگے چھاتا چلا جا رہا تھا اور جو کسی لمحے کم ہونے لگتا تھا اور کسی لمحے بڑھنے لگتا۔ ''اتنے پیارے بیٹے سے بھلا ماں، باپ کیوں راضی نہ رہیں گے۔'' اسے یاد آیا ابھی کچھ دیر پہلے کسی نے یہ

جملہ اسے کہا تھا وہ برا بیٹا نہیں، وہ نافرمان بیٹا نہیں، وہ پیارا بیٹا ہے۔ ابھی ابھی کسی نے اسے یہ بتایا تھا، یہ یقین دلایا تھا۔ اس کے کانوں میں یقین دلاتی وہ انجان آواز گونج رہی تھی۔

''اتنے پیارے بیٹے سے بھلا ماں، باپ کیوں راضی نہ رہیں گے۔''

" I Love You too Beta"

ماں کے محبت بھرے یہ لفظ اس گہرے اندھیرے میں یکدم ہی روشنی پھیلانے لگے تھے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی ماں کا چہرہ آنے لگا، خوبصورت اور روشن چہرہ، وہ اسے پیار کرنے اس کے پاس آ رہی تھی۔

''مما!''

''عابی!'' بڑے پیار سے انہوں نے اس کا نام لیا تھا۔ ماں یہاں اس وقت اس کے پاس نہیں، وہ کہیں اور ہے، دنیا کے کسی اور گوشے میں، مگر وہ ماں کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔ اس نے انہیں اپنا نام لیتے سنا تھا۔ صرف اس کے دل نے نہیں بلکہ اس کے کانوں نے بھی، اس کی سماعتوں نے بھی ان کا ''عابی!'' پکارنا سنا تھا۔ وہ جانتا تھا، ماں اس وقت دنیا کے جس بھی حصے میں جہاں بھی تھی، مگر اس نے اپنے عابی کی پکار کا جواب دیا تھا، اس نے اپنے عابی کو پکارا تھا، اس کا نام لیا تھا، یہ پکار اس کے گرد ہر طرف سنائی دے رہی تھی۔ ''عابی!'' اس بار کسی اور نے اسے پکارا تھا۔ اس کی بند ہوتی آنکھوں نے اس آواز کو ایک پل میں پہچان لیا تھا۔

یہ اس کے پاپا کی آواز تھی۔ اس کے پاپا، وہ اپنے عابی کو پیار سے پکار رہے تھے۔ اس کے لب کھلے، اس بار دل میں نہیں، لبوں کی جنبش سے نہیں، بلکہ زبان سے آواز سے اس نے انہیں پکارا، ان کا نام لیا۔ ''پاپا!'' اس کے لب ہل رہے تھے، وہ آواز سے بول رہا تھا۔

''پاپا! مجھے معاف کر دیں۔ پاپا! مجھ سے خفا مت ہوں۔ آئی لو یو پاپا۔'' اس کے لبوں سے مزید کوئی لفظ نکل نہیں پایا تھا۔ عباد عذیر کے لبوں سے یہ آخری الفاظ نکلے تھے۔ اس کے لب باہم پیوست ہو گئے تھے۔ اس کے گرد پھیلا اندھیرا اب گھٹ نہیں رہا تھا، وہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

''عابی! میرا بیٹا، مما کی جان۔'' مما اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھیں، وہ اس کا سر اپنی گود میں رکھ رہی تھیں۔

''عباد عذیر! تم تو مجھ جیسے بہادر آدمی کے بیٹے لگتے ہی نہیں ہو۔''

وہ اس کے سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے، اس کے پاپا۔ یہ آخری چہرہ تھا جو اس کی نگاہوں کے سامنے آیا تھا، یہ آخری آواز تھی جو اس نے سنی تھی۔ اس نے ماں کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موند لی تھیں کہ اس کی گود میں سر رکھ کر اب اس کو بہت گہری نیند سونا تھا۔



"Im soryy papa! it Won`t happen again"

وہ اس کے کمرے میں اس کے بیڈ پر ویسے ہی بیٹھے تھے جیسے کئی گھنٹے قبل یہاں آ کر بیٹھے تھے۔ وہ اسے سوچنا نہیں چاہتے تھے مگر وہ یاد آئے چلا جا رہا تھا۔

''عابی' اچانک ہی انہیں ہاجرہ کی چلائی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ گھبرا کر فوراً بستر پر سے اٹھے اور بھاگتے ہوئے اپنے کمرے میں آئے۔ ہاجرہ بستر پر بیٹھی تھیں۔

وہ فوراً ان کے پاس آئے۔

''ہاجرہ! کیا ہوا ہے؟''

''عابی، میرا عابی۔ میں نے بہت برا خواب دیکھا ہے۔'' سر سے لے کر پاؤں تک پسینے میں بھیگی وہ تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ ان کے چہرے کو پیار سے تھپتھپا کر وہ ان کے لئے روم فریج سے پانی نکال لائے۔

''پانی پی لیں''

انہوں نے گلاس اپنے سامنے سے دور ہٹا دیا۔ ''مجھے اپنے عابی سے ملنا ہے۔ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آپ اس سے رشتہ توڑ سکتے ہیں، میں نہیں۔ مجھے عابی سے ملنا ہے۔ سن رہے ہیں آپ۔ اسے دیکھے بغیر تو میں مر جاؤں گی۔''

وہ ان کے سینے پر سر رکھ کر بلک بلک کر رو رہی تھیں۔ اتنے دنوں سے کام کی اور ضروری باتوں کے علاوہ ان دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہو رہی تھی۔ اور اب جب بات ہوئی تو اس کے متعلق۔ وہ ان کی پیٹھ آہستہ آہستہ سہلاتے انہیں سنبھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔

''آپ نے کوئی برا خواب دیکھا ہے، وہ وہاں بالکل خیریت سے ہوگا۔''

''اسے یہاں بلائیں، میرے پاس۔ میں اپنے بیٹے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی عذیر۔'' ضدی لہجے میں بولتی وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

☆

صبح ہونے پر وہ دونوں خاموش تھے۔ ہاجرہ نے باقی کی رات جائے نماز پر نمازیں پڑھتے اور دعائیں مانگتے گزاری تھی۔ ہاجرہ کی رات کی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے انہوں نے آفس جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تھے، مگر وہ دونوں بالکل چپ تھے۔ صبح ناشتے کے لئے، دوپہر اور رات کے کھانے کے لئے وہ دونوں میز پر ایک دوسرے کی خاطر بیٹھے ضرور تھے، پر دونوں میں سے کسی نے بھی کچھ کھایا نہیں تھا۔ دل بے وجہ اتنا اداس، اتنا مضطرب تھا کہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ دل کو یہ بے سکونی سی کیسی لاحق ہے۔

پورا دن یونہی گزر چکا تھا، رات ہو چکی تھی۔ رات کا ایک بج رہا تھا۔ وہ دونوں اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھے تھے۔ ہاجرہ کے موبائل پر کوئی میسج آیا تھا، انہوں نے خود بیڈ سائیڈ ٹیبل سے اٹھا کر ہاجرہ کو ان کا موبائل دیا تھا۔ پتہ نہیں کس کا میسج آیا تھا، وہ بے ساختہ بہت بھرپور انداز میں مسکرائی تھیں، طمانیت اور سرشاری بھری مسکراہٹ۔ وہ ہاجرہ کی مسکراہٹ کو دیکھ رہے تھے کہ اسی پل ان کا موبائل بھی بجا تھا۔

"Papa! I Love You" وہ گم صم کئی پل ان لفظوں کو دیکھتے رہے۔ ہاجرہ ان کے پاس سے اٹھی تھیں، پتا نہیں وہ کہاں جا رہی تھیں۔ وہ ان سے یکسر لاتعلق اپنے موبائل پر چمکتے، جگمگاتے ان چار لفظوں کو تکے جا رہے تھے۔

"Papa! I Love You" یک ٹک کسی بھی طرف توجہ دیئے بغیر وہ ان لفظوں کو دیکھے جا رہے تھے۔

''عابی!'' ہاجرہ کے لبوں سے نکلنے والی اس چیخ پر انہوں نے گھبرا کر سر اٹھایا۔ شاید انہیں چکر آیا تھا، وہ لڑکھڑا کر قالین پر گر پڑی تھیں۔ وہ بوکھلا کر فوراً کھڑے ہوئے، ان کے پاس آئے۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

انہوں نے انہیں سہارا دے کر اٹھایا، اور احتیاط سے واپس بیڈ تک لائے۔

''کیا ہوا؟'' انہوں نے انہیں بیڈ پر بیٹھا دیا تھا۔ وہ تشویش سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

''پتا نہیں، ایک دم چکر سا آیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے ایسا لگا جیسے عابی نے مجھے آواز دی ہے۔ مما کہہ کر مجھے بلایا ہے۔ آپ نے سنی عابی کی آواز؟ آپ کو عابی کی آواز آئی؟''

وہ خاموشی سے ان کی طرف دیکھتے رہے، ان کی بات کی تردید میں کچھ کہہ نہ سکے۔ وہ جانتے نہ تھے کہ اس ماں نے جو آواز سنی، وہ سچی تھی۔ جس لمحے وہ ماں ''عابی'' پکارتی لڑکھڑا کر قالین پر گری تھی، وہی وہ لمحہ تھا جب عباد عذیر نے ماں کی گود میں سر رکھ کر آنکھیں موندی تھیں۔ وہ بے بسی سے ہاجرہ کو دیکھ رہے تھے۔

''آپ کو وہ بہت یاد آ رہا ہے ناں؟ ہم اسے ابھی فون کر لیتے ہیں۔ آپ اس سے بات کر لیں۔''

وہ اس ماں کی ممتا کا مزید امتحان نہیں لے سکتے تھے۔ ان کے بالوں کو پیار سے سنوارتے وہ ان سے کہہ رہے تھے۔

''ہاں پلیز میری اس سے بات کرا دیں۔''

وہ اپنے موبائل سے عباد کا موبائل نمبر ملانے لگے۔ مگر کال ریسیو نہیں ہو رہی تھی۔ انہوں نے تین چار بار ٹرائی کیا۔ وہ اب نیویارک میں اس کے اپارٹمنٹ کا نمبر ملا رہے تھے۔ وہاں بھی بیل جا رہی تھی، کوئی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ نجانے کتنی بار وہ ٹرائی کر چکے تھے، ان کے برابر بیٹھی

ہاجرہ آس اور امید سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ کافی دیر ہوگئی تھی انہیں ٹرائی کرتے۔ ان کے برابر رکھے ٹیلی فون کی بیل بجنی شروع ہوئی تھی۔ انہوں نے کال ریسیو کی۔

''یہ عباد عذیر کا گھر ہے؟'' کسی آدمی نے عربی لب ولہجے کی حامل انگریزی میں ان سے دریافت کیا تھا۔

''جی۔'' پتا نہیں ان کا دل یکدم ہی بہت تیزی سے کیوں دھڑکنا شروع ہوگیا تھا۔

''آپ ان کے؟''

''بیٹا ہے وہ میرا۔'' ہاجرہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا، انہوں نے ہاجرہ کی آنکھوں میں خوف وہراس پھیلتا دیکھا۔

''سوری سر! ہمارے پاس آپ کے لئے ایک بری خبر ہے۔ یہاں دبئی میں شیخ زید روڈ کے نزدیک ایک ایکسیڈنٹ ہوا ہے، اس میں عباد عذیر کا انتقال ہوگیا ہے۔''

روز قیامت پتا نہیں کب آئے گا اور اب کیسا ہوگا مگر عذیر فاروقی اور ہاجرہ عذیر کی زندگیوں میں تو روز قیامت آچکا تھا۔ زمین، آسمان، دنیا، زندگی سب اس لمحے ختم ہو چکے تھے۔ ان سفاک اور بے رحم لفظوں کو انہوں نے سنا ضرور تھا، پر سمجھ نہ سکے تھے۔ ان کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ ریسیور ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر چکا تھا۔

☆

وہ ہنوز بالکونی میں بیٹھی تھی۔ چونکہ پچھلی دو راتوں سے وہ اور عباد بالکل نہیں سوئے تھے۔ اس لئے کرسی پر بیٹھے بیٹھے اسے اونگھ آنے لگی تھی۔ اس ستارے پر نگاہیں جمائے جمائے اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ وہ سوگئی تھی۔ شاید دس، پندرہ منٹ ہی کے لئے اس کی آنکھ لگی ہوگی کہ گھبرا کر فوراً ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کا دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔ عجیب سی وحشت اور بے سکونی نے اسے سوتے سے اٹھا دیا تھا۔

اسی وقت اندر فون کی گھنٹی بجی تھی۔ اپنے ماتھے پر آئے پسینے کو پونچھتی وہ دوڑتی ہوئی اندر آئی اور فون اٹھایا۔ دوسری طرف کیتھی تھی۔ اس کی آواز سن کر اسے بڑی ڈھارس ہوئی تھی۔ اس وقت جیسی وحشت اور بے سکونی وہ محسوس کر رہی تھی، جس طرح اس کا دل گھبرا رہا تھا، ایسے میں دوست کی صرف آواز سن لینا بھی بڑی ڈھارس دے رہا تھا۔ دوسری طرف کیتھی اس سے لڑ رہی تھی کہ وہ اتنے دنوں سے کسی کو بھی کچھ بتائے اور کہے سنے بغیر آخر غائب کہاں ہوگئی تھی۔ کیتھی اور مائیک سمیت اس کے تمام قریبی دوست اس کی عباد سے ہنگامی حالات میں ہوئی شادی سے واقف تھے۔

''مجھے پتا ہے، یہ کسی کے گھر فون کرنے کا کوئی معقول وقت نہیں مگر میں اتنی زیادہ پریشان ہوگئی تھی کہ روز پابندی سے صبح، شام، رات مختلف وقتوں میں یہاں بھی فون کرتی ہوں، تمہارے گھر بھی فون کرتی ہوں۔ تمہارے سیل پر بھی فون کرتی ہوں۔ بندہ کہیں جا رہا ہے تو کسی کو بتا کر تو جائے۔'' اس کے یہ بتانے پر کہ وہ اور عباد کیلی فورنیا گئے ہوئے تھے، کیتھی نے جواباً تیز لہجے میں کہا۔

''عابی کیسا ہے؟'' غصہ سے کچھ فرصت ہوئی تو کیتھی نے عباد کی خیریت پوچھی۔

''ٹھیک ہے۔ ابھی تو پلین میں ہوگا۔ وہ اپنے پیرنٹس سے ملنے پاکستان گیا ہے، انہیں ہماری شادی کے بارے میں سب کچھ بتانے۔''

اس کے جواب پر کیتھی یک دم ہی سنجیدہ ہوئی۔ عباد کے پیرنٹس نے ہنیا کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، یہ کیتھی کے علم میں تھا۔ وہ فوری طور پر ہنیا سے کچھ نہ کہہ سکی۔

''تم پریشان ہو؟'' اس نے آہستگی سے ایک لمحے بعد پوچھا۔

''ہاں بہت۔ کیتھی! کیا تم اس وقت میرے پاس آسکتی ہو؟ مجھے پتہ ہے رات بہت ہوگئی ہے مگر پلیز۔ مجھے اکیلے عجیب سا ڈر لگ رہا ہے۔ پتہ نہیں کیوں دل اتنا گھبرا رہا ہے۔ عجیب سا ڈر ہے، عجیب سا خوف ہے، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے، بس دل تیز تیز دھڑک رہا ہے۔''

دوست کا ہمدردانہ انداز اس کی آنکھوں میں آنسو لے آیا تھا۔ اس نے عباد سے کہا تھا۔ وہ کمزور اور بزدل نہیں، اور وہ تو اس کے جانے کی پہلی ہی رات اتنی کمزور اور بزدل ثابت ہو رہی تھی۔ گھڑی رات کے دو بجا رہی تھی، مگر کیتھی نے جواب میں......

''اس وقت؟ اتنی رات کو؟'' جیسا ایک بھی جملہ نہیں کہا تھا، وہ فوراً اس کے پاس آنے کے لئے تیار ہوگئی تھی۔

''میں آرہی ہوں ہنیا! تم فکر مت کرو۔'' اور وہ واقعی چند ہی منٹ بعد اس کے گھر میں موجود تھی۔ اس کا گھر عباد کے اپارٹمنٹ سے تھا ہی اتنا نزدیک کہ گاڑی میں پہنچنے میں تو اسے محض چند منٹ ہی لگے تھے۔ اپنے قریب اپنی پیاری دوست کو دیکھ کر اسے بڑی ڈھارس ہوئی تھی۔

''تم فکر مت کرو ہنیا! عابی کے پیرنٹس ضرور تمہیں قبول کر لیں گے۔''

وہ دونوں کمرے میں آگئی تھیں اور آکر بیڈ پر ساتھ ہی لیٹ بھی گئی تھیں وہ کیتھی کی تسلی کے جواب میں اسے یہ نہ سمجھا پائی کہ اس وقت اسے اس بات کی مطلق پروا نہیں کہ عابی کے والدین اسے قبول کرتے ہیں یا نہیں اس وقت تو اسے خود پتہ نہیں تھا کہ اسے کیا ہو رہا ہے۔ اندر ہی اندر جو بے سکونی، وحشت اور خوف ہے، وہ اس بات کا ہرگز نہیں کہ وہ قبول کی جاتی ہے یا رد۔ وہ اپنے اندر پھیلی بے سکونی اور خوف کو خود نہیں سمجھ پا رہی تھی تو کیتھی کو کیا سمجھاتی۔

''تم ریلیکس ہو کر سو جاؤ۔ اچھی اچھی باتیں سوچو...... چاہو تو عابی کی Carmal میں کہی کوئی رومانٹک بات مجھ سے بھی شیئر کر سکتی ہو۔'' ورنہ Best option تو یہ ہے کہ عابی کے ساتھ Carmal میں گزاری راتوں کو سوچتے سوچتے سو جاؤ۔ اس نے مسکرا کر کہا۔

اس سے باتیں کرتے کرتے کیتھی سو گئی تھی مگر وہ جاگ رہی تھی۔ اسے نیند نہیں آرہی تھی اور نہ ہی اسے سونا تھا۔ عابی دبئی پہنچ جاتا تو اسے فوراً اسے کال کرنی تھی وہ خیریت سے پہنچ گیا یہ اطمینان کرنا تھا۔

کیتھی صبح سو کر اٹھی تو یہ دیکھ حیرت زدہ رہ گئی کہ ہنیا رات بھر بالکل بھی نہیں سوئی تھی۔ اس کا ذہن عباد کو فون کرنے کی سوچ پر اس طرح اٹکا ہوا تھا کہ اسے یہ دھیان بھی نہیں آیا تھا کہ کیتھی اس کے گھر پر مہمان ہے اور اسے اس کے لئے ناشتہ بنانا چاہئے۔ کیتھی خود کچن میں جا کر اس کے اور اپنے لئے ناشتہ بنا لائی تھی۔ اس کے بہت کہنے پر بھی اس نے ناشتہ نہیں کیا تھا، وہ گھڑی پر نگاہیں جمائے بیٹھی تھی۔ عجیب طرح کی بے سکونی اسے لاحق تھی، عباد سے بات ہو جاتی تو شاید یہ بے سکونی کچھ کم ہو پاتی۔ کیتھی نے اسے اتنا ڈسٹربڈ اور پریشان کبھی نہیں دیکھا تھا، ہنیا کو اس نے ہمیشہ مضبوط اور بہادر پایا تھا، اس لئے وہ بجائے اپنے آفس جانے کے اس کے پاس ہی رکی رہی۔ ہنیا کی طرح اسے بھی یونیورسٹی سے فارغ ہوتے ہی فوراً ایک جگہ جاب مل گئی تھی۔ اگلے مہینے وہ اور مائیک شادی کرنے والے تھے۔ ہنیا گھڑی میں نجانے کونسی ویں دفعہ حساب لگا رہی تھی۔ نیویارک میں اس وقت سہ

پہر کے تین بجنے والے ہیں تو دبئی میں رات کے 12 بجنے والے ہوں گے۔''ہاں اب عباد دبئی پہنچ گیا ہوگا۔''

اپنی طرف سے اس نے کافی دیر انتظار کرنے کے بعد اسے فون کرنے کے لئے اپنا سیل اٹھایا تھا۔ اس کے حساب سے اب عباد تو انکل طارق کے گھر پہنچ چکا ہوگا یا پہنچنے والا ہوگا۔ وہ تیز رفتاری سے اس کے موبائل پر کال ملا رہی تھی۔ کیتھی بھی اس کے ساتھ وہیں موجود تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ بھی عباد سے بات کرے گی اور اسے بتائے گی کہ وہ اس پاگل لڑکی کو چھوڑ کر زیادہ دنوں کے لئے نہ جائے ورنہ یہ تو پتہ نہیں اپنا کیا حشر کرے گی۔ رات بھر ایک پل کے لئے وہ سوئی نہیں تھی۔ ہنیا موبائل کان سے لگائے اپنے کال ریسیو کیے جانے کی منتظر تھی۔

عباد نے کال ریسیو کر لی تھی۔ ابھی وہ عباد کی ہیلو کہتی آواز سن بھی نہیں پائی تھی کہ اس کے کانوں میں ایک زوردار دھماکے کی آواز آئی۔ بہت خطرناک اور خوفناک سا دھماکہ۔ اس کے لبوں سے بے اختیار چیخ نکلی۔

''عابی! عابی!'' دوسری جانب اس کی بات کا جواب دینے والا کوئی نہیں تھا، اسے پے در پے شور اور دھماکے کی آوازیں آرہی تھیں، انسانی چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ ان میں ایک چیخ کو وہ نہیں پہچانتی تھی، مگر دوسری چیخ کو پہچانتی تھی۔ وہ چیخ اس کے عابی کی تھی۔

''عابی! کیا ہوا ہے؟ عابی! مجھ سے بات کرو۔ عابی کیا ہوا ہے؟'' وہ ہذیانی انداز میں چلا رہی تھی، وہ پوری کی پوری کانپ رہی تھی۔ ''عابی! کیا ہوا عابی؟ عابی مجھ سے بات کرو۔ عابی! تم ٹھیک ہو ناں؟''

کیتھی نے فون اس کے ہاتھ سے لیا، اس نے موبائل اپنے کان سے لگایا۔ اس نے دوسری جانب کوئی آواز سننے کی کوشش کی۔ مگر دوسری جانب اب بالکل خاموشی تھی۔ دوسری جانب لائن کٹ چکی تھی۔

''کیتھی! عابی میرا عابی!'' اس نے موبائل کیتھی کے ہاتھ سے جھپٹا۔ وہ وحشت بھرے جنونی انداز میں موبائل کان سے لگائے اس پر عابی، عابی پکار رہی تھی، اسے یہ بھی پتا نہیں چل رہا تھا کہ لائن کٹ چکی ہے۔

''ہنیا! لائن ڈس کنیکٹ ہو چکی ہے۔''

کیتھی نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے لیا۔ وہ خود بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ ہولے ہولے لرز رہے تھے۔ وہ دل ہی دل میں عباد کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ ''جو بھی حادثہ، جو بھی واقعہ جو کچھ بھی ہوا تھا عباد زندہ رہے، عباد سلامت رہے، ورنہ یہ لڑکی تو جیتے جی مر جائے گی۔'' ہنیا کو تشویش سے دیکھتی کیتھی دوبارہ عباد کے سیل پر کال ملا رہی تھی۔

ہنیا آنکھوں میں وحشت لئے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے کانوں میں ابھی بھی اس دھماکے کی گونج تھی، بہت سارا شور تھا اور اس کے کانوں میں اس کے عابی کی چیخیں تھیں۔ کئی بار کی کوششوں کے بعد بھی دوسری جانب کال ریسیو کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ کیتھی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کس طرح سنبھالے جو وحشت بھرے انداز میں ''عابی'' عابی پکارے چلی جا رہی تھی۔

''عابی کو فون ملاؤ کیتھی! مجھے اس سے بات کرنی ہے، اسے چوٹ لگی ہے، وہ چیخ رہا ہے۔ مجھے فون ملا کر دو۔'' اس نے جنونی انداز میں کیتھی کو جھنجھوڑ ڈالا۔ وہ رو رہی تھی، وہ کسی چھوٹے سے بچے کی طرح بلک بلک کر روتی اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اس سے ضدی انداز میں ایک ہی بات

مسلسل کہہ رہی تھی۔

''میری عابی سے بات کرادو، پلیز میری ایک بار اس سے بات کرادو۔''

وہ کیتھی سے کسی طور سنبھالی نہیں جا رہی تھی، بکھر کر روتی وہ اپنے حواس کھو رہی تھی۔ اسے سنبھالنے کی کوشش میں کیتھی فون کی اس بیل کو بھی نہیں سن پائی تھی جو لیونگ روم میں بج رہی تھی اور ایک بار نہیں کئی بار بجی تھی۔ ہنیا کو سنبھالتی وہ ایک مرتبہ پھر عباد کے موبائل پر کال ملانے کی کوشش کرنے لگی۔ کال تو ہر بار مل رہی تھی، مگر لگتا تھا، دوسری جانب اس کال کو ریسیو کرنے والا کوئی نہیں۔ وہ نجانے کون سی ویں مرتبہ کال ملا رہی تھی جب دوسری جانب سے کال ریسیو کرلی گئی تھی۔ دوسری جانب کسی انجانی مردانہ آواز نے عربی لہجے میں ہیلو کہا تھا۔ تھوک نگلتے کیتھی نے جواباً ہیلو کہا تھا اس کے اندر خطرے کی گھنٹی بجی تھی۔ اس کا دل یک بارگی بڑی تیزی سے دھڑکا تھا، عباد کے موبائل پر کال کوئی اور ریسیو کر رہا تھا، کیتھی اندر ہی اندر سہم گئی تھی۔ اسے ہیلو بولتا دیکھ کر ہنیا نے موبائل اس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

''عابی ہے ناں؟'' اس نے موبائل اپنے کان سے لگالیا، کیتھی اس کو روک نہیں پائی۔

''ہیلو عابی!'' دوسری جانب ایک انجانی مردانہ آواز عابی کی ہرگز نہیں تھی اس سے مخاطب ہوئی۔

''ہیلو! کون بات کر رہا ہے۔''

میں ہنی ہوں۔ مجھے عباد سے بات کرنی ہے۔ عباد عذیر سے۔ غالباً یہ سیل فون اسی کا ہے۔'' وہ انتہائی غصے سے چلائی۔

''مجھے عباد عذیر سے بات کرنی ہے، آپ کوئی بھی ہیں، براہ مہربانی فون اسے دے دیجئے۔'' وہ روتے ہوئے حلق کے بل چلائی۔

''ہمیں افسوس ہے عباد عذیر کا یہاں دبئی میں ایک کار ایکسیڈنٹ میں ابھی کچھ دیر پہلے انتقال ہوگیا ہے۔ ایکسیڈنٹ اتنا شدید تھا کہ ہسپتال لے جائے جانے سے پہلے وہ اور ٹیکسی ڈرائیور دونوں موقع ہی پر دم توڑ گئے۔ آپ اس کی کون ہیں؟''

پتا نہیں کون بے ہودہ شخص تھا اور کیا اناپ شناپ بک رہا تھا، شاید کیتھی نے کہیں رانگ نمبر ملا دیا تھا۔ بعض لوگ رانگ نمبرز پر کتنے بے ہودہ اور واہیات مذاق کرتے ہیں۔ وہ شخص اس قابل نہیں تھا کہ وہ اسے کوئی جواب دیتی۔ اس نے بجائے اس شخص کو کوئی جواب دینے کے کال ڈس کنیکٹ کردی۔ کیتھی جو اس کے بالکل نزدیک اسے اپنے ساتھ لگائے بیٹھی تھی، اس نے فون پر ہوئی گفتگو کا ایک ایک حرف سنا تھا۔ وہ سن سی اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی تھی۔ کئی لمحے اسے یقین کرنے میں لگے۔ ایسا کس طرح ہوسکتا ہے۔ وہ زندگی سے بھرپور شخص، اس طرح، اتنی جلدی، نہیں ایسا کس طرح ہو سکتا ہے۔ وہ تو ابھی صرف 25 سال کا ہے، ابھی اس کا MS بھی مکمل نہیں ہوا، ابھی تو اس کی ہنیا کے ساتھ شادی کو صرف نو دن ہوئے ہیں، نو دن کی شادی شدہ اس کی دوست، ابھی تو وہ نئی نئی دلہن ہے۔ کیتھی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔ وہ زار و قطار رو پڑی تھی۔

''نہیں زندگی اتنی سفاک نہیں ہوسکتی، زندگی اس کی دوست کے ساتھ اتنا بدصورت مذاق نہیں کرسکتی۔ وہ دونوں تو اس کی پارٹی کے کپل آف دی ایوننگ تھے، ان کی جوڑی کو تو وہ چاند سورج کی جوڑی کہتی تھی۔

Made for each other کہتی تھی، ان دونوں کو تو ابھی ایک دوسرے کے ساتھ بہت سارا سفر طے کرنا تھا، صرف نو دن کی شادی

شدہ زندگی کے بعد یہ بیوگی اس کی دوست کا نصیب نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ اپنی دوست کو گلے لگا کر رونا چاہتی تھی، مگر وہ ہنیا کو اپنے گلے سے نہ لگا پائی۔ ہنیا اس کے رونے پر اجنبی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی، ایسے جیسے اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ کس بات پر رو رہی تھی۔ اسے اجنبی نگاہوں سے دیکھتی ہنیا اس کے پاس سے کھڑی ہوگئی۔

''ہنیا کہاں جا رہی ہو؟'' وہ بھاگتی ہوئی اٹھ کر اس کے پیچھے آئی، اسے اس دیوانی لڑکی سے خوف آیا تھا، کہیں وہ کچھ کر نہ بیٹھے، خود کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔

''کہیں نہیں۔ ابھی تھوڑی دیر میں عابی کو پھر فون کروں گی۔ لائن نہیں مل رہی ناں۔ تھوڑی دیر بعد کروں گی تو اس سے بات ہوجائے گی۔''

وہ اپارٹمنٹ کے دروازے کی طرف جا رہی تھی۔ وہ کہاں جا رہی تھی، باہر بہت تیز بارش ہو رہی تھی، بہت ٹھنڈ تھی۔ کیتھی نے روتے ہوئے اسے ہاتھ پکڑ کر روکا۔

''ہنیا!'' اس نے اسے کھینچ کر اپنے گلے سے لگالیا۔ وہ اپنی اس چہیتی دوست سے کیا کہے، کیسے اسے تسلی دے، کیسے اسے صبر کی تلقین کرے، کیسے کہے کہ اس کا عابی مر گیا ہے، کیسے اسے زندگی کی اس بدصورت حقیقت کو قبول کرنے پر آمادہ کرے۔ وہ اس سے کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ وہ بس اسے گلے سے لگائے، پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں، مگر ہنیا بے حس سی بالکل ساکت اس کے ساتھ لگی تھی۔ روتے روتے اسے احساس ہوا کہ ہنیا کے وجود میں کوئی بھی جنبش نہیں ہو رہی، وہ کسی مجسمے کی طرح ساکت ہے تب اس نے اس کا سر اپنے کندھے سے ہٹایا۔ اسے دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ وہ بے ہوش تھی۔ اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھے اس کے ہاتھ پاؤں مڑے ہوئے تھے۔ وہ اس کے ہاتھوں سے پھسل کر نیچے گرنے لگی، کیتھی نے بڑی مشکلوں سے اس کے بے ہوش وجود کو سنبھالا تھا۔

☆

وہ کیمپس پہنچنے میں لیٹ ہوگئی تھی، وہ بوکھلائی ہوئی بھاگتی دوڑتی اس کرسی پر آ کر بیٹھی تھی جس کے برابر وہ ہینڈسم لڑکا لبوں پر شرارتی مسکان لئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں عباد عذیر ہوں۔ MS کر رہا ہوں اسٹرکچرل انجینئرنگ میں۔''

وہ اس کے پیچھے پیچھے اس کے ساتھ چلا آیا تھا۔

''آپ میرے ساتھ ایک کپ کافی پئیں گی ہنیا؟'' اس نے نیلی جینز اور براؤن شرٹ پہن رکھی تھی، اس کے ماتھے پر بکھرے بال بڑے خوبصورت لگ رہے تھے۔ کیتھی کو وہ بڑھے ہوئے شیو کے ساتھ بڑا کول اور چارمنگ لگتا تھا۔

''ہمارے ہاں خواتین سے پیسے لینے کو بہت برا سمجھا جاتا ہے۔ ہاں اگر آپ کو ایسا لگ رہا ہے کہ میں نے آپ پر کوئی بہت بڑا احسان کر دیا ہے تو آپ مجھے اپنے ساتھ کہیں کافی پلا سکتی ہیں۔''

وہ شوخ و شریر لڑکا کافی کا ذکر کہیں نہ کہیں سے پھر نکال لایا تھا۔ اس بار وہ اسے انکار نہ کر پائی تھی۔ اسے بھی دل ہی دل میں وہ اچھا لگنے لگا

تھا۔اسے دیکھ کر اس ہینڈسم لڑکے کی آنکھوں میں کیسی چمک آجاتی تھی۔

''ایک بات کہوں ''آپ'' کہنا کچھ عجیب نہیں لگ رہا؟ میرے مما، پاپا اور قریبی دوست مجھے عابی کہتے ہیں، تم بھی اگر چاہو تو مجھے عابی کہہ سکتی ہو۔''

وہ اس کے آپ جناب پر اسے ٹوک رہا تھا۔وہ سالوں کا فاصلہ لمحے میں طے کر لینا چاہتا تھا، مگر اسے اس کی بے تکلفی ذرا بھی بری نہیں لگ رہی تھی۔

''تم کہیں پر انگیج ہو یا کوئی کمٹمنٹ یا کوئی۔''

اس طرح کنفیوژ سا ہوتا وہ کتنا اچھا لگ رہا تھا۔کچھ نروس بھی تھا، کچھ بوکھلا بھی رہا تھا اور جو دل میں چھپی بات تھی، وہ اس سے کہہ بھی ڈالنا چاہتا تھا۔وہ اس کے دل میں چھپی بات جان گئی تھی، مگر مزہ آرہا تھا اس کی کنفیوژن کو بڑھانے میں۔

''میں نے اس لڑکی کو اپنے ساتھ باہر چلنے کی دعوت دی تھی جس سے میں محبت کرتا ہوں، جس کے ساتھ میں اپنی پوری زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔''

وہ اس سے ناراض ہو گیا تھا، ہنیا نے اسے غلط سمجھا، اس کی محبت کو غلط سمجھا، اس نے ہنیا کو اپنے اپارٹمنٹ لے جانے کی اتنی غلط وجہ سوچی جبکہ حقیقت میں تو اس رات وہ اسے پرپوز کرنا چاہتا تھا۔وہ اس سے بہت خفا ہو گیا۔

''ہمارے بیچ کچھ ہے جو بہت خاص ہے۔کیا تمہیں کبھی ایسا نہیں لگا ہنیا؟ تم اسے محبت نہ ماننا چاہو مت مانو، تمہارا امریکن کلچر اسے جو نام دیتا ہے دے لو۔مگر میں تمہیں یہ بتا دوں کسی کے لئے ایسے جذبات انسان کے دل میں زندگی میں صرف ایک بار پیدا ہوتے ہیں۔

Once in a life time اس لئے کہ محبت زندگی میں صرف ایک بار ہوتی ہے اور صرف کسی ایک ہی سے ہوتی ہے۔''

وہ اس کے ساتھ Central Park میں تھی۔وہ دونوں بوٹنگ کر رہے تھے۔اس کے کہنے پر آج اس نے شیو کر رکھا تھا۔حالانکہ دل ہی دل میں وہ یہ بات تسلیم کرتی تھی کہ بڑھی ہوئی شیو میں وہ اور بھی زیادہ ہینڈسم لگتا ہے مگر اپنی فرمائش اس سے منوائی تھی ناں۔

''مس ہنیا سجاد! میں عباد عذیر عمر ساڑھے 24 سال......

وہ اس کے سامنے جھکا اسے پرپوز کر رہا تھا۔اس کا ہنستے ہنستے برا حال تھا، جبکہ وہ مسکراہٹ روکے بڑا سنجیدہ تھا۔

''کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟'' وہ اسے اپنے ہاتھ سے ایک خوبصورت بریسلٹ پہنا رہا تھا۔وہ بریسلٹ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔اب تو پچھلے کافی عرصے سے وہ اس بریسلٹ کو ہر وقت ہی پہننے لگی ہے۔اس نے دائیں ہاتھ میں پہنے اس بریسلٹ کو چھونے کے لئے اپنا بایاں ہاتھ اوپر اٹھانا چاہا، مگر اس پر کوئی وزن سا تھا، وہ اپنا ہاتھ اٹھا نہ پائی۔اس کے بازو میں کوئی سوئی چبھی ہوئی تھی۔ایک، دو مرتبہ کی کوشش کے بعد اس نے بریسلٹ کو چھونے کی کوشش ترک کر دی۔اس وزن کے ساتھ وہ اپنا بازو اٹھا ہی نہیں سکتی تھی۔



کیتھی، مائیک اور اس کے تمام دوست اس کے لئے از حد پریشان تھے۔ وہ مسلسل بے ہوشی کی حالت میں تھی، اسے ہوش نہیں آرہا تھا۔ اس کی حالت سے گھبرا کر کیتھی نے یمینہ کو شکاگو فون کر ڈالا۔ یمینہ، جنید اور معاذ نیویارک آگئے تھے۔ کئی دن گزر چکے تھے اور وہ ہوش میں نہیں آرہی تھی۔ ڈاکٹرز کے حساب سے اسے ہوش آجانا چاہئے تھا۔ وہ فزیکلی بالکل ٹھیک تھی، اس کے تمام اعضاء بالکل ٹھیک اور درست کام کر رہے تھے۔

ڈاکٹرز کے مطابق وہ خود ٹھیک ہونا نہیں چاہ رہی تھی۔ وہ اس بے ہوشی میں اپنے لئے ایک راہ فرار تلاش کر رہی تھی، وہ بے ہوش رہنا چاہتی تھی تاکہ اسے کسی سچائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اس کے قریب آکر اس کا نام لیا جاتا، اس کے ہاتھ پاؤں کو ہلایا جایا جاتا تو اس میں ہلکی سی جنبش ہوتی، اپنے نام پر اس کی پلکیں کچھ پل کے لئے حرکت کرتیں۔

اس کی بیماری کی نوعیت جسمانی نہیں، نفسیاتی اور جذباتی تھی۔ سو اب اس کا علاج ایک سائیکاٹرسٹ کر رہے تھے۔ وہ اس کے پاس آکر اس سے باتیں کرتے، انہوں نے اس کے دوستوں اور بہن بھائیوں سے بھی یہی کہا تھا کہ وہ اس کے پاس آکر، اس کے نزدیک بیٹھ کر اس سے باتیں کیا کریں۔ اس لئے کہ وہ سب سن رہی ہے۔ یہ اور بات کہ سمجھنا کچھ نہیں چاہتی۔ اسے اس خود طاری کردہ بیہوشی سے باہر نکالنے کے لئے ڈاکٹرز کے ساتھ ساتھ اس کے دوستوں اور عزیز و اقارب کی بھی بہت ضرورت تھی۔ وہ سب آکر اس سے باتیں کریں۔ اس حادثے کے حوالے سے نہ سہی جسے وہ ماننے سے انکاری ہے، تو اپنے اور ہنیا کے تعلقات یونیورسٹی میں گزارے لمحات، گھر کی، ماما جانی کی، بچپن کی تمام یادیں اس کے ساتھ دہرائیں۔ وہ سب ماضی میں ساتھ گزارے لمحات کے متعلق اس سے باتیں کریں۔ ڈاکٹرز بھرپور کوششیں کر رہے تھے، مگر وہ ہوش میں نہ آئی تھی۔



''تمہارے ہاتھ میں کیا ہوا؟'' وہ اس کے جلے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر پریشان ہو رہا تھا۔

''تم اتنی لاپروا کیوں ہو ہنیا سجاد؟'' وہ اپنے ہاتھ سے اس کے جلے ہوئے ہاتھ پر آئنمنٹ لگا رہا تھا۔

''تکلیف تو نہیں ہو رہی؟'' وہ اس کی معمولی سی تکلیف پر یونہی پریشان ہو جاتا ہے۔

''لاپروا لڑکی! میرے لئے ہی اپنی پروا کر لیا کرو۔ عابی!'' اس نے اسے کتاب پر لکھ کر دیا تھا۔ وہ اس کی محبتوں پر سرشار ہوتی مسکراتی رہی تھی۔ وہ اس سے فون پر باتیں کر رہا تھا۔ باتیں کرتے کرتے اسے نیند آنے لگی تھی، مگر وہ فون بند نہیں کر رہا تھا۔ اب اس کی سمجھ میں آرہا تھا وہ اس کے سونے کا انتظار کر رہا تھا، وہ سو جائے گی تو وہ فون بند کرے گا۔ وہ چاہتا تھا کہ ہنیا اس سے باتیں کرتے کرتے سو جائے۔

''آج تم نے میرے ہاتھ کی خیریت تو پوچھی ہی نہیں۔'' وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

''اڑاؤ مذاق۔ تمہیں قدر ہی نہیں میری محبت کی۔''

اسے بہت قدر تھی اس کی محبت کی، اسے بہت قدر ہے اس کی محبت کی۔ وہ تو بس یونہی اسے ستانے کو بول رہی تھی۔

وہ بوسٹن سے اس کے لئے خوبصورت گرین کلر کا ڈریس لایا تھا۔ وہ کپڑے اپنی ساری وارڈ روب میں سے اس کے پسندیدہ ہو گئے تھے۔ وہ یہ لباس پہن کر جب اس کے گھر گئی تھی، وہ اس پر سے نگاہیں ہٹانا بھول گیا تھا۔ وہ اسے والہانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ اس روز بارش بہت تیز ہو

رہی تھی۔اس نے اسے اپنے دوست سے ملوایا تھا۔ڈنر کے بعد وہ اسے چھوڑنے نیچے تک آیا تھا۔اس نے چھتری کھول کر اسے فوراً چھتری کے اندر لے لیا تھا،خود اس پر بارش کا پانی گر رہا تھا،مگر وہ اس پر بارش کی ایک بوند تک نہیں گرنے دے رہا تھا۔

''تم مجھے Spoil کر کے ہی چھوڑو گے۔''وہ اپنے اس طرح ناز اٹھانے پر اس سے کہہ رہی تھی۔

''میں تمہارے سارے ناز نخرے بڑی خوشی سے اٹھاؤں گا ہنیا سجاد۔''وہ زندگی بھر اس کے ناز اٹھانے کا وعدہ کر رہا تھا۔

وہ کیتھی کے گھر پارٹی میں جانے سے پہلے پہل انکاری تھا۔وہ اسے ساتھ چلنے پر آمادہ کر رہی تھی۔

''تو مجھے لے جانے کا مقصد دوستوں کے سامنے اترانا اور شوف آف کرنا ہے۔''وہ قہقہہ لگا کر ہنس رہا تھا۔

''تم میرے ساتھ ہو گے تو مجھے اچھا لگے گا،میں پراؤڈ فیل کروں گی۔عابی! پلیز۔''

''اس طرح سے بول کر تو مجھ سے چاند پر جانے کو کہو گی تو میں چلنے کے لئے کھڑا ہو جاؤں گا۔''

اس نے اس سے اپنی فرمائش منوالی تھی۔وہ اس سے اپنی ہر بات منوالیتی ہے۔وہ اس کی کوئی فرمائش،کوئی خواہش کبھی نہیں ٹالتا۔

24 دسمبر تھی،کرسمس ایو تھا۔وہ دونوں بہت اچھی طرح تیار ہوئے پیدل چل کر کیتھی کے گھر جا رہے تھے۔

عباد بہت دل سے تیار ہوا تھا۔اس نے اس سے کہا جو تھا کہ وہ چاہتی ہے آج کپل آف دی ایوننگ وہی دونوں قرار دیئے جائیں۔

وہ اس سجے سجائے بڑے سے کمرے کے بیچوں بیچ ایک کرسی پر بیٹھا گٹار بجا رہا تھا۔اس نے اپنا کوٹ اتار کر اسے پکڑا دیا تھا۔وہ اس کے کوٹ کو اپنی گود میں رکھے یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔یوں گٹار بجاتا وہ کس قدر ہینڈسم لگ رہا تھا۔اور وہ دھن کس گانے کی بجا رہا تھا؟

ہاں "You were meant for me" کی۔

باہر برف باری ہو رہی تھی اور اندر عابی گٹار بجا رہا تھا۔سب بالکل خاموش ہو کر اسے سن رہے تھے۔اس نے ماحول پر ایک سحر طاری کر دیا تھا۔''باقی لوگ جس کو بھی چنیں پر میرے لئے میری پارٹی کا سب سے شاندار کپل تم دونوں ہو۔وہ کپل جسے دیکھ کر دل میں پہلا خیال آتا ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے لئے بنائے گئے ہیں۔''اس کی پیاری دوست کیتھی نے ان دونوں سے کہا تھا۔کیتھی اسے اور عباد کو ساتھ دیکھ کر ایسے ہی خوش ہوا کرتی ہے۔

''عباد اور ہنیا کی جوڑی جنت میں بنائی جوڑی ہے۔''وہ دونوں کپل آف دی ایوننگ قرار دے دیئے گئے تھے،خوشی کے مارے اس کے پاؤں زمین پر نہ ٹک رہے تھے۔

وہ دونوں برف باری میں پیدل چلے جا رہے تھے۔عابی کا ہاتھ تھامے اس کے ساتھ چلتے برف باری کا وہ موسم کس قدر رومانٹک اور خواب ناک لگ رہا تھا۔اس بڑے سے اسٹور میں وہ دونوں ایک ساتھ تصویر کھنچوا رہے تھے۔وہ اطالوی کیشئر انہیں Nice Couple (بہترین جوڑا) قرار دے رہا تھا۔وہ برف پر پھسل کر گر نہ پڑے،اس خیال سے عابی نے اس کا ہاتھ مسلسل پکڑ رکھا تھا۔وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔

''کاش نیویارک میں سارا سال برف ہوا کرے کم از کم اس بہانے عباد عذیر نے میرا ہاتھ تو پکڑ لیا۔

وہ گہری نیند سو رہی تھی، جیسے ابھی سو رہی ہے اور وہ ہاتھوں میں دو بڑی بڑی کینڈلز روشن کیے کھڑا تھا۔ وہ گنگنا رہا تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے ڈیئر ہنی۔'' وہ اس کی سالگرہ اپنے اپارٹمنٹ کی بالکونی میں منا رہا تھا۔ٹھیک رات کے بارہ بجے۔ اس نے بالکونی کو بڑی اچھی طرح سجایا تھا۔ فرش پر پھول ہی پھول تھے، میز پر کیک تھا۔ بہت سی کینڈلز اور سرخ اور گولڈن رنگوں کے بلونز تھے۔ خوشی کے مارے اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے۔

''آج تمہاری سالگرہ ہے دیکھو ہمیں یاد ہے ناں'' وہ مسکراتے ہوئے گنگنا رہا تھا۔

''عابی! ہمیشہ مجھ سے ایسی ہی محبت کرنا۔'' وہ اسے پیار سے دیکھ رہا تھا۔

''اس نے اس کے ہاتھ کے اوپر اپنا ہاتھ مضبوطی سے رکھ کر اسے اپنی محبت کا یقین دلایا تھا۔ عابی کے پاپا نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا انہوں نے عابی کی کہیں اور منگنی کر دی۔ وہ ڈسٹرب تھی۔ عابی بہت اداس تھا۔ ساری غلطی اس کے پاپا کی تھی اور وہ بغیر کسی خطا کے اپنے پاپا، اپنے انکل اور اپنی کزن سے شرمندہ تھا۔ اس کی آنکھوں کی تھکن اور اس کے دل کی اداسی اس سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔

''تم انجانے میں بھی کبھی کسی کا دل نہیں دکھا سکتے عابی تم تو اتنے اچھے ہو جتنا اچھا ہونا چاہئے۔''

بہت پہلے ایک بار اس نے کہیں پڑھا تھا کہ وہ جو بہت اچھے ہوتے ہیں، وہ اس لئے اتنے اچھے ہوتے ہیں کہ انہیں اس دنیا سے جلدی چلے جانا ہوتا ہے اور انہیں پیچھے رہ جانے والے اپنے پیاروں کے دلوں میں اپنی بہت خوبصورت یادیں چھوڑ جانی ہوتی ہیں اور ان کی ضرورت جتنی اس دنیا کو ہوتی ہے اتنی ہی تو اس دنیا میں بھی ان کی ضرورت ہوتی ہے۔''

وہ اس تحریر کو پڑھ کر ڈر گئی تھی ''نہیں یہ تحریر تو بس یونہی ہے، کوئی آسمانی صحیفہ تو نہیں۔'' اور اس کا عابی وہ تو بس ویسے ہی غیر معمولی طور پر اتنا زیادہ اچھا ہے۔ اس کے عابی کو تو اللہ انشاء اللہ بہت لمبی بہت طویل عمر عطا کرے گا۔

اسے ''ہنیا'' کہہ کر کوئی آواز دے رہا تھا۔ مگر یہ آواز عابی کی نہیں تھی، اس لئے اس نے اس آواز کو نظر انداز کر دیا۔ اس کے جسم کے اندر یہ اتنی ساری چیزیں کیا چبھی ہوئی ہیں، یہ اس پر اتنا وزن کیوں ہے، وہ تاریں یا پتا نہیں کیا جو اسے محسوس ہوتے ہیں۔ وہ اس کی وجہ سے سکون سے سو نہیں پا رہی۔ اس کے جسم میں اتنی طاقت ہوتی کہ ان کو ہٹا سکے تو انہیں اتار کر پھینک ڈالتی۔ وہ اپنے نزدیک سے ابھرتی اس آواز کو نظر انداز کر کے پھر عابی کی آواز کو سننے لگی تھی۔ اسپتال کے گارڈن میں وہ اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔

''میں آج بھی تمہارے ساتھ ہوں، میں کل بھی تمہارے ساتھ ہوں گا، میں ہمیشہ ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں گا۔ وہ اسے اپنی محبت کے لازوال اور لافانی ہونے کا یقین دلا رہا تھا۔ وہ اس وقت سوتے میں رو رہی ہے۔ اسے پتا تھا وہ سوتے میں رو رہی ہے۔ کیوں؟ ہاں! اس کی ماما جانی جو چلی گئی ہیں اور عابی کے پاپا عابی پر کتنی بری طرح چلا رہے ہیں۔ ''میں نے تم سے صرف یہ کہنے کے لئے فون کیا ہے کہ آج کے بعد کبھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا، کبھی میرے سامنے مت آنا۔'' انہیں اتنے سخت لفظ تو نہیں بولنے چاہئے تھے عابی سے۔ وہ کس طرح ''پاپا! میری بات سنیں پلیز!'' گڑگڑا کر کہے جا رہا تھا۔ انہیں عابی کی بات سننی چاہئے تھی۔ عابی کا دل کتنا دکھ رہا ہو گا اس وقت۔

کوئی پھر اس کے قریب آ گیا تھا، کوئی پھر اس کے قریب آ کر کچھ بول رہا تھا۔

''ڈاکٹر! پیشنٹ کو ہوش آ رہا ہے۔ دیکھیں یہ رو رہی ہے۔'' اس نے انجانی زنانہ آواز کو پھر نظر انداز کیا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ گہری نیند سو جانا چاہتی تھی۔ وہ گہری نیند سونے لگی تھی۔

''مت رونا ہنی! پلیز میرے لئے تم روتی ہو تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔''

ارے وہ کہاں رو رہی ہے۔ ''عابی میں نہیں رو رہی۔'' شکر اس کی نیند گہری ہو گئی تھی۔ اب اسے اپنے قریب کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ عابی کی بانہوں کے حصار میں تھی۔ وہ اسے اس طرح سنبھال رہا تھا، اس طرح پیار کر رہا تھا کہ خود کو پریوں کے دیس میں پہنچا محسوس کر رہی تھی۔

وہ رات کتنی حسین تھی، کتنی خوبصورت عمر بھر نہ بھلائی جا سکے ایسی رات۔ اسے سمندر کی ٹھنڈی ہوائیں اپنے چہرے پر آتی محسوس ہونے لگی تھیں۔ نیلگوں سمندر کی وسعتیں اور سامنے وہ چھوٹا سا کاٹیج ہوا میں خنکی تھی۔ اسے سردی محسوس ہو رہی تھی، مگر پھر بھی ساحل پر ننگے پاؤں چلنا اچھا لگ رہا تھا۔ عابی نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ اس کا ہاتھ تھام کر ساحل کی نرم نرم گیلی ریت پر چہل قدمی...... اس سے حسین زندگی میں اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا اور وہ عابی...... ہمیشہ سے بھی بڑھ کر اس کے نخرے اٹھا رہا تھا۔ وہ اپنی زندگی سے یہ چھ دن اسے پورے کے پورے دے رہا تھا۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا ان دنوں میں وہ دونوں صرف اور صرف خوشیوں کی باتیں کریں گے۔ وہ نہا کر اس کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر سلیپنگ ڈریس کے طور پر پہن کر آ گئی تھی۔

وہ بیڈ پر اوندھا لیٹا اسے والہانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ کوئی شعر بھی سنا رہا تھا۔ کونسا شعر تھا؟ اف اسے شعر یاد نہیں آ رہا۔ وہ اردو شاعری میں کتنی بری ہے۔ اب عابی سے کہے گی اسے اپنی پسند کے اردو اشعار یاد کروائے، ان کے معنی بھی سمجھائے تاکہ وہ بھی انہیں انجوائے کر سکے۔

وہ عابی کی بانہوں کے حصار میں تھی۔ Carmel میں ان کی وہ پہلی رات بھی گزشتہ رات جیسی ہی حسین تھی، بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر ہی حسین تھی۔ کھلی کھڑکی سے سمندر سے آتی ٹھنڈی ہوائیں اور لہروں کا شور سمندر کی بے حد نزدیکی کا احساس دلا رہا تھا۔ ماحول کو بے پناہ رومانٹک اور خوبصورت بنا رہا تھا۔ اس کی محبتوں میں گھرے رات گزرنے کا پتہ ہی نہیں چلا تھا۔

صبح وہ اس کے پاس پھول لا کر رکھ رہا تھا۔ وہ پاس آیا تو وہ گہری نیند سے بیدار ہو گئی تھی۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا ناں۔ وہ کتنی بھی گہری نیند سو رہی ہوتی وہ پاس آتا تو اسے نیند میں بھی پتا چل جاتا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے ان پھولوں کو اور پھول لانے والے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے پاس اس کے تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گیا تھا۔ اس نے وہ پھول اپنے سینے پر رکھ لئے تھے، وہ اتنی محبت سے لایا تھا، وہ انہیں اپنے دل کے بہت قریب رکھنا چاہتی تھی۔ وہ ہنس رہا تھا۔ اور وہ اس وقت اس کے بہت نزدیک تھا، وہ اس کے ڈمپل کو پیار سے صرف دیکھ ہی نہیں بلکہ چھو بھی سکتی تھی۔ اس نے اس کے ڈمپل پر اپنی انگلی رکھ دی تھی۔ ہنستے ہوئے اس کا ڈمپل اسے لگتا ہی اتنا پیارا تھا۔ جب بھی وہ ہنستا وہ مبہوت سی اس کے ڈمپل کو دیکھے جاتی۔

عابی کے ساتھ وہاں اس ساحلی شہر میں اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ جنت میں ہے۔ وہاں خوشی ہی خوشی تھی، محبت ہی محبت تھی۔

''تم چاہو تو اسے ایک مصنوعی اور دنیاوی جنت سمجھ لو، کیونکہ اصلی جنت تو اس سے بہت بڑھ کر اچھی ہو گی۔ وہاں صبح صبح تمہارے لئے پھول ڈھونڈنے مجھے سڑکوں کی خاک تو نہیں چھاننی پڑے گی۔ بس یہ اپنے عالیشان محل کے باغات سے نکلا اور وہاں سے جو پھول اور جتنے دل چاہا

تمہارے لئے لے آیا۔"

لبوں پر مسکراہٹ روکتا وہ اسے بتا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت تھی، مسکراہٹ تھی، زندگی تھی۔ مگر یک لخت ہی اس شرارتی انداز کو ترک کر کے وہ سنجیدہ ہوا تھا۔ بے انتہا سنجیدہ۔ "مجھے صرف ہنیا چاہئے۔ اس عارضی دنیا میں بھی اور اس ہمیشہ رہنے والی دنیا میں بھی۔ مجھے ہر دنیا اور ہر زندگی میں صرف ہنیا سجاد چاہئے اور کوئی بھی نہیں۔"

وہ دن کی روشنی میں ساحل پر چہل قدمی کر رہے تھے۔ عابی کے پیروں کے پاس ایک فٹ بال آ کر گری تھی۔ وہ اب ان نوعمر لڑکوں کے ساتھ فٹ بال کھیل رہا تھا۔ وہ ان سب لڑکوں سے زیادہ تیزی اور پھرتی سے دوڑ رہا تھا۔ وہ بال انہیں لینے نہیں دے رہا تھا شروع میں ان لڑکوں نے اپنے گیم میں اس کے زبردستی گھسنے پر ناگواری کا اظہار تھا مگر چند ہی منٹوں بعد وہ سب اس کے ساتھ یوں کھیل رہے تھے جیسے ان کی عابی سے برسوں کی واقفیت ہے۔

بہت دیر تک ان کے ساتھ کھیلنے کے بعد عابی نے ان لڑکوں سے اجازت چاہی تو وہ سب اس سے یہ وعدہ لینے لگے کہ وہ کل بھی ان کے ساتھ آ کر کھیلے گا۔ ان سب کو اس کا عابی بہت پسند جو آ گیا تھا۔ اسے لوگوں کے دل موہ لینے آتے ہیں، اسے سب کا دوست بننا آتا ہے۔ Carmel میں جہاں ان دونوں کا سرے سے کوئی واقف نہیں تھا۔ اس نے کتنے لوگوں سے دوستیاں کر لی تھیں۔ فٹ بال کھیلتے ان لڑکوں سے، جس جس ریسٹورنٹ میں وہ کھانا کھاتے تھے وہاں کے ویٹرز سے، جس اوپن ایئر تھیٹر میں انہوں نے شیکسپیئر کا پلے دیکھا وہاں اپنی نشست کے ساتھ بیٹھے ینگ کپل سے، جہاں سے وہ صبح سویرے پھول توڑ کر لاتا تھا اس امریکن مرد سے۔ اس کا عابی ہے ہی بہت اچھا، سب کا پیارا، ہر ایک کو عزیز۔ وہ اس کی کمر کے گرد ہاتھ پھیلائے اسے اپنے نزدیک کئے دیگر نوجوان امریکیوں اور غیر ملکی سیاحوں ہی کی طرح گھوم رہا تھا۔ اپنی محبت کا کھلے عام اظہار کرتے۔

کھانا وہ ایک پلیٹ میں کھا رہے تھے مگر اس نے تو لائم جوس بھی ایک ہی گلاس میں منگوایا تھا۔ ویٹر سے کہا تھا گلاس میں ایک کی جگہ دو اسٹرا لگا کر لے آئے۔ تب اتنے لوگوں کے بیچ ذرا ہچکچاہٹ ہوئی تھی اسے، مگر اپنے دل سے سوچتی تو عابی کے ساتھ اس ایک گلاس میں لائم جوس پینا اسے بہت اچھا لگا تھا۔ وہ اس کے بالوں کے کرلز کو اپنی انگلیوں سے گرد لپیٹ رہا تھا، اسے وہ بھی بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اور اسے عابی کے ساتھ ایک جیسی ٹی شرٹس پہن کر ساحل پر آنا بھی اچھا لگا تھا۔

"Im crazy about u" والی ٹی شرٹس۔ عابی نے ان ٹی شرٹس کے ساتھ اس کے لئے ایک Straw ہیٹ بھی خریدا تھا۔ اپنے مما، پاپا کے لئے کئی تحفے بھی اس نے خریدے تھے اور اس نے بھی تو کیتھی اور مائیک کو تحفے میں دینے کے لئے چیزیں خریدی تھیں۔

ساحل پر جب وہ دونوں ان ایک جیسی ٹی شرٹس کو پہن کر گھوم رہے تھے سب کیسے انہیں پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کا ایسا کرنا، ایک سا لباس پہننا سب کو بڑا رومانٹک لگ رہا تھا۔

ان دونوں کی وہ "Im crazy about u" والی ٹی شرٹس اب کہاں رکھی ہیں؟ اسے بے چینی ہونے لگی۔ وہ دونوں ان ٹی شرٹس کو پہن کر کتنے اچھے لگتے تھے کہیں نیویارک آتے وقت جلدی جلدی سامان پیک کرتے وہ ان ٹی شرٹس کو Carmel میں تو نہیں بھول آئے؟ وہ بے چینی سے

اپنے ہاتھوں اور پیروں کو حرکت دینے کی کوشش کرنے لگی۔

وہ اپنے سر کو دائیں بائیں حرکت دے رہی تھی، وہ اپنی آنکھیں کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس سے اٹھا نہیں جا رہا تھا، آنکھیں نہیں کھولی جا رہی تھیں، مگر وہ جاگنا چاہتی تھی۔ اسے اٹھ کر وہ ٹی شرٹس ڈھونڈنی تھیں۔ اُف کہیں وہ Carmel میں تو نہیں رہ گئیں، وہ تو اس کی اتنی فیورٹ ٹی شرٹس ہیں، انہیں پہن کر وہ دونوں اتنے اچھے لگتے تھے۔ لوگ کس طرح انہیں توجہ سے دیکھ رہے تھے۔ پسند کر رہے تھے۔ اسی ٹی شرٹس کو پہنے ہوئے تھے وہ، جب عابی نے حرکت کی تھی۔ وہ جو اس نے ساحل پر کھڑے ہو کر بہت زور زور سے چلا کر......

''ہنی! آئی لو یو'' کہا تھا۔ اس نے اپنے جسم کو پوری قوت کے ساتھ ہلانے کی کوشش کی۔ سارا زور لگا کر آنکھوں کو کھولنے کی کوشش کی۔



اس نے اپنے بیگ میں سے نکال کر کیتھی کو Souvenirs دیئے، جو وہ Carmel سے اس کے اور مائیک کے لئے لائی تھی۔ منہ سے اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔ بس خاموشی سے وہ چیزیں نکال کر اسے پکڑا دی تھیں۔ آنکھوں میں آنسو لئے کیتھی نے اس کے ہاتھ سے وہ تحفے لے لئے تھے۔ اس نے Carmel سے لایا بیگ پورے کا پورا بیڈ پر لٹا ہوا تھا۔ وہ اس سامان میں سے عابی کے استعمال کی اشیاء الگ کر رہی تھی۔ کیتھی خاموش بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ ہنیا اب الماری کھول کر عابی کے کپڑے اور دوسرا سامان اس کی درست جگہ پر واپس رکھ رہی تھی۔

عابی کی "Im crazy about u" والی ٹی شرٹ اس نے الماری میں رکھ دی تھی جبکہ اپنی والی گھر آتے ہی فوراً پہن لی تھی۔

اس کے ہوش میں آنے پر سب خوش ہوئے تھے، سب نے سکون کا سانس لیا تھا۔ کیتھی اس کے ہوش میں آنے پر خوش بھی تھی اور گھبرا بھی رہی تھی۔ اسے پتا تھا ہوش میں آنے پر وہ کس طرح ہسٹریک ہو کر روئے گی۔ اسے سنبھالنا اور چپ کرانا مشکل ہو جائے گا، اسے صبر دلانا مشکل ہو جائے گا۔ مگر وہ تو ہوش میں آنے پر اتنی مختلف تھی اتنی ناقابل فہم۔ رونا تو دور اس کی آنکھ سے تو ایک آنسو تک نہیں ٹپکا تھا۔ وہ کسی سے بھی کچھ بول نہیں رہی تھی، بالکل خاموش تھی۔

اس نے اگر کسی سے کوئی ایک جملہ کہا تھا تو وہ ہوش میں آنے کے بعد اپنے ڈاکٹر سے اور وہ بھی یہ کہ وہ گھر جانا چاہتی ہے۔ اس کا شوہر عباد عذیر اپنے پیرنٹس سے ملنے پاکستان گیا ہوا ہے اور اسے اس کی فون کال کا انتظار ہے۔ کیتھی اور مائیک اس کی بات سن کر ساکت رہ گئے تھے۔ سائیکاٹرسٹ ڈاکٹر ہیرسن جو ہنیا کا علاج کر رہے تھے، انہوں نے ہنیا کی ساری کنڈیشن کا بغور جائزہ لینے کے بعد اسے ہسپتال سے ڈسچارج کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ جسمانی طور پر بالکل ٹھیک تھی۔ اسے کوئی مرض، کوئی بیماری لاحق نہیں تھی۔

اس کی روزانہ کے ساتھ ایک گھنٹے کی سٹنگ ہوتی تھی اور ان کے لئے ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیتھی جو ہنیا کی حالت دیکھ دیکھ کر شدید پریشان ہو رہی تھی وہ روتی کیوں نہیں، وہ کچھ بولتی کیوں نہیں، کیا اس حادثے نے اس کے اعصاب کو مفلوج کر دیا ہے، اس سے سوچنے سمجھنے کی حس چھین لی ہے، اسے ڈاکٹر ہیری سن نے سمجھایا تھا کہ ہنیا کی موجودہ کیفیت کچھ کچھ شیزوفرینیا کے مرض میں مبتلا مریض جیسی ہے۔

''اسے ایک ایسا نفسیاتی عارضہ سمجھ لیں جس میں مریض کسی حادثے کسی بری اور بدترین سچائی کا سامنا کرنے سے بچنے کی خاطر اپنی ایک

الگ دنیا تخلیق کر لیتا ہے، وہ خود کو لوگوں سے سماجی زندگی سے بالکل علیحدہ کر لیتا ہے، خاموشی اختیار کر لیتا ہے، اپنی تخلیق کردہ تصوراتی دنیا اسے سچائی نظر آتی ہے باقی ساری دنیا سے وہ اپنا رابطہ منقطع کر لیتا ہے۔ جب کوئی بدترین سچائی بدلنا اس کے اختیار میں نہیں ہوتا وہ اپنی تصوراتی اور خیالی دنیا میں پناہ تلاش کر لیتے ہیں۔

ہنیا کی کیفیت بالکل ایسی ہی ہے، اس کے اپنے ذہن سے اس فون کال جس میں اس نے عباد کے حادثے کی آواز خود اپنے کانوں سے سنی تھی۔ کہیں بہت اندر چھپا ڈالی ہے۔

وہ عباد کو ائیرپورٹ سی آف کرنے گئی تھی، اس نے وہاں تک سب کچھ یاد رکھا ہوا ہے، ائیرپورٹ چھوڑ کر آنے کے بعد جو کچھ ہوا، اس سب کو اس نے اپنی میموری سے بلاک کر دیا ہے۔ وہ اپنے ذہن میں ابھی بھی عباد کی فون کال آنے یا اسے کال کرنے کا انتظار کر رہی ہے۔ اس کی اپنی جو تخلیق کردہ سچائی ہے۔ اس میں عباد ابھی زندہ ہے، وہ راستے میں ہے، وہ سفر میں ہے، وہ اپنے والدین سے ملنے گیا ہوا ہے۔'' ڈاکٹر ہیری سن نے کیتھی اور یمینہ کے سامنے ہنیا کی نفسیاتی کیفیت کا تفصیل سے تجزیہ پیش کیا تھا۔

اہسپتال سے ڈسچارج ہونے کے بعد وہ ہنیا کو اپنے ساتھ اپنے گھر لے آئی تھی۔ ڈاکٹر ہیری سن نے کیتھی سے کہا تھا کہ وہ ہنیا کو عباد کے اپارٹمنٹ جانے سے نہ روکے، بلکہ اسے خود وہاں لے جایا کرے کہ وہاں وہ یادیں بکھری ہیں جو اسے حقیقت کی دنیا میں واپس لانے میں معاون ثابت ہوں گی۔ یہی وجہ تھی کہ ہاسپٹل سے کیتھی کے اپارٹمنٹ آنے کے بعد جب وہ پیدل عباد کی طرف جانے لگی تب کیتھی اسے خود گاڑی میں بٹھا کر وہاں لے آئی تھی۔

یہاں آتے ہی ہنیا نے وہ بیگ کھولا تھا جو عباد کے بیڈروم میں صوفے کے پاس رکھا تھا۔ Carmel سے ان دونوں کا لایا بیگ، اس بیگ میں سے اپنا سامان واپس نکالنے کی ان دونوں کو مہلت نہ ملی تھی۔ اس بیگ میں سے اس کا اور عباد کا بہت سارا سامان نکالا بیڈ پر بکھرا تھا۔ عباد کا سامان اور ہنیا کی حالت دیکھ کر کیتھی کا دل درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ ہنیا، عباد کا سامان اس کی الماری میں یوں سلیقے سے رکھ رہی تھی کہ جیسے ابھی وہ آ کر استعمال کرے گا۔

یمینہ اسے اپنے ساتھ اپنے گھر شکاگو لے جانا چاہتی تھی مگر وہ کسی دوسرے شہر کیا جاتی وہ تو عابی کے گھر کو چھوڑ کر کسی دوسرے گھر میں رہنے تک کے لئے تیار نہ تھی۔ کیتھی اسے عباد کے اپارٹمنٹ سے واپس اپنے اپارٹمنٹ لے جانے لگی تو وہ جانے پر آمادہ نہ ہوئی۔ وہ منہ سے ایک لفظ نہیں بول رہی تھی کسی کی کسی بات کا کوئی جواب بھی نہیں دے رہی تھی مگر جب کیتھی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے لے جانے کے لئے اٹھانے لگی تو اس نے اپنا ہاتھ ایک جھٹکے سے چھڑا لیا۔ اس کے چہرے کی فیصلہ کن اور اٹل حالت بتا رہی تھی کہ وہ عابی کے گھر سے ہرگز ہرگز کہیں نہیں جائے گی۔ اسے زبردستی لے جانے کی کوشش کی جاتی تو پتا نہیں وہ کیا کرتی، ناچار کیتھی کو اسے اپنے گھر لے جانے کی کوشش ترک کرنا پڑی۔

کئی دن اس کے ساتھ یہاں رہ کر یمینہ اسے اپنے ساتھ لے جانے میں ناکام ہو کر واپس شکاگو چلی گئی تھی۔ اب یہاں اس کے پاس صرف کیتھی تھی جو اسے اس حالت میں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ مگر ظاہر ہے وہ ہنیا کے ساتھ چوبیس گھنٹے عباد کے اپارٹمنٹ میں نہیں رک سکتی تھی۔ اس کی جاب تھی، دیگر مصروفیات تھیں، وہ رات میں سونے اس کے پاس آ بھی جاتی تو بھی دن بھر اس کے ساتھ یہاں نہیں رہ سکتی تھی۔

''ہنیا کو ڈاکٹر ہیری سن کے پاس اس کی معمول کی ایک گھنٹے کی نشست کے لئے لے کر گئی تو ان کے سامنے اپنا یہ مسئلہ رکھا۔ پھر ڈاکٹر ہیری سن ہی کے توسط سے اسے ہنیا کے لئے ایک فلپینو (Filipino) عورت جو کسی زمانے میں ان کے کلینک میں بطور نرس کام کر چکی تھی مل گئی تھی۔ ہنیا عباد کے اپارٹمنٹ میں رہ رہی تھی اور اس کی دیکھ بھال کے لئے چوبیس گھنٹے ڈاکٹر ہیری سن کی فراہم کردہ فلپینو نرس میری موجود رہتی تھی۔

☆

کیتھی عباد کے اپارٹمنٹ پہنچی تو اس کے لئے دروازہ میری نے کھولا تھا۔ وہ ایک پروجیکٹ کے سلسلے میں تین چار روز کے لئے شہر سے باہر گئی ہوئی تھی۔ یہاں ہوتی تو اس کی پوری کوشش یہی ہوتی تھی کہ وہ رات میں ہنیا کے پاس رہے، اس کے گھر پر اس کے ساتھ رات گزارے وہ تقریباً ہر رات ہنیا کے پاس گزارتی تھی۔ آتے ہی اسے دروازے پر میری سے یہ پتا چلا کہ ہنیا نے تین دنوں سے کچھ نہیں کھایا، یہاں تک کہ پانی بھی نہیں پیا۔

وہ ایسی ہی ہوگئی تھی، کبھی کھانے پر آتی تو کچن میں جا جا کر فریج سے مختلف چیزیں نکال نکال کر کھائے چلی جاتی اور کبھی کئی دنوں کے لئے کھانا پینا چھوڑ دیتی۔ کبھی نہا دھو کر بڑے اہتمام سے تیار ہوتی، کبھی ایک ہی کپڑے کئی کئی دنوں تک پہنی رہتی، نہ منہ دھوتی نہ بال بناتی۔ اس سے کچھ بھی کہتے رہو ایسا لگتا تھا وہ سنتی ہی نہیں ہے۔ جیسے وہ گونگی اور بہری ہو چکی ہے۔

ان دو مہینوں میں اس کے منہ سے صرف وہ چند جملے نکلے تھے جو اس نے ہوش میں آنے کے بعد ڈاکٹر ہیری سن سے اس حوالے سے بولے تھے کہ وہ اسے اسپتال سے اس کے گھر جانے کی اجازت دے دیں۔ ان چند جملوں کے بعد اس کی آواز کسی نے بھی نہیں سنی تھی۔ نہ اس کے منہ سے کوئی آواز نکلتی تھی نہ آنکھ سے آنسو بہتا تھا، وہ زیادہ تر فون کے آس پاس خاموش بیٹھی رہتی تھی، وہاں نہ ہوتی تو بالکونی میں بیٹھی رہتی تھی۔ اس وقت بھی وہ بالکونی میں تھی۔ وہ اس کے پاس بالکونی میں آئی۔

تین دن پہلے وہ اسے ان ہی کپڑوں میں چھوڑ کر گئی تھی جو اس نے ابھی بھی پہن رکھے تھے۔ بال بکھرے ہوئے، ابتر حلیہ، آنکھوں کے نیچے حلقے، سوکھ کر کانٹا ہوئی لڑکی کم از کم اس کی بچپن کی دوست ہنیا سجاد ہرگز نہیں تھی۔ اس کی ساری خوبصورتی، سارا حسن ماند پڑ گیا تھا۔ کیتھی کا دل اسے دیکھ کر کڑھا، وہ تین دن سے بھوکی تھی۔

''تم نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟'' اس کے آنے پر ہنیا نے کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا، مسکرانا تو دور شناسا نگاہوں سے اسے دیکھ تک نہیں رہی تھی۔ ہنیا کی نگاہوں میں اس کے لئے بیگانگی اور لاتعلقی تھی۔ اس نے کیتھی کو گردن گھما کر دیکھا اور پھر دوبارہ آسمان پر نگاہیں جما دیں۔ اس کے لئے کیتھی کی فکر اور تشویش غصے میں بدلنے لگی۔

''اس طرح حقیقت سے نظریں چرا کر کسے دھوکہ دے رہی ہو تم؟'' اس نے شانوں سے پکڑ کر اسے اپنی طرف گھمایا۔

''ہنیا سجاد! مان لو یہ سچائی کہ عباد عذیر مر چکا ہے۔ مر گیا ہے وہ۔ وہ اب کبھی نہیں آئے گا۔ اور مر جانے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا ہے۔'' غصے سے چلاتے اس نے ہنیا کو زور زور سے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ اپنے لفظوں کی سفاکی کا اسے احساس تھا، مگر وہ اسے اس طرح خود کو مارتے ہوئے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

''عابی مر گیا ہے ہنی! مان لو یہ سچائی۔ وہ مر گیا ہے تم زندہ ہو اور میں تمہیں زندہ دیکھنا چاہتی ہوں، اس لئے کہ تم میری دوست ہو، اس لئے

کہ تم مجھے بہت پیاری ہو۔"

کیتھی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ دو مہینے کم وقت تو نہیں ہوتا اور کتنا وقت لگنا تھا اس کی دوست کو واپس حقیقت کی دنیا میں آنے میں، دوبارہ نارمل ہونے میں۔ اس کے جھنجھوڑنے، چلانے اور رونے کسی بھی چیز کا اس پر کچھ اثر نہ ہوا تھا، وہ خالی خالی نگاہوں سے اسے یوں دیکھ رہی تھی جیسے اس نے کچھ بھی سنا ہی نہیں تھا۔ یہ حقیقتوں سے فرار پانے کے لئے ہنیا نے کونسی راہ، کونسا راستہ چن لیا تھا، ناکام اور مایوس ہوتی کیتھی اسے بے یقینی سے دیکھے جا رہی تھی۔



وہ بالکونی میں کھڑی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ بارش کو دیکھتے دیکھتے ایک دم ہی اس کا دل چاہا، سامنے جو پارک نظر آ رہا ہے وہ وہاں جائے۔ وہ بالکونی سے مڑی، اندر آئی۔ اس نے اس عورت کو دیکھا جو اس کے گھر میں اس کے ساتھ رہ رہی تھی۔ سہ پہر کا وقت تھا اور وہ عورت سو رہی تھی۔ وہ عورت کون تھی اور اس کے گھر میں کیوں رہ رہی تھی، وہ نہیں جانتی تھی مگر اسے یہ پتہ تھا کہ وہ اسے گھر سے باہر اکیلے کہیں نہیں جانے دیتی۔ وہ کہیں باہر جانے لگے تو وہ عورت اس کے ساتھ باہر جاتی ہے۔ اس وقت وہ سو رہی تھی۔ موقع اچھا تھا۔

وہ دروازہ کھول کر اپارٹمنٹ سے باہر نکل آئی۔ وہ تیز بارش میں بغیر چھتری اور گرم کپڑوں اور رین کوٹ کے فٹ پاتھ پر چل رہی تھی۔ آس پاس سے گزرتے لوگ اسے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ مگر وہ بے نیازی سے پارک کی طرف جا رہی تھی۔ اگر سامنے سے تیز رفتاری سے آتی گاڑی کا ڈرائیور اپنی گاڑی کو فوری طور پر بریک نہ لگاتا تو یقیناً گاڑی اس سے بہت بری طرح ٹکراتی انتہائی خوفناک ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا تھا۔

ایمرجنسی میں بریک لگانے میں گاڑی کے ٹائر بہت بری طرح چرچرائے تھے، ٹائرز میں سے کافی زوردار آواز آئی تھی۔

"ہنیا۔" اسے پیچھے سے کسی نے گھبرا کر آواز دی تھی، اسے اپنی طرف کھینچا تھا۔ "اتنی لاپرواہ ہو کر سڑک پر مت چلا کرو ہنیا۔ جب وہ گاڑی اچانک سامنے آئی ایک لمحے کے لئے تو میں بری طرح ڈر گیا تھا۔"

وہ سڑک پر گر پڑی تھی۔ اس لئے کہ اسے کسی نے بچانے کے لئے پیچھے سے اپنی طرف کھینچا نہیں تھا۔ یکدم اس کے کانوں میں ایک بہت خطرناک دھماکے کی آواز آئی۔

"عابی!" اس کے لبوں سے اس کا نام نکلا۔ عابی کی گاڑی قلابازیاں کھا رہی تھی، وہ کسی چیز سے ٹکرائی پتہ نہیں کہاں جا کر گری تھی۔

"عابی! کیا ہوا عابی۔ مجھ سے بات کرو عابی۔" اس نے روتے ہوئے اسے پکارا۔

"اس روز جب میری آنکھوں کے سامنے تمہارا ایکسیڈنٹ ہوتے ہوتے بچا میں پورے کا پورا کانپ گیا تھا۔ میں نے اللہ سے اس لمحے دعا کی تھی۔ میں اس لڑکی کو کھونا نہیں چاہتا، اسے کبھی مجھ سے جدا مت کرنا اللہ۔"

اس نے اپنے دائیں بائیں ہر طرف نگاہیں دوڑائیں، اس کی آواز تھی مگر وہ کہیں نہیں تھا۔ وہ دبئی میں تھا، اس کا سیل فون خاموش تھا۔ وہ اس کی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔

''عباد عذیر کا یہاں دبئی میں ایک کار ایکسیڈنٹ میں ابھی کچھ دیر پہلے انتقال ہو گیا ہے۔''

''نہیں۔'' وہ بہت زور سے چلائی۔ ''جھوٹ بولتے ہو تم، بکواس کرتے ہو، میرے عابی کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ وہ مجھ سے کبھی جھوٹا وعدہ نہیں کر سکتا۔ وہ مجھ سے کہہ کر گیا تھا وہ واپس آئے گا۔''

''ایکسیڈنٹ اتنا شدید تھا کہ اسپتال لے جائے جانے سے پہلے وہ موقع پر ہی دم توڑ گیا۔''

''نہیں، نہیں۔'' اس نے اس سڑک پر سے اٹھ کر اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیا۔

وہ اس سفاک آواز سے پیچھا چھڑاتی اندھا دھند نجانے کس سمت بھاگے چلی جا رہی تھی۔ اس کے کانوں میں پھر ایک خطرناک اور خوفناک دھماکے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مسلسل اور متواتر آ رہی تھیں۔ اس کے عابی کی گاڑی کسی چیز سے ٹکرا رہی تھی، بہت زور سے کسی چیز سے ٹکرائی تھی۔ وہ کہیں گر رہی تھی، زار و قطار رو رہی تھی، اس نے بھاگتے ہوئے اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ رکھ لئے تھے۔

''میرے عابی کو بچالو۔ اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ خدا کے لئے کوئی تو اسے بچالو۔ میں یہاں نیویارک میں اس سے اتنی دور ہوں، میں تو کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ اس کا خون بہہ رہا ہے، اسے درد ہو رہا ہے، کوئی تو آ کر اسے بچائے۔''

وہ روتے ہوئے اندھا دھند بھاگی کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر نیچے گری تھی۔ اس کے پاؤں سے خون بہنے لگا تھا۔ اس کے ماتھے پر سے خون بہنے لگا تھا۔ یہ خون کچھ بھی نہیں۔ عابی کا اس سے زیادہ خون بہہ رہا ہے۔

''عابی! بہت درد ہو رہا ہے؟ عابی! تمہارا خون بہہ رہا ہے۔ ابھی ایمبولینس آ جائے گی، ابھی۔'' ہمیں افسوس ہے عباد عذیر کا یہاں دبئی میں ایک کار ایکسیڈنٹ میں ابھی کچھ دیر پہلے انتقال ہو گیا ہے۔''

اس کے ہونٹ سفید پڑ گئے تھے۔ وہ سڑک پر جس جگہ گری ہوئی تھی، وہیں پڑی تھی، وہ اپنی جگہ سے ایک انچ نہیں ہل سکتی تھی۔ وہ اس کا عابی۔ وہ بلیو شرٹ میں کتنا پیارا لگ رہا تھا۔ ابھی ابھی تو اس نے اپنے ہاتھوں سے اسے وہ بلیو شرٹ خود پہنائی تھی، ابھی ابھی وہ یہیں تھا اس کا عابی۔ وہ اسے رخصت کر رہی تھی، وہ بھاگ کر واپس اس کی طرف آ رہا تھا۔

''ہنی! میں تم سے بہت، بہت، بہت محبت کرتا ہوں۔'' وہ اس کے چہرے کو والہانہ چوم رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کو اس کی پلکوں کو، اس کے رخساروں کو، اس کے لبوں کو، وہ لمس اب بھی اس کے قریب ہے، وہ اس لمس کو محسوس کر سکتی ہے، وہ اس کی خوشبو سونگھ سکتی ہے۔ ہاں ابھی ابھی تو وہ اسے بھینچ کر اپنے گلے سے لگائے ہوئے تھا۔

''اپنا خیال رکھنا، رونا نہیں، میں جلد آؤں گا۔'' وہ اس کے لبوں کو اپنے رخساروں پر اپنے لبوں پر محسوس کر رہی تھی۔

"I Love You Honey"

''ایکسیڈنٹ اتنا شدید تھا کہ وہ موقع پر ہی دم توڑ گیا۔''

''تمہیں پتہ ہے ہنیا عباد! میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں؟ میرے بس میں ہوتا تو تمہیں ایک پل کے لئے بھی تنہا نہ چھوڑتا۔''

''بہت محبت کرتے ہو مجھ سے، تو واپس آؤ، میرے پاس آؤ'' وہ بہت زور سے چلائی۔ ''بہت وعدے کر رکھے ہیں تم نے مجھ سے تم تو کسی کے ساتھ جھوٹ نہیں بولتے عابی، کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتے، تم تو اتنے اچھے ہو جتنا اچھا ہونا نہیں چاہئے پھر میرے ساتھ، اپنی بنی کے ساتھ تم کوئی وعدہ خلافی کیسے کر سکتے ہو۔''

اپنے پاؤں سے بہتے خون کو دیکھ کر اسے ایک بار پھر یاد آیا کہ اس کے عابی کا خون بہہ رہا ہے، اس کا عابی درد اور تکلیف سے کراہ رہا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ہر طرف خون ہی خون بکھر رہا تھا۔ بہت قیمتی تھا وہ خون، بہت قیمتی تھا وہ وجود۔ اس کا عابی درد سے چلا رہا تھا۔ وہ بے بسی سے تماشا دیکھ رہی تھی۔ کتنی کمزور محبت تھی بنیا عباد کی عباد عذیر سے۔ وہ اسے اس تکلیف سے بچا نہیں سکتی تھی۔ وہ اس گاڑی میں عباد عذیر کے ساتھ نہیں تھی۔ ''نہیں زندگی میرے ساتھ ایسا مت کرو۔ مجھے ایک موقع اور دے دو۔ میں اس گاڑی میں اپنے عابی کے ساتھ موجود ہونا چاہتی ہوں۔ زندگی صرف ایک بار، صرف ایک بار وقت کو پیچھے لے جاؤ۔ میں اپنے عابی کے ساتھ وہیں جاؤں گی۔ میں اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھوں گی۔ زندگی ایک موقع۔ اگر میں سو رہی ہوں تو مجھے اس بھیانک خواب سے بیدار کر دو۔ یہ میرے ڈراؤنے خوابوں کا تسلسل ہے، مجھے کوئی غیبی اشارہ ہے تو میں نے اس اشارے کو سمجھ لیا ہے، سمجھ لیا ہے کہ عباد عذیر میرے لئے نہیں ہے۔ سمجھ لیا ہے کہ مجھے تقدیر سے ضد نہیں کرنی ہے، اس کا ساتھ نہیں مانگنا، وہ میرے لئے نہیں، مان لیا۔ اچھا میں اس سے دستبردار ہو رہی ہوں۔ مجھے اس کا ساتھ نہیں چاہئے، مجھے اس کی رفاقت نہیں چاہئے، وہ ساری زندگی مجھ سے کبھی ملے بھی نہیں بس وہ زندہ رہے، میرے زندہ رہنے کے لئے یہ جاننا ہی کافی ہوگا کہ اس دنیا کے کسی نہ کسی خطے، کسی نہ کسی گوشے میں میرا عابی موجود ہے، سانس لیتا ہوا، چلتا پھرتا اور بولتا ہوا۔ وہ مجھے عمر بھر نہ ملے میں سہہ لوں گی، مگر یہ درد سہا نہیں جا رہا۔

خدا کے لئے کوئی آ کر مجھ سے کہے وہ دھما کہ جھوٹ تھا، میری سماعتوں کا دھوکہ تھا، وہ سفاک مردانہ آواز جھوٹ تھی، کوئی آ کر ایک بار مجھ سے یہ کہہ دے۔'' اسے سانس لینے میں دقت ہونے لگی تھی۔ اس لئے کہ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے اس حادثے کو ہوتا دیکھنے لگی تھی۔ وہ اس کا عابی خون میں نہا رہا تھا، اس کے ہاتھوں سے پہنی اس کی بلیو شرٹ پوری کی پوری خون سے بھر گئی تھی۔ عابی درد سے کراہ رہا تھا۔

''ایکسیڈنٹ اتنا شدید تھا۔''

''ہمیں افسوس ہے۔''

''ابھی کچھ دیر پہلے انتقال ہو گیا۔''

اپنے بالوں کو نوچتی وہ ہسٹریک ہو کر چلائی۔ اس کے قریب سے گزرتا ایک شخص اس کے پاس رک گیا تھا۔ ''تمہیں کیا ہوا ہے۔'' وہ اس سے ہمدردانہ انداز میں جھکا پوچھ رہا تھا۔

''آج کیا تاریخ ہے۔'' بجائے اس کی بات کا جواب دینے کے اس نے روتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''30 جولائی۔'' اسے جواب دے کر اسے پاگل سمجھتا وہ شخص آگے بڑھ گیا تھا۔ 30 جولائی؟ 22 مارچ کو اس کی عابی سے شادی ہوئی تھی۔ 30 مارچ کو، اس نے اسے ایئرپورٹ پر رخصت کیا تھا۔ 30 جولائی؟ عابی اتنے دنوں سے کہاں تھا؟ وہ کہاں تھا؟ وہ تو اپنے مما، پاپا کو منانے گیا تھا

ناں، اپنے اور ہنیا کے مستقبل کی خوشیاں تلاشنے گیا تھا ناں، وہ کہاں تھا؟ وہ کہاں تھا؟ وہ اس کا عابی کہیں مٹی اوڑھے سو رہا تھا۔ نہیں۔ وہ اٹھ کر پھر بھاگی۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے بلیو شرٹ اور کوٹ اسے پہنایا تھا۔ وہ اس کا آخری لباس تھا، اسے خوشبوؤں میں بسایا تھا، وہ اپنے عابی کو تیار کر کے، سجا سنوار کر اس کے آخری سفر پر روانہ کر رہی تھی؟ نہیں، نہیں، نہیں۔ وہ اس کا عابی وہ زندگی سے بھرپور، ہنستا مسکراتا، صحت مند، تندرست اور بہت ہینڈسم عابی اب وہ کبھی نہیں مسکرائے گا، اب وہ کبھی کچھ نہیں بولے گا، اب وہ اسے کبھی کہیں نظر نہیں آئے گا، اسے دنیا میں سب لوگ نظر آئیں گے، صرف وہ نظر نہیں آئے گا۔ عابی، اس کا عابی۔ عباد عذیر جو اسے بہت چاہتا ہے، جو اس کی بہت پروا کرتا ہے جو اس سے والہانہ اور بے تحاشا محبت کرتا ہے۔ نہیں یہ خواب ہے۔ نہیں یہ خواب ہے۔ یہ حقیقت ہو نہیں سکتی۔ وہ بہت اچھی نہیں ہے، مگر وہ بہت بری بھی تو نہیں ہے، پھر اس کی ایسی آزمائش تقدیر نہیں لے سکتی۔ تقدیر اس سے اس کی زندگی نہیں چھین سکتی۔ وہ عباد عذیر اس کی زندگی ہے۔ وہ اس کی آتی جاتی سانسوں میں بسا ہے۔ وہ اس ڈراؤنے، دل دہلا دینے والے خواب سے بیدار ہو جانا چاہتی تھی۔ یا کسی ایسی جگہ چلے جانا چاہتی تھی جہاں پہنچنے پر اسے پتہ چلے کہ اب تک جو کچھ اس سے کہا گیا وہ سب ایک مذاق تھا، جھوٹ تھا۔

☆

اور ہنیا سجاد کے لئے زندگی ختم ہو گئی تھی، دنیا ختم ہو گئی تھی، کائنات ختم ہو گئی تھی۔ وہ سانس لے رہی تھی مگر وہ زندہ نہ تھی۔ اسے زندوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ لوگ جو اس کے ہوش و حواس کی دنیا میں لوٹ آنے کی دعائیں مانگا کرتے تھے، آج اس کی حالت دیکھ کر ان کے کلیجے پھٹنے لگتے تھے۔ اس کی حالت مردوں سے بدتر تھی۔ وہ اس طرح زندہ تھی جیسے اسے اس دنیا سے، اس زندگی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ وہ اس دنیا میں زندہ کس طرح رہ سکتی ہے جس میں عابی سانس نہیں لے رہا۔ وہ اس زندگی کا کیا کرے جس میں عابی نہیں اسے کسی کل، کسی پل چین نہیں تھا۔ وہ سکون ڈھونڈنے، نماز پڑھنے کھڑی ہوئی۔

''ہنی۔'' اسے لگتا ہے اس نے اسے آواز دی ہے، کبھی لگتا فون کی گھنٹی بجی ہے وہ نیت توڑ کر دیوانہ وار بھاگتی، فون کی طرف دوڑتی۔

''عابی مجھ سے بات کرو۔''

وہ ریسیور کان سے لگائے چلاتی، روتی۔ اس کے ہوش و حواس لوٹ آئے تھے، اب اسے کسی نرس، کسی ڈاکٹر، کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت نہ تھی۔ اس نے میری کو فارغ کر دیا تھا وہ کسی سے ملتی نہیں تھی۔ وہ گھر سے باہر نکلتی نہیں تھی۔ وہ کچھ کھاتی نہیں تھی۔ یہ تکلیف جو اسے لاحق تھی اس کی برداشت سے بہت زیادہ تھی۔

وہ ہوش و حواس سے پھر بیگانہ ہو جانا چاہتی تھی، وہ گہری نیند سو جانا چاہتی تھی۔ وہ اپارٹمنٹ میں خود کو لاک کر کے نیند کی دوا لے کر گہری نیند سو جاتی تھی۔ جب تک یہ نیند رہتی اسے قرار رہتا، بیدار ہوتی تو پھر وہی درد، وہی رگوں کو چیرتا درد جو نہ زندہ رہنے دیتا تھا نہ مارتا تھا۔



وہ کچن میں آئی تھی، اسے نیند کے دوا لینے کے لئے پانی چاہئے تھا۔ مسلسل کچھ نہ کھانے پینے سے اسے نقاہت رہنے لگی تھی۔ اس لئے گلاس جیسی ہلکی اور معمولی چیز بھی وہ اٹھا نہ سکی تھی، گلاس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا تھا۔ وہ کرچی کرچی ہوا فرش پر پڑا تھا۔ رات کیتھی اس سے ملنے آئی تھی، وہ اس سے آ کر بہت لڑی تھی کہ وہ خود کو مار ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے، جو وہ کر رہی ہے اسے خودکشی کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا، اس سے یہ سب کہتی وہ اس پر چلائی تھی۔

اور اس نے سکون سے اس سے صرف اتنا کہا تھا کہ، وہ اس سے ملنے نہ آیا کرے، وہ اس سے ملنا نہیں چاہتی۔ وہ جھک کر گلاس کی کرچیاں اٹھانے لگی۔ وہ لاپروائی سے کانچ سمیٹ رہی تھی اس کے ہاتھ میں کئی کرچیاں چبھی تھیں۔

''تمہارے ہاتھ میں کیا ہوا ہے؟'' اس نے اپنی ہتھیلی سے بہتے خون کو دیکھا۔

''تم اتنی لاپروا کیوں ہو ہنیا سجاد؟'' وہ آہستہ آہستہ اس کے ہاتھ پر آئنٹمنٹ لگا رہا تھا۔

''تکلیف تو نہیں ہو رہی؟''

''بہت تکلیف ہو رہی ہے۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ اس کی ہتھیلیوں سے خون اور اس کی آنکھوں سے آنسو فرش پر گر رہے تھے۔

''مجھے تم سے بہت محبت ہے اور جن سے مجھے بہت محبت ہوتی ہے، میں انہیں تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔''

''مجھے بہت تکلیف ہے، آؤ میری تکلیف دور کرو۔ آؤ۔ واپس آؤ۔ سن رہے ہو میری بات۔ واپس آؤ۔''

وہ اپنے بال نوچتی چلا چلا کر رونے لگی تھی۔

''تم مجھے تکلیف میں نہیں دیکھ سکتے تھے اور تمہیں کیا لگتا ہے تمہارے پاس نہ ہونے سے مجھے کوئی تکلیف نہیں، عابی ایک بار واپس آجاؤ۔ صرف ایک بار۔''

وہ یہاں کھڑا تھا۔ ایئر پورٹ جانے سے قبل وہ یہاں کھڑا اس کے لئے کھانا پکا رہا تھا۔ پتا ہی نہیں تھا وہ آخری بار اسے کچھ پکا کر کھلا رہا ہے، آخری بار اس کے ساتھ کھانا کھا رہا ہے۔ وہ کچن اور ڈائننگ ٹیبل کو دیکھتی وہاں سے اٹھی، وہ عباد کے کمرے میں آ گئی۔ وہ شیو بنا رہا تھا۔ وہ اسے اپنے ہاتھ سے شرٹ پہنا رہی تھی۔ یہاں کھڑے ہو کر اس نے اسے خود اپنے ہاتھوں سے اس کے آخری سفر کے لئے تیار کیا تھا۔

وہ ہنیا سجاد اپنے ہاتھوں سے سجا سنوار کر اسے اس کے آخری سفر پر بھیج رہی تھی۔ وہ عابی اتنا چپ کیوں تھا، اتنا اداس اور خاموش کیوں تھا۔ اس نے ائیر پورٹ پر اسے اتنے والہانہ انداز میں پیار کیوں کیا تھا۔ اتنے لوگوں کے درمیان اس طرح جو اس کی شخصیت کا حصہ نہ تھا۔ کیا اس کا وجدان اسے کسی خطرے سے آگاہ کر رہا تھا۔ کیا اس کے دل میں کوئی خوف، کوئی خدشہ تھا، کیا اسے ایسا لگا تھا کہ وہ آج ہنیا سجاد کو زندگی میں آخری بار دیکھ رہا ہے، آخری بار گلے سے لگا رہا ہے اس لئے اس نے اتنا تڑپ کر، اتنا والہانہ، اس طرح بھینچ کر اسے اپنے سینے سے لگایا تھا؟

''تم نے مجھے کچھ کیوں نہیں بتایا تھا عابی؟ میں نے اپنے سب ڈراؤنے خواب تم سے شیئر کئے تھے، تمہیں کوئی ڈر تھا، کوئی وہم دل میں آ رہا تھا تو مجھے بتاتے تو سہی۔ میں تمہیں اپنے پاس سے کبھی جانے نہ دیتی۔''

وہ اس کی تصویر کو سینے سے لگا کر رو رہی تھی۔

"I Love You Honey"

اس نے دراز میں حفاظت سے رکھا وہ کارڈ نکالا جو اس نے اسے پھولوں کے ساتھ لگا کر دیا تھا۔ اس حسین شب کی یادگار تھے وہ پھول، جو مرجھا چکے تھے اور وہ کارڈ "ہنی! کیا ایسا ہو سکتا ہے ان چند دنوں میں ہم ہر ٹینشن بھلا دیں۔ ان دنوں کو صرف ایک دوسرے کے ساتھ گزاریں؟"

وہ عباد عذیر اپنی زندگی کے وہ آخری چھ دن اسے دے رہا تھا۔ کیا اس کا وجدان اسے کچھ بتا رہا تھا۔ تب وہ اس کے Carmel جانے کی بات پر دل میں حیران ہوئی تھی۔ اس کا تو خیال تھا اپنے پاپا کی اتنی سخت باتیں سننے کے بعد وہ پہلی فرصت میں انہیں منانے پاکستان چلا جائے گا، مگر وہ پورے سات دن اس کے ساتھ رہا تھا۔ وہ عباد عذیر کی زندگی کے آخری سات دن تھے اور وہ جاتے جاتے اپنی زندگی کے وہ آخری سات دن پورے کے پورے اور بھرپور اسے دے گیا تھا، جیسے جانتا تھا کہ چاہتے ہوئے بھی اسے زندگی کے آئندہ آنے والے ماہ و سال میں اپنا ساتھ نہ دے پائے گا۔

اسے عباد کے ساتھ Carmel میں گزارے دن اور رات یاد آنے لگے۔ وہ اس کی بھرپور چاہتیں، وہ اس کی شدتیں۔ کیا اس کے اندر کوئی اسے پہلے سے خبر دے رہا تھا کہ اس کی زندگی کے لمحات گنے جا چکے ہیں۔ وہ اس سے جتنی محبت کرتا ہے اس کا واضح اظہار آج ہی کر دے کہ اب کوئی کل ان کی زندگی میں آنے والی نہیں۔

اپنے اپارٹمنٹ میں اسے کا دم گھٹنے لگا۔ وہ ہتھیلیوں پر سے بہتے خون کو پانی سے دھو کر اپارٹمنٹ سے باہر نکل آئی۔ وہ کہاں جانے کے لئے نکلی تھی اسے پتا نہیں تھا۔ وہ اپنے کیمپس آ گئی تھی۔ وہ بہت سارے دنوں بعد کیمپس آ گئی تھی۔ کیمپس بھی ویسا ہی تھا اس کے اندر کی دنیا بھی ویسی ہی تھی۔

"میں عباد عذیر ہوں۔" اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے اپنے کیمپس کے در و دیوار کو دیکھا۔ محبت کا یہ سفر یہیں سے شروع ہوا تھا، اس کیمپس سے۔

"آج کل تو مجھے ہنیا سجاد کے ساتھ وقت گزارنا اچھا لگتا ہے۔"

"یہاں ہمارے کیمپس کے پاس ایک نیا اٹالین ریسٹورنٹ کھلا ہے۔"

وہ کیمپس سے باہر نکل آئی تھی۔ وہ اٹالین ریسٹورنٹ ویسا کا ویسا وہیں موجود تھا۔ وہ ریسٹورنٹ کے اندر آ گئی۔ وہاں مختلف میزوں پر اس کی یونیورسٹی کے اسٹوڈنٹس بیٹھے تھے۔ وہ میز آج خالی نہیں تھی۔ وہاں ایک اور کپل بیٹھا تھا۔ انہیں دونوں کی طرح خوش باش، زندگی سے بھرپور ایک نوجوان لڑکی اور لڑکا۔ وہ ایک دوسری میز پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے لئے کیمپو چینو اٹالین کوکیز اور پیسٹری آرڈر کی۔

"یہ فاؤل ہے۔ کافی میری طرف سے تھی۔"

"کافی تمہاری ہی طرف سے ہے۔ لیکن یہ تمہارے پیسے ہیں۔"

"کتنی حجت کرتی ہو۔ انجینئر کے بجائے تمہیں وکیل ہونا چاہئے تھا۔"

میز پر اسے سامنے رکھی کھانے پینے کی کسی چیز کو اس نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ وہ ان سب چیزوں کو میز پر ویسا ہی ان چھوا چھوڑ کر کئی نوٹ میز پر پھینکتی وہاں سے بھاگتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ وہ روتے ہوئے کیمپس اور اس ریسٹورنٹ سے دور بھاگے چلی جا رہی تھی۔ وہ کتنی دیر تک اور کتنا

بھاگی تھی جو سینٹرل پارک کے نزدیک پہنچ گئی تھی۔ وہ سینٹرل پارک کے قرب وجوار کی جگہ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ آواز اس کے قریب تھی، اس کے بالکل قریب۔ ''مس ہنیا سجاد! میں عباد عذیر آپ کو پرپوز کرنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ مجھ سے شادی کریں گی؟'' اس نے ہاتھ اٹھا کر اپنے ہاتھ میں موجود بریسلٹ کو دیکھا۔ کیمپس بھی ہے، اٹالین ریسٹورنٹ بھی ہے، سینٹرل پارک بھی ہے، اس کا بریسلٹ بھی ہے، سب کچھ ہے پھر وہ کیوں نہیں ہے بس صرف وہی کیوں نہیں ہے؟ وہ رو رہی تھی۔ اس کے شہر میں، اس کے نیویارک میں ہر قدم پر اس کی یادیں تھیں، اس کی باتیں تھیں، اس کی آوازیں تھیں۔ ہر منظر وہی تھا، بس وہی نہیں تھا۔ سب کچھ تھا، بس عباد عذیر نہیں تھا، وہ کس آس، کس امید کے سہارے زندہ رہے؟ کس کی خاطر کس کے لئے؟ کس کے انتظار میں؟ ہر آس دم توڑ گئی تھی۔ انتظار شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو گیا تھا۔



دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں بدل رہے تھے اسے نہ وقت کی کچھ خبر تھی نہ دنوں کا کچھ پتا۔ اسے دنیا کے کسی شخص، کسی چیز میں یہاں تک کہ دنیا ہی میں کوئی دلچسپی نہ رہی تھی۔ وہ سانس لیتی تھی، مگر وہ زندہ نہ تھی۔ وہ کئی دنوں گھر سے باہر نہ نکلتی، کبھی یونہی بے سمت کہیں نکل جاتی اور پورا دن گھر نہ لوٹتی۔

نیویارک کی چکاچوند میں بے سمت یوں پھرا کرتی جیسے کسی کو تلاش کر رہی ہو۔ گھنٹوں سڑکوں پر پھرتی رہتی۔ اس نے دنیا سے خود کو بالکل الگ کر لیا تھا، بالکل قطع تعلق کر لیا تھا دنیا سے۔

دنیا سے اس کا واحد رابطہ کیتھی تھی۔ جو اس کی بدمزاجی اور چیخنے چلانے کے باوجود اس کے پاس آنا نہ چھوڑتی تھی۔ یمینہ مسلسل فون کر کے اس سے کہتی تھی کہ وہ اس کے پاس شکاگو آ جائے۔ وہ اس کی خاطر اپنی نوکری اور گھر بار چھوڑ کر نیویارک میں نہیں بیٹھ سکتی تھی۔

کیتھی نے بھی اسے سمجھایا تھا کہ وہ بہن کے ساتھ شکاگو چلی جائے مگر وہ مانی نہ تھی۔ وہ عابی کے گھر کو چھوڑ کر کہیں اور جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ یمینہ اس کی ضد سے ہار مان کر اسے اس کے حال پر چھوڑ چکی تھی۔ وہ اب فون پر اس سے رابطہ رکھتی تھی جو اس کا دل چاہتا تھا تو سنتی نہ دل چاہتا تو کال ریسیو ہی نہ کرتی۔ اکثر اس کی خیریت معلوم کرنے کے لئے یمینہ کیتھی کو فون کرتی تھی، جو اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود ہنیا کے پاس روز نہیں تو ایک دن چھوڑ کر ضرور آتی تھی۔ کیتھی اور مائیک شادی کر چکے تھے۔ اب انہوں نے اپنا مشترکہ اپارٹمنٹ کرائے پر ایک دوسری جگہ لے لیا تھا۔ اگرچہ وہاں سے یہاں آنے میں اسے کافی دقت ہوتی تھی مگر وہ پھر بھی چاہے تھوڑی سی دیر کے لئے ہی آتی اس کے پاس آتی ضرور تھی، اپنی عزیز ترین اس دوست کے پاس جو خودکشی کی خاموش کوشش کر رہی تھی وہ آنا چھوڑ نہیں سکتی تھی۔ وہ بائیس دن جب وہ بے ہوش تھی وہ تین مہینے جب وہ ہوش میں آ جانے کے باوجود اپنے ہوش وحواس میں نہ تھی ان کا جواز تھا مگر اب پچھلے دو ماہ سے وہ جو کچھ کر رہی تھی اسے خودکشی کے علاوہ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ وہ اب اپنے ہوش وحواس میں تھی، وہ عباد کی موت کو قبول کر چکی تھی مگر وہ اس کے بغیر اپنی زندگی کو قبول کرنے پر آمادہ نہ تھی۔

کیتھی کی سمجھ میں نہ آتا تھا وہ اسے واپس زندگی کی طرف کیسے لے آئے۔ کیتھی ہی اس کے گھر میں کھانے پینے کا سامان لا کر رکھتی، اس کے اور اس کے گھر سے متعلق تمام امور کا دھیان رکھتی۔ ہنیا اب اس کے لئے دروازے نہیں کھولتی تھی، اس لئے کیتھی نے اس کے اپارٹمنٹ کی ایک

ڈپلیکیٹ چابی بنوالی تھی۔

اس کی بدمزاجی سے اس کے بہن بھائی تک ہار مان گئے تھے مگر کیتھی ہار نہیں مانتی تھی۔ وہ اسے جتنا بھی برا بھلا کہتی، جتنا بھی چیختی پر کیتھی اس کے پاس آنا نہ چھوڑتی۔ اسے سمجھانا بے سود محسوس ہوتا تھا پھر بھی وہ اسے ہر بار یہ ضرور سمجھاتی کہ وہ اپنی بہن کے پاس اس کے گھر شکاگو چلی جائے۔

☆

برف باری کا ابھی موسم نہیں آیا تھا۔ پر اب کے نیویارک میں سردیاں بھی جلدی شروع ہوگئی تھیں اور موسم کی پہلی برف بھی جلدی پڑ گئی تھی۔ اس نے کھڑکی سے باہر گرتی برف کو دیکھا۔ رات کا وقت تھا، باہر برف پڑ رہی تھی۔ نہ یہ کرسمس ایو تھا نہ نیو ائیر نائٹ۔ یہ اوائل اکتوبر کی ایک عام سی بے حد سرد رات تھی۔ رات میں اس وقت پیدل باہر نکلنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ مگر وہ اپارٹمنٹ سے باہر نکل آئی۔ اس برف کو دیکھ کر اس سے گھر کے اندر رکا ہی نہیں جا سکا تھا۔

جینز اور شرٹ کے اوپر اس نے ایک ہلکا سویٹر جو اسے کل کیتھی پہنا کر گئی تھی پہنا ہوا تھا اور وہ اس کو پہنے باہر نکل آئی تھی۔ نہ گرم جیکٹ، نہ اوور کوٹ نہ ہیٹ نہ گلوز کچھ بھی نہیں۔ وہ مخصوص اور جانے پہچانے راستوں پر چل رہی تھی۔ Lexington Avenue پر وہ سارے اسٹور ویسے ہی تھے، بس آج یہاں کرسمس ٹریز کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں Santa Clause نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ چلتی رہی۔ وہ ایک اسٹور کو ڈھونڈ رہی تھی۔

اسے وہ اسٹور نظر آ گیا تھا، وہ اسٹور جہاں سے اس نے وہ شرٹ خریدی تھی جو اس کے عابی کا آخری لباس بنی تھی۔ اس نے باہر سے کھڑے کھڑے اس اطالوی کیشئر کو ڈھونڈنے کی کوشش کی جس نے ان کی تصویر کھینچی تھی، جس نے انہیں نائس کپل کہا تھا۔ یہ کسی تہوار کی رات نہ تھی کہ شدید سردی اور برف باری کے باوجود بھی لوگوں کا رش اور گہما گہمی سڑکوں پر نظر آتی۔ سردی اچانک بڑھ جانے اور غیر متوقع طور پر برف باری شروع ہو جانے پر سڑکوں پر ٹریفک معمول سے بہت کم ہو گیا تھا۔ نہ اس اسٹور کے اندر نہ آس پاس کے دیگر اسٹورز اور شاپنگ سینٹرز کے اندر اس وقت خریداروں کا کوئی رش تھا۔ اسے وہ اطالوی کیشئر نظر آ گیا تھا مگر وہ اسٹور کے اندر نہیں گئی، اگر اس نے اسے پہچان لیا اور اس سے یہ پوچھ لیا کہ گزشتہ 24 دسمبر کی رات جو بے حد ہینڈسم لڑکا اس کے ساتھ تھا وہ آج اس کے ساتھ کیوں نہیں ہے، پھر وہ کیا کہے گا۔

وہ اپنے ملنے والوں سے، عابی کے ملنے والوں سے، ملنے سے اس لئے کتراتی تھی کہ وہ لوگ اس سے عابی کے چلے جانے کی تعزیت کریں گے، وہ عابی کے متعلق کسی کے بھی تعزیتی کلمات سننے کے لئے تیار نہیں پھر اس انجان آدمی کے کیوں؟ وہ اس اسٹور سے آگے بڑھ گئی۔ وہ اسی طویل سڑک پر پھر چلنے لگی تھی۔ وہ عباد کے اپارٹمنٹ سے کیتھی کے پرانے اپارٹمنٹ تک کا وہی جانا پہچانا راستہ طے کر رہی تھی۔ آج اس برف باری میں تنہا چل رہی تھی، آج کوئی اس کا ہاتھ تھامے اس کے ساتھ نہ تھا۔ وہ تنہا تھی۔

''جب تک تمہارے ایگزیمز نہیں ہو جاتے روز ملنا بند۔''

''ارے واہ کیوں ملنا بند۔ میں نہیں مانتی تمہاری بات۔''

''نہیں مانو گی تو فون پر بات کرنا بھی بند کر دوں گا۔'' وہ فٹ پاتھ پر ہی ایک طرف جو بالکل سنسان اور ویران سی جگہ تھی وہاں پاؤں لٹکا کر

بیٹھ گئی۔اس کی انکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"اتنی خوبصورت شام کا اختتام اتنے برے نوٹ پر؟" اس نے گردن گھما کر دیکھا۔اس کی آواز تھی وہ کہیں نہیں تھا۔

"ہنیا سجاد! صرف تم نہیں میں بھی تم سے ملے بغیر نہیں رہ سکتا۔" اس کی آنکھوں سے آنسو ایک تواتر سے بہہ رہے تھے۔ برف مسلسل اس پر گر رہی تھی۔اس کے بالوں پر، چہرے پر، ہاتھ، پاؤں، کپڑوں، سب پر برف چپک گئی تھی۔ وہ روتے ہوئے سر اٹھا کر آسمان سے گرتی اس برف کو دیکھنے لگی جو اسے اپنی سفیدی سے ڈھک رہی تھی۔

"خوش ہو اب، تمہیں بیسٹ کپل کا ٹائٹل چاہیے تھا، وہ مل گیا۔"

وہ اپنے چہرے پر سے نہ آنسوؤں کو صاف کر رہی تھی نہ برف کو، اس کی پلکوں پر برف چپک گئی تھی۔اس کے پاس سے ایک ہنستی مسکراتی فیملی گزری تھی۔ کسی اسٹور سے شاپنگ کر کے نکلتے وہ میاں بیوی اور ان کے بچے سب بے تحاشا ہنس رہے تھے۔ یہ لوگ آخر کس بات پر اتنا خوش ہیں، کس بات پر مسکرا رہے ہیں؟

اس کا دل چاہا وہ اپنے سامنے سے آتے ہنستے مسکراتے چہروں پر سے مسکراہٹ نوچ کر پھینک ڈالے۔اگر خوشی اس کے لیے نہیں، اس کے عابی کے لئے نہیں تو پھر ان لوگوں کے لئے بھی کیوں؟ اس کے قریب سے ایک گاڑی گزری تھی جسے چلانے والا بہت بوڑھا شخص تھا۔

"یہ کیوں نہیں؟ میرا عابی ہی کیوں؟" اس نے آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر شکوہ کیا۔

"اور دنیا میں اتنے لوگ ہیں جو اپنی پوری عمر گزار چکے، جن کی کسی کو ضرورت نہیں، پھر میرا عابی ہی کیوں؟ میرا عابی ہی کیوں؟"

وہ روتے ہوئے چلائی۔ وہ پھر ہسٹیرک ہو کر رونے لگی تھی۔اسے اس لمحے دنیا سے نفرت ہو رہی تھی، شدید ترین نفرت۔اسے زندگی سے نفرت ہو رہی تھی، شدید ترین نفرت۔ زندگی نے اسے دیا کیا ہے؟ فقط ایک شخص کا ساتھ اس نے زندگی سے مانگا تھا اور زندگی نے اسی کو سفا کی سے اس سے چھین ڈالا۔ وہ جو اسے والہانہ اور بہت چاہتا تھا، وہ جو اسے بہت پیار کرتا تھا، صحیح ڈرتی تھی وہ اس کی محبتوں کی شدتوں سے۔اتنی سچی اتنی مکمل محبت ہنیا سجاد کو زندگی کیسے دے سکتی تھی؟ زندگی نے اس سے وہی ایک شخص چھین لیا، جس کی وجہ سے زندگی اچھی لگا کرتی تھی۔ یہ زندگی جس نے اس سے اس کا عابی چھین لیا، اسے اس زندگی کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ نفرت کرتی ہے اس زندگی سے۔ وہ نفرت کرتی ہے اس دنیا سے۔

عباد عذیر کے بغیر اسے یہ دنیا نہیں چاہیے، عباد عذیر کے بغیر اسے یہ زندگی نہیں چاہیے۔ یہ دنیا جس میں اس کا عابی سانس نہیں لے رہا، اسے بھی یہاں سانس لینا گوارا نہیں۔ یہ زندگی جسے وہ نہیں جی رہا، اسے بھی نہیں جینی۔ وہ اپنے آنسوؤں کو صاف کر رہی تھی۔اس سرد ترین رات میں فٹ پاتھ پر بیٹھ کر اپنے وجود کو برف سے ڈھکتے وہ ایک فیصلہ کر چکی تھی۔

☆

اس نے اپنے ساتھ کوئی سامان نہیں لیا تھا۔ آج اس کا اس دنیا میں آخری دن تھا اور مرنے والوں کو زندگی سے وابستہ کسی شے کی ضرورت نہیں ہوتی۔اس نے اپنے ہینڈ بیگ میں اپنی ضرورت کے مطابق پیسے، عباد کی ایک تصویر، اس کا وہ بلیک ٹراؤزر، گرے ٹی شرٹ جسے اس کے ساتھ

گزاری پہلی شب میں اس نے سلیپنگ ڈریس کے طور پر پہنا تھا وہ اور ایک گولیوں سے بھری ہوئی شیشی رکھی تھی۔ یہ کل اثاثہ ساتھ لئے وہ صبح سویرے ابھی جبکہ صبح کی روشنی پھیلنی بھی شروع نہیں ہوئی تھی، عباد کے اپارٹمنٹ سے باہر نکل گئی تھی۔ اپنا موبائل آف کر کے اس نے اپارٹمنٹ ہی میں چھوڑ دیا تھا۔ اس کی گاڑی اور عباد کی گاڑی دونوں نیچے پارکنگ میں کھڑی تھیں۔ وہ ان دونوں گاڑیوں کو وہیں کھڑا چھوڑ کر ائیرپورٹ کیب کے ذریعے پہنچنا چاہتی تھی۔ وہ اپنا کوئی بھی سراغ چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ خودکشی کی ناکام کوشش نہیں کرنا چاہتی تھی۔

پوری دنیا میں ایسے بہت سے گوشے تھے، جہاں وہ مرنے کے ارادے سے چلی جاتی تو کوئی اسے وہاں ڈھونڈ نہ پاتا پر اس نے ایک جانی پہچانی جگہ اپنے لئے منتخب کی تھی۔ اس نے موت سے ملنے کے لئے Carmel کو چنا تھا۔ وہ مرے تو کسی ایسی جگہ مرے جہاں عابی کی خوشبو ہو، اس کی آوازیں، اس کے قہقہے ہوں۔

Carmel آ کر اس نے ایک ہوٹل میں کمرہ لیا۔ وہاں اپنا واحد سامان اپنا ہینڈ بیگ رکھا اور پھر ساحل پر آ گئی۔ وہ آج کا سارا دن یہاں اس ساحل پر گزار دینا چاہتی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا آخری دن تھا، آخری رات، وہ کل گزار چکی تھی۔ وہ گھر سے لباس تبدیل کر کے آئی تھی، اس نے اپنی جیکٹ اور سویٹر کے نیچے وہی I m crazy about u والی ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔ ساحل پر آج بھی گہما گہمی تھی، لوگ تھے۔ وہ ساحل پر آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

وہ ساحل پر اس جگہ کو تلاش کرنے لگی تھی جہاں کھڑے ہو کر وہ بہت زور سے چلا کر بولا تھا۔

”کارنامہ تو ہے سویٹ ہارٹ! تم بول کر دکھا دو اتنے سارے لوگوں کے بیچ یہ بات۔“

وہ پوری سہ پہر پوری شام ساحل پر ننگے پاؤں چلتی رہی۔ نہ اس کے پاؤں تھکے، نہ وہ نڈھال ہو کر کہیں بیٹھی، شام رخصت ہونی شروع ہوئی، تب وہ اس طرف چلنا شروع ہوئی جہاں درختوں کے جھنڈ، پتھروں کی سیڑھیوں اور ڈھلوانی راستے سے ادھر وہ چھوٹا سا گھر تھا۔ راستے میں بغیر کسی تلاش کے اسے ایک درخت نظر آیا تھا۔ چونکہ اندھیرا ہونا شروع ہو چکا تھا، اس لئے اس درخت پر لکھا کچھ بھی دور نظر نہیں آ رہا تھا، وہ اس درخت کے قریب آ گئی تھی۔

"Haniya Ibad 30 March Sunday"

”یہاں کوئی اور ہمیں یاد رکھے نہ رکھے مگر Carmel میں یہ درخت اب ہم دونوں کو ہمیشہ یاد رکھے گا۔“

پتہ نہیں اس درخت کو بھی کچھ یاد تھا کہ نہیں۔ اس نے درخت پر کھدے ان حروف پر انگلیاں آہستہ آہستہ پھیریں۔ کچھ دیر اس درخت کے سامنے کھڑے رہنے کے بعد وہ وہاں سے آگے بڑھی تھی۔ پتھروں کی سیڑھیوں پر چڑھتی ہوئی اب اس کاٹیج کے سامنے تھی۔ وہ گھر اندھیرے میں ڈوبا تھا، ویران تھا۔

”عابی! ہم یہاں پھر کب آئیں گے؟“ اس کے کانوں میں اس کی اپنی آواز گونجی۔

”جب تم کہو گی۔“

وہ اس اندھیرے میں ڈوبے گھر کے باہر کھڑی اندر خود کو اور اسے دیکھ رہی تھی۔ چلتا پھرتا، مسکراتا۔ ''اور عابی! تمہارے ساتھ یہاں پھر آنا میرے نصیب میں نہ تھا کہ میرے نصیب میں تو ہجر کا تپتا صحرا اور جدائی کی جھلستی آگ لکھی گئی تھی۔''

وہ انسانوں کے ہجوم کو، دنیا کو، زندگی کو آخری بار دیکھ رہی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں آگئی۔ اس نے اپنا روم لاک کیا، ہر طرف سے تمام کھڑکیاں، پردے سب کچھ بند کر دیا۔ ٹیلی فون کا تار نکال دیا۔ اس نے کمرے کی بتیاں بجھادی تھیں۔

وہ کل رات سڑک پر برف باری میں بیٹھ کر آخری بار روئی تھی، وہ آج سارے دن میں ایک بار بھی نہیں روئی تھی۔ نہ ساحل پر چلتے، نہ سیپیاں چنتے لوگوں کو دیکھتے، نہ اس درخت کو دیکھتے، نہ اس کاٹیج کو، اپنی محبت کی اس یادگار کو دیکھتے۔ وہ اب بھی نہیں رو رہی تھی۔

وہ اپنے پورے ہوش وحواس میں مرنے کی تیاری کر رہی تھی۔ اس نے بیگ سے عباد کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر نکالا۔ وہ اسے لے کر باتھ روم میں آگئی، وہ اس کے کپڑے پہن کر مرنا چاہتی تھی۔ اس نے بالکل ٹھنڈے یخ پانی سے غسل کیا۔ چادر بچھائی اور سکارف سر پر باندھ کر قبلہ رو کھڑی ہو گئی اور نماز کی نیت باندھتے ہی، ابھی صرف الحمد شریف پڑھنا شروع کی تھی کہ اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ وہ حرام موت مرنے جا رہی تھی۔ وہ روتے ہوئے قیام، رکوع وسجود کر رہی تھی۔ نماز پوری پڑھنے کے بعد اس نے دو رکعت صلوٰۃ التوبہ کی نیت باندھی۔ گناہ کرنے سے پہلے توبہ قبول ہوتی ہے کہ نہیں، گناہ معاف ہوتا ہے کہ نہیں، اسے نہیں پتہ تھا۔ سلام پھیرتے ہی وہ سجدے میں گر گئی تھی۔

''مجھے معاف کر دے میرے اللہ! میں حرام موت مر رہی ہوں۔ میں ایک گناہ کرنے جا رہی ہوں۔ زندگی تیری دی ہوئی امانت ہے، مجھے اسے خود اپنے ہاتھوں سے ختم کرنے کا کوئی اختیار نہیں، مگر میں کیا کروں، مجھ سے اس کے بغیر جیا نہیں جاتا۔ میرے دل میں اس کی یہ محبت تو نے ہی پیدا کی ہے۔ میں اس کے بغیر کیسے رہوں۔ نہیں رہا جاتا مجھ سے، یہاں تیری اس دنیا میں اس کے بغیر۔''

سجدے میں گری وہ بلک بلک کر روتی رہی، اپنی بے بسی، بے چارگی کا اظہار کرتی، اللہ سے اس گناہ کی معافی مانگ رہی تھی جو ابھی کیا نہیں تھا مگر جو وہ ابھی کرنے والی تھی۔

''ہنی!'' اسے اپنے بالکل قریب، بالکل نزدیک ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ اس نے روتے روتے سجدے سے سر اٹھایا۔ وہ گھٹنوں کے بل اس کے بالکل نزدیک بیٹھا ہوا تھا۔

''عابی!'' اس کے لبوں سے چیخ کی صورت اس کا نام نکلا۔ ''عابی! تم مجھے چھوڑ کر کہاں چلے گئے تھے؟'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''میں کہیں بھی نہیں گیا۔ یہیں ہوں تمہارے پاس۔ ذرا اپنے دل میں جھانک کر دیکھو۔'' وہ ہمیشہ کی طرح اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کرنے لگا۔

''اب مجھے چھوڑ کر کبھی مت جانا عابی! میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ وہ اس کی پشت آہستہ آہستہ سہلا رہا تھا۔ ہولے ہولے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔

''میں جانا نہیں چاہتا تھا ہنی! مگر زندگی میں سب کچھ تو ہماری مرضی کے مطابق نہیں ہوتا نا؟''

''نہیں......نہیں......میں کچھ نہیں جانتی۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' وہ مچل مچل کر بچوں کی طرح ضدی لہجے میں بولی۔

''ہنی! میری بات سنو۔'' وہ اس کا سر اپنے سینے پر سے اٹھانے لگا۔

''نہیں۔ پہلے تم کہو، اب مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے، پھر سنوں گی تمہاری بات۔'' وہ ضدی لہجے میں بولتے روتی رہی۔

''ہنی پلیز! میری بات سنو۔ اگر مجھ سے واقعی محبت کرتی ہو تو میری بات سنو۔'' وہ بے بسی سے کہہ رہا تھا۔ اس نے بے اختیار اس کے سینے پر سر اٹھایا، اس کی طرف دیکھا۔ عابی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

''تمہیں کیا لگتا ہے، تمہیں چھوڑ جانا مجھے اچھا لگا تھا؟ میں نے اس دکھ کو جھیلا نا؟ تم بھی ہمت کر کے اسے قبول کر لو۔ تم نے مجھ سے کیا کہا تھا یاد ہے؟ عابی! تمہاری ہنی اتنی کمزور اور بزدل نہیں۔'' پھر آج میری ہنی اتنی کمزور اور بزدل کیسے ہو گئی۔

''میں کمزور اور بزدل نہیں تھی عابی! مگر تمہارے بغیر میں بہت کمزور، بہت بزدل ہوں۔ میری طاقت تو تم عابی۔'' وہ روتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''ہنی! میری بات سنو۔'' اس نے اس کے شانوں پر اپنے ہاتھ رکھے، وہ بے انتہا سنجیدہ تھا۔

''میں تب تک زندہ ہوں ہنی! جب تک تمہارے دل میں موجود ہوں۔ جس روز تمہارے دل سے نکل جاؤں، اس روز سمجھنا کہ عابی مر گیا۔ محض اس لئے کہ اب میں تمہیں نظر نہیں آتا، چلتا، پھرتا، بولتا۔ تم اب مجھے دیکھ نہیں سکتیں، مگر کیا اب تم مجھے محسوس بھی نہیں کر سکتیں؟ یہ ٹھیک ہے کہ میں بہت جلدی چلا گیا، لیکن اگر دیر سے بھی جاتا تب بھی ہمیں، مجھے اور تمہیں کبھی نہ کبھی تو اس دنیا سے جانا ہی تھا۔ ہمیں اس دنیا میں کبھی نہ کبھی بچھڑنا تو تھا۔ ہم بیس سال، تیس سال، چالیس سال، پچاس یا ساٹھ سال ایک ساتھ زندگی گزار لیتے۔ ساتھ رہ لیتے، پھر بھی ایک نہ ایک دن ہم دونوں میں سے کوئی ایک پہلے یہ دنیا چھوڑ جاتا، دوسرا تنہا رہ جاتا۔ اپنے پیاروں سے اس دنیا میں ایک نہ ایک دن تو سب کو جدا ہونا پڑتا ہے۔ دنیا کی قسمت میں فنا جو لکھی گئی ہے۔''

وہ آنسو بھری نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

''تم آج اپنی زندگی ختم کرنے کی کوشش کر رہی تھیں، تم نے ایک پل کے لئے بھی میرے بارے میں نہ سوچا، تم نے مما، پاپا کے بارے میں نہ سوچا۔'' وہ آنکھوں میں دکھ لئے اس سے شکوہ کر رہا تھا۔

''مما، پاپا؟'' بے آواز اس کے لبوں سے یہ نام نکلے۔

''ہاں، مما، پاپا، مما، پاپا ہنی میرے مما، پاپا، میری روح ان کے لئے بے چین رہتی ہے، میرے مما، پاپا اکیلے رہ گئے ہنی۔'' وہ رو پڑا تھا۔

''میں پاپا سے معافی بھی نہ مانگ سکا، انہیں منا بھی نہ سکا۔ وہ تو یہی سمجھتے ہوں گے ان کا بیٹا اتنا خود غرض تھا۔ اسے ان کی ناراضی کی کوئی پرواہ نہ تھی۔ انہیں تو آج تک یہ بھی پتہ نہ چل سکا ہو گا کہ میں ان کے پاس جا رہا تھا۔ اگر زندگی تھوڑی سی مہلت اور دے دیتی تو میں ان کے پاس پہنچ چکا ہوتا۔''

اس نے عباد کا سر اپنے سینے سے لگا لیا، وہ اسے پہلی بار اس طرح روتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اس سے عابی کے آنسو دیکھے نہیں جا رہے تھے۔

''پاپا مجھ سے خفا ہیں ہنی! ان کی مجھ سے ناراضی دور کروا دو۔ پلیز ہنی! پاپا کو جا کر یہ بتا دو کہ عابی ان سے بہت پیار کرتا تھا۔ وہ مرتے وقت

بھی ان ہی کو پکار رہا تھا۔ میرا یہ ایک کام کردو ہنی۔'' وہ اس کے سینے میں منہ چھپائے روتا رہا۔

''میرا یہ کام کرو گی ہنی؟'' عباد نے روتے روتے سر اوپر اٹھا کر اسے آس بھری نگاہوں سے دیکھا۔ اپنے رخساروں پر سے آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے سر اقرار میں ہلایا۔

''مما، پاپا کے پاس چلی جاؤ ہنی! وہ بہت اکیلے ہیں۔ میرے مما، پاپا بہت اکیلے ہو گئے ہیں ہنی۔''

''میں جاؤں گی عابی! وعدہ کر رہی ہوں، جاؤں گی۔'' وہ اس کے چہرے پر پیار کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''وعدہ کرو پھر تو ایسا کچھ نہیں کرو گی جیسا آج کر رہی تھیں؟''

''نہیں کروں گی؟'' وہ اس کے رخسار پر اپنا چہرہ ٹکا کر بولی۔

''یہ سچا وعدہ ہے، یا ویسا ہی جھوٹا جیسا اپنی پروا کروں گی اور خیال رکھوں گی والے وعدے تم نے مجھ سے کیے تھے؟''

اس نے نظریں اٹھا کر عابی کو دیکھا، وہ شکوہ کناں اور ناراض نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم نے مجھ سے کیا اپنا ہر وعدہ توڑ دیا ہنی۔ تم نے کہا تھا اپنا خیال رکھوں گی، یہ خیال رکھا تم نے اپنا؟ میری ہنی آج مجھے اس اجڑے حال میں نظر آ رہی ہے؟ مت رویا کرو ہنی! تم روتی ہو تو میں بے چین رہتا ہوں، میری روح بے چین رہتی ہے۔''

وہ اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کہہ رہا تھا، وہ اس کی پلکوں کو چوم رہا تھا۔

''مما، پاپا کا دھیان رکھو گی نا ہنی؟''

''تم فکر مت کرو عابی! مما، پاپا کا بالکل اسی طرح خیال رکھوں گی جیسے تم رکھتے تھے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''جب یہ دنیا یہ زندگی فانی ہے، اسے ختم ہونا ہے، جہاں آج میں ہوں وہاں کل تمہیں بھی آ جانا ہے، پھر فکر کس بات کی؟ میں مطمئن ہوں یہ سوچ کر ہنی! کہ تم، مما، پاپا سب مجھے پھر ملو گے، یہاں میری اس ہمیشہ رہنے والی، کبھی نہ فنا ہونے والی دنیا میں۔ جس میں ابھی تم ہو۔ وہ جگہ تو فانی ہے۔

''ہنی۔ تمہیں یاد ہے ہنی! میں تم نے سے کیا کہا تھا؟''

اس نے سوالیہ نگاہوں سے عابی کو دیکھا۔ اب وہ رو نہیں رہی تھی۔ اب اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں گر رہے تھے۔

''جب اس صبح ہم جنت کی باتیں کر رہے تھے، تم کہہ رہی تھیں کہ میں جنت میں تمہارا ساتھ کیوں مانگ رہا ہوں، کسی اور حسین لڑکی کا کیوں نہیں اور میں تم سے کہہ رہا تھا کہ مجھے ہر دنیا اور ہر زندگی میں صرف تمہارا ساتھ چاہئے۔ ہم وہ باتیں مذاق میں کر رہے تھے، مگر میں تمہیں ایک بات بالکل سچ سچ بتاؤں، میں نے ان دنوں میں بے شمار مرتبہ اللہ سے یہ دعا کی تھی کہ یا اللہ اس دنیا میں جو رشتے، مما، پاپا اور تم اور تم لوگوں کی یہ محبتیں مجھے دی ہیں ایسے ہی مجھے اس ہمیشہ رہنے والی دنیا میں، اپنی اس بہت پیاری جنت میں بھی مما، پاپا اور ہنی کا ساتھ دینا۔ مجھے یقین ہے ہنی! اللہ نے میری وہ دعا سنی تھی، اسے قبول کیا تھا۔ میں، تم، مما، پاپا ہم سب پھر ملیں گے۔ کبھی نہ جدا ہونے کے لئے۔''

وہ اس کی طرف جھکا اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔

''مجھ سے ملنے کا یقین ہے؟'' اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

''جب مجھ سے ملنے کا یقین ہے تو بس پھر اس فانی زندگی کو اسی امید کے ساتھ زندہ لوگوں کی طرح گزار لو۔''

''وہ مبہوت سی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر اب سکون اور قرار پھیلا تھا۔

''پھر اب رونا ہے یا میری بات ماننی ہے؟'' اس نے مسکرا کر اپنا کبھی بہت پہلے کا کہا جملہ دُہرایا۔

''تمہاری بات ماننی ہے عابی!'' اس نے اس کا ڈمپل پر اپنی انگلی رکھ دی۔

''عابی! تمہارا ڈمپل۔''

''تمہیں بہت اچھا لگتا ہے، یہی نا؟'' اس نے اس کا جملہ اس کے کہنے سے قبل خود مکمل کر دیا۔

''اگر چاہتی ہو، میں مسکراتا رہوں، میں خوش رہوں، تو اب کبھی رونا مت ہنی۔'' عباد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

''کبھی بھی نہیں روؤں گی عابی۔'' عباد نے اس کی دونوں آنکھوں کو چوما تھا اور پھر اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

''سو جاؤ ہنی! تم بہت دنوں سے سوئی نہیں ہو۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔'' وہ اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتا آہستگی سے بولا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر سو جانا چاہتی تھی۔

☆

اس کی آنکھ کھلی۔ وہ اسی طرح سجدے کی حالت میں تھی۔

اس نے سجدے سے اپنا سر اٹھایا۔ ہوٹل کا وہ کمرہ ویسا ہی اندھیرے میں ڈوبا تھا، جیسا تاریک اس نے اسے کیا تھا، وہ کمرے میں بالکل تنہا تھی۔ مگر اس کمرے میں ایک خوشبو تھی، ایک خوشبو جسے وہ بہت اچھی طرح پہچانتی تھی۔ وہ خواب میں اس کے پاس آیا تھا یا حقیقت میں؟ وہ سوتے میں اسے نظر آیا تھا یا جاگتے میں؟ وہ اپنے گرد پھیلی اس کی خوشبو محسوس کر رہی تھی، اس کا لمس اپنے چہرے کے ایک ایک نقش پہ محسوس کر رہی تھی۔ وہ اگر خواب تھا تو حقیقت سے زیادہ حقیقی اور سچا تھا۔ وہ اپنے عابی کی خوشبو ہر سمت پا رہی تھی۔

وہ اپنے گرد سکون پھیلا محسوس کر رہی تھی۔ وہ بلک بلک کر زار و قطار روئی سجدے میں گئی تھی، اسی حالت میں روتے روتے اس کی آنکھ لگی تھی۔ اور جب اٹھی تو بے پناہ سکون اور قرار اپنے دل میں اترتا پا رہی تھی۔

اس نے اس سجدے کی جگہ کو دیکھا جو ابھی بھی اس کے آنسوؤں سے گیلی تھی، شاید وہ سوتے میں بھی روئی تھی۔

''تم زندہ ہو عابی۔ تم میرے لئے آج بھی زندہ ہو۔ اور میں تمہیں کبھی مرنے نہیں دوں گی۔''

پہلی بار ایسا ہوا تھا جب اس کا نام لیتے اس کی آنکھوں سے آنسو نہیں نکلے تھے وہ اس چادر کو اسی طرح بچھا چھوڑ کر وہاں سے کھڑی ہوئی۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔ صبح کے چار بج رہے تھے، عابی پوری رات اس کے ساتھ رہا تھا۔ وہ خواب تھا، حقیقت تھی یا روح کو روح سے ملانے کے لئے کھلنے والا کوئی دریچہ مگر وہ پوری رات اس کے ساتھ رہا تھا۔

وہ گولیوں سے بھری شیشی جو اس نے اپنے بیگ میں رکھ رکھی تھی، اسے نکال کر اس نے ڈسٹ بن میں پھینکا، وہ اب وضو کرنے پھر باتھ

روم میں جارہی تھی۔ اس کے دل کو یہ قرار، یہ سکون اس کے اللہ نے عطا کیا تھا۔ اسے اپنے رب کا صدق دل سے شکر ادا کرنا تھا۔ عابی کے لئے یہ محبت اس کے اللہ نے اس کے دل میں ڈالی تھی اور اب اللہ ہی اس لمبی جدائی کو ہمت کے ساتھ گزارنے کی طاقت اسے عطا کرنے والا تھا۔

☆

اگر کبھی میری یاد آئے
تو چاند راتوں کی نرم دل دل گیر روشنی میں
کسی ستارے کو دیکھ لینا
اگر وہ نخل فلک سے اڑ کر
تمہارے قدموں میں آگرے تو
یہ جان لینا، وہ استعارہ تھا میرے دل کا
اگر نہ آئے
مگر یہ ممکن ہی کس طرح ہے۔
کہ تم کسی پر نگاہ ڈالو۔
تو اس کی دیوارِ جاں نہ ٹوٹے
وہ اپنی ہستی نہ بھول جائے
گریز کرتی ہوا کی لہروں پہ ہاتھ رکھنا
میں اوس قطروں کے آئینوں میں تمہیں ملوں گا
مجھے گلابوں کی پتیوں میں تلاش کرنا
میں خوشبوؤں میں تمہیں ملوں گا!!



فجر کی نماز پڑھنے کے بعد وہ اپنے ہوٹل کے کمرے کی بالکونی میں آ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ اس کے دل میں ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔

”ہاں عابی! محبت کے لئے ظاہری آنکھ سے نظر آنا، چھونا، پانا ضروری نہیں۔ محبت سچی ہو تو دل کی نگاہ سے دیکھا جاسکتا ہے، محسوس کیا جاسکتا ہے۔ جو میرے دل میں رہتا ہے، میں اسے باہر تلاشتی پھر رہی تھی۔ عابی! تم میرے دل میں زندہ ہو اور میں تمہیں کبھی مرنے نہیں دوں گی۔“ وہ بالکل بھی نہیں رو رہی تھی۔ وہ استقامت کے ساتھ کھڑی تھی۔

☆

اسے اپنا خیال رکھنا تھا، اسے عابی کے مما اور پاپا کا خیال رکھنا تھا۔ مما، پاپا وہ ہوٹل میں نیچے آگئی تھی۔ وہ ناشتہ کرنا چاہتی تھی۔ وہ ایک میز پر آکر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے لئے ناشتہ آرڈر کردیا۔

''دیکھ لو، میں اپنا خیال رکھ رہی ہوں۔ اب تمہاری ہنی تمہیں اجڑے حالوں میں نہیں نظر آئے گی عابی۔ اور مما، پاپا جنہیں وہ بالکل بھول ہی گئی تھی۔ اب انہیں کبھی نہیں بھولے گی۔''

وہ کتنی بری طرح رو رہا تھا۔ وہ مما، پاپا کے لئے کتنا بے چین تھا۔ وہ اپنے دکھوں، اپنے غم میں اتنی کھو گئی کہ اسے ایک بار بھی ان بوڑھے والدین کا خیال نہیں آیا جن سے ان کی دنیا، ان کی حیات، ان کی زندگی، ان کا اکلوتا، بہت لاڈلا، بہت پیارا بیٹا چھن گیا تھا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے تھے۔ اپنے لئے نہیں، عابی کے لئے نہیں۔ ان بوڑھے ماں، باپ کے لئے۔ یہ کیسی آزمائش لکھی گئی تھی ان ماں، باپ کی۔ اولاد کا غم، اکلوتے بیٹے کی جدائی کا غم۔ وہ اس کے عابی کے والدین تھے۔ عابی سے وابستہ بے جان اشیاء بھی اسے جان سے بڑھ کر پیاری تھیں، پھر اس کے والدین کیسے نہ ہوتے۔

''عابی! مجھے معاف کر دو۔ میں اپنے غم میں اتنی خود غرضی سے ڈوب گئی تھی کہ مما، پاپا کے بارے میں کبھی سوچا تک نہیں۔ مگر اب تم سے وعدہ کر رہی ہوں عابی! کہ انہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گی۔ وہ تمہارے ماں، باپ ہیں تو مجھے بھی میرے ماں، باپ ہی کی طرح عزیز ہیں۔ چاہے وہ مجھ سے کتنی بھی نفرت کرتے ہوں، مگر اب میں انہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑوں گی۔ میں تمہارے پاکستان جاؤں گی عابی۔ اور اب سے مجھے زندگی سے اس لئے بھی پیار کرنا ہے، صحت مند اور تندرست رہوں گی، تب تو مما، پاپا کا دھیان رکھ پاؤں گی، انہیں سنبھال پاؤں گی۔''

اس نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اس ناشتے کی طرف دیکھا جو اس کے آگے سرو ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ اس نے آملیٹ کی پلیٹ اپنے آگے کر لی تھی۔ ایک بہت طویل عرصے بعد وہ اپنے دل کی پوری آمادگی اور رضا مندی کے ساتھ کچھ کھا رہی تھی۔ ابھی زندگی کو اس کی ضرورت تھی۔ ابھی عابی کو اس کی ضرورت تھی، ابھی عابی کے مما، پاپا کو اس کی ضرورت تھی۔



وہ موت سے ملنے اس شہر میں آئی تھی۔ وہ زندگی ساتھ لے کر یہاں سے واپس دنیا میں جا رہی تھی۔

وہ دنیا میں واپس آئی، اس نے زندگی کو پھر قبول کیا تو اسے ان لوگوں کا خیال آیا جو اس سے پیار کرتے تھے، جو اس کے لئے فکر مند رہا کرتے تھے۔ اسے سب سے پہلے اور سب سے بڑھ کر اپنی پیاری دوست کیتھی کا خیال آیا، گزرے تمام مہینوں میں اس نے اس کا کتنا خیال رکھا تھا، دوستی کا کیسا حق نبھایا تھا، اس کے بہن بھائیوں سے بڑھ کر وہ اس کی اپنی ثابت ہوئی تھی۔ اپنے جنون میں وہ اس پر کتنی مرتبہ چیخی چلائی تھی، اسے کتنا برا بھلا کہتی رہی تھی، مگر اس نے اس کے پاس آنا کبھی بھی نہ چھوڑا تھا۔ جس خود غرض معاشرے میں وہ رہتی تھی، وہاں ایسا دوست اللہ کا انعام ہی تو تھا۔



وہ نیویارک واپس آنے کے بعد اس روز کیتھی کے گھر آ گئی۔ اس کے بیل کرنے پر مائیک نے آ کر دروازہ کھولا تھا۔

''ہنیا؟ تم؟'' وہ اسے دیکھ کر حیران بھی نظر آ رہا تھا اور بے انتہا خوش بھی۔ اس نے وہیں سے چلا کر کیتھی کو آواز دی۔

''دیکھو، کون آیا ہے۔'' وہ مائیک کے ساتھ چلتی ہوئی اندر آ گئی تھی۔ کیتھی مائیک کی ایکسائٹمنٹ بھری آواز سن کر تیزی سے اس طرف آ رہی

تھی۔ ہنیا کو دیکھ کر اس کے قدم اپنے جگہ رک گئے تھے۔ اس نے بہت اچھا سا خوبصورت اسٹائل کا حامل پاکستانی لباس پہن رکھا تھا، بال سلیقے سے باندھ رکھے تھے، جیولری اور میک اپ کا استعمال نہیں کیا تھا، مگر اس کی تیاری بتا رہی تھی، وہ اس گھر کے آنے کے لئے تیار ہو کر آئی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی آ کر ہنیا کے گلے سے لگ گئی۔ اس کی دوست دنیا میں لوٹ آئی تھی، وہ زندگی کو پھر سے جینے کے لئے آمادہ تھی۔

کیتھی کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔ "ہنیا!"

"ہاں میں۔ میرا استقبال اس طرح رو کر رہی ہو؟" اس نے مسکرا کر اسے ٹوکا۔ "بہت بری دوست ہوں۔ تمہاری شادی میں شریک نہیں ہوئی تو نہیں ہوئی، تمہیں تمہاری شادی کی مبارک باد اور تحفہ تک نہیں دیا۔ میں آج تمہیں اور مائیک کو تم لوگوں کی شادی کی مبارک باد دینے اور یہ چھوٹا سا تحفہ دینے آئی ہوں۔"

کیتھی نے بہت جتن کئے تھے، بہت اس کی منت سماجت کی تھی، مگر ان دنوں جیسی اس کی کیفیت تھی، وہ اس کی شادی میں شریک ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ راستے سے اس کے لئے تحفہ خرید کر لائی تھی۔ اس نے سلیقے سے ریپ ہوا وہ گفٹ اس کی طرف بڑھایا۔

"تم بہت اچھی دوست ہو۔ شادی میں شریک ہو یا نہیں، تحفہ دو یا نہیں، میرے لئے میری سب سے اچھی دوست تم ہو۔" کیتھی کی آنکھوں سے آنسو چھلکے تھے، اس نے والہانہ انداز میں اسے پھر گلے سے لگا لیا تھا۔

"میں سب سے اچھی دوست ہو گئی اور بے چارہ مائیک کہاں گیا؟" وہ مسکرا کر بولی۔

کیتھی اسے مسکراتا دیکھ کر حیران بھی تھی اور خوش بھی۔ کیتھی یا مائیک کے روکنے سے پہلے اس نے خود ہی اعلان کر دیا تھا کہ وہ کھانا ان کے ساتھ کھائے گی۔ وہ کھانے پر ان کے گھر رک گئی تھی۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی اس سے عباد کے بارے میں کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ پتہ نہیں کتنے جتن کر کے وہ خود کو دنیا میں واپس لا پائی تھی، وہ اس سے دکھ دیتی کوئی بات نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کیتھی جو اسے بہت قریب سے جانتی تھی، وہ دیکھ رہی تھی، دوبارہ پہلے جیسی ہو جانے کے باوجود ہنیا میں کچھ نہ کچھ تبدیل ہوا تھا۔ وہ اس تبدیلی کو کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔ وہ بظاہر ہنس رہی تھی، مسکرا بھی رہی تھی، مگر اس کی آنکھوں میں حد درجہ سنجیدگی تھی، ایسی سنجیدگی جو کسی ایسے شخص کی آنکھوں میں دکھائی دیتی ہے، اس کی شخصیت کا حصہ بن جاتی ہے، جو دنیا کے ہر دکھ، ہر آزمائش اور ہر امتحان کا مقابلہ کر چکا ہوتا ہے، جو دنیا کے دکھوں کے ساتھ سمجھوتہ کر چکا ہوتا ہے، جو دنیا کی ساری سچائی، ساری حقیقت پہچان چکا ہوتا ہے۔ ہنیا کے پورے وجود پر ایک سنجیدگی، ایک ٹھہراؤ اور ایک سمجھوتہ کر لینے والا سکون پھیلا نظر آ رہا تھا۔

وہ پھر سے جاب کرنے کی بات کر رہی تھی۔ جہاں وہ جاب کر رہی تھی وہاں اگر اب بھی اس کے لئے کوئی جگہ ہے تو وہاں، نہیں تو وہ کہیں اور ملازمت کرے گی۔ کیتھی اور مائیک اس کے لئے بہت خوش تھے۔ جیسے بھی اور جو بھی تھا، وہ کم از کم ان کے پاس واپس آ تو گئی تھی۔ انہیں ان کی دوست پھر سے مل تو گئی تھی۔



کئی چاند دھند میں کھو گئے
کئی جاگ جاگ کے سو گئے
مگر اک ستارہ مہرباں
جو گواہ تھا
سر شام سے صبح دم تک
کسی وصل رنگ سی بات کا
کسی بے کنار سے لطف کا
کسی مشک بار سی بات کا
میرے ساتھ تھا
میرے ساتھ ہے



وہ اب عابی عابی پکارتی گھر سے نکل نہیں جایا کرتی تھی، وہ اب اسے یاد کر کر کے دیوانگی کے عالم میں روتی نہیں تھی۔ وہ اس کے ساتھ تھا، وہ اس کے پاس تھا، وہ اس کے دل میں تھا، اس نے اللہ سے بھی صدق دل سے معافی مانگی تھی، اپنے ان شکوؤں اور گلوں پر جو اس نے اللہ سے کئے تھے۔ اس رات برف باری میں جب اس نے اللہ سے شکوہ کرنے کی اتنی بڑی جسارت کی تھی کہ میرا عابی ہی کیوں؟

کیا جب اللہ نے اسے عباد عذیر جیسے بے مثال شخص کی محبت، والہانہ محبت عطا کی، اس وقت بھی اس نے اللہ سے پوچھا تھا، میں ہی کیوں؟

کیا جب اس کی رفاقت، اس کی محبتوں کی شدتیں ملیں ساتھ ملا تب بھی اللہ سے اسی طرح سوال کیا تھا، مجھے ہی کیوں؟ میں نے ایسی کونسی نیکی، کونسا اچھا کام کیا ہے جو مجھے محبت، اتنی بے شمار محبت مل رہی ہے اور ان لوگوں نے جنہیں تمام عمر ایک پل کے لئے بھی محبت نہیں ملتی، انہوں نے کیا گناہ کیا ہوتا ہے جو وہ تمام عمر محروم محبت رہ کر گزارتے ہیں؟ اللہ کی عطائیں اس کا حق ہیں۔ وہ عطائیں واپس لے لی جائیں تو وہ اللہ سے سوال کرنے کھڑی ہو جائے گی۔ اللہ سے میں اور میرا عابی ہی کیوں؟ پوچھنے کھڑی ہو جائے گی۔ اللہ کی عطا عباد عذیر کی والہانہ محبت، ہاں وہ تو اس کا حق ہے، یہ عطا چھنے گی تو اللہ سے شکوہ کرے گی۔

اسے خود پر بہت شرم آئی تھی، ندامت سے سجدے میں سر جھکا کر اس نے اللہ سے بہت معافی مانگی تھی۔ اگر عابی کو اللہ نے اس سے واپس لے لیا تھا تو اس کے دل کو یہ قرار، یہ سکون کہ عابی اس کے دل میں زندہ ہے، بھی تو اللہ ہی نے عطا کیا تھا۔

کیتھی کے گھر سے آنے کے اگلے روز سے ہی اس نے ملازمت کے لئے کوشش شروع کر دی تھی اور اسے ملازمت کے حصول میں بہت مشکل پیش بھی نہیں آئی تھی۔ ایک مہینے کے اندر اسے ملازمت مل گئی تھی۔

اس نے جاب جوائن بھی کر لی تھی۔ وہ اب بطور جونیئر اسٹرکچرل انجینئر ایک اچھی فرم میں جاب کر رہی تھی۔ وہ اب اپنے بہن بھائیوں

اور دوستوں سب سے رابطے میں تھی۔ وہ اب دنیا میں زندہ لوگوں کی طرح زندہ تھی۔ وہ دنیا سے منہ موڑ کر اس کی مخالف سمت نہیں بھاگ رہی تھی۔ وہ اپنا پورا دن دنیا کے ساتھ گزارتی تھی، وہ اپنی ہر رات عابی کی یادوں کے ساتھ گزارتی تھی۔

اس کے دن دنیا کے لئے تھے اور اس کی راتیں صرف عابی کے لئے تھیں۔ وہ اپنی زندگی کے تمام دن دنیا کو دے رہی تھی، وہ اپنی آنے والی تمام شبیں صرف عابی کو دینا چاہتی تھی۔ وہ ہر رات اس کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس کی سوچوں میں، اس کی یادوں میں، اس کے دل میں، اس کی روح میں۔



رات کے وقت

میرے دل پہ

تیری یاد کا ہاتھ

اتنی نرمی سے اترتا ہے

کہ جیسے شبنم

اک چٹکتی ہوئی

نورستہ کلی پہ اترے

وہ کمرے کی کھڑکی کھول کر بستر پر لیٹ جاتی۔ وہ آسمان پر چمکتے ستاروں میں سب سے روشن ستارہ ڈھونڈتی، اس پر نظریں جمائے وہ آنکھیں بند کر لیتی۔

''جب بھی میں بہت یاد آؤں، بس آسمان کی طرف دیکھنا، وہاں جو ستارہ سب سے زیادہ چمک رہا ہو، اسے دیکھنا۔ جب تم ایسا کرو گی نا تو مجھے پتہ چل جائے گا۔ تم جس پل سچے دل سے مجھے پکارو گی، آنکھیں بند کر کے میرا نام لو گی، میں تمہارے پاس ہوں گا۔'' اس کی آواز اس کے بالکل نزدیک سے ابھرتی۔ وہ بے ساختہ اس کا نام لیتی، اسے پکارتی۔

''عابی۔'' اور اس کی روح کا وہ دریچہ خود بخود کھل جاتا جو اسے آنکھیں بند کرنے پر عابی کو اپنے سامنے دکھاتا۔

پھر وہ ساری رات اپنے عابی سے جی بھر کے باتیں کرتی تھی، اسے اپنے دن بھر کی ہر ایک بات بتاتی تھی۔ اسی طرح آنکھیں بند کر کے لیٹے لیٹے۔ آنکھیں کھولتی نہیں تھی کہ آنکھیں کھولنے پر پھر وہ نظر نہیں آتا تھا۔ وہ رات میں بہت تھوڑی سی دیر کے لئے سوتی تھی اور وہ بھی بالکل اسی طرح جیسے اس کی زندگی میں اس سے فون پر باتیں کرتے کرتے سو جاتی تھی اگر اس کی آنکھ لگتی بھی تو اس سے باتیں کرتے کرتے۔

لوگ جس طرح سو کر تازہ دم ہوتے ہیں، وہ جاگ کر ہوتی تھی۔

اسے عابی کے مما، پاپا کے پاس جانا تھا وہ اس سے نفرت کرتے ہیں، وہ یقیناً اس سے ملنا بھی پسند نہیں کریں گے، پھر وہ ان کے پاس جائے کس طرح، کیسے؟ وہ اسے اس کی اصلی پہچان، اصلی شناخت اور نام کے ساتھ تو شاید اپنے گیٹ ہی سے لوٹا دیں گے۔ اس سے ملنا بھی گوارا نہ کریں گے، پھر وہ کرے کیا۔

وہ عبداللہ سے ملتی تو اسے مما، پاپا کا اور بھی زیادہ خیال آتا، اس کا دل ان کے لئے اور بھی مضطرب ہو جاتا۔ Carmel سے نیویارک واپس آجانے کے بعد اس پہلے اتوار کو وہ شام کے وقت بالکونی میں کھڑی تھی، جب اسے بالکونی سے بالکل واضح نظر آتا پارک دکھائی دیا، اور ساتھ ہی ایک بنچ پر بیٹھے عبداللہ۔ اس بنچ پر جس پر وہ انہیں پہلے بھی عباد کے ساتھ بیٹھا دیکھ چکی تھی۔

آج عبداللہ اکیلے بیٹھے تھے۔ وہ جو ہر اتوار کو اس بوڑھے کی تنہائی دور کرنے اس کے ساتھ بیٹھا کرتا تھا، آج اس کے ساتھ نہ تھا۔ عبداللہ کو تنہا بینچ پر بیٹھا دیکھ کر اسے عابی کے مما، پاپا کا سب سے پہلے خیال آیا۔ عباد عبداللہ کے بچوں کی ان سے لاپروائی اور ان کی تنہائی پر کس قدر آزردہ ہوتا تھا۔ وہ کس طرح اپنی مصروفیات میں سے عبداللہ کو کمپنی دینے کے لئے وقت نکالتا تھا۔ وہ غیروں کی تکلیف پر اداس ہو جانے والا، وہ دوسرے بوڑھوں کی تنہائی کو دور کرنے کی کوشش کرنے والا، آج خود اس کے اپنے ماں، باپ کس قدر تنہا تھے۔ وہ محبتوں میں سرتاپاؤں ڈوبا جو غیروں کے لئے اتنا حساس تھا، جو آج اپنے ماں باپ کی تنہائیوں اور آنسوؤں پر اس کی روح کیسے تڑپتی ہوگی۔

وہ بالکونی سے عبداللہ کو دیکھتا رہنے کے بجائے ان کے پاس پارک آگئی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر اداسی سے مسکرائے تھے۔

''کیسی ہو پیاری لڑکی؟'' وہ ان کے پاس اسی بنچ پر بیٹھ گئی تھی۔

''میں بہت بار آیا تمہارے پاس مگر۔'' ایک بے بسی بھرا تاثر ان کے چہرے پر آیا تھا۔ وہ اپنے آنے کے حوالے سے ذکر یقیناً گزشتہ دنوں کا کر رہے تھے، جب وہ صدمے سے نڈھال دیوانگی کی حالت میں تھی اور کسی سے بھی ملتی نہیں تھی۔

''تمہاری دوست کیتھی سے ملاقات ہوئی تھی میری۔ اسی نے دروازہ کھولا تھا۔ بتایا تھا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ اب کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں......آپ کیسے ہیں؟''

''بہت دکھی۔ میرے کسی سگے بیٹے کو کچھ ہو گیا ہوتا تو مجھے اتنا صدمہ نہ ہوتا جیسا اس کا ہو رہا ہے۔ وہ میرا کچھ بھی نہیں تھا، مگر میرے لئے وہ میرا بیٹا تھا، میرے سگے بیٹوں سے زیادہ سگا، زیادہ اپنا۔'' عبداللہ کی بوڑھی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

''یہ اس کے جانے کی عمر نہیں تھی۔ اسے ابھی بہت سال زندہ رہنا چاہئے تھا۔'' وہ غیر شخص جوان کا کچھ بھی نہ لگتا تھا، اس کے لئے آنسو بہا رہا تھا۔ پارک کے دوسرے کونے میں فٹ بال کھیلتے بچوں نے اپنا کھیل روک دیا تھا، وہ ہنیا کو دیکھتے آپس میں کچھ بات کر رہے تھے۔ پھر جیسے آپس میں کچھ فیصلہ کرتے، وہ سب کے سب اس کے پاس چلے آئے۔

''آپ عابی کی گرل فرینڈ ہیں نا؟ وہ جو ایک دفعہ پہلے بھی پارک آئی تھیں۔''

ان میں سے ذرا زیادہ پراعتماد قسم کے بچے نے اس سے آگے بڑھ کر معصومانہ انداز میں پوچھا۔ اس نے کھڑے کھڑے سے انداز میں ''عابی'' کہا تھا۔ وہ ان بچوں کو پہچان نہیں پائی تھی، مگر وہ اسے پہچان گئے تھے۔

''ہم نے بعد میں عابی سے پوچھا تھا تو اس نے بتایا تھا آپ اس کی گرل فرینڈ ہیں، اور وہ آپ سے جلدی شادی کرنے والا ہے۔'' آٹھ سال کے اس بچے کی معصومانہ بے ساختگی اور اعتماد اس کے لبوں پر مسکان اور آنکھوں میں اشک لے آیا۔ وہ آٹھ دس سال کے سارے بچے اس کے

عابی کے دوست تھے۔

''عابی بہت اچھا تھا۔ہم اسے بہت مس کرتے ہیں۔''

''عابی۔یہ معصوم پھول سے بچے تمہیں اپنا دوست کہہ رہے ہیں تو مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔اور عابی اب جب تک میں نیویارک میں ہوں،جس طرح تم عبداللہ کی تنہائی دور کرنے ان کے ساتھ وقت گزارا کرتے تھے ایسا ہی میں بھی ایسا کیا کروں گی۔''

اور وہ واقعی اگلے اتوار عبداللہ کے پاس پارک میں موجود تھی۔وہ آفس جاتے،آتے عبداللہ کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر رک کر ان کی خیریت بھی پوچھ لیا کرتی تھی۔وہاں اس ملک میں جہاں بوڑھوں کی کسمپرسی کا یہ عالم تھا کہ اپنے اپارٹمنٹ یا گھر میں تنہا زندگی گزارتے کسی بوڑھے مرد یا عورت کو مرے کئی کئی دن ہو جاتے اور باہر کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔اندر ان کی لاشیں کئی کئی دن پڑی رہتیں۔عبداللہ کو ایسی موت سے بہت خوف آتا تھا۔انہوں نے عباد سے درخواست کی تھی کہ وہ روزان کے اپارٹمنٹ کا ایک چکر لگا لیا کرے،عباد یہ کام پابندی سے کرتا رہا تھا اور اب وہ ایسا کر رہی تھی۔

جو کام کرتے کرتے عابی رخصت ہوا تھا،وہ اس کے چھوڑے اس کام کو اب باقاعدگی سے انجام دے رہی تھی۔وہ جب تک بھی نیویارک میں تھی اس معمول کو جاری رکھنا چاہتی تھی۔

وہ عبداللہ سے اس پہلی اتوار پارک میں ملنے کے بعد واپس گھر میں آئی تو کمرے میں آتے ہی اس کے قدم خود بخود ہی اس My Family (میرا خاندان) والی تصویر کے سامنے رک گئے۔وہ اس تصویر میں عباد کو دیکھ رہی تھی۔

''آج میں عبداللہ سے ملی،جیسے تم ان سے ملتے تھے،بالکل اسی طرح۔اب سے میں ان سے اسی طرح پابندی سے ملا کروں گی جیسے تم ملتے تھے،جو کام تم ادھورے چھوڑ گئے،میں ان سب کو پورا کروں گی۔''

''عابی!تمہاری اس My Family کے الفاظ سے جگمگاتی تصویر کو ایک روز تمہارے گھر میں ضرور لگاؤں گی۔میں تمہاری فیملی کا حصہ بنوں گی۔پاپا مجھے اپنی بہو مانیں گے۔اپنی بیوہ بہو۔''اس نے پہلی بار اپنے لئے یہ لفظ ادا کئے تھے۔مگر روتے ہوئے نہیں بلکہ خود اعتمادی کے ساتھ۔

☆

اس روز اتوار کا دن تھا۔عبداللہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی،وہ آج پارک نہ آسکے تھے۔وہ ان سے ان کے اپارٹمنٹ جا کر مل کر اور کچھ وقت ان کے پاس بیٹھ کر گھر واپس آئی تھی کہ فون کی بیل بجی۔''ہیلو۔ہنیا!میں عدیل ہوں۔''اس کے ہیلو کے جواب میں عدیل سفیان بولا

''کیسے ہو عدیل؟''

''ٹھیک۔تم کیسی ہو؟''عابی کے یونیورسٹی کے بہت دوست اس کے پاس تعزیت کے لئے آئے تھے۔اس کے دوستوں،اساتذہ اور کولیگز کے بے شمار Condolence کارڈز،خطوط اور پیغامات اسے موصول ہوئے تھے،مگر عدیل سفیان اسے کہیں نظر نہیں آیا تھا۔وہ عابی کا عزیز ترین دوست اس کے انتقال کے بعد اس کے دوستوں کی بھیڑ بھی میں کہیں نظر نہیں آیا تھا۔وہ اس کا سب سے گہرا،سب سے خاص،سب سے قریبی دوست آج اتنے مہینوں بعد اپنے دوست کی بیوہ سے رابطہ کر رہا تھا۔

''میں نیویارک آیا ہوا ہوں ہنیا۔تم سے ملنا چاہتا ہوں۔'' وہ چند لمحوں کے توقف کے بعد بولا۔

''آج ہی آجاؤ۔ میں گھر پر ہی ہوں۔''

''نہیں گھر پر نہیں۔ کہیں باہر۔ پلیز۔ میں وہاں آ نہ سکوں گا۔'' عدیل بے بس سے لہجے میں بولا۔اس بات کے بعد اس نے مزید اصرار نہ کیا۔اس سے ایک گھنٹے بعد ملنے کا وقت طے کر کے فون بند کر دیا۔

وہ ریسٹورنٹ پہنچی تو عدیل وہاں پہلے سے موجود تھا۔''سوری، مجھے تمہیں اس طرح یہاں بلانا پڑا۔ میں کل سے نیویارک آیا ہوا ہوں اور کئی بار اپنے ہوٹل سے نکل کر تمہارے گھر آنے کی کوشش کی ،مگر میری ہمت نہیں ہوئی۔ میں وہاں کیسے جا پاؤں گا۔عابی میرے لئے دروازہ نہیں کھلے گا۔''ابے سالے تو پھر آ گیا۔'' کہہ کر مجھے دو، چار گالیاں نہیں دے گا، ساتھ ہی مجھے گلے نہیں لگائے گا، میں کیسے۔''

وہ اپنے لب کاٹتا خاموش ہو گیا۔اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ اس نے اپنی نظریں میز پر جما دی تھیں تا کہ ہنیا اس کی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو دیکھ نہ پائے اس نے گلاس میں پانی ڈال کر عدیل کی طرف بڑھایا۔پانی کے چند گھونٹ لے کر عدیل نے خود پر قابو پایا۔

''آئم سوری ہنیا! مجھے پتہ ہے، تم خود کو بہت مشکل سے سنبھال پائی ہو۔'' عدیل نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، اپنی جذباتی کیفیت پر اس سے معذرت کی۔

''اسے اس طرح نہیں جانا چاہیے تھا، یہ اس کے جانے کا وقت تو نہیں تھا۔کبھی کبھی ایسی وحشت سوار ہوتی ہے۔ یہ دل چاہتا ہے کہیں سے کوئی آ کر یہ کہہ دے عابی زندہ ہے۔''

''وہ زندہ ہے عدیل۔ ہماری یادوں میں۔ ہمارے دل میں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔ چند لمحے ان دونوں کے بیچ بالکل خاموشی میں گزر گئے تھے۔

''مجھے تم لوگوں کی شادی کا اس کے جانے کے بعد پتہ چلا۔''

ان کی شادی اور عابی کا انتقال دونوں واقعات ہوئے ہی اتنے آناً فاناً اور آگے پیچھے تھے کہ اس کے اور عباد کے بہت سے دوستوں کو ان کی شادی کی خبر اس کی موت کی خبر کے ساتھ ملی تھی۔

''عابی کو موقع نہیں ملا عدیل! ورنہ وہ تمہیں ہماری شادی کی اطلاع فوراً خود دیتا۔'' وہ اسے آہستہ آواز میں ان کی شادی کے آناً فاناً ہونے کی وجوہات بتا رہی تھی۔

''مجھے یہ اطلاع انکل سے ملی۔''

''تم پاپا سے ملے؟'' اس نے فوراً بے ساختہ پوچھا۔عدیل نے سر اثبات میں ہلایا۔

''میں پاکستان گیا تھا۔ میں جو خود کو اس کا دوست کہتا تھا تو پھر عابی کا یہ حق تھا کہ میں اسے آخری بار الوداع کہنے جاتا۔ میں نے اسے کندھا دیا تھا، میں نے اسے قبر میں اتارا تھا۔میں دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔'' عدیل کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔اس کی آنکھوں سے بھی آنسو گر رہے تھے۔

''میں اس سے آخری بار تب ہی ملا تھا جب اس نے تمہیں بھی ڈنر پر بلایا تھا۔ وہ مجھے سارا وقت کام چور اور پھوہڑ کہتا رہا تھا۔ میں اس کے گھر مفت خوروں کی طرح آ کر پڑ جاتا ہوں اور پھر کسی کام کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا، یہ طعنے دیتا رہا تھا، ایک بار بھی تو اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس بار وہ مجھ سے آخری بار مل رہا ہے۔ میں اب نیویارک آؤں گا تو اس گھر کی طرف جانے کے لئے میرے قدم نہ اٹھ سکیں گے۔ وہاں مجھے گالیاں دے کر گلے لگانے والا کوئی نہ ہوگا۔''

عابی کی آخری رسومات، اس کی تدفین، وہ کس جگہ سو رہا تھا، اسے کس طرح رخصت کیا گیا تھا، وہ سب وہ آج عدیل سے سن رہی تھی۔ حوصلے اور ہمت کے ساتھ۔ صرف کسی کسی وقت بے اختیاری کیفیت میں اس کی آنکھوں سے آنسو گر پڑتے، ورنہ وہ خود کو سنبھالے ہوئے تھی۔

''مما، پاپا!'' عدیل! عابی کے مما، پاپا کا کیا حال ہوا تھا؟ وہ اب کیسے ہیں؟'' اس نے آہستہ آواز میں پوچھا۔ اس سوال کا جواب وہ جانتی تھی پھر بھی پوچھ رہی تھی۔

''آنٹی، انکل کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی ہنیا! میں تمہیں لفظوں میں نہیں بتا سکتا۔ میں، تم ہم سب عابی کے بغیر زندگی گزار لیں گے، مگر ان دونوں کے لئے تو زندگی حقیقت میں ختم ہو چکی ہے۔ وہ دونوں مردوں کی طرح زندہ ہیں۔ ان کی حالت دیکھ کر دل کٹتا ہے۔ عابی انہیں بہت بڑا دکھ دے گیا۔ وہ دونوں نہ زندوں میں ہیں نہ مردوں میں۔ آنٹی کئی مہینے اسپتال میں ایڈمٹ رہیں، انہیں ہوش ہی نہ آتا تھا۔ انکل کو دو مہینے پہلے بہت Severe ہارٹ اٹیک ہوا۔ میری تو ہمت نہیں پڑتی کہ انہیں فون کر کے ان کی خیریت ہی معلوم کرلوں۔ میں ان سے بات کرتا ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے میں دو مرے ہوئے لوگوں سے بات کر رہا ہوں۔ آنٹی میری آواز سن کر بری طرح رونے لگتی ہیں اور انکل بالکل چپ ہو جاتے ہیں۔ میرے بس میں ہوتا، کاش میں ان کے لئے کچھ کر پاتا۔ کاش ان کی کوئی ایک اولاد اور ہوتی۔ عابی کا بھائی، بہن ان کے پاس زندگی گزارنے کے لئے کوئی آس، کوئی امید کچھ تو بچا ہوتا۔''

''میں بنوں گی ان کی آس، میں بنوں گی ان کی امید، میں بنوں گی ان کی بیٹی، تم دیکھنا عدیل! میں انہیں کبھی تنہا نہیں رہنے دوں گی۔''

اس کے دل سے بے اختیار صدا نکلی۔ وہ دونوں چپ ہو گئے۔

''انکل کا میرے پاس فون آیا تھا ہنیا!'' عدیل کی آواز اسے اس کی سوچوں سے باہر کھینچ لائی۔ ''وہ عابی کا سامان پاکستان منگوانا چاہتے ہیں۔ ان میں خود اتنی سکت اور طاقت نہیں کہ اپنے مرحوم بیٹے کے گھر آ کر اس کا سامان، اس کی یادیں اکٹھی کر سکیں۔'' عدیل نے سنجیدگی سے اسے بتایا۔

''انہوں نے میرا پوچھا تھا؟'' انہیں پتا ہے میں اب بھی عابی کے اپارٹمنٹ میں رہ رہی ہوں؟'' عبا دبئی روانہ ہونے سے پہلے اپنی لینڈ لیڈی کو اپنے اپارٹمنٹ کا اگلے ایک سال کا ایڈوانس کرایہ ادا کر گیا تھا۔ یہ ایک سال پورا ہو جاتا اس کا تب بھی اس اپارٹمنٹ کا چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ وہ جب تک بھی نیویارک میں تھی اسی جگہ رہنا چاہتی تھی۔

''انہوں نے تمہارے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔ میرے ہی منہ سے یہ بات نکلی تھی کہ تم عابی کے اپارٹمنٹ میں اب بھی رہ رہی ہو۔ میں نے اس دوران ہمت کر کے ایک بار تمہیں فون کیا تھا۔ مگر میری نام کی کسی عورت سے میری بات ہوئی تھی، اس نے کہا تھا کہ تم کسی سے بھی بات

نہیں کر رہیں، اسی سے مجھے یہ پتہ چلا تھا کہ تم ابھی عابی کے اپارٹمنٹ ہی میں رہ رہی ہو۔"

اس کی اور عابی کی شادی کی پاپا کی نگاہوں میں کیا حیثیت ہے بتا رہا تھا۔ وہ افسردگی سے مسکرائی تھی۔

"میں عابی کے اپارٹمنٹ ہی میں رہ رہی ہوں، پاپا اس بات پر کچھ بولے تھے؟" اس نے بے تابی سے پوچھا۔

"نہیں۔" عدیل نے نہیں فوراً کہا، پھر کچھ جھجکتے ہوئے شرمندہ سے لہجے میں بولا۔

"انہوں نے میری بات پوری سنی بھی نہیں تھی۔ تمہارا ذکر آتے ہی انہوں نے میری بات کاٹ کر یہ کہا تھا کہ وہ عابی کا سامان پاکستان واپس منگوانا چاہتے ہیں اور یہ کام وہ میرے سپرد کر رہے ہیں۔ وہ تم سے ملنا نہیں چاہتے ہنیا۔ انہوں نے تمہاری اور عابی کی شادی کو Accept نہیں کیا۔"

عدیل نے شرمندگی سے اس سے نظریں چرائی تھیں۔ وہ اس سے نگاہیں چراتا، شرمندہ سا ہوتا اسے اس کی اور عابی کی شادی کی عابی کے پاپا کی نگاہوں میں کیا حیثیت ہے بتا رہا تھا۔ وہ افسردگی سے مسکرائی تھی۔ اسے اب عدیل کے نیویارک آنے اور ملنے کا مقصد سمجھ میں آیا تھا۔ عابی کے پاپا نے عابی کا سامان واپس پاکستان پہنچانے کی ذمہ داری اس کے سب سے گہرے دوست کو سونپی تھی، اگر یہ وجہ درمیان میں نہ ہوتی تو شاید اب بھی عدیل سفیان خود میں نیویارک آنے کی ہمت پیدا نہ کر پاتا۔ محبت کبھی کسی توانا مرد کو کتنا کمزور بنا دیتی ہے، جیسے عدیل سفیان، کبھی کسی کمزور لڑکی کو اتنا مضبوط بنا دیتی ہے جیسے ہنیا سجاد۔ وہ نیویارک آنے، دوست کے گھر جانے، اس کی بیوہ بیوی سے ملنے کی ہمت خود میں نہ پاتا تھا اور وہ دن، رات اسی گھر میں اس کی یادوں کو سینے سے لگائے پورے حوصلے اور ہمت سے رہ رہی تھی۔ عدیل اس سے شرمندہ ہو رہا تھا۔ اس نے مسکرا کر اس کی شرمندگی دور کرنے کی کوشش کی تھی۔



وہ عابی کی کوئی چیز، کوئی یاد خود سے جدا کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ یہ اس کی کتابیں، یہ اس کے کپڑے یہ اس کے استعمال کی چھوٹی چھوٹی اشیاء، ان سب میں اس کا لمس تھا، مگر اب وہ انہیں سب چیزوں کو اکٹھا کر رہی تھی۔

اس سے بھی زیادہ عابی کی ان یادوں پر، اس کی استعمال کردہ ان اشیاء پر اس کے والدین کا حق تھا۔ عابی نے فرنشڈ اپارٹمنٹ کرائے پر لے رکھا تھا، اس لئے فرنیچر تو سارا یہیں رہنا تھا۔ باقی وہ اس کی تمام اشیاء سمیٹ رہی تھی۔

اس نے اس کی الماری سے اس کے سارے کپڑے، جوتے ایک ایک چیز نکالی۔ باتھ روم سے اس کا شیونگ کا سامان، ڈریسنگ ٹیبل سے اس کے ہیئر برش اور دیگر اشیاء، اس کی کتابیں، فائلیں، لیپ ٹاپ، PC، اس کی تصویریں اس نے دیواروں پر سے بھی تمام تصویریں اتار کر کارٹن میں رکھ دی تھیں۔ اس نے صرف وہ چیزیں اپنے پاس روک لی تھیں، جن میں وہ بھی کہیں آ رہی تھی۔ اس نے اس کی تصویروں میں سے وہ تمام تصویریں نکال لی تھیں جن میں وہ بھی تھی۔

عباد کی "Im carazy about u" والی ٹی شرٹ، اس کے وہ دو، تین ٹراؤزر اور ٹی شرٹس جو بطور سلیپنگ سوٹ اس نے Carmel میں پہنے تھے اور اپنے بیڈ روم لگی My Family والی تصویر، ان چند اشیاء کی بے ایمانی کے سوا اس نے چن چن کر اس کی ہر یاد اس کے مما، پاپا کے

لئے سمیٹ کر کارٹنز میں بند کر دی تھی۔

دنیا کے کسی بھی دوسرے فرد کے لئے وہ اشیاء بے کار اور فضول ہو سکتی تھیں، مگر اسے معلوم تھا، ان ماں، باپ کے لئے وہ استعمال شدہ اشیاء ان کی سب سے قیمتی متاع ہوں گی۔ اس نے پوری رات اور اگلا پورا دن لگا کر عباد کا سارا سامان سمیٹ دیا تھا۔ عدیل اگلی شام آیا تھا۔ وہ زیادہ دیر رکنا نہیں چاہتا تھا۔ اس سے اس جگہ رکا ہی نہیں جا رہا تھا۔ اس کے چائے، کافی، ڈنر کر کے جانا کی ہر دعوت اس نے رد کر دی تھی۔

''میں رک نہیں پاؤں گا ہنیا۔ کچھ دنوں بعد شاید خود میں ہمت پیدا کر پاؤں، پھر آؤں گا تم سے ملنے۔'' وہ اسے دروازے پر رخصت کرنے آئی تھی۔

''ضرور آنا۔ میں کچھ دنوں میں شاید واپس اپنے گھر شفٹ ہو جاؤں گی، وہاں آنا مجھ سے ملنے۔''

وہ آگے کیا کرنے والی تھی، ابھی اس کی بالکل سمجھ میں نہیں آیا تھا، مگر کل عدیل سے ملنے کے بعد اتنا اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ عباد کا اپارٹمنٹ چھوڑ کر واپس اپنے گھر چلی جائے۔ وہ چاہتی تھی، عدیل کے ذریعے یہ پیغام کسی نہ کسی انداز میں عباد کے پاپا تک پہنچ جائے کہ جس لڑکی سے ان کے بیٹے نے شادی کی تھی۔ اس نے اپنی زندگی نئے سرے سے عباد کے بغیر پھر شروع کر دی ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ سوچیں جس سے عباد نے شادی کی وہ آج اُس کے بغیر اپنی دنیا میں بڑی مطمئن ہو گی بلکہ جس مٹی سے اس کا تعلق ہے اس کی تاثیر کو سامنے رکھتے تو وہ اب تک ان کے بیٹے کو بھول بھال کر اپنی زندگی میں مگن ہو چکی ہو گی، کسی اور کو ان کے بیٹے کی جگہ دے کر اب اس کے ساتھ اپنے روز و شب خوشیوں سے لبریز گزار رہی ہو گی۔ وہ جب بھی پاکستان جائے گی اور جس بھی طرح ان سے ملے گی اتنا تو طے تھا کہ وہ اپنی اصل حیثیت اور اصلی پہچان کے ساتھ ان سے نہیں ملے گی۔

اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ سمجھیں جس لڑکی سے عباد نے شادی کی تھی وہ عباد کو بھلا کر اپنی زندگی پھر شروع کر چکی ہے، شاید اپنے لئے کسی اور کو ڈھونڈ بھی چکی ہے، تا کہ جب وہ پاکستان جائے تو انہیں ہلکا سا بھی شک نہ ہو کہ ہنیا سجاد وہی لڑکی ہے جس سے ان کے بیٹے نے شادی کی تھی۔

''بہت اچھا کرو گی ہنیا! میں خود تم سے یہی کہنا چاہتا تھا، مگر کہا نہیں، جانے تم کیا سوچو۔'' عدیل نے اس کی شفٹنگ کی بات کے جواب میں کہا۔ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم بہت اچھی لڑکی ہو ہنیا! اپنا خیال رکھو۔ زندگی میں ابھی یقیناً تمہارے لئے بہت سی خوشیاں ہوں گی، جو تمہیں ضرور ملیں گی۔'' عدیل خلوص دل سے بولا تھا، اس نے مسکرا کر عدیل کی بات پر سر ہلایا۔ اس کا اور عدیل سفیان کا آپس میں رشتہ یہ تھا کہ وہ دونوں عباد عذیر سے بے انتہا محبت کرتے تھے۔ وہ دونوں آنکھوں میں نمی لئے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

☆

وہ اپنے اور ماما جان کے گھر واپس آ گئی تھی۔ وہ اب وہیں رہ رہی تھی۔ مگر یہ بات اس نے سب سے چھپا کر رکھی تھی کہ عابی کا گھر بھی اس نے نہیں چھوڑا تھا۔ پہلے عابی اس اپارٹمنٹ کا کرایہ دار تھا، اب وہ وہاں کا باقاعدہ کرایہ ادا کر رہی تھی۔ اس کا اپنا اور عابی کا جو سامان رہتا تھا، وہ سب وہاں اسی طرح موجود تھا۔ اس گھر کی سیٹنگ میں کوئی ردوبدل نہ ہوا تھا۔

وہ کسی کے بھی علم میں لائے بغیر روز آفس جاتے یا وہاں سے واپس آتے بالکل خاموشی سے کچھ وقت وہاں گزارا کرتی تھی۔ سوائے عبداللہ کے، جن سے وہاں جا کر وہ ضرور ملا کرتی تھی، کسی کو بھی اس کے اس معمول کا پتہ نہیں تھا۔ عابی کو گئے ایک سال ہو رہا تھا اور وہ اب تک مما، پاپا کے پاس نہیں گئی تھی۔ اسے کوئی راستہ ہی سجھائی نہ دیتا تھا۔ آخر وہ کرے تو کیا کرے۔

عباد کی برسی کے روز اس کے یونیورسٹی کے تمام دوستوں نے اسے فون کیے تھے، یا ای میلز بھیجی تھیں، یا یہ یاد دلاتے کارڈز ارسال کیے تھے کہ عباد آج بھی ان کی یادوں میں زندہ ہے۔ اس کے سب دوست MS مکمل کر کے اپنے اپنے پروفیشنز اور کیریئرز میں مصروف ہو چکے تھے، اس امریکی معاشرے میں جہاں ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی ہوتی ہے اور کسی کے پاس کسی کے لئے کوئی وقت نہیں ہوتا، عباد کے دوستوں کا اسے اس طرح یاد رکھنا بہت بڑی بات تھی۔

اس روز اس کی حالت عجیب تھی۔ دل کا درد جس پل حد سے بڑھنے لگتا اسے فوراً مما، پاپا کا دھیان آتا، آج ان دونوں کی کیا حالت ہوگی۔ وہ بے چین ہو اٹھتی۔

''مجھے پتہ ہے تم مما، پاپا کے لئے بے چین ہو۔ مگر میں کیا کروں عابی! میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا پاپا کے پاس کس طرح جاؤں؟ کیا کہہ کر، کس حیثیت میں ان سے اپنا تعارف کرواؤں؟ جو میرا اصل تعارف ہے اسے جان کر تو وہ مجھ سے ملنے ہی سے انکار کر دیں گے۔ مجھے اپنے گھر میں داخل بھی نہیں ہونے دیں گے۔''

وہ اپنے بستر پر لیٹی آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہاں سب سے زیادہ چمکتے اس ستارے کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''پاپا کو متاثر کرنا آسان نہیں۔ مگر تمہیں وہ پہلی ملاقات ہی میں پسند کرنے لگیں گے۔ تم ان کے معیار کے مطابق ہو۔ ابھی اگر تم ان سے کہیں ملو اور انہیں یہ نہ پتا ہو کہ تم ہی وہ لڑکی ہو جسے میں پسند کرتا ہوں تو وہ تمہیں دل و جان سے پسند کرتے اندر ہی اندر یہ سوچیں گے کہ کاش ان کا نالائق بیٹا اگر کسی لڑکی کو پسند کر ہی رہا تھا تو وہ لڑکی ہنیا سجاد ہوتی۔''

''انہیں ذہین، پر اعتماد، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور خود پر بھروسہ رکھنے والی لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں اور یہ تمام خوبیاں تم میں موجود ہیں۔ مزید پسند وہ تمہیں تمہاری انجینئرنگ کی ڈگری کی وجہ سے کریں گے۔ یار! انہیں اپنے پروفیشن سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے اور اپنے قبیلے کے افراد سے ان کی ہمیشہ خوب بنتی ہے۔''

اس کی سماعتوں میں اس کی ہنستی مسکراتی زندگی سے بھرپور آواز گونج رہی تھی۔ انجینئرنگ کی ڈگری۔ پروفیشن۔ فاروق ایسوسی ایٹس۔ اس کے ذہن کی سب بند گرہیں یکا یک کھل گئی تھیں۔ اسے راستہ سجھائی دے گیا تھا۔ عابی نے اسے راستہ دکھا دیا تھا۔

''ہمیشہ میرے ناز نخرے اٹھاتے رہے ہو تو آج میری مدد کرنے کیوں نہ آتے۔ تھینک یو عابی!''

وہ عذیر فاروق، اور ہاجرہ عذیر سے کس حیثیت میں اور کس طرح ملنے والی تھی، عباد نے اسے یکدم ہی سمجھایا تھا۔ حیرت ہے اتنی آسان سی بات اب تک اس نے سوچی نہیں تھی۔ وہ اپنی اصلیت ان کے سامنے چھپا کر جانا چاہتی تھی اور یہ کام تو بہت آسان تھا۔ وہ جانتی تھی کہ عباد کے مما اور

پاپا اس کے متعلق کچھ اور تو کیا اس کا نام تک نہیں جانتے تھے۔

اس کے پاپا نے تو کبھی عباد کو ہنیا کے متعلق بات کرنے ہی نہیں دی تھی۔ اور اپنی مما سے بھی عباد نے اگر کبھی اس کا نام لے کر کوئی بات کی ہوگی تو یقیناً روانی میں اسے ہنی ہی بولا ہوگا۔ ہنی جو بہت ہی کامن تک نیم ہے۔ اور بالفرض کبھی ہنیا نام اس کے لبوں سے نکلا بھی ہوگا تو اب اتنے بڑے سانحے اور صدمے سے گزرنے کے بعد اس کی مما کے ذہن سے یہ نام مکمل طور پر محو ہو چکا ہوگا۔

اس کے مما، پاپا کے علم میں تو یہ تک نہ تھا کہ وہ ایک سول انجینئر ہے، عباد سے اس کی یونیورسٹی میں ملی تھی، یا یہ کہ وہ نیویارک ہی میں رہتی ہے۔ انہوں نے اس کے متعلق کبھی بھی جاننا نہ چاہا تھا، عباد کو اس کے متعلق کبھی کچھ بتانے کا موقع نہ دیا تھا اور ان دونوں کی یہ لاعلمی اور ناواقفیت اب اس کے لئے بہت بڑی نعمت بننے والی تھی۔

اس ستارے پر نگاہیں مرکوز کیے کیے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔

''جو میں کرنے جا رہی ہوں، وہ ٹھیک ہے نا عابی؟'' وہ آنکھیں بند کیے اس کے مسکراتے چہرے کو اپنے سامنے دیکھ رہی تھی۔ اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھتے دیکھتے غنودگی میں جا رہی تھی۔ ''میں کامیاب ہو جاؤں گی نا عابی؟'' عابی اس کی بند آنکھوں کے سامنے بھرپور انداز میں مسکرا رہا تھا۔



جس نے سنا، وہ حیرت سے گنگ رہ گیا۔ ہنیا پاکستان جا رہی تھی، یہاں اپنی اتنی اچھی جاب، اتنا شاندار کیریئر چھوڑ کر؟ اور سب ہی نے اپنے اپنے طور پر اسے سمجھایا تھا۔ اس کے دوست اس کے کولیگز اس کے سینئرز، اس کے فرم کے CEO، اس کے بھائی، بہن۔ یمنیٰ تو باقاعدہ فون پر اس پر چلائی تھی۔

''تم پاگل ہو گئی ہو ہنیا؟ یہاں اپنی سیٹل لائف، اتنی شاندار جاب، اتنے نمایاں کیریئر سب کو لات مار کر وہاں جاؤ گی اس پسماندہ ملک میں؟ چار دن میں تمہاری عقل ٹھکانے آ جائے گی۔ خدا کے لئے ایسی جذباتی حماقت مت کرو۔ جب عباد نہیں رہا تو اس کے ماں، باپ سے تمہارا کیا لینا دینا ہے؟''

اس کی بہن اس کی حماقتوں پر غصے سے کھول رہی تھی۔ وہ جواباً بردباری سے مسکرائی اور آہستگی سے بولی۔

''تم نہیں سمجھو گی مائی ڈیئر سسٹر۔ یہ دل کی باتیں ہیں، یہ دل کے رشتے ہیں۔''

''اپنی انہیں جذباتی اور احمقانہ سوچوں کی وجہ سے آج اس حال میں ہو، تنہا ہو۔ کاش تمہارے پاس تھوڑی سی عقل ہوتی۔ یہ نیویارک کی جس شاندار فرم میں تمہیں خوش قسمتی سے جاب مل گئی ہے ناں، اچھے اچھے وہاں جاب پانے کے خواب دیکھتے ہیں۔ تم سب چھوڑ چھاڑ کر وہاں اس ملک میں جاؤ گی، جس سے ہمارا کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ فار گاڈ سیک ہوش کے ناخن لو۔ زندگی میں آگے کی طرف دیکھو۔ دنیا سے چلے جانے والوں کا سوگ کب تک مناتی رہو گی، ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے؟ لوگوں سے ملو جلو، باہر نکلو، کوئی کولیگ ڈنر وغیرہ پر لے جانا چاہے تو چلی جاؤ۔ تم میں کمی کس چیز کی ہے، تمہیں تو آج بھی عباد سے کہیں اچھا کوئی لڑکا مل سکتا ہے۔''

یمینہ سے الجھنے یا بحث کرنے کے بجائے اس نے فون پر خاموشی سے اس کا طویل لیکچر سن لیا تھا۔ یمینہ کی طرح سخت الفاظ اور ڈانٹ پھٹکار کرنہیں، مگر سمجھایا تو اسے ہر ایک نے تھا۔ سوائے کیتھی کے ایک واحد وہ تھی جس نے اسے پہلی بار یہ سننے پر کہ وہ پاکستان جارہی ہے، ہمیشہ کے لئے، دوسرے لوگوں کی طرح حیرت سے منہ نہیں کھولا تھا، اسے پاگل اور احمق قرار نہیں دیا تھا۔ اس کے تاثرات ایسے تھے جیسے وہ بہت پہلے سے جانتی تھی کہ آج نہیں تو کل ہنیا نے پاکستان جانے کا فیصلہ کرنا ہی تھا۔

اس کا استعفیٰ اس کے سی ای او نے قبول نہیں کیا تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ چند مہینوں بعد واپس آجائے گی اور پھر اتنی اچھی جاب چھوڑ دینے پر یقیناً پچھتائے گی بھی۔ اس کے ساتھ خصوصی سلوک کرتے وہ اسے یہ رعایت دے رہے تھے کہ چند مہینوں بعد اپنے اس ایڈونچر سے فارغ ہو کر جب وہ نیویارک واپس آئے گی تو اپنی جاب پر واپس آسکتی ہے۔

اس نے کوئی جوابی دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اس سے جو کوئی بھی یہ بات کہتا، وہ جواباً خاموشی سے مسکرا دیتی تھی۔ وہ نیویارک میں اپنی جمی جمائی ساری زندگی ختم کر کے جارہی تھی۔ اس نے اپنا سارا سامان فروخت کر دیا تھا۔ پینٹ ہاؤس سے چونکہ ماما جانی، ممی اور پاپا کی یادیں جڑی تھیں، اس لئے اسے فروخت کرنے کے بجائے کرائے پر دے دیا تھا۔

اپنے سارے معاملات، لین دین، حساب کتاب سب اس نے اس طرح نمٹائے تھے جیسے کسی جگہ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑنے اور کہیں اور آباد ہونے کا ارادہ رکھنے والے کیا کرتے ہیں۔ اپنے بھائی، بہن، دوستوں، کولیگز، عباد کے دوست، خصوصاً ڈاکٹر اینڈریو، عبداللہ اور پارک میں کھیلنے والے بچے اس نے فرداً فرداً ہر ایک کو الوداع کہہ دیا تھا۔ ہمیشہ کے لئے خدا حافظ کہہ تھا۔ وہ عباد کے والدین کے پاس پاکستان جارہی ہے، ان کی تنہائی مٹانے، ان کا درد بانٹنے، یہ جاننے کے بعد عبداللہ بولے تھے۔

''عباد نے زندگی میں اتنی نیکیاں کمائی تھیں، پھر اس کے والدین تنہا ہو بھی کیسے سکتے ہیں۔''

عباد کا جو سامان اس نے اپنے پاس روک لیا تھا، اس سب کو اپنے ساتھ پیک کر کے وہ پاکستان لے جارہی تھی۔ اپنے ماموں، ممانی کے پاس، جن سے ممی کے انتقال کے بعد سے اب پچھلے کئی سالوں سے کبھی کبھار کی فون کال یا ای میل، بس اس حد تک رابطہ تھا، اس نے انہیں اپنے پاکستان آنے کی درست وجہ سے آگاہ بھی نہ کیا تھا۔ اس نے اپنی تنہائی اور اکیلے پن کا ان سے ذکر کیا تھا، وہ ماما جانی کے بعد نیویارک میں خود کو بہت تنہا محسوس کرنے لگی ہے اور اپنا ماحول کچھ عرصہ کے لئے بدلنا چاہتی ہے۔

''عابی! میں پاکستان آرہی ہوں۔'' وہ اس آخری شب عباد کی ٹی شرٹ اور ٹراؤزر پہنے بیڈ پر سونے لیٹی ہوئی تھی۔ وہ کبھی کی بات تھی جب اسے پاکستان سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اب پاکستان اس کے لئے دنیا کے کسی بھی خطے اور کسی بھی ملک سے بڑھ کر اہم تھا۔ وہاں اس ملک کی مٹی میں اس کا عابی سو رہا تھا۔ عابی اسے وہاں بلا رہا تھا۔ وہ عابی کے مما، پاپا کے پاس جارہی تھی۔

آپ کسی سے اتنی محبت کریں کہ آپ خود، خود نہ رہیں، وہ بن جائیں۔ اسے ایسا لگتا تھا، وہ ہنیا نہیں رہی، وہ عباد بن گئی ہے۔ وہ ہنیا نہیں وہ عباد بن کر اس کے مما، پاپا کے پاس جارہی تھی۔



کیتھی اسے ائیر پورٹ چھوڑنے آئی تھی۔ اسے ائیر پورٹ پر خدا حافظ کہنے سے وحشت ہوتی تھی۔ وہ آخری بار عباد کو ائیر پورٹ پر رخصت کرنے آئی تھی، کیتھی اس کی کیفیات کو اس کے کہے بنا سمجھ رہی تھی۔ اسے پتا تھا جس ایک مقام کو وہ ٹکٹکی باندھ کر دیکھے جا رہی ہے، اس جگہ کھڑے ہو کر اس نے آخری بار عباد کو دیکھا تھا۔ رخصت ہونے کا وقت آ گیا تھا۔

''اپنا خیال رکھنا۔'' اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر کیتھی نے کہا۔

''میں واپس نہیں آؤں گی کیتھی۔ مما، پاپا مجھے ایکسپٹ (قبول) کریں یا نہیں، مگر میں اب ہمیشہ پاکستان میں رہوں گی۔ میں یہاں واپس نہیں آؤں گی۔'' جو بات اس نے کسی سے نہ کی تھی، دوست کو بتائی۔

''مجھے پتا ہے۔ تم نہ بھی بتاتیں، میں تب بھی جانتی ہوں۔'' کیتھی کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے۔

''مجھے کوئی نصیحت نہیں کرو گی۔ میں غلطی کر رہی ہوں، میں پچھتاؤں گی یا کچھ اور؟'' اس نے مسکرا کر اس سے پوچھا۔ اس کے جانے کی بات پر اب تک ایک بار بھی کیتھی نے اچھے برے کوئی بھی کمنٹس نہیں دیئے تھے۔

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں گواہ ہوں تمہاری اور عابی کی محبت کی۔ اس محبت کی سچائی اور شدتیں میں نے دیکھی ہیں اور جہاں محبت اتنی شدید اور اتنی سچی ہوتی ہے تو پھر وہاں زندگی بھر کے فیصلے بھی اسی طرح دل پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔''

کیتھی اپنے آنسوؤں کو ضبط کرتے ہوئے اس سے کہہ رہی تھی۔ وہ اسے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے آخری بار دیکھ رہی ہو۔

''ہنیا! بہت یاد آؤ گی۔'' اس نے بے اختیار اسے اپنے گلے سے لگا لیا تھا۔ وہ رو پڑی تھی۔

''کیا تم مجھ سے ملنے پاکستان نہیں آؤ گی؟'' اس کے گلے سے لگے لگے اس نے رندھے لہجے میں پوچھا۔

''کوشش کروں گی۔''

''کوشش نہیں تمہیں آنا ہو گا۔ تم اور مائیک دونوں۔'' وہ دونوں اسی طرح گلے لگی ہوئی تھیں

''ہنیا! یہ صحیح جگہ نہیں، درست موقع نہیں مگر پتا نہیں پھر کبھی موقع ملے نہ ملے۔ میں آج تک تم سے کبھی عابی کے جانے کا افسوس نہیں کر سکی ہنیا۔ میری ہمت نہیں ہوتی تھی کہ تم سے کچھ کہہ سکوں۔ میرا دل روتا ہے تمہارے اور عابی کے لئے۔ کاش میرے بس میں ہوتا، میں تمہارے لئے کہیں سے بھی اسے ڈھونڈ لاتی۔'' اور وہ ہنیا سجاد بہادری سے مسکراتی اپنی دوست کے آنسو صاف کر رہی تھی۔

☆

وہ اس کے جانے کے پورے ایک سال اور ایک مہینے بعد اس مٹی پر قدم رکھ رہی تھی، جس نے اپنے اندر اس کے عابی کو سمیٹا ہوا تھا۔ ''عابی میں مما، پاپا کے پاس آ گئی۔ وہ مجھے اپنائیں یا نہیں، میں انہیں اپنا چکی ہوں اور تم سے میرا وعدہ ہے، میں انہیں تنہا چھوڑ کر اب یہاں سے کبھی واپس نہیں جاؤں گی۔ اب میری زندگی مما، پاپا سے وابستہ ہے۔''

وہ کئی سال پہلے اپنے کزن کی شادی میں کراچی آئی تھی۔ وہ ابھی یہاں کی ہر چیز سے ناواقف تھی۔ اس نے انٹرنیٹ پر فاروق ایسوسی ایٹس

کے متعلق معلومات، ان کے انجام دیئے اور زیرِ تکمیل پروجیکٹس کی تفصیلات اور ساتھ ہی کراچی کے ماحول، رہن سہن کے طور طریقوں اور راستوں سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اپنے ماموں، ممانی جن سے اس کی پہلے کبھی بہت قربت نہ رہی تھی، انہیں اپنے آنے کا اصل مقصد اس نے نہ بتایا تھا مگر ان سے اس کی دوستی فوراً ہو گئی تھی۔ اس نے ہجرت کی تھی۔ وہ اپنا ملک اور اپنا رہن سہن چھوڑ کر ایک نئے ماحول اور نئی جگہ پر خود کو ایڈجسٹ کر لینے کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔

وہ پوری تیاری اور بھرپور اعتماد کے ساتھ عذیر فاروق کے سامنے جانا چاہتی تھی۔ وہ صرف اپنی کامیابی کے متعلق سوچ رہی تھی۔ وہ ہارنے نہیں جیتنے آئی ہے، وہ عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر کے دلوں کو جیتنے آئی ہے۔ وہ ہارے گی نہیں۔ وہ ہار گئی تو عباد ہار جائے گا اور وہ عباد کو ہارنے نہیں دے گی۔

اپنی کراچی آمد کے بیس روز بعد وہ فاروق ایسوسی ایٹس جا رہی تھی۔ پچھلی پوری رات اس نے سوتے جاگتے عباد کے تصور سے باتیں کرتے گزاری تھی۔ تصور میں آتے عباد کی یقین بھری مسکراہٹ اسے اعتماد دلا رہی تھی کہ وہ ہارے گی نہیں، وہ جیت کر واپس آئے گی۔

اس نے عباد کا بوسٹن سے لایا گفٹ میں دیا گرین سوٹ اپنے پہننے کے لئے منتخب کیا تھا۔ ایمبر ائیڈری ہوا لائٹ گرین شرٹ دوپٹہ اور ڈارک گرین ٹراوزر۔ ان کپڑوں کو پہننے سے اسے ایسا لگا تھا جیسے عابی اس کے ساتھ ہی ہے۔ وہ ان کے سامنے پہنچی تو اس کا دل چاہا وہ دوڑ کر جا کر ان کے گلے سے لگ جائے۔ وہ عابی کے پاپا تھے، اس کے عابی کے۔ وہ جن سے عابی اپنی جان سے بڑھ کر پیار کرتا تھا، وہ جن کی ناراضی دور کرنے وہ ان کے پاس آ رہا تھا کہ فرشتہ اجل نے اس سے ایسا کرنے کی مہلت چھین لی۔

انہیں دیکھ کر اسے یوں لگا وہ عابی کو دیکھ رہی ہے۔ اگر وہ زندہ رہتا تو آج سے پچیس تیس سال بعد عابی ایسا ہی لگتا۔ عابی ان کا عکس تھا۔ ہو بہو ان ہی جیسا۔ اتنی زیادہ مشابہت۔ عذیر فاروق کے بعد وہ ہاجرہ عذیر سے ملی۔ عابی کی مما، عابی ظاہر میں اگر اپنے پاپا جیسا تھا تو باطن میں مما جیسا۔ ماسوائے اس ایک ڈمپل کے اس کی اپنی مما سے کوئی ظاہری مشابہت نہ تھی۔ مگر ہاجرہ عذیر سے مل کر اس کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ عابی نے اتنی نرم خوئی، محبت، مروت اور خلوص کہاں سے لیا تھا۔

وہ اتنی کم عمری میں اتنا حساس، دوسروں کی اتنی پروا کرنے والا تھا تو یہ عادتیں اس میں کس کی آ گئی تھیں۔ وہ ان دونوں سے مل چکی تھی اور ان دونوں سے پہلی بار مل کر ہی اسے پتا چل گیا تھا کہ وہ دونوں سانس لیتے تھے، زندہ انسانوں جیسے تمام کام کرتے تھے مگر وہ دونوں مر چکے تھے۔ جب والدین اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی اولاد کو قبر میں اترتا دیکھتے ہیں تو اس قبر میں صرف ان کے جگر گوشتے ہی نہیں بلکہ ان کے دل اور ان کی روح بھی ان کے ساتھ اس قبر میں اتر جاتی ہے۔

وہ اپنی آنکھوں کے سامنے ان دونوں کو ہر لمحہ کمزور سے کمزور تر ہوتا دیکھ رہی تھی۔ وہ جلد از جلد ان دونوں کے بالکل نزدیک ہو جانا چاہتی تھی، اس کی منزل یہ آفس نہیں وہ گھر تھا، جہاں آج وہ بوڑھے ماں، باپ تنہا زندگی گزار رہے تھے۔

وہ دیکھتی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی خاطر زندہ تھے۔ عذیر فاروق، ہاجرہ کے لئے اور ہاجرہ ان کے لئے۔ اگر تنہا ہوتے تو شاید کب کے ہمت ہار چکے ہوتے، دنیا سے ناطہ توڑ چکے ہوتے۔ وہ ان کے گھر آئی تو ان کے گھر میں موت کا سناٹا تھا۔ ان کی زندگیوں سے ہر آس، ہر امید، ہر

خواہش ختم ہو چکی تھی۔اسے پتا تھا کہ اگر آج ہاجرہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے رو پڑتی ہیں اور پھر روتی ہی رہتی ہیں تو کیوں؟ وہ اب کس کے لئے دعا کریں؟ وہ اب کس کی لمبی عمر، صحت، تندرستی، کامیابی اور خوشیوں کے لئے اللہ سے دعا کریں۔دعاؤں کا محور، دعاؤں کا مرکز ختم ہو گیا۔زندگی کا محور، زندگی کا مقصد ختم ہو گیا۔ان کی حالت دیکھ کر اس کا دل کٹتا تھا، روتا تھا۔

کتنی بڑی آزمائش تھی یہ ان والدین کی۔ان دونوں سے ملنے سے پہلے تک اپنا غم بہت بڑا لگا کرتا تھا، اس دکھی ماں اور کمزور باپ کی حالت دیکھ کر اپنا غم بھولنے لگا تھا۔بہت چھوٹا لگنے لگا تھا، اس کا غم تو ان کے غم کے آگے کچھ بھی نہیں۔وہ ان کا غم دور نہیں کر سکتی، وہ عابی کو واپس ان کے پاس نہیں لا سکتی۔یہ اس کے بس میں نہیں۔مگر اتنا تو اس کے بس میں ہے کہ اب خود ہمیشہ ان کے پاس رہے۔

وہ عابی کو یاد کر کے روئیں تو کم از کم ان کے آنسو پونچھنے کے لئے اس کے ہاتھ ان کے قریب ہوں، اس کے شانے حاضر ہوں کہ وہ اس پر سر رکھ کر رو لیں۔وہ ان کا سہارا بنے گی، انہیں سنبھالے گی۔انہیں ٹوٹنے نہیں دے گی۔

اسے پاکستان آئے ساڑھے گیارہ ماہ ہو رہے تھے اور گیارہ ماہ بعد آج وہ اس مقام تک تو پہنچ گئی تھی کہ عذیر فاروق کے گھر موجود تھی۔اس کا پہلا قدم ان کا آفس تھا مگر اس کی منزل تو عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر کا دل تھا اُن کا گھر تھا۔امریکہ سے اس کا واحد رابطہ کیتھی تھی جس سے اس کی دن میں کئی کئی بار بات ہوتی تھی۔وہ اپنے مقصد میں کہاں تک پہنچی کیتھی اسے ہر روز ساری تفصیل پوچھتی۔وہ ہاجرہ کے سامنے جس کال کے آنے سے پریشان ہو گئی تھی۔وہ کیتھی کی کال تھی۔دل میں چونکہ اپنی سچائی چھپائے رکھنے کا خوف تھا، اس لئے وہ کیتھی سے بوکھلاہٹ میں، بات کر ہی نہیں پائی تھی۔عابی کے گھر میں داخل ہوتے اپنی اس کامیابی کا میسج بھی اس نے کیتھی ہی کو کیا تھا۔آج وہ فخر سے کیتھی سے کہتی کہ وہ عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر کے دل اور ان کے گھر میں رہتی ہے۔وہ دونوں اسے اپنی بیٹی کہتے ہیں، دل سے بیٹی مانتے ہیں۔

وہ ان دونوں کی محبتیں اور چاہتیں پانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔وہ محبت کو محبت سے جیتنے میں کامیاب ہو گئی تھی مگر سوال یہ تھا کہ جس روز وہ دونوں اس کی اصلیت جانیں گے، کیا اس روز کے بعد اس سے ایسی ہی محبت کریں گے؟

کیا وہ ہنیا عباد سے بھی ویسی ہی محبت کریں گے جیسی ہنیا سجاد سے کرتے ہیں؟ یہ سوچ اس کے دل کو سہا دیتی۔ان دونوں کی محبت تو اب اس کی زندگی کا کل سرمایہ تھی، اگر اس کی سچائی جان کر انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا پھر وہ کیا کرے گی۔وہ ان دو لوگوں کی نفرت سہہ نہیں پائے گی۔شمسہ اور فیاض کی کینیڈا سے واپسی میں بیس بائیس روز رہ گئے تھے۔شمسہ اور فیاض کی واپسی سے قبل وہ ہر حالت میں اپنی سچائی عذیر فاروق اور ہاجرہ کو بتا دینا چاہتی تھی۔وہ ہر روز ہمت کر رہی تھی، ہر روز ڈر اور خوف کے زیر اثر اس کی ہمت ٹوٹ رہی تھی۔

☆

عدیل کو اچانک اپنے سامنے پانے اور اسی لمحہ عذیر فاروق کے وہاں آ جانے سے وہ بہت بری طرح گھبرا گئی تھی۔عدیل اس سے پہلے خود کو شاک سے باہر نکال چکا تھا۔اس نے صورتحال کو فوراً سنبھال بھی لیا تھا۔اس نے عذیر فاروق کو بھرپور اعتماد سے یہ تاثر دیا تھا جیسے وہ اپنے سامنے آنے والی ایک خاتون کے احترام میں کرسی سے کھڑا ہوا تھا۔

''میں عدیل سفیان ہوں۔ اور آپ......'' اس کی طرف خوش اخلاقی سے مسکرا کر دیکھتے اس نے عذیر فاروق کی طرف دیکھا۔

''انکل! ان ہی سے آپ مجھے ملوانا چاہ رہے تھے ناں؟''

''ہاں۔ یہ ہنیا ہے۔ ویسے تو یہ یہاں اسٹرکچرل انجینئر ہے۔ مگر اس کا اصل تعارف یہ ہے کہ یہ میری بیٹی ہے۔'' اس نے عذیر فاروق کے مسکراتے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ اسے محبت بھری نگاہوں سے مسکرا کر دیکھ رہے تھے۔ اس کی کب سے اٹکی سانس بحال ہوئی اس نے ایک گہری طمانیت بھری سانس لی۔ ان کا انداز دیکھ کر ہی اسے پتہ چل گیا تھا کہ انہوں نے اس کی کوئی بات نہیں سنی۔ اگر سن لی ہوتی تو ان کے تاثرات ایسے نارمل نہیں ہو سکتے تھے۔ عدیل بہت کچھ سمجھا نہیں تھا، وہ ہنیا کو یہاں دیکھ کر حیران تھا مگر کچھ نہ سمجھنے کے باوجود وہ اس پوری ملاقات کے دوران یہی تاثر دیتا رہا کہ وہ آج ہنیا سجاد سے زندگی میں پہلی بار ملا ہے۔ وہ اب امریکہ میں نہیں تھا۔ وہ تعلیم مکمل کرنے کے کچھ ہی دنوں بعد پاکستان آ گیا تھا۔ آج کل وہ دوہا میں ہوتا تھا۔ اسے وہاں کافی اچھی جاب مل گئی تھی۔

وہ کراچی اپنے گھر والوں سے چاہے ایک یا دو دن کے لئے بھی ملنے آتا عذیر فاروق اور ہاجرہ سے ضرور ملا کرتا تھا۔ عدیل نے سچوایشن سنبھالی تو اس نے شکر کا سانس لیا۔

عذیر فاروق کے سامنے ہی دوران گفتگو بظاہر خوش اخلاقی اور گرم جوشی کا تاثر دیتے عدیل نے اسے اپنا وزیٹنگ کارڈ دیا تھا۔ وہ جانتی تھی، وہ اسے اپنا کارڈ اس لئے دے رہا تھا کیونکہ وہ ہنیا سے ساری بات جاننا چاہتا تھا۔ عذیر فاروق کے سامنے وہ ملاقات اختتام پذیر ہوئی اور اسے دفتری اوقات کے دوران ہی کچھ موقع ملا تو اس نے عدیل کے دیئے کارڈ میں سے اس کا فون نمبر ملایا۔

عدیل اسے یہاں دیکھ کر حیران تھا اور یہ جاننے کے بعد کہ وہ اب زندگی بھر یہیں رہنے کے لئے آ گئی ہے، وہ اپنا ملک عابی کے لئے چھوڑ آئی ہے، وہ کئی منٹ بالکل خاموش رہا۔ پھر جب بولا تو آہستگی سے فقط اتنا۔

''مجھے آج عابی کی پسند پر جتنا فخر ہو رہا ہے، اب سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ سچ کہتا ہوں ہنیا! عابی خوش قسمت تھا، اللہ نے اسے دنیا کی سب سے پیاری لڑکی کی محبت عطا کی تھی۔''

آج عدیل ملا ہے، کل اس کا اور عباد کا کوئی اور مشترکہ جاننے والا اچانک مل سکتا ہے اس سے پہلے اسے خود عذیر فاروق اور ہاجرہ کو اپنی سچائی بتا دینا چاہئے۔ گھر واپس آنے کے بعد بھی وہ یہی سوچ رہی تھی۔ مگر آج اس کی ہمت اتنی ٹوٹی ہوئی تھی کہ کم از کم آج وہ انہیں سب کچھ سچ بتانے کی ہمت اپنے اندر نہیں پا رہی تھی۔

پچھلے چند دنوں سے ایک پژمردگی اور اداسی نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ سال کے یہ دن اور یہ تاریخیں جب لوٹ کر آنے لگتیں۔ اس کے دل کی عجیب سی حالت ہو جاتی پھر جدائی کا یہ عرصہ جس کی مدت نامعلوم تھی۔ ناقابل برداشت اور بہت تکلف دہ لگنے لگتا تھا۔ کل وہ دن وہ تاریخ تھی دو سال پہلے جس روز عباد کے ساتھ شادی کے بدھن میں بندھی تھی۔ نو دن بعد اس کی برسی تھی۔ دنوں کی یہ ترتیب تو دل پر لکھی گئی تھی۔

ہفتہ کے روز ان کا نکاح ہوا تھا۔ اتوار کے روز ماما جانی رخصت ہوئی تھیں۔ پیر کی رات ان کی شب عروسی تھی۔ منگل کی صبح وہ Carmel گئے

تھے۔اتوار کی شام وہ نیو یارک واپس آئے تھے۔اتوار کی رات عابی دبئی جانے کے لئے اس سے رخصت ہوا تھا۔پیر کے روز سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔

وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں جا کر بند نہیں ہو سکتی تھی۔وہ جبراً مسکرا رہی تھی۔

ہاجرہ اس کے لئے کچن میں کچھ بنانے گئی تھیں۔وہ لاؤنج میں بیٹھی بے مقصد اور مکمل بے توجہی کے ساتھ ریموٹ سے ٹی وی کے چینلز تبدیل کئے جا رہی تھی۔فون کی بیل بجی تھی۔اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھایا۔وہ تقریباً ڈیڑھ مہینے سے اس گھر کے فرد کی طرح ہی یہاں قیام پذیر تھی۔اب تو ہاجرہ اور عذیر فاروق کے تقریباً تمام ملنے والے، دوست احباب، رشتے دار اس سے واقف تھے۔

''ہیلو......'' دوسری جانب سے آنے والی خوبصورت، زنانہ آواز اس کے لئے بالکل انجانی تھی۔

''میں انوشہ بات کر رہی ہوں۔آپ......؟'' انوشہ......انوشہ طارق نہیں بلکہ انوشہ ذیشان۔سوا سال ہوا انوشہ کی شادی ہو چکی تھی، اس کا دو، تین ماہ ایک بیٹا بھی تھا، اتنا ہاجرہ کے توسط سے اس کے علم میں تھا۔انہوں نے اپنے اور عذیر فاروق کے بھائی بہنوں کے متعلق ایک بار اسے تفصیل سے بتایا تو اس نے طارق فاروق اور ان کی فیملی کا ذکر خصوصی دلچسپی اور توجہ سے سنا تھا۔

اپنے والد کے ایک دوست کے بیٹے سے انوشہ کی شادی ہوئی تھی اور وہ شادی کے بعد دبئی ہی میں مقیم تھی۔یہاں چونکہ اس کی سسرال تھی، اس لئے کراچی آنا جانا اس کا لگا رہتا تھا۔

''میں ہنیا ہوں۔''

''ہنیا۔آپ کا ذکر سنا ہے میں نے چچی سے۔کیسی ہیں آپ؟'' اسے یقیناً اپنے چچا یا چچی سے بات کرنی تھی۔مگر اخلاقاً اس نے اس سے رسمی گفتگو شروع کی۔

''ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟''

''مزے میں ہوں۔کراچی آئی ہوں، میں نے سوچا، ملنے تو شاید کل یا پرسوں آؤں۔آج فون پر ہی ہائے ہیلو کر لوں چچا جان اور چچی سے۔چچی ہیں؟''

''آ......ہولڈ کریں، میں بلاتی ہوں۔'' وہ اس سے کہنا چاہتی تھی کہ ''انوشہ! اگر اب بھی اس بات کو دل سے لگائے بیٹھی ہو تو پلیز اب میرے عابی کو معاف کر دو۔وہ تم سب کو منانے، تم سب سے معافی مانگنے تمہارے پاس آ رہا تھا، جیسا اسے سمجھا گیا، وہ ویسا ہرگز نہیں تھا۔مگر کیسی بدنصیبی ہے یہ جن لوگوں کو وہ اپنی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت دیتا تھا، وہ انہیں یہ بتانے کے لئے زندہ نہ رہ سکا کہ انہیں بہت پیار کرتا ہے۔'' دل گرفتی اور اداسی سے ریسیور رکھتے وہ ہاجرہ کو بلانے کچن کی طرف آ گئی تھی۔

عذیر فاروق نے رات کے کھانے کے لئے منع کر دیا تھا۔وہ آفس سے آ کر کچھ دیر ان دونوں کے ساتھ بیٹھنے کے بعد اسٹڈی میں چلے گئے تھے۔وہ پہلے بھی خود کو رات گئے تک دفتری کاموں میں مصروف رکھتے تھے مگر وہ دیکھ رہی تھی کہ دنوں کی یہ ترتیب جب سے لوٹنے لگی تھی، وہ تقریباً ساری ساری رات اسٹڈی میں گزار رہے تھے۔

کھانے کی میز پر صرف وہ اور ہاجرہ تھیں۔ہاجرہ اس کی خاطر میز پر بیٹھی تھیں اور وہ عبادہ والی کرسی پر بیٹھی زبردستی انہیں کھانا کھلوا رہی تھی۔

''بس بیٹا! اور خواہش نہیں۔'' اس کے بضد ہونے پر آدھی روٹی کھا کر انہوں نے مزید کھانے سے انکار کر دیا تھا، اس کے کہنے سے وہ اتنا کھا لیتی تھیں ورنہ عذیر فاروق تو نجانے کیا کیا جتن کرتے تب وہ چند لقمے لیتی تھیں۔

''پاپا نے کھانا نہیں کھایا، ان کے لئے دودھ لے جاؤں؟'' اس نے ہاجرہ سے پوچھا۔ پہلے وہ منع کرنے کے لئے لب کھولنے لگیں۔ ان دنوں وہ کن کیفیات کا شکار تھے وہ جانتی تھیں۔ مگر کیا پتا وہ ہنیا کے کہنے پر دودھ لے ہی لیں۔ انہوں نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ ایک کپ میں گرم دودھ میں ہارلیکس ملا کر ان کے لئے فوراً لے آئی۔ وہ اپنے گرد میز پر بہت ساری ڈرائنگز بکھرائے بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ میں پوائنٹر تھا۔ اسے دیکھ کر انہوں نے گلاسز اتارے۔

''میں آپ کے لئے دودھ لے کر آئی ہوں پاپا، منع مت کیجئے گا۔ یہ بھی مت کہئے گا کہ میرا موڈ نہیں۔ اگر آپ نے یہ دودھ نہیں پیا تو مجھے بہت دکھ ہوگا۔''

''اتنی لمبی اور جذباتی تقریر؟ جبکہ ابھی میں نے ہاں یا نہ کہی بھی نہیں ہے؟'' وہ متبسم لہجے میں بولے۔

''اس لئے کہ مجھے ایسا لگا تھا آپ منع کر دیں گے۔''

''اور میں منع کروں گا تو آپ کو دکھ ہوگا؟''

اس نے سر اقرار میں ہلایا۔

''اتنی معمولی معمولی باتوں پر دکھی مت ہوا کرو پیاری لڑکی۔'' انہوں نے اس کی طرف بغور دیکھا۔

''آپ اسے پی لیں گے تو میں بالکل بھی دکھی نہیں رہوں گی۔'' وہ جواباً مسکرائے۔

''رکھ دو بیٹا۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں پی لوں گا۔'' وہ انکار کر کے اس کا دل نہیں توڑنا چاہ رہے تھے۔

''جی نہیں۔ آپ اسے میرے سامنے پئیں گے، ابھی اور اسی وقت۔'' وہ کپ ہاتھ میں لئے ان کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ گئی۔

اس کے ضدی انداز پر وہ بے ساختہ کھل کر ہنسے۔ ''کبھی اتنی سنجیدہ اور سوبر لگتی ہو اور کبھی بالکل چھوٹی سی بچی۔''

''آپ کو کیسی اچھی لگتی ہوں۔''

''ہر طرح۔'' انہوں نے سنجیدگی سے جواب دیا، قطعیت بھرے لہجے میں۔ ''ہنیا سجاد آپ مجھے ہر طرح اچھی لگتی ہیں اور یہ آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میری اگر کوئی بیٹی ہوتی تو آپ کے جیسی ہی ہوتی۔''

اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے انہوں نے دودھ کا کپ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔ وہ دودھ پینے لگے تھے، رغبت سے پی رہے تھے یا بے رغبتی سے مگر انہوں نے اس کا مان رکھ لیا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے انہیں دیکھ رہی تھی۔

آج عدیل سے ہوئی ملاقات کا انہوں نے اس سے کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔ یہ تک نہیں کہا تھا کہ آج جسے اپنا بیٹا کہہ کر انہوں نے اسے متعارف کروایا تھا، وہ ان کے بیٹے کا سب سے جگری اور سب سے عزیز دوست تھا۔



رات گہری تھی۔ بہت سناٹا، بہت خاموشی تھی، آج کیا تاریخ تھی۔ اس نے بے چینی سے بستر پر پھر کروٹ بدلی تھی۔ یہ ان کی شادی کے بعد کی وہ پہلی رات تھی، وہ پہلی رات جب وہ ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔

دو سال پہلے کی اس رات کو دُہراتی، یاد کرتی وہ اس کے کمرے میں جانا چاہتی تھی۔ دو سال پہلے آج کی رات ڈر رہی تھی اور وہ اس کا ڈر دور کرنے کے لئے پوری رات اس کی خاطر جاگا تھا۔ ''میں کہیں نہیں جا رہا، میں یہیں ہوں، تمہارے بالکل پاس۔''

''ہنی!'' اس کے کانوں میں ایک پیار بھری آواز گونجی۔ وہ یکدم ہی بیڈ پر سے اٹھی تھی۔ وہ عباد کے کمرے میں جا رہی تھی۔



وہ اسٹڈی سے نکل آئے تھے۔ کوئی انہیں ''پاپا'' کہہ کر صدائیں دے رہا تھا۔ وہ اپنے اندھیرے میں ڈوبے گھر میں اس صدائیں دینے والے کو ڈھونڈ رہے تھے۔ اسی گھپ اندھیرے میں انہوں نے ایک سایہ دیکھا۔ وہ ہنیا تھی۔ وہ ننگے پاؤں تھی، اس نے دوپٹہ شال، چادر کچھ بھی نہیں لیا ہوا تھا۔ اس نے اپنے ناپ سے بھی کافی بڑا، بہت ڈھیلا ڈھالا اور لمبائی شرٹ اور ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ اس کے بال اس طرح بکھرے ہوئے تھے جیسے وہ سوتے سوتے اٹھی ہے۔ وہ ادھر اُدھر کسی بھی سمت دیکھے بغیر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ رہی تھی۔ وہ اس سے پوچھنا چاہتے تھے کہ کیا ہوا؟ وہ اسے آواز دینا چاہتے تھے، مگر کچھ سوچ کر وہ اسے آواز دیتے دیتے رک گئے۔ وہ چند قدم آگے بڑھے۔ وہ عباد کے کمرے کے سامنے رکی تھی۔

اس نے دروازہ آہستگی سے کھولا تھا اور کمرے کے اندر چلی گئی تھی۔



وہ اس کمرے کی ہر چیز کو بے خودی و دیوانگی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ دیوار پر لگی عباد کی تصویروں کو تک رہی تھی۔ اس نے بے خودی کے عالم میں اس کی دیوار پر لگی ایک تصویر پر اپنا سر لکا دیا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز اپنی بے خودی میں وہ سن نہ سکی تھی، مگر دروازہ بند ہونے اور کسی کے اندر آنے کی آواز اس نے سن لی تھی۔ اس نے فوراً سر اوپر اٹھایا۔ اور خوف کے مارے سن سی رہ گئی۔

عذیر فاروق اس کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ اس گہری رات میں، اتنی رات گئے اپنی اس کمرے میں موجودگی کا انہیں کیا جواز دے گی۔ اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگنے لگیں، وہ سنجیدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اب صرف سچ بولا جا سکتا تھا۔ صرف اور صرف سچ۔

رات کے تین بجے ایک لڑکی ان کے بیٹے کے کمرے میں اس کی تصویر پر سر لکا کر کھڑی ہے؟ کیوں؟ جس لمحے کے آنے سے وہ بہت ڈرتی تھی وہ آ چکا تھا۔

''پاپا! میں نے آپ سے اپنے بارے میں جھوٹ بولا تھا۔ پلیز پاپا! مجھ سے ناراض مت ہوئیے گا...... پاپا! میں۔'' اس نے ان کے ہاتھ کے اوپر نرمی سے اپنا ہاتھ رکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

''پاپا! میں عباد پاپا! میں...... پاپا! میں ہی وہ لڑکی ہوں جس سے عباد نے شادی کی تھی۔'' اٹک اٹک کر بات شروع کرتے اس نے آنکھیں بند کر کے ایک دم ہی اپنا جملہ پورا کر دیا۔ اس نے اپنی آنکھیں خوف کے مارے ابھی تک بند کر رکھی تھیں، سر جھکا رکھا تھا۔ وہ ان کی طرف

دیکھنے کی جرأت پیدا نہیں کر پا رہی تھی۔ ان کی نظروں کی محبت کو نفرت میں بدلتا وہ کس طرح دیکھ پائے گی، وہ اس کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھوں کو چھڑائیں گے، اسے جھٹک کر نفرت سے خود سے دور ہٹائیں گے، وہ ان کی یہ نفرت کیسے دیکھ پائے گی، کیسے سہہ پائے گی۔ مگر نہ انہوں نے اس کے ہاتھ جھٹکے تھے نہ اسے نفرت سے خود سے دور ہٹایا تھا، اس نے ڈرتے ڈرتے سر اوپر اٹھایا، ان کی طرف دیکھا۔ اسے ان کی آنکھوں میں نمی نظر آئی، ان کی آنکھوں میں درد تھا، غم تھا، آنسو تھے مگر نہ نفرت تھی نہ حیرانی۔ وہ اتنی بڑی بات سن کر، اتنا بڑا انکشاف سن کر ذرا بھی حیران نہیں ہوئے تھے۔ ''پاپا؟'' اس نے کانپتی آواز میں سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''پاپا پہ اعتبار کرنے میں اتنی دیر؟ کیا لگتا تھا پاپا اتنے ظالم ہیں جیسے عابی سے رشتہ توڑنے کی بات کی تھی، تم سے بھی سب ناطے توڑ لیں گے؟'' ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ ''میں جانتا ہوں، مجھے پتا ہے تم ہنیا عباد ہو۔ میرے عابی کی ہنی ہو۔ میری بہو ہو۔''

انہوں نے بے اختیار آگے بڑھ کر اس کی پیشانی چومی۔ وہ ان پر ایک بہت بڑا انکشاف کرنے کھڑی ہوئی تھی مگر اب خود ایک اس سے بھی بڑے انکشاف کی زد میں تھی۔

''پاپا کو کیا بہت بے وقوف سمجھ رکھا ہے ہنیا عباد؟'' وہ آنکھوں میں نمی لیے مبہم سا مسکرائے۔ کیا لگتا تھا، پاپا کو کچھ پتہ نہیں چلے گا؟''

''پاپا! آپ کو کیسے...... کیا عدیل نے آپ کو''

''اونہوں۔'' انہوں نے اس کے ادھورے سوال کا نفی میں سر ہلا کر جواب دیا۔

''آپ جانتے تھے پاپا! پھر آپ نے یہ بات کبھی......'' وہ اٹک کر اپنا جملہ مکمل نہ کر پائی۔

''کبھی ظاہر کیوں نہیں کی، آپ کو بتایا کیوں نہیں، یہی پوچھنا چاہتی ہیں ناں آپ اسمارٹ گرل؟'' ان کی آنکھوں میں نمی اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

''میں اس دن کا انتظار کر رہا تھا بیٹا! جب پاپا کی محبت پر اتنا بھروسہ تو کرنے لگو گی کہ بغیر کسی ڈر اور خوف کے آ کر انہیں ان کے ساتھ اپنا حقیقی رشتہ بتا سکو۔'' انہوں نے اس کے چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''پاپا کو یہ بات بتانے میں اتنی دیر کیوں لگائی ہنی؟ کیا واقعی میں بہت ظالم اور سنگ دل انسان لگتا ہوں؟''

''پاپا!'' بے اختیار اس نے ان کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام لیے تھے۔ ان کے لبوں سے ہنی نام سنتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔

''آپ بہت اچھے ہیں پاپا! میں ڈرتی تھی، پتا نہیں کیوں۔ مگر آپ کو کسی بھی طرح برا میں نے کبھی نہیں سمجھا۔'' وہ ان کے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو رہی تھی، اسے یہ نہیں پتا تھا کہ وہ بھی رو رہے ہیں۔

''اس کمرے کو باہر سے کھڑے ہو کر دیکھتی تھیں، کبھی کہا کیوں نہیں کہ میں یہاں گیسٹ نہیں، آپ لوگ مجھے گیسٹ روم میں نہ ٹھہرائیں، یہ میرا گھر ہے۔ میں اس گھر کی بہو ہوں، بیٹی ہوں اور یہ میرا کمرہ ہے۔ میں یہاں اس کمرے میں ٹھہروں گی؟''

''آپ کو کیسے پتہ چلا تھا پاپا؟ اور کب سے؟'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے صوفے کی طرف لے آئے۔ اسے وہاں بٹھایا اور خود بھی اس کے برابر میں بیٹھ گئے۔

''میں تمہیں بالکل بھی نہیں جانتا تھا ہنی۔ عابی نے جس لڑکی سے شادی کی، وہ کون ہے، اس کا کیا نام ہے، میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ میں نے اسے تمہارے بارے میں کچھ بتانے کا کبھی موقع ہی نہیں دیا تھا۔'' وہ دل گرفتی سے بول رہے تھے۔ بہت اداس، بہت نڈھال اور خود اپنے آپ سے بہت ناراض۔

''تمہارے بارے میں کچھ بھی میرے علم میں نہ تھا مگر اس روز جب تم نے پہلی بار میرے آفس میں قدم رکھا۔ تم نے سلام ایک سیکنڈ بعد کیا تھا، پہلے بغور مجھے دیکھا تھا۔ ایسے جیسے مجھے پہلے سے جانتی ہو، جیسے پہلے مجھ سے مل چکی ہو، لمحہ بھر کے لئے بھی تمہاری وہ کیفیت، وہ نگاہیں مگر تمہاری وہ نگاہیں مجھ سے چھپی نہ رہ سکی تھیں۔ ویسے مجھے اپنی تعریفیں کرنا پسند نہیں مگر جو لڑکی مجھ سے پہلی ہی ملاقات میں خود کو بہت ٹیلنٹڈ اور ذہین کہہ سکتی ہے، اس کے سامنے اتنا تو میں بھی کہہ سکتا ہوں، کسرنفی کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہ میں بھی خاصا ذہین آدمی ہوں۔ اور وہ انٹرویو جس کے دوران بظاہر بڑی معمول کی اور عام سی باتیں ہوئی تھیں مجھے میری حسیات نے یہ بتا دیا تھا کہ جو یہ لڑکی کہہ رہی ہے، وہ سوچ ہرگز نہیں رہی۔ اس کے دل میں کچھ اور ہے اور لبوں پر کچھ اور۔'' وہ اسے اس کے انٹرویو کے دن کی بات یاد دلاتے شرارتی انداز میں مسکرائے۔

''تمہارے انداز میں Determination تھی، ایک فیصلہ کن سی کیفیت کہ آج یہاں سے جاب حاصل کر کے ہی اٹھوں گی۔ مجھے کسی نئے انجینئر کی کوئی ضرورت نہ تھی مگر اس سچائی کو جاننے کے لئے، جو تمہارے جاب کے حصول کا اصل مقصد تھی، میں نے تمہیں جاب آفر کر دی۔ تم جو بھی تھیں اور جو کچھ بھی چاہتی تھیں۔ کم از کم فاروق ایسوسی ایٹس میں جاب کا حصول تمہارا مقصد ہرگز نہیں تھا۔ تم نے اپنی سی وی میں اپنی نیویارک کی فرم کے متعلق تفصیلات دی تھیں، میں نے تمہارے جانے کے بعد وہاں سے پتہ کروایا تھا۔ جو لڑکی نیویارک میں اتنی شاندار فرم میں اتنی اچھی پوسٹ پر جاب کر رہی ہو، ایک عالیشان پینٹ ہاؤس میں رہتی ہو، اس کے لئے نیویارک چھوڑ کر کراچی آنے میں کیا کشش تھی۔ میں نے اس پہلی ملاقات ہی میں تمہارے ''میں نیویارک میں تنہا تھی، اکیلے پن سے گھبرا گئی تھی، وہاں کی مشینی زندگی سے اکتا کر یہاں ماموں ممانی کے پاس آ گئی تھی۔'' والے جھوٹ کا بالکل بھی یقین نہیں کیا تھا۔ جو نیویارک جیسی جگہ پر اتنی شاندار زندگی جی رہی ہو، تنہائی ایسی کامیاب اور خوبصورت لڑکی کا مسئلہ نہیں ہو سکتی، اس کی تنہائی دور کرنے کو تو ایک سے ایک اچھا شخص اسے مل سکتا ہے، اس کے پاس دوستوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہونی چاہئے۔ بات یقیناً کچھ اور تھی، مجھے لگا تھا، ہنیا سجاد میرے پاس، میری فرم میں کسی خاص مقصد، کسی خاص ارادے سے آئی ہے۔ تم نے بڑے جوش اور عزم کے ساتھ جاب جوائن کر لی تھی۔ تمہارا انداز مجھے بتاتا تھا کہ تم مجھے اپنی کارکردگی سے متاثر کرنا چاہتی ہو۔ تم آگے بڑھ کر ہر مشکل سے مشکل پروجیکٹ میں شامل ہونا چاہتی تھیں، تم اپنے کام، اپنی کارکردگی کے ذریعے میری نگاہوں میں اہمیت اختیار کرنا چاہتی تھیں۔ میں سوچتا تھا، یہ لڑکی درحقیقت چاہتی کیا ہے، اس کا مقصد، اس کا مشن کیا ہے، یہ مجھ سے کیا چاہتی ہے۔ تم میرے قریب ہونا چاہتی تھیں، میرے قریب رہنا چاہتی تھیں اور میں نے تمہیں اپنے ساتھ مختلف پروجیکٹس میں شامل ہونے کا موقع دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سچائی جو بھی تھی، زیادہ دیر تک مجھ سے چھپی تو نہیں رہ سکتی تھی۔ تب تک تمہارے لئے

میرے دل میں کچھ خاص فیلنگز پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ میں تمہیں شکوک وشبہات والی نگاہوں سے دیکھتا تھا۔ مگر اس روز جب تم پہلی بار میرے ساتھ سائٹ پر گئیں اور وہاں سے واپس آکر شام میں میرے آفس آئیں "میں نے ابھی تک لنچ کیوں نہیں کیا؟" یہ پوچھنے کے لئے، تب میں نے تمہیں شک اور شبہ سے آگے بڑھ کر دیکھا۔ یہ لڑکی کون تھی جو اتنی تشویش اور فکر ظاہر کر رہی تھی، میرے کھانے پینے کے متعلق۔

"سر! آپ کو اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہئے جبکہ آپ ہارٹ پیشنٹ بھی ہیں۔" بہت عمر گزاری ہے میں نے، اب اس عمر میں آکر میں سچ اور جھوٹ، محبت اور بناوٹ میں فرق کر سکتا ہوں۔ اور اس لمحہ میں نے جانا تھا کہ یہ لڑکی بناوٹ نہیں محبت کر رہی ہے۔ مجھ سے۔ مگر کیوں؟ کون ہے یہ میری؟ کیا رشتہ ہے اس کا میرے ساتھ؟ مجھے بغیر گلاسز لگائے پڑھنے میں دقت ہو رہی ہے، تو مجھ سے پہلے اٹھ کر وہ میرے گلاسز لا رہی ہے، بڑے احترام سے وہ مجھے دے رہی ہے۔ مجھے کھانے میں سلاد بہت پسند ہے، اسے پتا ہے، جبکہ ابھی وہ مہینہ بھر پہلے مجھ سے ملی ہے آج زندگی میں پہلی بار میرے ساتھ کھانا کھا رہی ہے، بے ساختگی میں یہ بات اس کے منہ سے نکلی ہے اور وہ ایک لمحہ کے لئے منہ سے نکلی اس بات پر گھبرا بھی گئی ہے۔

"کیا یہ لڑکی "وہ" ہے؟"

اس روز پہلی بار میں نے یہ بات سوچی تھی۔ نہیں یہ "وہ" کیسے ہو سکتی ہے۔ اس لڑکی کا اب یہاں کیا کام۔ وہ تو کب کا عابی کو بھول بھال کر اپنی دنیا میں مگن ہو بھی گئی۔ اور "اس" لڑکی اور اس لڑکی میں تو بے انتہا فرق ہے۔ وہ تو بہت کم عمر لڑکی تھی، سجنے سنورنے کی بہت شوقین جبکہ یہ تو بہت سنجیدہ اور بہت میچور ہے۔ بے انتہا سادہ رہتی ہے۔ اس کی شخصیت میں ایک ٹھہراؤ۔ ایک بردباری ہے جو اس عمر کی لڑکیوں میں عموماً ہوتی نہیں ہے۔ اس کی آنکھوں میں کبھی بغور دیکھو تو ان آنکھوں میں ہر پل ایک اداسی، ایک درد کی کیفیت نظر آتی ہے۔ جبکہ وہ لڑکی تو ایک جھلک ہی میں زندگی سے بھرپور، بہت خوش باش اور زندگی سے بہت خوش لگی تھی۔ ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ "یہ سوبر و میچور ہنیا ہے، وہ شوخ و چنچل ہنی تھی یہ وہ ہو نہیں سکتی۔"

وہ بولتے بولتے چپ ہوئے۔ انہوں نے اس کی حیرت بھری نگاہوں کو دیکھا۔

"عابی نے جو آخری ای میل مجھے بھیجی، اس میں ہنی کے نام سے اس لڑکی کا تذکرہ تھا جس سے اس نے شادی کی تھی، اس کے سیل فون میں ہنی کے نام سے کئی نمبرز سیو ہوئے ہوئے تھے۔ جو شرٹ اس نے پہن رکھی تھی، جو خون آلود تھی، جو جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔

اس پر "To Aabi Love Honey" کے الفاظ خون میں بھیگے ہونے کے باوجود پڑھے جا رہے تھے۔ اس کے والٹ میں میری اور ہاجرہ کی تصویروں کے ساتھ ایک تیسری تصویر بھی تھی۔ وہ اپنے والٹ میں اسی طرح میری اور ہاجرہ کی تصویریں اپنے ساتھ، اپنے پاس رکھتا تھا، میں تو اس والٹ اور ان تصویروں ہی کو دیکھ کر روتا رہا تھا، اس تیسری تصویر پر میری آنسوؤں سے بھری نگاہیں صرف ایک بار ہی اٹھی تھیں۔ ایک سرسری نظر، بالکل لمحہ بھر کے لئے۔ بہت سجی سنوری، ایک انتہائی کم عمر لڑکی۔ جو بہت تیار تھی، بہت سجی سنوری، بے انتہا حسین اور بے تحاشا ہنستی ہوئی۔

اس لمحہ بھر کی جھلک کے بعد میں نے اس تصویر کو کبھی دیکھا نہ تھا۔ مگر اس روز آفس میں تمہارا اس لڑکی کے ساتھ موازنہ کرتے میرا پہلی بار دل چاہا تھا کہ میں ہمت کر کے آج پھر عابی کے سامان کو کھولوں۔ اس کے سامان میں سے وہ تصویر نکالوں، اسے غور سے دیکھوں۔ مگر ایک خوف

ساتھا۔ میں اس تصویر کو پھر نکالنے کی ہمت کر نہیں پا رہا تھا۔ میرے اندر کوئی تھا جو مجھے بتا رہا تھا۔ تمام تر فرق کے باوجود یہ لڑکی وہی لڑکی ہے۔ ہنی ہنیا سجاد ہے، ہنیا سجاد ہنی ہے۔ میں چند دن اس سچائی کو جھٹلاتا رہا تھا۔ یہ لڑکی جو میرا اتنا احترام کرتی ہے، مجھ سے محبت کرتی لگتی ہے، میں اچانک اندر آ جاؤں تو میرے احترام میں فوراً اٹھ کھڑی ہوتی ہے، اپنے باس کی طرح نہیں بلکہ کسی بزرگ کی طرح میری عزت کرتی ہے، یہ وہ امریکن لڑکی ہو ہی نہیں سکتی۔ وہ تو پتا نہیں کون تھی، کس خاندان سے تھی، یہ تو کسی بہت اچھے خاندان کی بہت سلجھی ہوئی اور باوقار لڑکی ہے۔''

ایک تلخ مسکراہٹ ان کے لبوں پر آئی، وہ کسی اور پر نہیں خود اپنے آپ پر تلخی سے ہنس رہے تھے۔

''تم ہاجرہ سے پہلی بار ملیں تو ان سے ملنے کا تمہارا محبت سے بھرپور انداز دیکھ کر مجھے ذرا سی بھی حیرت نہیں ہوئی۔ میں تم سے جیسے اس والہانہ پن اور گرم جوشی کی توقع کر رہا تھا، مجھے جیسے پہلے سے پتہ تھا کہ یہ لڑکی ہاجرہ سے اسی انداز میں ملے گی۔ اپنے دل کے بہت اندر میں یہ جان چکا تھا کہ تم کون ہو۔ اس بات کی تصدیق ہونے سے ڈرتا تھا، اس لئے اس تصویر کو نکال نہ پاتا تھا۔ مگر جب ہاجرہ بیمار ہوئیں اور ان کی بیماری پر میں نے تمہیں مضطرب دیکھا، میں نے تمہیں اسپتال میں ان کے پاس بیٹھ کر آنسو بہاتے دیکھا، اس رات سچائی کا سامنا کرنے سے خود کو روک نہ پایا تھا۔ میں نے اپنی الماری میں رکھا عابی کا سامان نکالا۔ وہ سب چیزیں جو اس روز اس کے تن پر تھیں اس کے ساتھ تھیں۔ اس کی بلیو شرٹ، بلیک پینٹ، بلیک کوٹ، بلیک شوز، موزے، گھڑی، موبائل، اس کا والٹ۔ میں نے اس والٹ کو کھولا۔ وہ جس میں سب چیزیں میں نے آج بھی ویسی ہی رکھی ہوئی ہیں۔ میں نے اس میں سے وہ تصویر باہر نکال کر اپنی نگاہوں کے سامنے کی تھی۔ اگر اس لڑکی نے اتنا میک اپ نہ کیا ہو تو یہ کیسی لگے گی؟ یہ اس منک ہیٹ کے بغیر، اس تیاری کے بغیر کیسی لگے گی؟ یہ ان زیورات کے بغیر کیسی لگے گی؟ جب یہ اتنی خوش نہیں ہو گی، اس طرح کھلکھلا کر ہنس نہیں رہی ہو گی جب یہ بہت سادہ ہو گی، بہت سنجیدہ اور حساس ہو گی تب کیسی ہو گی؟ ہنیا سجاد، ہنیا عباد، ہنی، ہنیا سجاد ہی وہ لڑکی ہے، ہنیا سجاد ہی ہنی ہے، اس حقیقت کو میں نے تسلیم اس روز کیا تھا۔''

وہ سانس لینے کو ایک پل کے لئے رکے، انہوں نے اپنی آواز کی بھراہٹ پر قابو پایا۔

''تم سوچ رہی ہو گی کہ جب میں اس پہچان کی تصدیق بھی کر چکا تھا تو تم پر کبھی اس بات کو ظاہر کیوں نہ کیا؟'' انہوں نے اس کی طرف دیکھا۔

''میں تمہیں پہچان چکا تھا مگر میں یہ نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ تمہارا یہاں ہمارے پاس آنے کا مقصد کیا تھا، نیویارک میں تمہاری لگژریز لائف اور لائف سٹائل کو مدنظر رکھتے تو میں نے بالکل آغاز میں بھی ایک لمحے کے لئے یہ نہیں سوچا تھا کہ تم دولت کے لئے، کسی مالی فائدے، کسی لالچ میں یہاں آئی ہو۔ جس ملک کی تم شہری ہو، وہاں کی خواتین کے متعلق میری رائے کچھ بہت اچھی نہیں تھی۔ میرا مشاہدہ غلط تھا۔ یہ تم سے ملنے کے بعد ثابت ہو چکا ہے۔ مگر تم سے ملنے سے قبل نسلاً اور اصلی مغربی و امریکن خواتین کے ساتھ پاکستانی و انڈین نژاد والدین کی پیدائشی امریکی بیٹیوں کے متعلق بھی میری رائے کچھ خاص اچھی نہ تھی۔ اس سب کے باوجود میں کبھی ایک پل کے لئے بھی تمہارے متعلق کوئی ایسی بات نہ سوچ سکا کہ تم کسی لالچ میں یہاں آئی ہو۔

نہ یہاں آنے کا مقصد عابی کے والدین کی دولت، ان کا پیسہ تھا، نہ نیویارک میں تنہائی اور اکیلا پن یہاں آنے کا مقصد تھا، پھر اصل مقصد تھا کیا؟

میں خاموش رہ کر تمہارا تجزیہ کرنا چاہتا تھا، اس دوران تم بڑی مستقبل مزاجی کے ساتھ مسلسل مجھ سے اور ہاجرہ سے قریب ہونے کی کوششیں کر رہی تھیں۔ تم ایسا کوئی موقع گنوانا نہ چاہتی تھیں جو تمہیں ہمارے قریب لا سکتا ہو۔ تم کسی بھی طرح، کسی بھی بہانے سے ہم دونوں کے قریب رہنا چاہتی تھیں۔ تم اچھی لگتی تھیں، تمہارا خلوص، تمہاری محبت بڑی شدت سے ظاہر ہوتی تھی مگر اس سب کے باوجود میں تمہارے ہم لوگوں کے پاس آنے کا مقصد سمجھنے سے قاصر تھا۔

جب عباد نہیں رہا تو اس کے والدین جنہوں نے تمہیں قبول ہی نہیں کیا تھا، تم ان کے پاس کیا کرنے اور کیوں آئی تھیں؟

پھر اس روز سائٹ پر جب میری طبیعت خراب ہوئی، میں چکرا کر گرنے لگا، تب اندھا دھند بھاگتی تم میرے قریب آ گئیں، دیوانہ وار بری طرح بھاگتی ہوئی۔

''آپ ٹھیک تو ہیں ناں پاپا۔'' بوکھلائی آواز اور شدید گھبراہٹ کے عالم میں پوچھتی ہوئی۔ تمہاری وہ حالت، وہ کیفیت کیسی تھی؟

میں نے اس پل تم میں عابی دیکھا تھا بنیا۔ تمہارا لہجہ، تمہاری گھبراہٹ، تمہاری آنکھوں میں پھیلی تشویش، مجھے سنبھالتے تمہارے ہاتھ، وہ آگہی کا وہ لمحہ تھا جس لمحہ مجھ پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ بنیا سجاد نیویارک میں تنہا تھی۔ اس لئے کراچی نہیں آئی تھی بلکہ کراچی میں عباد کے مما، پاپا تنہا تھے اس لئے نیویارک کو چھوڑ آئی تھی۔ وہ اپنے شاندار کیریئر کامیاب پروفیشن اور روشن مستقبل کو چھوڑ کر ہمارے پاس ہماری خاطر، ہماری تنہائی دور کرنے آئی تھی ہم جو اسے اپنانے سے ہمیشہ انکاری رہے تھے۔ وہ ہمیں اپنانے آئی تھی۔

یہ لڑکی میرے عابی سے اتنی محبت کرتی تھی، اتنی کہ اس کی خاطر اپنا سب کچھ چھوڑ کر یہاں اس پردیس، اس انجان جگہ، اجنبی لوگوں میں چلی آئی؟

یہ تھی وہ لڑکی جسے میرے عابی نے چنا تھا، اتنی اعلیٰ ظرف کہ جو اسے نفرت سے رد کرے، وہ اسے محبت سے اپنا لے، وہ لڑکی جسے مادر پدر آزاد امریکی معاشرے کی پروردہ قرار دے کر اس کے متعلق کچھ جاننے سے پہلے ہی میں رد کر چکا تھا، ایسے کسی آزاد معاشرے کی لڑکی میری بہو نہیں بن سکتی، مجھے اپنی نسل خراب نہیں کرنی، اس معاشرے کی تو خصوصیات ہی بے شرمی، بے حیائی، خود غرضی اور مادہ پرستی ہیں، میں اس معاشرے کی کسی لڑکی کو اپنے خاندان کا حصہ نہیں بنا سکتا۔ وہ درحقیقت یہ تھی؟

اتنا خلوص، اتنی اعلیٰ ظرفی اور ایسی بے غرض اور بے لوث محبت رکھنے والی؟

جس سے اس نے محبت کی، وہ نہیں رہا مگر اس کے بوڑھے ماں، باپ کی اسے آج بھی فکر ہے۔ وہ ان کی فکر میں سات سمندر کا سفر طے کر کے ان کے پاس آئی ہے۔

الٰہی تیری اس دنیا میں ابھی ایسے بے غرض، ایسی سچی محبت کرنے والے لوگ بستے ہیں۔

میں اس روز پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا۔

عباد کی ماں نے عباد کی کرسی کے سامنے میز پر روز کی طرح بے دھیانی میں اس کی پلیٹ رکھی تھی، وہ ماں صبح، شام، رات ہر کھانے پر

یونہی بے دھیانی میں بیٹے کی مخصوص کرسی کے آگے پلیٹ، چمچ رکھا کرتی تھی اور اگلے ہی پل دھیان آنے پر دھواں دھواں چہرے کے ساتھ اس خالی کرسی کو دیکھا کرتی تھی۔ اس ماں نے اس روز بھی یہی کیا تھا مگر اس نے اس ماں کا چہرہ ویران ہونے سے پہلے وہ کرسی سنبھال لی تھی۔ وہ اس پر بیٹھ گئی تھی۔ اس کی آنکھیں اس پل کیا کہہ رہی تھیں۔

''عابی نہیں ہے تو کیا ہوا، میں تو ہوں ناں آپ کے پاس۔''

میں اس لڑکی کے چہرے کو دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ یہ عابی کا عکس تھی، ہو بہو اسی جیسی تھی۔ یہ تھی ہی ایسی یا عابی کی محبت نے اسے ایسا بنا دیا تھا؟ اگر تھی ہی ایسی تو اچھی بات تھی لیکن اگر عابی کی محبت نے اسے ایسا بنا دیا تھا تو غیر معمولی بات تھی۔

میں اس روز جان گیا تھا کہ یہ لڑکی میرے عابی کو اتنا پیار کرتی ہے کہ سال دو سال کیا صدیاں بیت جائیں۔ یہ عابی کو بھلا نہیں سکتی، اس کی محبت اپنے دل سے نکال نہیں سکتی۔ میں ڈھونڈنے نکلتا تو ساری دنیا کی لڑکیوں میں سے کوئی ایک لڑکی بھی اس جیسی اپنے عابی کے لئے تلاش نہیں کر سکتا تھا۔''

وہ بولتے بولتے ایک پل کے لئے خاموش ہوئے، انہوں نے آنسو بھری نگاہوں سے اسے دیکھا، ان کی نگاہوں میں اس کے لئے پیار ہی پیار تھا۔

''اس روز سے پہلے یوں تھا کہ ہاجرہ تمہارے ساتھ وقت گزار کر، تم سے مل کر خوش ہوتی تھیں اور میں انہیں ایسا کرنے دیتا تھا، روکتا نہیں تھا۔ وہ کچھ نہیں جانتی تھیں مگر ماں کا دل باپ کے دل سے زیادہ حساس اور گداز تو ہوتا ہی ہے شاید باخبر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ انہوں نے نہ تمہاری وہ تصویر دیکھ رکھی تھی نہ وہ کچھ اور جانتی تھیں نہ انہیں تم پر میری طرح شکوک لاحق ہوئے تھے کہ تم کس مقصد سے ان سے مل رہی ہو، مگر یوں لگتا جیسے ان کے دل نے تم سے پہلی ہی ملاقات میں انہیں بتا دیا تھا کہ تم سے ان کا کوئی رشتہ، کوئی ناطہ ہے۔ وہ سب سے ملنساری سے ملتی ہیں مگر تم سے تو انہوں نے پہلی ملاقات میں دل کا رشتہ جوڑ لیا تھا۔ تم سے مل کر کچھ پل کے لئے ہی سہی مگر ان کی آنکھوں میں زندگی نظر تو آتی تھی، میری چھٹی حس مجھے تمہارے متعلق جو کچھ بھی بتاتی ہو مگر میں ہاجرہ کو تم سے ملنے سے روکتا نہیں تھا۔ وہ تم سے مل کر خوش ہوتی تھیں۔ کتنی عجیب بات ہے ناں بنیا! وہ کچھ نہیں جانتی تھیں، دور دور تک کبھی یہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ آیا تھا کہ تم عابی کے حوالے سے ان کی کچھ ہو سکتی ہو۔ مگر پھر بھی وہ تم سے پیار کرتی تھیں۔ ساری دنیا میں تم وہ واحد ہستی ہو، جسے اپنے سامنے پا کر وہ مسکراتی تھیں۔ مسکراتی ہیں زندہ نظر آنے لگتی تھیں۔ زندہ نظر آتی ہیں۔ ماں کے دل کا عجیب رشتہ ہوتا ہے اولاد کے ساتھ۔ ہماری عقل و فہم سے بہت پرے، بہت مختلف۔

تمہیں پتا ہے جس لمحہ، جس سیکنڈ، جس گھڑی عابی نے دنیا سے ناطہ توڑا، عین اس لمحہ ہاجرہ عابی کا نام لیتی، اسے پکارتی چکرا کر گر پڑی تھیں۔ میں نے پوچھا۔ کیا ہوا تو بولیں ''عابی نے مجھے آواز دی ہے۔'' وہ، وہ لمحہ تھا جب عابی نے اس دنیا میں آخری سانس لی تھی۔ تب ہی تو تم سے مل کر بغیر کچھ جانے، کچھ سوچے سمجھے وہ تم سے محبت کرنے لگی تھیں جیسے ان کے کان میں عابی ہی نے چپکے سے آ کر کہہ دیا ہو کہ ''اس لڑکی سے آپ نے بہت محبت کرنی ہے۔'' وہ آنکھیں بند کر کے ایک لمحے کے لئے بالکل چپ ہو گئے۔ پھر انہوں نے آنکھیں کھولیں، اسے دیکھا۔

''اس روز سے پہلے تک ہاجرہ کا تمہارے ساتھ دل کا رشتہ جڑا ہوا تھا، اس روز میرا بھی تم سے دل کا رشتہ جڑ گیا تھا۔ وہ جو میرے عابی کا

انتخاب، اس کی چاہت، اس کی محبت تھی، وہ جو سات سمندر پار اپنا سب کچھ چھوڑ کر ہمارے پاس ہمارے لئے اتنی بے غرضی سے آئی تھی اگر اب بھی اس سے محبت نہ کرتا تو کب کرتا؟'' ان کی آنکھوں سے آنسو پھر گرنے لگے تھے۔

''جب آپ اتنے پہلے سے سب جان گئے تھے پھر آپ نے مجھے کبھی کچھ بتایا کیوں نہیں، کچھ کہا کیوں نہیں؟''

''میں چاہتا تھا، تم مجھ پر اعتبار کر کے یہ بات مجھے خود بتاؤ۔ میں اس دن کا انتظار کر رہا تھا ہنی! جب تم پورے یقین کے ساتھ بغیر کسی خوف اور ڈر کے مجھ سے اپنا اصل تعارف کراؤ۔ تم بڑی خوشی سے ہمارے گھر رہنے آئیں، بلکہ خود اپنے یہاں رہنے کی راہ ہموار کی، مگر یہاں آ کر اتنی سی جرأت نہ دکھا سکیں کہ میرے پاس آ کر کہہ سکو مجھے گیسٹ روم میں نہیں رہنا؟ مجھے اس کمرے میں رہنا ہے جو میرا ہے۔'' اتنی بہادر لڑکی سے اس بزدلی کی مجھے توقع نہ تھی۔'' بولتے بولتے ان کی گھڑی پر نظر پڑی۔

''اوہ! تہجد کا وقت نکل رہا ہے۔'' اپنے چہرے پر سے آنسوؤں کو صاف کرتے وہ اس کے پاس سے اٹھنے لگے۔'' دیکھو ذرا تم سے باتیں کرتے وقت کا دھیان ہی نہیں رہا۔''

وہ بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم کہاں جا رہی ہو؟'' انہوں نے اسے فوراً ٹوکا۔'' کیا ابھی بھی مجھے تم سے یہ کہنا پڑے گا کہ یہ تمہارا کمرہ ہے، یہ تمہارا گھر ہے؟ ہنی! عابی کی طرح یہاں کی ہر چیز تمہاری ہے بیٹا۔''

اس کے شانوں پر مضبوطی سے ہاتھ رکھ کر انہوں نے گلوگیر لہجے میں اپنا جملہ مکمل کیا اور پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

انکشافات کی اس رات میں اس پر اتنے ان ہونے انکشاف ہوئے تھے کہ وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی تھی۔ عابی نے اس سے کہا تھا۔ وہ اس کی طرف سے اس کے پاپا سے معافی مانگے۔ وہ عابی کے پاپا سے عابی کی جانب سے معافی مانگنے آئی تھی۔ وہ تو انہیں اپنی اور عابی کی شادی۔ کن حالات اور مجبوری کے تحت کرنی پڑ گئی بتانے آئی تھی، عابی کی اچھائی نے ماما جانی کو ناں کہنا گوارا نہیں کیا تھا۔ یہ بتانے آئی تھی، عابی انہیں، اپنے پاپا کو ناراض کر کے بہت پریشان اور بے قرار تھا۔ انہیں یہ بتانے آئی تھی، عابی ان سے بہت پیار کرتا تھا شاید ساری دنیا میں سب سے زیادہ۔ یہ یقین دلانے آئی تھی۔ مگر اسے پتا ہی نہیں تھا، اسے یہ اندازہ ہی کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ عابی سے تو کبھی ناراض تھے ہی نہیں۔ وہ خود سے ناراض تھے۔ بیٹے کی جدائی کے غم سے بھی زیادہ ان کے دل کو یہ درد، یہ تکلیف چین نہیں لینے دیتی تھی کہ اپنے بیٹے کی زندگی کے آخری دنوں، آخری گھنٹوں، آخری لمحوں کو اپنی ناراضی سے انہوں نے کیسا سزا جیسا بنا کر رکھ دیا تھا

☆

یہ شہرِ خموشاں تھا۔ یہاں ایک قبر تھی جو ابھی بہت سال پرانی نہ تھی۔

اس قبر پر ایک کتبہ لگا تھا۔'' عباد عذیر۔ مما، پاپا کا عابی۔ عابی! مما، پاپا تمہیں بہت پیار کرتے ہیں۔''

یہ قبر کبھی بھی ویران نہ رہتی تھی، یہاں کوئی بڑی پابندی سے آتا تھا۔ وہ یہاں اس وقت بھی آیا ہوا تھا۔ وہ باپ آیا ہوا تھا جس کی ابھی عمر

بہت زیادہ نہیں ہوئی تھی مگر جوان بیٹے کی موت نے جسے بالکل بوڑھا کر دیا تھا۔

''یار! اب اٹھ بھی جا۔ میں نے تو یونہی بے سوچے سمجھے تجھ سے رشتہ توڑنے کی بات تھی اور تو سچ مچ سارے رشتے توڑ گیا۔ میں نے تو یونہی غصے میں آ کر کہہ دیا تھا۔ مجھے کبھی اپنی شکل نہ دکھانا، تو نے میری بات دل پر لے لی، کیا پاپا کی بات کو سچ سمجھ لیا تھا؟''

ان کے آنسو مسلسل اس قبر پر گر رہے تھے۔

''مجھے نہیں پتا تھا۔ میں تجھ سے آخری بار بات کر رہا ہوں، اگر پتا ہوتا تو کیا وہ سب تجھ سے کہتا؟ پھر تجھے سہمے سہمے لہجے میں ''پاپا! میری بات سنیں'' کہنا پڑتا؟ پھر میں تجھ سے کہتا ''جان عزیز تم بولتے رہو، پاپا تمہیں سنتے رہیں گے۔'' محبت کے اظہار میں تیرے پاپا کمزور ہیں، تجھے پتا ہے ناں۔ مگر اس روز تجھ سے، اپنے بیٹے سے محبت کا اس طرح اظہار کرتے جو تجھے حیران کر دیتا۔ عابی تو تو پاپا کی جان ہے، عابی! پاپا نے اس روز جو کچھ کہا۔ وہ سب جھوٹ تھا، تیرا دل دکھا تھا ناں ان باتوں سے، تیرے پاس نیویارک نہیں آئے تھے، تجھ سے ناراض ہو کر دبئی سے واپس کراچی لوٹ گئے تھے، تیرا دل بہت دکھا تھا ناں عابی؟ تو مایوس پاپا اور مما کا انتظار کرتا رہ گیا اور پاپا نہ خود آئے نہ تیری ماں کو تجھ سے ملنے دیا۔ تیرا ضدی پاپا اس وقت جانتا نہ تھا، جس کے انتظار اور آس کو مایوسی میں بدل رہا ہے۔ اب عمر بھر اس کا انتظار کرے گا، دیکھ تو آ کر، کتنی سخت سزا ملی ہے تیرے پاپا کو اس ضد کی۔ تو اگر دیکھے تو تیرا بھی دل ہل جائے۔ عابی! پاپا سے بات کر بیٹا۔ جو کہنا چاہ رہا تھا، آج بول۔ آج پاپا سنیں گے بیٹا۔''

وہ زار و قطار رو رہے تھے۔ یہ ان کا روز کا معمول تھا۔ موسم کیسا ہی ہو، دن کوئی بھی ہو، اس معمول میں کبھی کوئی تبدیلی نہ آتی تھی۔ اس وقت ان کا عابی ان کا انتظار کیا کرتا تھا، شدید ترین سردی یا طوفانی بارش بھی انہیں اس وقت اس کے پاس آنے سے روک نہ سکتی تھی۔ جب تک ان کی سانس چل رہی تھی، ان کے دم میں دم تھا، یہ معمول یونہی رہنا تھا، عابی کے پہلو میں ایک دوسری قبر کی جگہ تھی۔ یہ جگہ انہوں نے اپنے لئے خرید رکھی تھی۔ وہ اپنے عابی کے پہلو میں اس کے ساتھ، اس کے بالکل قریب دفن ہونا چاہتے ہیں، انہوں نے وصیت کر رکھی تھی۔ وہ ایک روز اپنے عابی کے پاس سو جائیں گے، اسے اپنے سینے سے لگا کر، اپنی بانہوں میں چھپا کر، اسی خاک تلے۔ وہ اس خاک تلے اپنے عابی کے پاس کب کے سو بھی گئے ہوتے مگر ابھی ان کے عابی کی ماں زندہ تھی، انہیں اس ماں کے لئے زندہ رہنا تھا، وہ ماں جس کے ساتھ اپنی ضد میں آ کر وہ بہت بڑی زیادتی کر گئے تھے۔ خود دبئی سے واپس لوٹے تو لوٹے اس ماں کو بھی اپنے ساتھ واپس لے آئے۔ وہ شوہر کے حکم پر خاموشی سے اس کے ساتھ واپس چلی آئی، کچھ کہے بنا۔ مگر کیا اس ماں کا چہرہ دیکھ کر انہیں یہ پتا نہ چلا تھا کہ وہ دبئی، کراچی دنیا کے اور کسی بھی خطے، کسی بھی جگہ جانا نہیں چاہتی، وہ صرف اپنے بیٹے سے ملنے نیویارک جانا چاہتی ہے۔ اگر نیویارک چلے جاتے تو وہ ماں آخری بار جی بھر کر اپنے بیٹے کو دیکھ تو لیتی۔

وہ جس طرح روز بلاناغہ عابی کی قبر پر آتے تھے۔ اسی طرح بلاناغہ ہاجرہ سے معافی مانگا کرتے تھے۔ عابی کے جانے کا اگر وہی وقت، وہی لمحہ طے تھا تو کم از کم اس وقت کے آنے سے پہلے وہ دونوں ایک بار اپنے بیٹے سے مل تو لئے ہوتے۔ وہ ان کا سر فخر سے بلند کروانے کے لئے جی جان سے پڑھ رہا تھا۔ اس لئے پاکستان نہ آ سکا تھا اور انہوں نے اس کے پاس جاتے جاتے اچانک جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا تھا۔ بڑی ضد، بڑے گھمنڈ میں آ کر، پتا نہیں تھا کہ اب عباد جب ان کے سامنے آئے گا تو آنکھیں موندے ہوئے گہری نیند سوتا ہوا، اتنی گہری نیند کہ ان کی چیخوں پر بھی نہ اٹھے گا،

اس کی وہ آخری ای میل تک ضد میں آ کر پڑھی نہیں تھی۔ کیا تب سوچا تھا اس ای میل کو جس روز پڑھیں گے تب وہ لفظ لکھنے والا ایک اور جہاں کے سفر پر روانہ ہو چکا ہو گا۔

''پاپا! پلیز مجھ سے ناراض مت ہوں۔''

''نہیں ہوں تم سے ناراض۔ تم تو میرے، بہت پیارے، بہت اچھے بیٹے ہو، آ جاؤ میرے پاس۔''

''میں بدلا نہیں ہوں پاپا! میں آپ کا وہی عابی ہوں۔ کاش آپ فون پر مجھ سے بات کر لیتے، کاش آپ فون پر میری بات سن لیتے۔''

''میں سنوں گا، میں تمہاری ایک ایک بات سنوں گا۔ مجھے فون کرو۔ پاپا کو فون کرو۔''

''میں آپ کے پاس جلدی آؤں گا پاپا۔ آپ چاہے جتنے بھی ناراض ہوں میں آپ کو منا لوں گا۔''

''آؤ عابی! آؤ۔ پاپا کے پاس آؤ۔ پاپا اپنے پیارے بیٹے سے بالکل ناراض نہیں۔''

وہ اپنے بالوں کو نوچ نوچ کر روئیں گے، مونیٹر کی اسکرین پر سر مار مار کر روئیں گے۔

''اللہ کرے ایسا ہی ہو پاپا اپنے عابی سے بدگما اور خفا ہوں ہی نہ۔''

''پاپا تم سے خفا نہیں، بدگمان نہیں۔ تم تو اتنے پیارے بیٹے ہو عابی! تم تو ایسے بیٹے ہو جس پر پاپا فخر کرتے ہیں، مان کرتے ہیں، پاپا کے پاس لوٹ آؤ۔''

وہ روتے روتے دیوانگی کے عالم میں اس روز اتنے دنوں بعد ای میل کا Reply (جواب) کریں گے۔

"I Love You Aabi" وہ زار و قطار روتے اور بیٹے کو دیوانگی کے عالم میں پکارتے روز اس ای میل کا اسے Reply (جواب) بھیجا کریں گے، مگر اس ای میل ایڈریس پر اب ان کی میل کھولنے اور پڑھنے والا وہاں نہ ہو گا۔ وہ پچھلے دو سال سے اس ای میل کا جواب بھیج رہے تھے مگر اس ای میل کو پڑھنے والا اب کوئی نہ تھا۔

☆

وہ فجر کی نماز پڑھ چکے تھی۔ عذیر فاروق روز فجر کی نماز کے بعد کہاں جاتے ہیں۔ اسے بہت پہلے سے ہاجرہ سے معلوم تھا، بار ہا اس کا دل چاہا تھا جہاں وہ گئے ہیں وہاں وہ بھی جائے۔ وہاں گہری نیند سوتے عابی کے سامنے کھڑے ہو کر اس کی طرف سے پاپا سے معافی مانگے۔ آج وہ اپنے اٹھتے قدموں کو عابی کی آخری آرام گاہ کی جانب جانے سے روک نہیں پا رہی تھی۔ فرق صرف اتنا پڑا تھا کہ آج وہ وہاں سوتے ہوئے عابی کے سامنے اس کی جانب سے اس کے پاپا سے معافی نہیں مانگنے والی تھی بلکہ بیٹے سے نادم، شرم سار اور خود سے بہت خفا اس باپ کے دل کا درد، اس کی خود سے ناراضی ختم کرانے جانا چاہتی تھی۔



زارو قطار روتے اب وہ اس قبر کے بالکل نزدیک بیٹھ گئے تھے۔ وہ پورا دن ہاجرہ کی خاطر خود کو مضبوط رکھا کرتے تھے، مگر صبح کے ان گھنٹوں میں اپنے عابی کے پاس بیٹھ کر وہ سارا حوصلہ ہار دیا کرتے تھے۔ یہ ان کا اشک باری کا وقت ہوتا تھا۔

''عابی اس روز میں نے تمہیں بہت غلط باتیں بول دی تھیں۔ مجھے وہ باتیں نہیں کہنا چاہئیں تھیں۔ وہ سفاک لہجے میں بغیر سوچے سمجھے جو میں نے تم سے کہا تھا کہ تم جیسی اولاد سے بے اولاد ہونا اچھا ہے اور یہ کہ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں، اللہ کو بری لگی تھی میری وہ بات۔ اس نے مجھے تم جیسے پیارے بیٹے کی صورت اولاد کی ایسی عظیم نعمت اور دولت دی اور میں نے بجائے شکر گزاری کے ایسی ناشکری کی بات بولی۔ اللہ کو میری یہ ناشکری پسند نہ آئی۔ عابی! وہ لفظ بول کر میں سکون سے تو نہ تھا۔ جیسے تمہیں بچپن میں ڈانٹ کر بے چین ہو جاتا تھا، ایسے ہی تب بھی تمہیں وہ سب کہہ کر پھر میں ایک لمحہ بھی سکون سے نہ رہ سکا تھا عابی۔''

وہ روتے ہوئے آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔

''آج کے بعد کبھی مجھے اپنی شکل مت دکھانا، کبھی میرے سامنے مت آنا۔ مجھے تم جیسے بیٹے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

یہی سفاک لفظ تھے جوان کے اپنے بیٹے سے آخری لفظ ٹھہرے تھے۔

''عابی! آئم سوری بیٹا۔ پاپا کو تمہیں اس طرح ڈانٹنا نہیں چاہئے تھا۔'' اس کی قبر کی طرف دیکھتے انہوں نے بالکل اسی طرح اس سے اپنے لفظوں کی معذرت چاہی، جیسے اپنے اس نو سال کے بیٹے سے معذرت کی تھی۔ وہ روز یہی بات کہتے تھے اور روز وہ نو سال کا بچہ روتا ہوا ان کے گلے لگ جاتا تھا۔

Im sorry papa! it wont happen again"

وہ بچہ رو رہا ہوتا تھا، اس بات پر نہیں کہ پاپا نے اسے ڈانٹا ہے، بلکہ اس بات پر کہ اس نے ایسا کوئی کام کیا، کیونکہ پاپا اس سے ناراض ہوئے۔ اپنے بیٹے کی زندگی کے آخری روز و شب کو انہوں نے اپنی ناراضی سے اس کے لئے کتنا مشکل، کتنا تکلیف دہ بنا دیا تھا۔ وہ دنیا سے جاتے جاتے بھی کتنا بے قرار رہا ہوگا کہ پاپا اس سے ناراض ہیں اور وہ دنیا سے جا رہا ہے، انہیں منائے بنا۔

''عابی! پاپا تم سے ناراض نہیں۔ تم تو اتنے اچھے ہو، اتنے پیارے ہو، اپنے اتنے پیارے بیٹے سے بھی بھلا کوئی ناراض ہو سکتا ہے۔ پاپا

بہت برے ہیں عابی۔ عابی تمہارے پاپا بہت برے، بہت ظالم اور سنگ دل ہیں۔''

''نہیں پاپا بہت اچھے ہیں، بہت پیارے ہیں، پاپا سے اچھا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔''

ان کی پشت سے آواز آئی تھی۔ انہوں نے آنسو بھری نگاہوں سے گردن گھما کر دیکھا۔ وہ ان کے بالکل برابر میں زمین پر بیٹھ رہی تھی۔

''انسان جس سے بہت محبت کرتا ہے، جس پر اپنا حق سمجھتا ہے، اسی سے تو اپنی بات منوانا چاہتا ہے۔ پھر کیا ہوا اگر پاپا نے اپنے اکلوتے بیٹے پر، اپنے عابی پر اپنا حق سمجھ کر اس سے تھوڑی سی ناراضی ظاہر کر دی، عابی جانتا ہے۔ پاپا کی وہ ناراضی صرف اوپر اوپر سے تھی، اندر دل میں تو صرف عابی کی محبت تھی، پاپا کے دل میں تو کل بھی صرف عابی تھا آج بھی صرف عابی ہے۔

وہ ان کی طرف دیکھے بنا بہت دھیرے دھیرے ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی، اس کی نظریں عابی کی قبر پر تھیں۔ وہ آواز اس کی تھی، مگر لہجہ ہو بہو عابی کا تھا، چہرہ اس کا تھا، مگر چہرے پر پھیلا ہر تاثر وہی تھا جو ان سے مخاطب ہوتے عابی کے چہرے پر ہوا کرتا تھا۔

''اور پاپا جب اپنی کہی باتوں پر اس طرح روتے اور پشیمان ہوتے ہیں تو عابی کا دل بہت دکھتا ہے۔ اس کی جدائی کا صدمہ ہی کیا کچھ کم ہے ان کے لئے جو وہ مزید خود کو یوں اذیت دیتے ہیں، پاپا خود کو تکلیف دیتے ہیں تو عابی کو بالکل اچھا نہیں لگتا۔''

وہ مدھم آواز میں بول رہی تھی، انہیں ایسا لگ رہا تھا جیسے عابی ان کے پاس بیٹھا بول رہا ہے۔

''عابی!'' ان کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

''ہنی عابی!'' ان کی آنکھیں پھر اشکوں سے بھر گئی تھیں۔ اس روز جب وہ سائٹ پر گرنے لگے تھے اور وہ انہیں بچانے آئی تھی، تب بھی ایسا ہی لگا تھا جیسے ہنیا نہیں عابی انہیں بچانے آ رہا ہے، آج پھر ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے ان کے دل کا سب درد مٹانے ہنیا نہیں عابی ان کے پاس بیٹھا ہے۔

''ہنی! مجھے تم عابی جیسی کیوں لگتی ہو! ایسا کیوں لگتا ہے جیسے تمہیں عابی نے میرے پاس بھیجا ہے۔'' وہ رو پڑے تھے۔

''ہاں پاپا! مجھے عابی ہی نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ عابی کے جانے کے بعد میں بھی زندہ نہیں رہنا چاہتی تھی، میں اپنی زندگی ختم کر لینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ جس رات میں زندگی سے ناطہ توڑ لینے والی تھی۔ اس رات اللہ نے عابی کو میرے پاس بھیجا تھا۔ اسے خواب میں بھیجا تھا یا حقیقت میں، مگر میں جانتی ہوں، اللہ نے میرے دل کو قرار بخشنے کو اس رات عابی کو میرے پاس بھیجا تھا۔ کوئی مانے نہ مانے، مگر میں یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ اس رات عابی میرے پاس نہیں آیا تھا۔ میں گہری نیند سوتے میں اس کی آہٹیں پہچان سکتی ہوں۔ وہ میرا خواب تھا، نیند تھی، یا جو کچھ بھی۔ نیند میں، اس خواب میں عابی نے مجھ سے آ کر یہی کہا تھا کہ میں اپنی زندگی یوں ختم نہ کروں، میں آپ لوگوں کے پاس اس کے مما، پاپا کے پاس پاکستان چلی جاؤں کہ اس کے مما، پاپا اس کے بنا بہت تنہا رہ گئے ہیں۔ اسے آپ لوگوں کی بہت فکر تھی پاپا اور میں نے عابی کی بات مان لی تھی۔ آخر میں اس کی بات کیوں نہ مانتی؟ پھر اس رات کے بعد میری دوسری زندگی شروع ہوئی تھی۔ یہ میری دوسری زندگی ہے پاپا! جو آپ لوگوں کے پاس آنے کے لئے، آپ لوگوں کے ساتھ رہنے کے لئے اللہ نے مجھے عطا کی ہے۔ پہلی زندگی عابی کے ساتھ ختم ہو گئی۔ یہ میری دوسری زندگی ہے جو اللہ نے مجھے آپ کے اور مما کے لئے عطا کی ہے۔''

اس نے ان کے شانے پہ ہاتھ رکھا، وہ جو اس پل بہت کمزور، بہت بوڑھے لگ رہے تھے۔

''خود کو یوں اذیت مت دیا کریں پاپا! عابی کو تکلیف ہوتی ہے۔ آپ عابی سے ناراض ہوئے تھے تو کوئی ہمیشہ کے لئے تو ناراض نہیں ہو گئے تھے۔ عابی یہ بات جانتا ہے۔ عابی کو کل بھی آپ کی محبت کا یقین تھا، اسے آج بھی آپ کی محبت کا یقین ہے، ہے نا عابی؟ تمہیں پاپا کی محبت کا یقین ہے نا؟''

اس نے نظریں عذیر فاروق سے ہٹا کر پھر اس سمت مرکوز کر دیں جہاں عابی سو رہا تھا۔

''سنیں پاپا! عابی کیا کہہ رہا ہے۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر اس کی آواز سنیں۔ وہ یہی کہہ رہا ہے کہ اسے آپ خود کو یوں اذیت دیتے، خود کو ہر پل الزام دیتے، بالکل اچھے نہیں لگتے وہ جانتا ہے، آپ نے ہمیشہ اس سے محبت کی ہے، جس پل سخت لہجے میں اس سے رشتہ توڑنے کی بات کر رہے تھے، تب بھی ساری دنیا میں سب سے زیادہ اس سے محبت کرتے تھے۔ عابی جانتا ہے یہ بات پاپا۔ عابی جانتا ہے۔''

اور عذیر فاروق یک دم ہی بکھر کر رو پڑے تھے۔ بیٹے کے ساتھ اس کی زندگی کے آخری دنوں میں جس زیادتی کے مرتکب ہوئے تھے اپنی اس زیادتی کی وہ اذیت انہیں چین نہ لینے دیتی تھی۔ مگر اس پل جب اس پیاری لڑکی نے جسے عابی نے ان کے پاس بھیجا تھا، عابی ہی انداز میں انہیں اس اذیت اور درد سے باہر نکالا تو وہ پہلی بار بیٹے کی دائمی جدائی پر بلک بلک کر رو پڑے۔ عابی کو گئے دو سال ہو گئے تھے اور ان دو سالوں میں وہ آج پہلی مرتبہ اپنے عابی کے مرنے پر رو رہے تھے۔ آج سے پہلی بیٹے کو دی اپنی اذیتیں چین نہیں لینے دیتی تھیں، ہر پل اس درد کے لئے روتے تھے جو اپنی بے جا ضد اور ناراضی سے بیٹے کو اس کی زندگی کے آخری روز و شب میں پہنچایا تھا۔ اپنے لئے، اپنے نقصان پر، اپنے اکلوتے جوان بیٹے کی جدائی پر تو کبھی رو رہی نہ پائے تھے۔ تب ہی تو دل کے اندر اتنا کرب، اتنے اشک جمع تھے۔

''وہ پہلی بار بیٹے کی جدائی پر زار و قطار رو رہے تھے اور وہ ان کے شانے کے گرد ہاتھ پھیلا کر بیٹھی انہیں رونے دے رہی تھی۔ جانتی تھی ان آنسوؤں کا بہہ جانا بہت ضروری تھا۔

''عابی کی زندگی کے آخری دن بہت بھرپور، بہت خوشگوار تھے پاپا! آپ خود کو اس قدر تکلیف مت دیا کریں، خود کو ہر پل الزام مت دیا کریں۔ اس نے اپنی زندگی کے وہ آخری (سات) دن میرے ساتھ گزارے تھے۔ ہم Carmel گھومنے گئے تھے۔ وہاں عابی ہر پل بہت خوش رہا تھا۔ تب یہ بات آپ کو پتا چلتی تو شاید اس کی خود غرضی لگتی، مگر آج میں جانتی ہوں، آپ اس بات کو جان کر بہت مطمئن ہوں گے کہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں وہ خوش تھا۔ وہ میرے ساتھ زندگی کی خوشیاں سمیٹ رہا تھا۔''

''اس نے زندگی میں کسی رشتے کے ساتھ زیادتی نہیں کی تھی۔ نہ ماں کے ساتھ، نہ باپ کے ساتھ، نہ دوستوں، عزیزوں کے ساتھ۔ اس نے ہر رشتہ خلوص دل سے پوری طرح نبھایا تھا، پھر تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کیسے کر جاتا۔ ماں، باپ کو وہ اپنی بھرپور محبت دے چکا تھا۔ وہ جانتا تھا اس کے پاس وقت کم بچا ہے، اسی لئے تو جاتے جاتے اپنی زندگی کے وہ آخری روز و شب تمہیں دے گیا۔ اس کے پاس تمہارے اور اپنے رشتے کو دینے کے لئے بس وہ 7 دن ہی بچے تھے سو اس نے وہ پورے کے پورے تمہیں دے دیئے۔ اور میں ایسا سخت دل ہوں اس وقت سوچتا تھا اسے

میرے ناراضی کی کوئی پروانہیں، مزے میں اپنی بیوی کے ساتھ امریکہ میں ہے۔ میں اس سے ناراض ہوں اور وہ سات دنوں سے امریکہ میں ہے۔ جانتا نہ تھا کہ میرا وہ بیٹا جس نے زندگی میں کبھی کسی رشتے کی حق تلفی نہیں کی تھی، کسی رشتے کے ساتھ زیادتی نہ کی تھی، اپنے پاس بیچ بہت کم وقت میں اس آخری رشتے کا حق ادا کرنے کی کوشش کر رہا ہے، جس کا حق ادا کیے بنا دنیا سے چلا گیا تو بہت بڑے ظلم کا مرتکب ہو جائے گا۔ وہ ایسا ہی فرض شناس تھا میرا بیٹا۔ اسے رشتوں کو نبھانے کی ایسی ہی فکر رہا کرتی تھی۔''

وہ روتے ہوئے اس سے مخاطب تھے۔ یہ پیاری لڑکی جسے ان کے عابی نے ان کے پاس بھیجا تھا، انہیں بڑے پیار سے اس اذیت سے باہر نکال لائی تھی کہ بیٹے سے تمام رشتے ناطے توڑنے کی بات کر کے انہوں نے اسے بے پناہ دکھ پہنچایا تھا، اللہ کو ناراض کیا تھا۔

''اور پاپا! عابی کہیں نہیں گیا ہے۔ وہ آپ کے، مما کے، میرے دلوں میں زندہ ہے۔ جو ہمارے دلوں میں زندہ ہے وہ مر کیسے سکتا ہے اور عابی ہمیں ایک بار پھر ملے گا۔ یہاں ہماری اس دنیا میں تو بچھڑنے کا، جدا ہونے کا خوف ہر پل رہتا ہے، مگر وہاں جب ہم عابی سے ملیں گے تو پھر اس سے ہمیں کوئی بھی جدا نہ کرے گا۔''

ان کے شانوں کے گرد ہاتھ پھیلائے انہیں تسلی دیتی رہی۔ عابی ہی کے لہجے میں وہ انہیں تسلی دے رہی تھی۔ وہ ان کا عابی تھا۔ عابی سو سامنے رہا تھا مگر وہ انہیں دکھ اس پیاری لڑکی کی آنکھوں میں رہا تھا۔

☆

وہ روتے روتے خود ہی چپ ہو گئے تھے۔ چہرے پر سے آنسوؤں کو صاف کرتے اب انہیں ہاجرہ کی فکر ہوئی تھی۔ انہیں یہاں بہت زیادہ دیر ہو گئی تھی۔ ہاجرہ یقیناً گھر پر ان کے لئے پریشان ہو رہی ہوں گی۔

''چلو ہنی! مما پریشان ہو رہی ہوں گی بیٹا!'' وہ زمین پر سے اٹھنے لگے، اس نے ان کے شانوں کو پکڑ کر انہیں سہارا دے کر کھڑا کروایا۔ وہ ان کے ساتھ وہاں سے جا رہی تھی، جانے سے پہلے، مڑنے سے قبل اس نے آنسو بھری نگاہوں سے اس طرف دیکھا جہاں اس مٹی تلے عابی سو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور لبوں پر مدہم سی مسکان۔ اسے پتا تھا، اس لئے مٹی تلے سوتا اس کا عابی آج بہت مطمئن تھا۔ وہ دل کی آنکھوں سے دیکھ سکتی تھی، اس پل عابی مسکرا رہا تھا۔ اس کی ڈمپل والی وہ مسکان جس پر وہ فدا رہا کرتی تھی۔ وہ عابی کے چہرے پر اس وقت موجود تھی۔

''عابی! تمہاری ہنی جیت گئی۔ عابی! تمہاری ہنی ہاری نہیں۔ تم خوش ہونا عابی!'' وہ دل میں اس سے مخاطب تھی اور اسے پتا تھا وہ بھرپور انداز میں مسکرتا سر اقرار میں ہلا رہا تھا۔

☆

اس نے انہیں ڈرائیو نہیں کرنے دیا تھا۔ ان کی گاڑی وہیں لاک کر کے وہ انہیں اپنی گاڑی میں خود ڈرائیو کر کے لائی تھی۔ متواتر اتنے گھنٹے رونے سے وہ تھک ضرور گئے تھے، مگر دل میں ایک عجیب طرح کا سکون اترتا بھی پا رہے تھے۔ یہ چھوٹی سی لڑکی جس نے ابھی ان کی طرح نہ دنیا دیکھی تھی نہ زندگی، کیا اثر تھا اس کے لفظوں میں۔ وہ راستے بھر اس سے پہلے ہاجرہ کے متعلق بات کرتے رہے تھے۔

وہ آج سے پہلے تک جس طرح ہر روز عابی کے پاس بیٹھ کر اس سے اپنی دو سال پہلے کی باتوں کی معذرت کیا کرتے تھے، اسی طرح ہر صبح پابندی سے ہاجرہ سے معافی مانگا کرتے تھے۔ اس ماں سے جس سے انہوں نے بہت بڑی زیادتی کی تھی۔ اس ماں کی ممتا کو آزمانے پر وہ ان سے ہر روز معافی مانگتے تھے اور ہاجرہ ان کے معافی مانگنے پر شرمسار ہوتی تھیں، انہیں ایسا بولنے سے روکا کرتی تھیں۔ آج پہلی بار انہیں لگ رہا تھا وہ آنسو بھری نگاہوں سے ہاجرہ سے معافی نہیں مانگیں گے، بلکہ مسکراتے چہرے کے ساتھ انہیں ان کی بہو سے متعارف کروائیں گے۔

ہاجرہ، ہنیا کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی تھیں۔ بغیر کچھ جانے انہوں نے اس کے ساتھ دل کا رشتہ جوڑ رکھا تھا۔ وہ دونوں گھر میں داخل ہوئے۔ ہاجرہ لاؤنج کے دروازے سے باہر پریشان کھڑی تھیں۔ وہ فرید کو آواز دیتی اس سے کچھ کہہ بھی رہی تھیں۔

''کسی کو آواز مت دیں، ہم گھر واپس آ گئے ہیں۔'' انہوں نے ہنیا کے شانے پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے ہاجرہ کے قریب آ رہے تھے۔

''پتہ ہے ہنی! ہاجرہ سے میری اس آپ جناب والی گفتگو کا عابی بڑا ریکارڈ لگاتا تھا۔ کہتا تھا پاپا! آپ کا کیا مغلیہ خاندان سے تعلق ہے، اس قدر شہنشاہی انداز میں مما سے مخاطب ہوتے ہیں۔ مگر میری شروع سے ہی عادت رہی، انہیں آپ کہنے کی۔''

ہاجرہ اچنبھے سے ان کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ہنی؟ عابی؟ وہ عابی کی کوئی بات اس طرح مسکراتے ہوئے دُہرا رہے تھے؟ اور ہنی؟

''اس قدر حیران کیوں ہو رہی ہیں۔ اولاد کے معاملے میں ماں کی حسیں باپ سے بہت زیادہ تیز ہوتی ہیں۔ کیا اسے پہچانتی نہیں، یہ آپ کے عابی کی ہنی ہے، اس کی بیوی، ہماری بہو۔ چالاک لڑکی ہم بڈھے، بڑھیا کی ذہانت کا امتحان لے رہی تھی۔''

وہ عذیر فاروق کے پاس سے ہٹ کر دوڑتی ہوئی ہاجرہ کے قریب آ گئی۔

''مما!'' وہ والہانہ بے تابی سے ان کے گلے لگ گئی تھی۔ ''مجھ سے خفا مت ہوئیے گا مما! کہ میں نے آپ کو یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی۔ میں چاہتی تھی آپ اور پاپا مجھے خود پہچان لیں۔ اور مجھے فخر ہے مما! کہ آپ نے تو پہلی نظر میں مجھے پہچان لیا تھا، مجھ سے دل کا رشتہ یونہی تو نہیں جوڑ لیا تھا آپ نے۔'' آپ کے دل نے بتا دیا تھا نا آپ کو مما؟ ہے نا مما۔''

ہاجرہ حیرت میں گھری بالکل گم صم کھڑی تھیں۔ کئی پل، کئی منٹ بالکل ساکت کھڑی رہی تھیں، وہ جیسے اس کی اور عذیر فاروق کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ مگر کئی منٹ بعد جب ان لفظوں کا مفہوم جذباتی طور پر سمجھنے کے قابل ہوئیں تو فوراً ہی اسے بھینچ کر اپنے مزید نزدیک کر لیا تھا۔

اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔ ان کا والہانہ پن سے اسے لپٹانے کا انداز پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ:

''ہاں میرے دل نے پہلی نظر میں تمہیں پہچان لیا تھا، میرے دل نے پہلی نظر میں بتا دیا تھا کہ تم سے دل کا کچھ خاص ناطہ ہے۔'' وہ اسے اپنے سینے سے لگائے رو پڑی تھیں۔



وہ اپنے بیٹے کو دولہا بنا نہ دیکھ سکتی تھیں۔ اس کی شادی نہ دیکھ سکی تھیں، اپنی بہو سے بھی آج پہلی بار اس وقت متعارف ہو رہی تھیں جب وہ ان کے بیٹے کی بیوہ تھی۔ وہ دو سال پہلے بھی عذیر فاروق کی طرح عباد سے اس کی شادی پر ناراض نہ تھیں۔ بے شک ان کا دل دکھا تھا، جس دن کا ارمان اس کے پیدا ہونے کے دن سے ان کے دل میں تھا، وہ دن ان کی غیر موجودگی میں ان کے بیٹے کی زندگی میں آ گیا، انہیں دکھ ہوا تھا، ملال ہوا تھا، پر وہ بیٹے سے کبھی خفا نہ ہوئی تھیں۔ انہیں اس لڑکی سے نفرت بھی نہ ہوئی تھی۔ جو ان کے عابی کی بیوی بنی تھی۔ جس سے عابی کو محبت ہو اس سے وہ نفرت کر ہی نہیں سکتی تھیں۔ اور آج دو سال بعد جب یہ سوچ رہی تھیں کہ چاہے ان کی غیر موجودگی ہی میں سہی کم از کم ان کے بیٹے کو اس کی محبت، اس پیاری لڑکی کا چند روزہ ساتھ مل تو گیا تھا۔ وہ اسے دولہا بنا نہ دیکھ سکیں تو کیا ہوا، آج ان کے دل کو یہ اطمینان، یہ سکون تو مل رہا ہے کہ جس لڑکی سے اس نے محبت کی تھی، چند دنوں ہی کے لئے سہی، پر اس کا ساتھ اس کی رفاقت پا تو لی تھی۔ اگر عابی کی یہ خوشی پوری نہ ہو پاتی وہ تشنہ، اس پیاری لڑکی کی محبت اور رفاقت سے محرومی لے کر دنیا سے چلا جاتا تو آج کیسی کسک، کیسا ملال ہوتا ان کے دل میں۔ ہنیا سجاد کی محبت، اس کی رفاقت، اس کے ساتھ کی، جو ان کے بیٹے کی زندگی کی سب سے آرزو، سب سے بڑی خوشی تھی، وہ خوشی اس کی زندگی کے آخری دنوں میں پوری ہو گئی تھی۔

ہنیا ان کی گود میں سر رکھ کے بیٹھی تھی۔ اس نے اپنی اور عباد کی Carmel میں کھینچی تمام تصاویر انہیں لا کر دی تھیں۔ وہ تمام تصاویر اس وقت ان کی نظروں کے سامنے بکھری تھیں۔ وہ اپنے بیٹے کی زندگی کے آخری دنوں کو اپنی نظروں کے سامنے بکھرا دیکھ رہی تھیں۔ وہ اسے خوشی سے بھرپور قہقہے لگاتا ساحل پر ہنیا کا ہاتھ تھام کر چلتے دیکھ رہی تھیں۔ اور ان کی گود میں سر رکھے ہنیا ان کی ممتا بھری گود میں سکون پاتی کسی سہیلی کی طرح Carmel میں عباد کے ساتھ گزارے روز و شب کی ہر بات انہیں بتا رہی تھی۔

وہ صبح صبح اس کے لئے پھول لاتا تھا، وہ اسے کھانا پکا کر کھلاتا تھا، وہ اس کے ناز اٹھاتا تھا، اسے اس کا ڈمپل اچھا لگتا تھا صرف اسے اپنا ڈمپل دکھانے کو بے وجہ مسکراتا تھا۔ ہاجرہ رو بھی رہی تھیں، ہنس بھی رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں سے مسلسل آنسو گر رہے تھے اور لبوں پر ہنیا کی باتیں سنتے مسکراہٹ آ رہی تھی۔

ان تصویروں میں ان کا بیٹا کتنا خوش لگ رہا تھا۔ وہ اپنی محبت پا کر کتنا سرشار لگ رہا تھا، ان کا بیٹا اپنی زندگی کے آخری دنوں میں تنہا نہیں تھا، یہ پیاری لڑکی اس کے ساتھ تھی۔

''ہنیا! تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں؟ تم نے میرے بیٹے کو اس کی زندگی کے آخری دنوں میں اتنا پیار، اتنی بھرپور رفاقت اور اپنا اتنا سچا ساتھ دیا، اسے اس وقت تنہا اور اداس نہ چھوڑا جب اس کے والدین اس سے رشتہ ناطے توڑنے کی بات کر کے اسے تنہا کر گئے تھے، میں تمہارا شکریہ کیسے ادا کروں ہنیا؟''

انہوں نے اس کا سر اپنی گود سے اٹھا کر اس کی پیشانی کو والہانہ پن سے چوما۔ یہ چہرہ ان کے بیٹے کو بہت پیارا تھا، یہ چہرہ، یہ وجود انہیں بھی ساری دنیا میں سب سے زیادہ پیارا تھا۔

''تم نے میرے بیٹے کو اس کی زندگی کے آخری دنوں میں اتنی خوشی دی، اس کے دل سے ہر درد مٹا کر اسے اپنی اتنی سچی محبت دی ہنیا! میں

آج کتنی مطمئن ہوں تمہیں بتا نہیں سکتی۔ ورنہ دل ہر پل ہی سوچ سوچ کر کٹتا تھا کہ آخری لمحوں میں میرا بچہ کتنا تنہا، کتنا اکیلا تھا۔"

وہ روتے ہوئے اس چہرے کے ایک ایک نقش کو چوم رہی تھیں کہ جانتی تھیں اس چہرے کو محبت سے بہت باران کے بیٹے نے بھی چوما تھا۔

"صرف میں نے عابی کو خوشی نہیں دی تھی، مما! اس نے بھی ان چھ دنوں میں مجھے زندگی بھر کی ہر خوشی دے دی تھی۔ میں نے عابی کے ساتھ ان چھ دنوں میں اپنی پوری زندگی جی لی۔ اس نے ان چھ دنوں میں مجھے اتنا پیار دیا جتنا کوئی کسی کو پوری عمر نہیں دے سکتا۔

ہاجرہ روتے اور ہنستے اس کے چہرے کو چومے جا رہی تھیں اور وہ ان سے پیار کرواتی ان کے ڈمپل کو مسکرا کر دیکھے جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اور لبوں پر مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

"مما! آپ کا ڈمپل بالکل عابی جیسا ہے۔"

"عقل مند لڑکی الٹا جملہ بول رہی ہو یہ کہو کہ عابی کا ڈمپل مما جیسا تھا۔" غدیر فاروق کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ انہوں نے اس کی بات دروازے پر سے سن لی تھی اور وہ وہیں سے بولتے ان دونوں کے قریب آ گئے تھے۔

☆

اور عباد غدیر کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش کہ جیسی والہانہ محبت ہنیا سے وہ کرتا ہے، ویسی ہی محبت اس کے ماں، باپ کو بھی ہنیا سے ہو جائے، ہنیا اس کے گھر، اس کی فیملی کا حصہ بنا جائے، اس کے جانے کے دو سال بعد پوری ہو گئی تھی۔

عباد کی دوسری برسی کا وہ دن ان تینوں نے ایک ساتھ گزارا تھا، عباد کے کمرے میں۔ ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے، قرآن پاک کی تلاوت کرتے، وہ تینوں روئے بھی تھے اور یک دوسرے کو سنبھالا بھی تھا۔ اس کی اس برسی کے دن ہی اس نے وہ تصویر اپنے سامان سے نکالی تھی۔

"پاپا! عابی چاہتا تھا۔"

"مجھے پتہ ہے وہ کیا چاہتا تھا۔"

ان کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں، اس تصویر کو دیکھ کر اس کی بات پوری ہونے سے قبل انہوں نے وہ تصویر اس کے ہاتھوں سے لے لی تھی اور خود اپنے ہاتھوں سے اسے لاؤنج میں سب سے نمایاں جگہ پر لگا دیا تھا۔ غدیر فاروق، ہاجرہ غدیر، ہنیا، عباد غدیر کی فیملی My Family عباد غدیر کی فیملی آج اکٹھی تھی۔ تصویر میں بھی اور اس کے گھر میں بھی۔ عباد کی برسی کا چوتھا دن ان کی سالگرہ کا تھا۔ پچھلے دو سالوں میں بھی یہ دن آیا تھا، بہت آنسو ساتھ لایا تھا۔ انہیں رلاتا ہوا آیا اور رلاتا ہوا ہی گیا تھا۔ مگر آج اس دن کی صبح آنسوؤں کے ساتھ نہ ہو سکی تھی۔

وہ ان کے فجر کی نماز کے لئے گھر سے نکلنے سے پہلے ان کے کمرے میں آ گئی تھی۔ دستک پر وہ اور ہاجرہ دونوں چونکے تھے۔ ہاجرہ جائے نماز بچھائے تہجد کی نماز پڑھ رہی تھیں اور وہ وضو کر کے ابھی ابھی باتھ روم سے آئے تھے۔

ہاتھوں میں پھولوں کا بہت خوبصورت سا گلدستہ اور ایک کیک لئے، مسکراتی ہوئی وہ ان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ وہ بالکل عابی کی طرح ان کے کمرے میں آئی تھی۔ ان کی سالگرہ کے دن صبح صبح۔ وہ جاتے جاتے اس لڑکی کو کیا کیا کچھ بتا گیا تھا۔ ان کے بیٹے کی سی دل موہ لینے والی یہ

پیاری پیاری ادائیں اس میں پہلے سے تھیں یا اس کے ساتھ نے عطا کر دی تھیں، وہ جانتے نہ تھے۔ وہ پہلے کبھی اس سے ملے نہ تھے، جو جان پاتے۔

وہ تو اسے آج جانتے تھے اور وہ لڑکی ان کے عابی جیسی تھی، ہو بہو اس کی سی عادتیں، اس کا سا مزاج، اس کی طرح ان پر جان چھڑکنا اس کا انداز۔ وہ انہیں اتنی عزیز بھی اس لئے تھی کہ اس میں انہیں عابی دکھتا تھا۔ اسے دیکھ کر دل محبت سے بھر جاتا تھا۔ وہ انہیں اتنی عزیز اتنی پیاری تھی جیسے ان کی اپنی سگی بیٹی۔ رشتہ بہو کا تھا۔ مگر دل سے وہ ان کی بیٹی تھی۔ اس لڑکی کے ساتھ ان کا یہ رشتہ ان کے بیٹے نے جوڑا تھا، اس نے قائم کیا تھا۔

ہنیا کا ان سے رشتہ ان کے عابی نے جوڑا تھا۔ وہ ماں، باپ کی اتنی فکر کرنے والا، ان سے اتنی محبت کرنے والا بیٹا اسے دنیا سے جاتے جاتے بھی ماں، باپ کی کتنی فکر تھی، ان کی تنہائی کا کیسا خیال تھا، تب ہی تو ہنیا کے ساتھ وہ یوں آناً فاناً رشتہ جوڑ گیا تھا۔

انہیں ایسا لگتا تھا جیسے عابی کے اندر کسی نے اسے چپکے سے یہ خبر دے دی تھی کہ وہ دنیا سے رخصت ہونے والا ہے اس کے جانے کے بعد اس کے والدین بالکل تنہا رہ جائیں گے۔ ہنیا کی دادی تو شاید ایک بہانہ ایک وسیلہ بنی تھیں۔ اگر آج ہنیا ان کی زندگی میں نہ ہوتی تو ان دونوں کے پاس اب زندہ رہنے کا مقصد کیا بچا تھا؟ ہنیا ان کے عابی کی جانب سے انہیں دیا جانے والا سب سے آخری، سب سے قیمتی اور سب سے انمول تحفہ تھی۔ آج اپنی سالگرہ کے دن انہیں بیٹے کی جانب سے یہ تحفہ ملا تھا۔ وہ دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اپنے پاپا کو تحفہ دینا بھولا نہ تھا۔

وہ ان کے لئے ''ہیپی برتھ ڈے ٹو پاپا'' گا رہی تھی۔ وہ آگے بڑھ کر اس کے پاس آئے۔ انہوں نے فرطِ محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''آپ کو پتا ہے آپ بہت پیاری بیٹی ہیں۔''

اس نے مسکرا کر سرا ثبات میں ہلایا۔

''کیسے پتہ چلا؟'' انہوں نے شرارت سے پوچھا۔

''ابھی ابھی تو آپ نے بتایا ہے پاپا'' وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

جائے نماز پر بیٹھی ان دونوں کو دیکھتی ہاجرہ بھی بے ساختہ مسکرائی تھی۔ اس نے پھول ان کے ہاتھ میں پکڑائے اور پھر کیک کی جانب اشارہ کیا۔

''کیک کاٹیں پاپا!'' انہوں نے کیک کا ایک چھوٹا سا پیس کاٹ کر اس کی طرف بڑھایا۔

''پہلے مما کو۔ وہ دونوں کیک پورا کا پورا اٹھا کر ہاجرہ کے پاس ہی آگئے تھے۔ اور ان کے پاس کارپٹ پر بیٹھ گئے تھے۔

''آج اپنی سالگرہ کی خوشی میں آپ مجھے اور مما کو ٹریٹ دے رہے ہیں، وہ بھی ہماری پسند کی جگہ پر۔''

''لیکن آج تو بہت اہم میٹنگ ہے اور پھر۔''

''جب ہنی نے کہہ دیا ٹریٹ تو پھر بس اب صرف ٹریٹ ہی ہوگی، باقی سب کام بعد میں۔'' ان کی بات کاٹ کر ہاجرہ قطعیت سے بولی تھیں۔

وہ غالباً ان کا یہی قطعیت بھرا لہجہ سننا چاہ رہے تھے، تب ہی بے ساختہ کھل کر مسکرائے تھے، ورنہ ان کے لئے بھی کون سی میٹنگ تھی جو ہنیا سے زیادہ اہم ہو سکتی تھی۔

☆

وہ اپنے آفس میں تھے، بلگرامی صاحب کے ساتھ ایک نئے پروجیکٹ کے متعلق کچھ ڈسکشن چل رہی تھی۔ وہ گفتگو میں پوری طرح مگن تھے، جب ان کے آفس کا دروازہ کھلا تھا۔

''سر! میں اندر آسکتی ہوں؟'' لبوں پر شرارتی مسکان لئے وہ دروازے پہ کھڑی تھی۔

لہجہ بھی عابی کا تھا اور جملہ بھی عابی کا۔ ان کے ساتھ ساتھ بلگرامی صاحب بھی اس جملے پر پہلے چونکے اور پھر بے اختیار مسکرائے تھے۔ وہ عباد عذیر کی بیوی ہے، وہ عذیر فاروق کی بہو ہے، دفتر میں اب کون تھا جو یہ بات نہ جانتا تھا۔ وہ عبادہی کی طرح دفتر میں انہیں شرارتی انداز میں ''سر'' اور گھر پر پاپا کہا کرتی تھی۔

وہ اس کے ''سر'' کہنے پر مسکراتے اور خوشگوار انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔ یہ بات خود بھی ہرگز نہیں بھولے تھے، مگر جانتے تھے اس وقت وہ انہیں یہ یاد دلانے آئی تھی کہ آج انہوں نے اسے اور ہاجرہ کو لنچ باہر کروانے کا وعدہ کر رکھا ہے، اپنی سالگرہ پر ٹریٹ دینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ انہوں نے بلگرامی صاحب کی طرف معذرت خواہانہ نظروں سے دیکھا کہ اب اس ڈسکشن کو کل تک مؤخر کرنا تھا، چونکہ ہنیا نے یہی طے کیا تھا کہ آج وہ لنچ ٹائم تک ہی آفس میں رکیں گے۔ انہیں ہاجرہ کو گھر سے پک کرنا تھا۔ وہ دونوں گھر پہنچے تو ہاجرہ، ہنیا کا منتخب کردہ لباس پہنے ان لوگوں کا انتظار کر رہی تھیں۔

انہیں گھر سے لے کر اب وہ لوگ ہنیا کی پسند کے ریسٹورنٹ کھانا کھانے جا رہے تھے۔ ہاجرہ اس سے آفس میں اس کا دن کیسا گزرا اس بابت پوچھنے لگیں۔

''بس ٹھیک گزرا۔ میرے ظالم باس نے آج کل مجھ پر کاموں کا اتنا لوڈ ڈال رکھا ہے۔'' اس نے شرارتی نگاہوں سے عذیر فاروق کو دیکھا۔

''سوچ رہی ہوں، ان کی جاب چھوڑ دوں۔ کوئی دوسری فرم جوائن کر لوں۔''

ہاجرہ اس کی بات سن کر مسکرائیں۔

''بالکل ٹھیک سوچ رہی ہیں آپ۔ جاب چھوڑیں گی تب ہی آپ کے ظالم باس کو پتہ چلے گا کہ کیسا بے مثال ٹیلنٹ انہوں نے گنوایا ہے۔''

عذیر فاروق نے سنجیدگی سے اس کی تائید کی۔ وہ پچھلی نشست پر قدرے آگے ہو کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی بچکانہ باتوں اور انداز پر دونوں مسکرا رہے تھے۔ وہ جس طرح راستے میں شور مچاتی ہوئی آئی تھی، اسی طرح اس نے ریسٹورنٹ میں آکر بھی شور مچا رکھا تھا۔ بچکانہ انداز میں پتا نہیں اس نے کیا کیا آرڈر کر ڈالا تھا۔ وہ کھا کم رہی تھی، شور زیادہ کر رہی تھی۔

وہ تینوں آپس میں بڑے مگن تھے، جب ان کے قریب ''السلام علیکم'' کی آواز گونجی۔ گفتگو روک کر ان تینوں نے سر اٹھا کر عدیل کو دیکھا جو ان لوگوں کے پاس کھڑا تھا۔

''وعلیکم السلام۔'' ہاجرہ اور عذیر فاروق نے بیک وقت اسے جواب دیا تھا۔

''آ جاؤ تم بھی ہم لوگوں کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔'' عذیر فاروق بولے۔

''ویسے تو میں کچھ اور لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے آیا تھا، لیکن اب آپ اصرار کر رہے ہیں انکل! تو تھوڑا بہت آپ لوگوں کے ساتھ بھی

چکھ لیتا ہوں۔ ویسے بھی ہمارا لنچ سرو ہونے میں ابھی ٹائم لگے گا۔''

وہ جن کے ساتھ آیا تھا، انہیں ہاتھ کے اشارے سے کچھ دیر بعد آنے کا بولتے، بلا تکلف ان کی میز پر بیٹھ گیا۔

''یہ مٹن کڑاہی کیا تم اکیلی کھاؤ گی؟ تھوڑی سی مجھے بھی چکھا دو۔''

وہ ہنیا سے مخاطب ہوا، جس کے سامنے مٹن کڑاہی رکھی تھی۔

دو روز پہلے اس کی عذیر فاروق سے فون پر بات ہوئی تھی اور وہ جانتا تھا کہ ہنیا کی ساری سچائی عذیر فاروق اور ہاجرہ کے سامنے ظاہر ہو چکی ہے۔ عباد کے ہاں دعوت میں ہنیا دیکھ چکی تھی کہ عدیل کھانے پینے کا بہت شوقین ہے اور اسے چاول خاص طور پر بے حد مرغوب ہیں۔ سو اس نے چاولوں کی ڈش بھی اٹھا کر عدیل کے سامنے رکھ دی۔

''پچھلے دنوں میں دبئی ایک کام سے گیا، وہاں جیف ملا تھا۔'' اس نے ہنیا کو بتایا۔

''کیسا ہے وہ؟''

''مزے میں ہے۔ شادی کر لی ہے اس نے، ایک بیٹی بھی ہے۔ وہیں دبئی میں جاب کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ بیٹھ کر عابی کی باتیں کرنا بہت اچھا لگا تھا۔ کسی سے آپ بہت محبت کرتے ہوں اور کوئی دوسرا بھی آپ ہی کی طرح اس سے محبت کرتا ہو، پھر ایسے شخص سے باتیں کرنے میں بہت مزہ آتا ہے۔''

عذیر فاروق نے نظریں اٹھا کر اپنے بیٹے کے اس دوست کو بہت پیار سے دیکھا، جس کی یادوں میں وہ آج بھی زندہ تھا۔

''کل صبح کی فلائٹ ہے میری۔ ایئر پورٹ جانے سے پہلے آپ لوگوں سے ملتا ہوا جاؤں گا۔''

وہ جس طرح دو چار دنوں کے لئے آنے پر ان لوگوں سے ملتا ضرور تھا، اسی طرح واپس جاتے وقت ہمیشہ گھر سے ایئر پورٹ کے لئے نکلنے کے بعد پہلے ان کے گھر آ کر ان سے اور ہاجرہ سے ملتا، ان کی دعائیں لیتا۔ اور پھر ایئر پورٹ روانہ ہوتا تھا۔

عابی کی زندگی میں وہ بڑا لاابالی اور لاپرواہ سا لڑکا تھا، عابی کے بچپن کا اور سب سے خاص دوست، مگر اس کی عادات عابی سے بہت مختلف تھیں۔ عابی کی طرح چھوٹی چھوٹی چیزوں اور باتوں کا دھیان رکھنا جیسے اسے آتا ہی نہ تھا، مگر اب اس کے جانے کے بعد اتنا ذمہ دار اور اتنی پروا کرنے والا ہو گیا تھا کہ پاکستان آنے پر پابندی سے ان سے ملنے کے ساتھ ساتھ دوبارہ سے بھی گاہے گاہے انہیں اور ہاجرہ کو فون کر کے ان لوگوں کی خیریت معلوم کرتا رہتا تھا۔

عید، تہوار یا کسی بھی اور موقع پر وہ ان دونوں کو ہرگز نہ بھولتا تھا۔ اس نے اپنی لاپروائی اور غیر ذمہ داری جیسے عابی کے ساتھ ہی رخصت کر دی تھی۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا کرنے والا بہت ذمہ دار میچور لڑکا بن گیا تھا۔



''پاپا!'' ان کے بالکل نزدیک یہ آواز ابھری تھی۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ وہ ان کے بالکل نزدیک کھڑا تھا۔

''عابی!'' وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھنے لگے۔

''اونہوں، اٹھیں نہیں۔ آپ کو ڈسٹرب کرنے تھوڑی آیا ہوں۔ آپ لیٹے رہیں۔ میں یہاں آپ کے پاس بیٹھ جاتا ہوں۔''

اس نے اپنے دونوں ہاتھ ان کے شانوں پر رکھ کر انہیں اٹھنے سے روک دیا تھا، وہ ان کے بالکل پاس ان کے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے ہاتھوں میں ان کے دونوں ہاتھ تھام لئے تھے۔ وہ والہانہ پن سے ان کے ہاتھوں کو چوم رہا تھا۔

''ہنی کو تم نے بھیجا ہے نا عابی! ہمارے پاس؟''

سر اثبات میں ہلاتا وہ ان کے ہاتھوں کو چومتا رہا۔

''پاپا! ہنیا اچھی ہے نا؟''

''صرف اچھی نہیں، بہت اچھی ہے۔ میرے بیٹے کی پسند، اس کا انتخاب، اس کی محبت، ایسی ہی لڑکی ہو سکتی تھی۔'' انہوں نے لیٹے لیٹے ہی اسے اپنے نزدیک کر لیا، انہوں نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

''مجھے پتا تھا آپ جب اس سے ملیں گے تو وہ آپ کو بہت پسند آئے گی۔ اس کا خیال رکھے گا پاپا! وہ پاگل لڑکی مجھ سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت کرتی ہے۔'' وہ ان کے سینے پر سر رکھے رکھے بولا۔

''میں اس کا بہت خیال رکھوں گا عابی! تم اس کی ذرا بھی فکر مت کرنا۔ سمجھو وہ اپنے گھر آ گئی ہے، اپنے ماں، باپ کے پاس آ گئی ہے۔ جتنی محبت میں تم سے کرتا ہوں نا عابی! اب اتنی ہی اس سے بھی کرتا ہوں۔ جس طرح دنیا کی ہر بہترین چیز تمہارے لئے چاہتا تھا، ایسے ہی اب اس کے لئے چاہتا ہوں۔''

وہ اس کے سر پہ اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے رہے۔

''عابی! اب خوش ہو نا؟'' ہنی اپنے گھر، اپنے سسرال آ گئی ہے، میرے اور تمہاری مما کے پاس آ گئی ہے؟''

''بہت خوش ہوں پاپا۔ آپ تینوں کو ایک ساتھ دیکھ کر میں بہت خوش ہوں۔''

انہوں نے اسے بھینچ کر اپنے مزید قریب کر لیا تھا۔

''عابی! بہت یاد آتے ہو بیٹا۔''

''مجھے بھی آپ بہت یاد آتے ہیں پاپا۔''

''عابی! میں بہت جلد تم سے ملوں گا، جہاں تم ہو وہاں میں بھی آؤں گا۔ ابھی مجھے تمہاری ماں کا خیال رکھنا ہے۔ مجھے کچھ ہوا تو وہ تنہا ہو جائے گی اور ہنیا...... سسر نہیں باپ ہوں اس کا اس کے لئے بھی تو اب خوشیاں مجھ ہی کو ڈھونڈنی ہیں نا بیٹا؟''

''ہاں پاپا! مما اور ہنی کے لئے خوشیاں ڈھونڈ لائیے، بہت ساری خوشیاں۔ میں آپ تینوں کو ہمیشہ بہت خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ مدھم آواز میں بولا۔ وہ ان کے سینے پر سر رکھ کر ان سے باتیں کر رہا تھا، وہ اسے اپنے ساتھ لپٹائے اسے پیار کرتے اس کی باتیں سن رہے تھے۔

ان کی آنکھوں کھلی تو عابی ان کے پاس نہ تھا۔ان کے برابر بستر پر ہاجرہ سو رہی تھی۔وہ بڑی آہستگی سے بستر سے اٹھ گئے۔وہ بے آواز، دبے پاؤں چلتے بالکونی میں آ گئے۔عابی اب روز ان کے خواب میں آتا تھا۔جس دن سے ہنیا نے انہیں ان کی اذیتوں سے باہر نکالا تھا، وہ اس دن سے اب روز رات کو خواب میں اپنے عابی سے ملا کرتے تھے۔وہ عابی کی خواب میں کہی باتوں کو آنسو بھری نگاہوں کے ساتھ اپنے ذہن اور دل میں دُہرا رہے تھے۔عابی کی پیاری آواز ان کی سماعتوں میں تازہ تھی۔قطرہ قطرہ اشک ان کی آنسوں سے گرتے ان کے رخساروں اور گریبان کو بھگوتے چلے جا رہے تھے۔

لاؤنج کے باہر سیڑھیوں پر انہیں کوئی بیٹھا نظر آ رہا تھا۔روشنی مدہم مگر وہ جانتے تھے وہ ہنیا تھی۔

☆

تجھے کیا خبر ہے کہ رات بھر
تجھے دیکھ پانے کو اک نظر
رہا ساتھ چاند کے منتظر
تری کھڑکیوں سے ادھر کوئی
سر شاخ جاں ترے نام کا
عجب ایک تازہ گلاب تھا
جسے آندھیوں سے خطرہ نہ تھا
جسے تھا خزاں سے نہ ڈر کوئی

وہ نماز پڑھ کے اٹھی تو بجائے اپنے کمرے میں جانے کے باہر آ گئی۔عجیب حیرت انگیز بات تھی، اب اسے رات گیارہ بجتے ہی اپنے کمرے میں جانے کی جلدی نہ ہوتی تھی۔جس روز سے اس نے اپنی سچائی عذیر فاروق اور ہاجرہ پر ظاہر کی تھی۔تب سے اس کی یہ کیفیت تھی، دن دنیا کے لئے اور راتیں عابی کے لئے، یہ کیفیت اسی روز اچانک ختم ہو گئی تھی۔یوں لگ رہا تھا جیسے یہ واقعی اس کی دوسری زندگی تھی جو عذیر فاروق اور ہاجرہ عذیر کے ساتھ اپنے عابی کے مما، پاپا کے ساتھ اس نے نئے سرے سے شروع کی تھی۔اس کی نئی زندگی جو شروع ہی ان دو لوگوں کے لئے ہوئی تھی۔ بس صرف وہ ہنیا عباد تھی، عباد عذیر کی محبت، اس کی بیوہ ورنہ باقی یہ زندگی اور یہ دنیا اس کی پچھلی زندگی اور دنیا سے بالکل الگ تھی، دوسری تھی۔اپنی اس دوسری زندگی میں اسے مما، پاپا کے سوا کچھ سوجھتا نہ تھا، وہ صرف عابی کے نہیں اس کے بھی مما، پاپا تھے۔انہیں خوشی دینے کے علاوہ اب اسے کسی بات کا دھیان نہ آتا تھا۔اس کا دل اس بات پر ٹھہر چکا تھا، قرار پا چکا تھا کہ اپنی اس نئی زندگی میں اسے ابھی بہت سال اس دنیا میں گزارنے تھے، ابھی عابی سے ملنے کے لئے اسے بہت لمبا، بے حد طویل انتظار کرنا تھا۔

وہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی تھی۔

اس نے عابی کے ٹراؤزر اور ٹی شرٹ کے اوپر سیاہ رنگ کی ایک بڑی سی شال اپنے گرد لپیٹ رکھی تھی۔نرم نرم سی ٹھنڈی ہوا اسے

سکون پہنچا رہی تھی۔ وہ آسمان کو تکتی، ستاروں کو دیکھتی اور لاؤنج کے باہر کی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی تھی۔ رات کے اس پہر، اس خاموشی، اس سناٹے میں آسمان کو دیکھنا، آسمان پر چمکتے ستاروں میں سب سے روشن ستارہ تلاش کرنا اسے اچھا لگ رہا تھا۔ اسے وہ ستارہ نظر آ گیا تھا۔ اس نے ستون سے ٹیک لگائی اور اس ستارے پر اپنی نگاہیں جما دیں۔

''آج ہم نے پاپا کی سالگرہ منائی عابی! میں نے مما کو زبردستی اپنی پسند کا ڈریس پہنوایا، پاپا سے زبردست سی ٹریٹ لی۔ ہم نے پاپا کی سالگرہ بھرپور انداز میں سیلیبریٹ کی۔ اور عابی! میں نے صبح صبح پاپا کو ان کے کمرے میں جا کر بالکل تمہاری طرح وش بھی کیا۔ تمہیں یاد کر کے ان کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے، مما کی آنکھوں سے بھی آنسو گرے تھے، مگر وہ دونوں میری خاطر خوش بھی ہو رہے تھے اور ہنس بھی رہے تھے۔''

اس روشن ستارے پر نگاہیں مرکوز کیے کیے اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ دل کی آنکھوں سے اسے اپنے سامنے دیکھ رہی تھی۔ اسے محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس کی باتیں سن کر مسکرا رہا تھا۔

''جو کام تم ادھورے چھوڑ گئے تھے میں نے وہ سب پورے کر دیے، اب تو تم خوش ہو نا عابی؟'' وہ سر اقرار میں ہلا رہا تھا۔

''تمہاری مائی فیملی والی تصویر پتا ہے سب کو کتنی اچھی لگتی ہے۔ مما، پاپا محویت سے اس تصویر کو گھنٹوں دیکھتے رہتے ہیں۔ کوئی مہمان آتا ہے تو وہ بھی اسے بڑے غور سے دیکھتا ہے۔ پاپا نے وہ لگائی ہی ایسی جگہ ہے کہ اسے نظرانداز کیا ہی نہیں جا سکتا۔ عدیل آیا تو اس نے بھی اس تصویر کی تعریف کی تھی، آج انوشہ آئی تو اس نے بھی بے ساختہ اس تصویر کو سراہا تھا۔

''کیا ہوا بیٹا! نیند نہیں آ رہی؟''

اس کے بالکل قریب آواز ابھری۔ اسے اپنی محویت میں ان کے آنے کی خبر نہ ہوئی تھی۔ اس نے فوراً آنکھیں کھولیں۔

''تین بج رہے ہیں، نیند نہیں آ رہی کیا؟''

''یہاں اس وقت بیٹھنا اچھا لگ رہا ہے پاپا'' اس نے مسکرا کر انہیں جواب دیا۔ وہ سیڑھی پر اس کے برابر بیٹھ گئے۔ وہ پھر آسمان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''پاپا! آپ کو رات کی خاموشی میں ستاروں کو دیکھنا کیسا لگتا ہے؟''

''اچھا۔''

''پاپا! آپ کو کبھی کسی ستارے میں عابی نظر آتا ہے؟'' اس نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بہت آہستہ آواز میں ان سے پوچھا۔

''مجھے وہ ہر جگہ نظر آتا ہے بیٹا! چاند میں، ستاروں میں، ہواؤں میں، رات کی تاریکیوں میں، دن کے اجالوں میں، تمہاری آنکھوں میں، تم میں۔'' اس کی طرف دیکھتے انہوں نے مدہم آواز میں کہا۔

''اور جب وہ مجھے تم میں نظر آتا ہے تو سب سے زیادہ پیارا لگتا ہے۔'' انہوں نے اس کے شانے کے گرد محبت سے ہاتھ رکھا۔

''میں تمہاری آنکھوں میں دیکھتا ہوں ننھی! تو وہاں مجھے عابی کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آتا ہے۔''

ان کی آواز بے حد مدہم تھی اور لہجہ ریشم جیسا نرم۔ اس نے آسمان پر چمکتے اس روشن ستارے پر بھی اپنی نظریں جما دی تھیں۔ اس نے

آہستگی سے پھر اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ پھر اپنے سامنے اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کے شانے کے گرد ہاتھ پھیلائے وہ اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ اس میں اپنے عابی کو دیکھ رہے تھے۔

وہ ان کا بہت پیارا بیٹا انہیں جینے کا ایک مقصد دے گیا تھا۔ وہ بہو کی صورت انہیں ایک بیٹی، ایک خوبصورت رشتہ، زندگی گزارنے کا ایک مقصد، ایک وجہ دے گیا تھا۔ وہ دو سالوں سے صبح اٹھتے تھے، آفس جاتے تھے، رات میں سوتے تھے، مگر پتہ نہیں تھا کہ یہ سب کس کے لئے اور کیوں کر رہے ہیں، وہ زندگی کیوں جی رہے ہیں۔ یہ آفس، یہ کام، یہ کاروبار، یہ گھر، یہ زندگی کس کے لئے تھی، ان سب کی ضرورت کیا تھی۔ مگر اب وہ رات میں سونے لیٹتے تو انہیں پتہ ہوتا تھا انہیں صبح اپنی بیٹی کے لئے، ہنیا کے لئے اٹھنا ہے، وہ صبح زندگی کو نئے سرے سے شروع کرتے تو اسی کے لئے کرتے تھے۔ اب انہیں اور ہاجرہ کو زندہ رہنا تھا، ہنیا کے لئے، وہ ان کے بیٹے کا ان کے لئے چھوڑا انمول، آخری، نایاب اور واحد رشتہ تھی۔ اب انہیں اس ایک رشتے کے لئے ہنیا، کے لئے زندگی جینی تھی، ہنیا کے لئے خوشیاں تلاش کرنی تھیں۔ اس کا مستقبل محفوظ بنانا تھا۔

نو دن کی اس شادی شدہ زندگی اور پھر یہ بیوگی۔ یہ تو نصیب نہیں ہو سکتی تھی ان کی اس بہت پیاری اتنی کم عمر بہو کا۔

آج انہوں نے اسے انوشہ سے باتیں کرتے ہوئے سنا تھا۔ وہ انوشہ کا دل عباد کی طرف سے صاف کرنا چاہ رہی تھی۔ انوشہ جو اپنی شادی شدہ زندگی میں بہت خوش، بہت مگن تھی، اس کی فکر تھی اس لڑکی کو۔

یہ وہ سوچ ہی نہیں رہی تھی کہ سب اپنی اپنی زندگیوں میں مگن ہیں، خوش ہیں، نقصان اگر کسی کا ہوا ہے، زندگی کسی کی اجڑی ہے تو وہ، وہ خود ہے۔ اس کم عمری میں بیوگی کی یہ چادر اوڑھ لی تھی ان کی اس بیٹی نے۔ مگر اس کی فکر کرنے کو وہ اور ہاجرہ موجود ہیں۔ عابی جاتے جاتے انہیں اس بہو، اس بیٹی کی یہ بہت بڑی ذمہ داری سونپ گیا ہے۔ اور وہ اس کی زندگی کو یوں اجاڑ اور ویران تو ہرگز نہ رہنے دیں گے۔ وہ ان کے عابی سے بہت پیار کرتی ہے، اس سے کوئی نہیں کہہ رہا کہ وہ عابی سے محبت کرنا چھوڑ دے، مگر عابی سے محبت کرتے وہ اپنے دل میں کسی اور کے لئے بھی تو تھوڑی سی جگہ بنا سکتی ہے۔

وہ اپنی اس بیٹی کے لئے ڈھونڈ کر لائیں گے کسی ایسے بہت اچھے شخص کو جو ان کے عابی ہی کی طرح اسے پیار کر سکے۔ ہنیا کے لئے عباد جیسا تو پوری دنیا میں دوسرا کوئی شخص نہیں ہو سکتا، مگر اس پوری کائنات میں کوئی ایک شخص تو ایسا ہو گا نا، اللہ نے ضرور بنایا ہو گا جو اس کی زندگی میں پھر سے خوشیوں کو لائے گا، اس کے سر پر سے بیوگی کی یہ چادر اتار کر اسے سہاگ کا سرخ جوڑا پہنائے گا، محبتوں کا نگر اس کے دل میں پھر بسائے گا، جو اس کے دل سے عابی کو نکالنے کی کوشش نہیں کرے گا، بلکہ عباد کے ساتھ ہی اس کے دل میں اپنے لئے بھی جگہ بنالے۔

عباد نے انہیں یہ ذمہ داری سونپی ہے اور وہ اپنی اس ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھائیں گے۔

اب یہی ان کا مقصدِ حیات تھا۔ وہ آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھ رہی تھی اور وہ پدرانہ شفقت سے اسے دیکھتے اللہ سے دعا مانگ رہے تھے کہ جوان کے عابی کی طرح اس کی ہنی کو پیار کر سکے، ایسے ایک شخص کو وہ جلد از جلد ان لوگوں سے ملا دے۔ دور کہیں سے اذانوں کی آوازیں آنا شروع ہوئیں تو انہیں احساس ہوا کہ ہنیا کو، ستاروں کو دیکھتے اور انہیں مسلسل ایک ہی دعا کا ورد کرتے کئی گھنٹے گزر چکے ہیں۔ ان کے گیٹ پر کوئی گاڑی آکر رکی تھی۔

چوکیدار نے دروازہ کھولا تھا۔ انہوں نے اس اندر آنے والے کی طرف دیکھا۔ وہ عدیل تھا۔ ایئر پورٹ جانے سے پہلے انہیں خدا حافظ کہنے کے لئے آیا عدیل سفیان۔

''کسی سے آپ بہت محبت کرتے ہوں اور کوئی دوسرا بھی آپ ہی کی طرح اس سے محبت کرتا ہو پھر ایسے شخص سے باتیں کرنے میں بہت مزہ آتا ہے۔''

عدیل کی آج ریسٹورنٹ میں کہی باتیں ان کی سماعتوں میں گونجیں۔ ان کا عابی، عدیل کے لئے اتنا ہی اہم تھا جتنا اہم وہ ان کے اور ہاجرہ کے لئے تھا، ہنیا کیلئے تھا۔ وہ ان کے عابی سے بہت پیار کرتا ہے اور وہ ہنیا کی بہت عزت کرتا ہے، اس کی بہت قدر کرتا ہے۔ انہیں یاد آیا دو روز قبل فون پر بات ہونے پر عدیل نے ان سے ہنیا کی کس قدر سچے لہجے میں تعریف کی تھی۔

''عابی خوش قسمت تھا انکل! یقین کریں وہ بہت خوش قسمت تھا، اسے ہنیا جیسی لڑکی کی محبت اللہ نے عطا کی تھی۔ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر یہاں آپ لوگوں کے پاس آگئی، میں جتنا سوچتا ہوں مجھے عابی کی پسند پر اتنا ہی فخر ہوتا ہے۔''

ان کی قریب ترین مسجد میں اذان شروع ہو چکی تھی۔ اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔ مؤذن کی پرتاثیر اور خوبصورت آواز سنتے وہ عدیل کو لحہ بہ لحہ نزدیک آتے دیکھ رہے تھے۔

ان کے ذہن میں ایک نیا، ایک بے حد خوبصورت خیال ابھر رہا تھا۔ انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے ان کی صدق دل سے مانگی دعا اللہ نے فوراً ہی قبول کر لی تھی۔

**(ختم شد)**